مومن کے عقائد

تالیف فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری

ترجمہ مولانا نطیر احمد ملی تقدیم مولانا مختار احمد ندوی





نعمانی کتب خانہ


مؤمن کے عقائد

نام کتاب
مؤمن کے عقائد

تاریخ اشاعت
جنوری 2001ء

مؤلف
فضیلۃ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری

تعداد
1100

مطبع
موٹر وے پرنٹرز لاہور

ملنے کا پتہ:
نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور



مومن کے عقائد

تالیف

فضیلۃ الشیخ ابو بکر جابر الجزائری

مترجم

مولانا نصیر احمد ملی

تقدیم

مولانا مختار احمد ندوی



نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ
اردو بازار لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

اِسلامی عقیدہ کا دوسرا رکن

اِسلامی عقیدہ کا تیسرا رکن

اِسلامی عقیدہ کا چوتھا رکن

اِسلامی عقیدہ کاپانچواں رکن

اِسلامی عقیدہ کاچھٹارکن

  

عرضِ ناشر

عقیدہ' شریعت اسلامیہ کے فلک بوس محل کی عمیق ترین بنیاد ہے۔ شریعت جتنی عظیم ہے عقیدہ اتنا ہی محکم ہے' بنیاد کی مضبوطی کے بغیر عمارت کا استحکام بے معنی ہے' عقیدہ دین کی اولین اساس ہے' اِسلام نے عقیدہ کی پختگی اس کی تصحیح و تطہیراو راستقامت و سلامتی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ عقائد ہی کی بابت ہے۔ مکہ مکرمہ کی نبوی زندگی میں رسول اللہ ﷺ تیرہ سال تک اِیمان و عقیدہ ہی کی تصحیح و تعلیم دیتے رہے' اللہ تعالیٰ پر اِیمان' اسکے دلائل' توحید باری تعالی اس کی مختلف اقسام شرک اور اسکی مختلف شکلوں کا بیان' وسیلہ' شفاعت' فرشتوں اور قیامت پر اِیمان' جنت دوزخ پر یقین' تقدیر الٰہی قضاء و قدر کی حقیقت کا اعتراف' عالم برزخ' قبر میں سوال و جواب منکر نکیر' آنکھوں سے نظر نہ آنیوالی عالم آخرت کی تمام تفصیلات' حشر و نشر' قیامت' صور' پل صراط' میزانِ عدل' وغیرہ جیسے حقائق ایمانی ہیں جن پر کامل و بے ریب یقین کا ہونا مومن کی ایمانی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔

آج الحاد و بے دینی کا طوفان پوری دنیا میں برپا ہے' لادینی تعلیمی نظام نے برسہا برس کی جدوجہد کے بعد خود مسلمانوں میں ایسی نسل تیار کردی ہے' جو ایمانیات و عقائد کے ان مسلمہ اصولوں کا کھلے عام اِنکار کرتی ہیں' تشکیک و انکارِ الوہیت کا فتنہ عام ہوچکا ہے۔ انسانی زندگی عقیدے کی جس سیدھی اور محکم راہ پر چل رہی تھی اس سے اُتر کر انارکی' آوارگی' اور حیوانی زندگی کی بے قید و آزاد شاہراہ پر بگ ٹٹ بھاگ رہی ہے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان جدید علوم و فنون سے مسلح اور مزین ہونے کے باوجود حیوان سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔

خاص طور پر مسلمانوں میں توحید اور اس کے مظاہر پر کلی اعتقاد نہ ہونے کی بنا پر اسلام کے نام پر وثنیت اور کھلی بت پرستی پائی جارہی ہے نماز اور روزہ حج و زیارت قربانی و نذر فریاد و نداء دعاء و استغاثہ ان تمام امور میں اللہ کی ذات سے منہ موڑ کر کھلم کھلا زندہ و مردہ مخلوق کو اپنی عقیدت و بندگی کا مرکز بنالیا گیا ہے اس طرح توحید خالص سے مبرا ایک نئے شرکیہ اسلام کا مصنوعی ڈھانچہ تیار کرلیا گیا ہے' اور ملت اسلامیہ قدیم جاہلیت کی تمام شرکیہ رسموں کو اسلام کا نام دے کر زندہ کرچکی ہے۔

عجمی تصوف' خانقاہیت' شیخ پرستی' قبروں کی عبادت' اور اولیاء کی الوہیت کا عقیدہ (معاذ اللہ) آج مسلمانوں کی بڑی تعداد کا دین و عقیدہ بن چکا ہے ایسے گھٹاٹوپ اندھیرے میں' علامہ شیخ ابوبکر الجزائری مدظلہ کی کتاب "عقیدۃ المؤمن" ایک روشن چراغ' اور منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے' عقیدہ کے موضوع پر یہ ایک منفرد اور بے نظیر کتاب ہے اردو زبان میں اس کتاب کا اضافہ بڑا ہی قابل قدر اور لائق صد شکر ہے۔ انشاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندگی بخشیں گے اور شرک و کفر اور الحاد و بے دینی اور تشکیک و تضلیل کے گھنے و سیاہ بادل اس سے چھٹیں گے اور توحید کامل اور خدا پر یقین و توکل کا مطلع صاف ہوگا' اس کتاب کے مصنف عالم اسلام کے مشہور مفکر' داعی اور اسلامی دنیا کی سب سے بڑی مذہبی یونیورسٹی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سینئر استاذ اور مسجد نبوی کے ممتاز مدرس اور مبلغ ہیں۔

علامہ موصوف کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کی یہ لاجواب و مفید کتاب دنیا کی مختلف زبانوں میں منتقل کی جائے اور اس کا نفع عام کیا جائے' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ طویل جدوجہد اور پورے انہماک اور کامل جذبہ اخلاص سے بھرپور مسلسل محنت و جانفشانی کے بعد اس کتاب کا اردو ایڈیشن اردو داں طبقہ کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔

اِس کتاب کی اِشاعت' کمپوزنگ' طباعت اور جلد سازی کا اہتمام پوری توجہ سے کیا گیا ہے۔ اور اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فاضل مؤلف اور ہمارے کارکنوں کی مساعی کو قبول فرمائے۔ آمین۔

ناشر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں' جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا' اور اندھیرے اُجالے کو بنایا- آدمی کو مٹی سے پیدا کیا' اور ناپاک قطرے کے جوہر سے اس کی نسل کی افزائش کی' حضرت آدم کو اپنے خاص ہاتھوں سے پیدا فرما کر اُن کی عزت بڑھائی' اور ان کے اندر اپنی روح پھونکی نسل آدم کو بزرگی اور شرف بخشا' اور رحم مادر میں اُن کی صورت گری کی' اور خوب سے خوب تر انداز پر اُن کی تخلیق کی-

اُن کے لئے پاکیزہ روزی فراہم کی' اور جملہ خلائق کے مقابلے میں اِنسانوں کو اعلٰی و اشرف قرار دیا- انہیں عقل سلیم عطا فرمائی' تاکہ اپنے خالق و مالک حقیقی کو پہچانیں' طرح طرح کی نعمتوں سے انہیں نوازا' تاکہ اپنے پروردگار کو یاد کریں' اور اس کا شکر ادا کریں-

مخصوص فرشتوں اور اِنسانوں کو اپنا قاصد اور پیغامبر بنایا' اور اُن پر عظیم تر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے' تاکہ خدا کا دین بندگانِ خدا تک پہنچے' اور بندے اُس کی وحدت کا اقرار کریں' اور صرف اپنے رب کی بندگی کریں- اُن کے اندر اِنسانیت اور آدمیت کے جوہر اُجاگر ہوں- آخرت اور حیاتِ ابدی کا یقین اُن کے دلوں میں پیدا ہو' اور انہیں یہ احساس ہو کہ صرف اُس کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر مرنے کے بعد جینے کا آرام اور سچی خوشی اُنہیں میسر آسکتی ہے' اور ان سدا بہار نعمتوں سے وہ فیض یاب ہوسکتے ہیں' جنہیں حق تعالٰی

نے دارِ آخرت میں صرف اُن کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ سچ ہے! اُس کی شانِ کریمی کی بھلا کوئی حد ہو سکتی ہے؟ اور اس کی شفقت و مہربانی اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی کہاں تک اندازہ کر سکتا ہے؟ در حقیقت وہ "وحدہ لا شریک" ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے' نہ کوئی کائنات کا پروردگار اور پالنہار بن سکتا ہے۔

ہر آن اور ہر گھڑی تابہ ابد' درود و سلام ہو' رحمت عالم' سرورِ عالم ﷺ پر' جنہیں حق نے ازل سے اپنا محبوب اور آخری نبی اور رسول ہونے کا شرف بخشا۔ آپ کی ذاتِ گرامی جملہ خلائق میں سب سے افضل اور بزرگ ترین ہستی قرار پائی۔ بارگاہِ ایزدی سے آپ کو تمام انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) کی امامت کا شرف حاصل ہوا' اور خدا نے چاہا تو داورِ محشر' روزِ حشر "لواء حمد" "مقامِ محمود" اور "حوضِ کوثر" آپ کے سپرد فرمائے گا۔ رحمت و سلامتی کا ابر کرم آپ پر خوب جم کر برسے' اور آپ کے ساتھ اُن تمام نبیوں اور رسولوں پر رحمتوں کی بارش ہو' جو آپ سے پہلے گذرے۔ رحمت حق کا سایہ ہو آپ کی پاک و برگزیدہ آل و اولاد پر' اور آپ کے تمام جاں نثار صحابہ کرام پر' اور تاقیامت آنے والے اُن تمام بندگانِ خدا پر' جنہوں نے راستی اور اخلاص کے ساتھ آپ کی کامل پیروی میں اپنی عمریں کھپادیں۔ جو حد سے زیادہ مخلص اور بے لوث ثابت ہوئے' اور جنہوں نے اپنی نیکوکاری' پرہیزگاری' شجاعت اور مردانگی کا دُنیا والوں سے لوہا منوالیا ـــــ اَمَّا بَعْدُ!

جاننا چاہئے! کہ اِسلامی عقائد پر کامل یقین بندۂ مومن کی انفرادی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بلاشک و شبہ اور بلا شرکت غیرے اپنے پیدا کرنے والے کو ایک مانے' اور کفر و شرک کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی گندگیوں سے اپنے دل و دماغ کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف رکھے۔

خصوصاً آج کے دور میں عقیدے کی صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے' اس لئے کہ آج مادے اور معدے کی ضرورتوں نے ایک طرف سے عقائد کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا ہے' اور دوسری طرف سائنسی علوم اور نت نئے اقتصادی نظام کی تابڑتوڑ کامیابیوں نے ایک دُنیا کو حیرت زدہ کر رکھا ہے۔

اِن حالات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوا کہ جس قدر جلد

ہوسکے' کتاب و سُنّت کی روشنی میں ایسی کتاب لکھی جائے جو ہر لحاظ سے موزوں اور معیاری ہو۔ جہاں تک ہوسکے اس کی زبان آسان اور سلیس ہو' لیکن دلائل و شواہد ایسے مضبوط ہوں جو راست دل میں اُتر جائیں۔ کتاب میں جا بجا قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کی قندیلیں مشعل راہ کا کام دیں' اور اس کے جلو میں عقل و قیاس اور روزمرہ کی مثالیں اور مشاہدے ذہن و ضمیر کو جلا بخشیں۔

راقم السطور نے اس کام کی انجام دہی میں اس لئے بھی عجلت ضروری سمجھی کہ اب وہ عمر کے آخری اسٹیج پر ہے۔ جس کے آگے موت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اس کام کے آغاز سے پیشتر اس عاجز نے اپنے رب سے ایک دُعا یہ کی تھی کہ جب تک اس کی تکمیل سے فراغت نہ ہو۔ جسم و جان کا یہ رشتہ اسی طرح استوار رہے' ورنہ ایک نہ ایک دن آخر مرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے بعد اس کی حیثیت باقیاتِ صالحات' اور صدقہ جاریہ کی سی ہو۔ تاکہ دارِ آخرت میں اگر میرا شمار خوش قسمت لوگوں میں ہو' تو اس کی خیر و برکت میرے لئے مزید اجر کا باعث ہو۔ اور اگر خدانخواستہ! میرا شمار بدبخت لوگوں میں ہو' اور شاید یہی ایک عمل اس کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے تو میرے عذاب میں کمی ہوگی' اور میری تکلیف راحت سے بدل جائے گی۔

بالآخر خدا کا نام لے کر اس عاجز نے کام کو شروع کیا۔ مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور گہرے مطالعے کے بعد قلم کو حرکت دی' اور حاصل ہونے والے نتائج کو کتابی صورت میں یکجا کیا' اور یہ محض اس کا کرم ہے کہ تھوڑے عرصے میں میری حسب منشاء یہ کتاب تیار ہوئی۔ اس کی بنیاد تمام تر کتاب و سنت پر استوار ہے' لیکن تاحد امکان' زبان آسان اور دلائل بے حد ٹھوس اور مستحکم ہیں۔

ساتھ ہی مجھے اس کا اعتراف ہے کہ کام زیادہ اور فرصت کم ہونے کی بنا پر میں اس کتاب کی مزید نوک پلک سنوار نہ سکا۔ اس لئے قارئین کہیں لفظوں کی کمی بیشی' یا جملوں میں تقدیم و تاخیر کا ہلکا سا فرق پائیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے بعض مواقع پر عبارت کی ساخت' زبان کی چاشنی' اور زورِ بیان کچھ متاثر ہو۔ ورنہ جہاں تک معانی و مطالب کی ادائیگی' مواد کی اصلاح و درستی' اور کتاب کی تحقیق و تصحیح کا تعلق ہے' بحمد اللہ! بقدرِ ممکن اس کی پوری

کوشش کی گئی' اور کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی۔

تصنیف و تالیف کے لئے ان امور کو ملحوظ رکھنے کا مشورہ میں اس لئے ضرور دوں گا کہ — یہ کام خواہ میں کروں یا کوئی اور — بہرصورت اصول یہی ہے کہ کتاب اگر معیاری ہے تو اس کا معیاری اوصاف سے متصف ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس سے کتاب کی اِشاعت' اور اس کی عام مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔

لیکن اس معمولی فروگزاشت سے قطع نظر — جس سے ہوسکتا ہے' کتاب کا ظاہری حسن کہیں کہیں سے مجروح ہو — یہ امرِ واقعہ ہے کہ مجموعی طور پر پوری کتاب کے مطالب' اور اس کے مفہوم کو سمجھنے میں کہیں کوئی دشواری درپیش نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کی جمع و تالیف میں حتی المقدرت محنت' اور پھر خدا کی ذات پر کامل اِعتماد مجھے یہ یقین دلاتا ہے کہ اس نے چاہا تو اس کتاب کا اپنا ایک مقام ہوگا۔ اس کی خوبیاں اور محاسن اپنی افادیت کا آپ احساس دلائیں گی' اور دیگر مذہبی کتابوں کی طرح عالم اِسلام اس کتاب کا بھی خاطر خواہ استقبال کرے گا۔ اور یہ میں بہ طریق فخر نہیں' ازروئے فضل خداوندی اس کا اقرار کرتا ہوں' اس لئے کہ میں اس کا قائل ہوں' اور اس کے اِظہار میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ علمی و دینی حلقوں میں مذہبی کتابوں کا اِس انداز سے تعارف کرانا کوئی معیوب بات نہیں' بلکہ یہ وقت کا تقاضہ ہے' تاکہ کتاب کی خوبیوں اور محاسن کا لوگوں کو احساس ہو' اور عالم اِسلام میں دینی کتابوں کی نشرواِشاعت اور اس کے مطالعہ کا رجحان عام ہو۔ آخر یہ بھی ایک اہم فریضہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی خواہ کہیں آباد ہوں دین کے تقاضوں اور اس کے بنیادی عقائد سے کماحقہ' واقف ہوں۔ تاکہ حق و باطل کی انہیں تمیز ہو' اور صحیح اور غلط میں فرق کرنا ان کے لئے آسان ہو۔

اس غرض کے علاوہ اِس کتاب کی تالیف کی دوسری اہم غرض یہ ہے' جس کا اِظہار کرتے ہوئے بھی دُکھ ہوتا ہے کہ آج کا پڑھا لکھا مسلمان طبقہ اپنے آباء و اجداد' اور اپنے سلف صالحین کی کتابوں سے فائدہ اُٹھانا تو درکنار! انہیں چھونے اور ہاتھ لگانے سے بھی گریز کر رہا ہے جس کی بے شمار وجوہات میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ دن بدن یہ یقین پختہ ہوتا جارہا ہے کہ آج کل کے پڑھنے والوں کے اندر سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ اس لئے کہ ان پڑھنے والوں کو یہ

احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں؟ یا جو وہ پڑھتے ہیں اس سے اُن کا ذہن اور اُن کا عقیدہ بنتا ہے' یا بگڑتا ہے؟ روزمرہ کے اُمور میں صحیح یا غلط کسی بھی قسم کے فیصلے کی لیاقت اُن کے اندر پیدا ہو رہی ہے' یا نہیں؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ جو وہ پڑھ رہے ہیں' آیا انہیں پڑھتے رہنا چاہئے' یا نہیں؟

۲- بدقسمتی سے پڑھنے والوں کی وہ جنس' کمیاب نہیں' نایاب ہوتی جارہی ہے' جنہیں بزرگوں اور پہلے کے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں پر کامل عبور حاصل تھا- ان کتابوں کی ایک ایک سطر سے وہ اس طرح واقف ہوتے تھے' جیسے مسیحا مریض کی نس نس سے واقف ہوتا ہے- اور جب سے علم کے بازار میں یہ جنس ناپید ہوئی' وہ رہنما اور رہبر بھی نہ رہے جو پڑھنے والوں کی انگلی تھام کر انہیں سوئے منزل لے جاسکیں' یا کم از کم انہیں نشانِ راہ دکھاسکیں-

۳- بعض مخصوص افراد کو چھوڑ کر (الا ماشاء اللہ!) ـــ جنہوں نے تحصیل علم کے لئے اذیتیں برداشت کیں' اور اسے حاصل کرنے کے بعد خاطر خواہ اس سے فائدہ اُٹھایا ـــ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ علم کی تلاش و جستجو' اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کی اُن کے اندر کوئی اُمنگ نہیں! جم کر پڑھنے کا اُن کے اندر کوئی حوصلہ نہیں! اور ظاہر ہے کہ جب جوہرِ قابل ہی نہیں تو اس کے بغیر نہ ان کی مشکلیں آسان ہوں گی' نہ مفہوم و معانی پر اُن کی گرفت مضبوط ہوگی' اور نہ علوم و معارف کی کرنوں سے ان کے اندھیرے دلوں میں اُجالا ہوگا-

۴- موجودہ برق رفتار ایٹمی زمانے نے نئی نسل کے ذہنوں میں ـــ جہاں ایک طرف خدا اور آخرت فراموشی کا بیج بودیا ہے' وہیں ان کے دلوں میں دُنیا و مافیہا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھردی ہے جس کی وجہ سے اس پود کو یہ خبر نہیں کہ حصولِ علم کے لئے شدت نہیں' مدت درکار ہوتی ہے- خصوصاً علومِ نبوت کے حصول کی بنیادی شرط یہ ہے کہ طالب خود کو فراموش کردے- شمع کی طرح اپنے آپ کو گھلا دے- ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے کام لے' اور دُنیا کی چمک دمک سے نظریں بچا کر دارِ آخرت کی اُن نعمتوں کا ہر آن تصور کرے جسے حق تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر رکھا ہے-

یہ چند وجوہات اس کتاب کی تالیف کی اصل محرک ہیں جس کے لئے راقم السطور نے مزید تاخیر اور اِنتظار گوارہ نہ کیا' اور بڑی عجلت سے اسے لکھ کر شائع کیا کہ یہ نیکی اور خیر کا کام ہے' اور نیک کام میں دیر کرنا اچھا نہیں۔

(میں ناظرین اور اس کتاب کے درمیان مزید حائل ہونا نہیں چاہتا۔ اب جبکہ میں رخصت چاہوں گا) چلتے چلتے اس کتاب کے اہم مباحث کی طرف اپنے قاری کو ایک بار پھر متوجہ کروں گا' تاکہ علمی حلقے اور ہماری نئی نسل کو اس کی اہمیت کا احساس ہو' اور وہ زیادہ سے زیادہ اس کی قدر کر سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ زیر نظر کتاب ـــ "بندہ مومن کا عقیدہ" ـــ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے جس میں مردِ مومن کے مذہبی عقائد' اُن کی حاجت اور ضرورت اُن کے بنیادی اصول و ضوابط' اور پھر ہر اصول کے ایک ایک جزیئے پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے' اور اس کی انتھک کوشش کی گئی' کہ کسی زاویے سے کوئی بحث تشنہ یا نامکمل نہ رہے۔ مثلاً:

● ـــ اِس کا بیان کہ اللہ رب العزت موجود ہے۔ اس کے وجود کے دلائل' اس پر اِیمان لانے کی ضرورت اور اہمیت' توحید اور اس کی قسمیں' اور یہ کہ باری تعالیٰ کی جس قدر معرفت مومن کو نصیب ہوگی' اسی قدر تقویٰ' خوف و خشیت' اس کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ دل میں پیدا ہوگا۔ شرک توحید کی ضد ہے۔ لٰہذا اس کی تعریف' اس کی اقسام اور مظاہر' اور اس سے بچنے کی تدابیر کو تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ علاوہ ازیں وسیلہ' اور وسیلہ لینے کی شرعی حیثیت' اور اس کی جملہ اقسام' آنحضرت ﷺ کی شفاعت کا حکم' اور شفاعت چاہنے کی جائز اور ناجائز صورتوں کی تفصیل' اولیاء کرام اور ان کی کرامات کی حیثیت' شیطانی گروہ' (جادو گر' کاہن' شعبدہ باز) اور ان سے ربط بڑھانے کی مذمت' فرشتوں پر ایمان' اُن کے وجود کی منقول اور معقول دلیلیں' فرشتوں کی تخلیق' مادہ تخلیق' اِن کے حالات اور ان کی وسیع تر خدمات' جنوں کا وجود' ان کا مادہ تخلیق' ان کے احوال' ان کے سیاہ و سپید کارنامے' اور ان کا انجام' شیاطین' ان کی اصلیت اور باطنی خصلت اور ان کے مکر و فریب سے بچنے کی تمام امکانی صورتوں کا مفصل تذکرہ اس کتاب کا اہم جزء ہے۔

● ـــ آسمانی کتابوں اور اُن کے لانے والوں پر ایمان' اُن کی تعداد' اور اُن کے برحق ہونے کے دلائل' نسخ اور ناسخ و منسوخ کی تفصیل- تمام پیغمبروں پر ایمان' اُن کی تعداد' اُن کے اور اُن کی اُمتوں کے نام' اُن کے زمانے اور مقامات کا بقدرِ ممکن تعین' اولوالعزم انبیاء اور رسول' وحی عقل و نقل کی روشنی میں' اس کا ثبوت' اس کی حاجت اور ضرورت' اور یہ یقین دہانی کہ وحی الٰہی کے بغیر انسان کے لئے زندگی کا ایک لمحہ بھی بسر کرنا محال ہے-

● ـــ روزِ قیامت' حشر نشر' جزا و سزا' اور اس کے برحق ہونے پر ایمان کا بیان- مرنے کے بعد اُٹھائے جانے کی تفصیل' اور حساب کتاب کے وقت ہر شخص کا نفسی نفسی پکارنا' اعمال کا وزن' پل صراط' اس کی ساخت اور یہ کہ جنتی عافیت کے ساتھ اس پر سے گذر جائیں گے' اور دوزخی کٹ کٹ کر اس میں گریں گے- جنت اور وہاں کی ابدی راحتیں' جہنم اور اس کا دائمی اور قسم قسم کا عذاب' اچھی اور بری تقدیر سب خدا کی طرف سے ہے' اس کے نقلی اور عقلی دلائل ـــ اِس کی وضاحت کہ بندے مجبورِ محض ہیں' یا بااِختیار؟ نیز ارادہ' مشیت' ہدایت' گمراہی' اور نیکی بدی کی تشریح-

آخر میں یہ بتایا گیا کہ اِنسانی زندگی پر عقائد کے کیا کیا اثرات رُونما ہوتے ہیں؟ اور ان سے مزید کس قسم کے فائدوں کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟ ـــ اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اِسلامی عقائد کے کسی جزء کو نظرانداز نہیں کیا گیا- ہر ایک پر تفصیل سے گفتگو کی گئی' مذہبی دلائل کے ساتھ ساتھ علمی اور عقلی دلائل کو خاص طور پر ذکر کیا گیا' اور ترتیب و تالیف اور مفہوم کی ادائیگی کے وقت عصری تقاضوں اور پڑھنے والوں کی ذہنی صلاحیتوں کا پورا لحاظ کیا گیا-

دُعا ہے کہ یہ کام جو محض توفیق اور فضل خداوندی کا نتیجہ ہے' حق تعالیٰ اس کے اجر سے مجھے محروم نہ فرمائے' محنت کو قبول فرمائے' اور زیادہ سے زیادہ اس کے نفع کو عام کرے- (آمین)

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

عقیدہ کی ضرورت اور اہمیت

● اِنسان اور اُس کی حقیقت :

کائناتِ ارضی کی سب سے حیرت انگیز' ہشاش بشاش' زندہ و متحرک' عقل و ہوش اور رُوح و ضمیر رکھنے والی مخلوق جو حضرتِ اِنسان کے نام سے موسوم ہے۔ اِنسان کو قدرت کے سخی ہاتھوں نے موزوں قدو قامت' حسین و جمیل خدو خال اور حد درجہ نرالی ساخت سے نوازا۔ اس کے اندر بلند اخلاق' قوتِ احساس' طاقت گفتار اور فکرو عمل کی صلاحیت پیدا فرمائی' اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کے مختلف انداز سکھائے۔

حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا(جو ہر قسم کی تبدیلی قبول کرنے کی اہلیت رکھتی ہے) پھر ناپاک قطرے کے جوہر سے اس کی نسل کی افزائش کی۔ سب سے پہلے اپنے دست خاص سے آدم کا پتلا بنایا۔ اُن کے جسد خاکی میں رُوح پھونکی۔ حضرت آدم کے زندہ جسم سے اُن کی بیوی حضرت حوّا کو پیدا فرمایا۔ تمام چیزوں کے نام اور حقائق سے انہیں آشنا کیا' اور اسی علم کے سبب فرشتوں پر انہیں برتری بخشی۔ خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کرنے کے بعد ملائکہ اور جنات کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں! فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی اور آدم کو سجدہ کیا' ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا اور ہمیشہ کے لئے آدم اور نسل آدم کا دشمن بن گیا! آدم اور حواء خدا کے حکم سے جنت میں رہنے لگے۔ اور جنت کی ہر چیز استعمال کرنے لگے۔ انہیں ابتدا سے یہ تاکید کی گئی کہ وہ "شجر ممنوعہ" کے پھل کو ہرگز استعمال نہ کریں' لیکن دونوں اِس حکم خداوندی کو بھول گئے' اور وسوسہ شیطانی سے اس درخت کا پھل کھا بیٹھے پھل کھاتے ہی انہیں احساسِ

گناہ ہوا' اور دونوں توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ حق تعالیٰ نے انہیں توبہ کے الفاظ تعلیم فرمائے' اور انہیں معاف تو کر دیا' مگر اس کی مشیت کی رُو سے زمین کو آباد کرنے کا وقت آچکا تھا۔ اس لئے کہ تخلیق آدم کے وقت ہی بتا دیا گیا تھا کہ زمین پر ایک خلیفہ یا نائب کا تقرر ہونے والا ہے۔ چنانچہ زمین کو اِنسانوں کی رہائش' اُن کی نسل کی افزائش' اور اُن کی جملہ ضروریات کے لئے آراستہ کر دیا گیا۔ اور اس نافرمانی پر ان دونوں کو جنت سے نکال کر دُنیا میں آباد ہونے کا حکم دے دیا گیا۔

اولین اِنسان سے متعلق ہمارا عقیدہ یہی ہے۔ اور اِسلام کی نظر میں اولین اِنسان' اور زمین کے سب سے پہلے آباد کار: ـــ حضرتِ آدم علیہ السلام سے متعلق ہمارا یہ نظریہ تمام تر وحی الٰہی اور ارشادِ ربانی کا نتیجہ ہے' جس کے آگے فکر و نظر' قیاس و تخمین' اور دادِ تحقیق سب کچھ ہیچ ہے۔

ہمارے نزدیک ایک اِنسان کا دوسرے اِنسانوں پر یہ حق ہے کہ: اس کا خون' اس کا مال' اس کی جان' اس کی عزت و آبرو سب محفوظ ہوگی۔ اس کے جذبات و احساسات اور اس کی خودی اور عزتِ نفس سب کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جب تک آدمی اپنی انفرادی آزادی اور خود مختاری کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھائے' سماج اور معاشرے کو ـــ جس کا وہ ایک فرد ہے ـــ کوئی نقصان نہ پہنچائے' اُسے مکمل خود اِختیاری اور شخصی آزادی کے فوائد حاصل رہیں گے۔

ہم جو عقیدہ رکھتے ہیں اور اِنسان کے بارے میں ہمارا جو نقطہ نظر ہے' اس کی دلیل اور بنیاد تمام تر باری تعالیٰ کے وہ ارشادات ہیں جس میں اس نے اِنسانی تخلیق' اس کی نشوونما کے مختلف مدارج' اور اس کے نسلی ارتقاء کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور خالق کائنات کے یہ ارشادات اور یہ ساری معلومات چونکہ ہمیں وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل ہوئیں' جس سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ذریعہ کا تصور عقل اِنسانی کے لئے محال ہے' اور جس سے نہ انکار کیا جاسکتا ہے۔ نہ اسے جھٹلایا جاسکتا ہے۔ یہ دلائل قرآنِ پاک میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوچکے ہیں۔

چنانچہ حضرتِ آدم کی پیدائش کے بارے میں باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ۝ (حجر:۲۶)

''اور بلاشبہ ہم نے اِنسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا' جو سڑے ہوئے گارے

سے تیار ہوئی تھی۔"

نیز فرمایا:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ (ص: ۷۱' ۷۲)

ترجمہ "جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے اِنسان بنانے والا ہوں' پھر جب میں اس کو پورا بنا چکوں' اور اس میں اپنی روح پھونک دوں' تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔"

دوسری جگہ فرمایا:

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ○

(سجدہ:۷)

ترجمہ "جس نے جو چیز بنائی' خوب بنائی' اور اِنسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔"

اولادِ آدم کی پیدائش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ○ (سجدہ:۸)

ترجمہ "پھراس کی نسل (اِنسانی جسم کے) خلاصہ (یعنی نطفہ کے) حقیر پانی سے بنائی۔"

اِنسان یعنی حضرتِ آدم کی پیدائش کا ذکر دوسری جگہ یوں کیا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ○ (الانسان:۲)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے اِنسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔"

ایک اور جگہ قدرے وضاحت سے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ' ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ' فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ' فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا ' فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ' ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ' فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ○ (مومنون: ۱۲تا۱۴)

ترجمہ "اور بلاشبہ ہم نے اِنسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا' پھر ہم نے اُس کو ایک

محفوظ جگہ (یعنی ماں کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا' پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا' پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا' پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنایا' پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا- پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی صورت میں بنایا- پس برکت و عظمت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے-"

دنیا کی پہلی خاتون حضرتِ حوا کے بارے میں فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۝ (نساء:۱)

ترجمہ "لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا- (یعنی پہلے) اس سے اس کا جوڑا بنایا' پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و عورتیں (پیدا کرکے زمین پر) پھیلا دیئے-"

نیز فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۝ (اعراف:۱۸۹)

ترجمہ

"وہ اللہ ہی ہے' جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا' اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا' تاکہ وہ اس سے (دل کا) سکون حاصل کرے-"

حضرت آدم کو چیزوں کے نام سکھائے' اور زبان و بیان کی صلاحیت بخشی:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (بقرہ:۳۱)

ترجمہ "اور اللہ نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے- پھر اُن (چیزوں) کو فرشتوں کے آگے پیش کیا' اور فرمایا' اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ-"

نیز فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

(الرحمٰن:۱تا۴)

"(خدائے) رحمان نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے اِنسان کو پیدا کیا' پھر اس کو گویائی سکھائی۔"

اپنے دست خاص سے حضرتِ آدم کو ٹھیک ٹھیک بنایا' اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّا اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (ص: ۷۱ تا ۷۴)

"جبکہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے اِنسان بنانے والا ہوں' پھر جب میں پورا بنا چکوں' اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ (جب اللہ نے اسکو بنایا) تو سارے کے سارے فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا' مگر ابلیس نے' کہ وہ غرور میں آگیا' اور کافروں میں سے ہوگیا۔"

ابلیس سے کہا!

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (ص: ۷۵' ۷۶)

"اللہ نے فرمایا' کہ اے ابلیس! جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا' اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غرور میں آگیا؟ یا تو اونچے درجے والوں میں سے ہے؟ ابلیس نے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا' اور اس کو مٹی سے بنایا!۔"

آدم کو حکم ہوا کہ شجر ممنوعہ کا پھل نہ کھائیں! لیکن شیطان کے بہکاوے میں آکر آدم نے پھل کو کھالیا! اور اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا' اور راہ سے بھٹک گئے!

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا○ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى ○ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى○ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ' قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ' وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ○ (طہ:۱۱۵ تا ۱۲۳)

"اور بلاشبہ ہم نے پہلے آدم سے عہد کرلیا تھا مگر وہ بھول گئے' اور ہم نے اُن میں عزم نہ پایا- اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو' تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے (کہ) اس نے انکار کیا- پھر ہم نے کہا' اے آدم' بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' تو کہیں یہ تُم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے' پھر تُم تکلیف میں پڑجاؤ- بلاشبہ تمہارے لئے جنت میں یہ (آرام) ہے کہ تُم اس میں کبھی بھوکے رہو گے نہ ننگے ہوگے- اور بلاشبہ اس میں تُم نہ پیاسے ہوگے اور نہ دھوپ میں تپو گے- پھر شیطان نے ان کے (آدم کے) دل میں وسوسہ ڈالا' (اور) کہا کہ اے آدم! کیا میں تم کو ہمیشہ کا درخت بتاؤں' اور (ایسی) بادشاہی جس کو کبھی زوال نہ ہو؟ چنانچہ ان دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا' تو ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں' اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے اپنے اوپر چپکانے لگے- اور آدم نے اپنے پروردگار کے (حکم کے) خلاف کیا' پس وہ راستے سے بھٹک گئے پھر اُن کے پروردگار نے ان کو نوازا تو رحمت سے ان پر توجہ فرمائی اور راہ پر قائم کر دیا- پھر حکم دیا' تُم دونوں یہاں سے نیچے اُتر جاؤ' تُم ایک دوسرے کے

دشمن ہو۔"

پھر باری تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

(بقرہ:۳۷)

"پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے' تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کی' بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔"

یہ کلمات کیا تھے؟ سورہ اعراف میں انہیں مفصل بیان کیا' فرمایا:

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (اعراف:۲۳)

"دونوں نے عرض کیا' پروردگار! ہم نے اپنے اُوپر خود ظلم کیا' اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا' اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم واقعی نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

آیات کی طرح احادیث کا سرچشمہ بھی باری تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے' جنہیں حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے دل میں ڈالا۔ دُنیا کے اولین اِنسان کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

"حق تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے' جنات کو آگ کے شعلوں سے' اور اِنسانوں کو اپنے ارشاد کے مطابق' مٹی سے پیدا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: "اور آدم کو مٹی سے بنایا۔" (مسلم ۲۲۶/۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شفاعت والی روایت میں ہے' ــــ اِس روایت کو بخاری اور مُسلم نے روایت کیا ہے کہ:

"ایمان والے قیامت کے دن جمع ہوں گی' پھر ان کے دل میں یک بیک شفاعت کا خیال آئے گا۔ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے' کیوں نہ ہم کسی ایسے کو تلاش کریں جو خدا کے یہاں ہماری سفارش کرے! تلاش کرتے ہوئے یہ لوگ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے' آدم! تمہیں "سب سے پہلا اِنسان" ہونے کا شرف حاصل ہے۔ خدا نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا' تمہارے اندر اپنی رُوح پھونکی' فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا ــــ " (اللؤلؤوالمرجان ۵۰/۳۹/۱)

حضرت آدم اور دیگر اِنسانوں کی پیدائش مین فرق! اور عام اِنسانوں کے مقابلے میں

آدم کا امتیاز ــــ جس کی طرف حدیث میں بطورِ خاص اِشارہ کیا گیا ــــ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں خود اپنے دست خاص سے یکبارگی پیدا فرمایا۔ چنانچہ اِرشاد ہوا: "خدا نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا۔" اگر حضرت آدم کی پیدائش اس طرح عمل میں آتی' جیسا کہ عام اِنسان پیدا ہوتے ہیں تو حدیث شریف میں "خدا کے ہاتھوں سے پیدا فرمانے" کا ذکر نہ ہوتا۔ اور تب حضرتِ آدم کو دیگر اِنسانوں پر نہ کوئی فضیلت حاصل ہوتی! اور نہ آپ کا کوئی امتیاز ہوتا!

بخاریؒ' مسلمؒ اور امام احمدؒ سے انہیں (امام احمدؒ) کے الفاظ میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

("آدم اور موسیٰ کی باہم ملاقات ہوئی تو) موسیٰ نے آدم پر اعتراض کرتے ہوئے عرض کیا' آپ آدم ابوالبشر ہیں! آپ کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اور اپنی رُوح پھونک دی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اور ہمیں جنت سے نکلوا دیا؟ آدم نے جواب دیا: تم موسیٰ ہو' اللہ کے رسول' تم سے اللہ نے کلام کیا۔ (اور تم نے توریت پڑھی ہے۔ کیا اس میں یہ نہیں لکھا ہے کہ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا! موسیٰ نے عرض کیا' جی ہاں" (بخاری۔) آدم نے کہا: پھر تم ایسی بات پر مجھے ملامت کیوں کرتے ہو جسے اللہ نے آسمان و زمین کی (اور میری بھی) پیدائش سے چالیس سال قبل میرے لئے مقدر فرما دی تھی؟ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح حجت میں آدم موسیٰ پر غالب آگئے۔" فتح ربانی (۱/۱۲۷) اللؤلؤ والمرجان (۳/۲۱۱)' مسلم (۸/۴۹)' ابوداؤد (۲/۵۲۸)

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

"باری تعالیٰ نے حضرت آدم کا خمیر مٹھی بھر مٹی سے بنایا۔ یہ مٹی کل روئے زمین سے لی گئی تھی۔ جگہ جگہ کی مٹی کا اولادِ آدم پر یہ اثر ہوا کہ جس کی مٹی جہاں کی تھی' نسل آدم کا رنگ روپ اس کے مطابق سیاہ' سپید' سرخ' یا سرخ اور سیاہی مائل ہوا۔ مزاج میں نرمی' گرمی' اعتدال اسی کا نتیجہ ہے۔ اچھی بری اُفتادِ طبع اور میانہ روی سب اسی مٹی کا اثر ہے۔"

احمدؒ (۵/۳۳۸)' ابوداؤد (۲/۵۲۵) ترمذی: نے اسے صحیح کہا ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

"خدا نے آدم کو اُن کی اپنی شکل پر پیدا فرمایا۔ اس وقت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا۔ پھر فرمایا: آدم! جاؤ ان فرشتوں کو جاکر سلام کرو' اور غور سے سنو' تمہارے سلام کا وہ کس طرح جواب دیتے ہیں۔ اسی کے موافق تم اور تمہاری اولاد آپس میں سلام کیا کرنا۔ حضرت آدم نے بڑھ کر

فرشتوں کو سلام کیا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ! انہوں نے جواب میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا اضافہ کیا' اور یوں کہا' وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ (خدا کا وعدہ ہے کہ) جنت میں داخلے کے وقت ہر جنّتی کی شکل و صورت آدم کی سی ہوگی' (لیکن دُنیا میں) آدم کے بعد ان کی نسل میں دن بدن کمی آتی گئی' تاآنکہ آج کے اِنسانوں کا قد اس حد تک ہوا- (بخاری ۸/۶۲)

مُسلم شریف کی روایت ہے:

"(-یوں تو سورج روزانہ نکلتا ہے لیکن) سب سے بہتر دن جس میں سورج نکلتا ہے' وہ جمعہ کا دن ہے- اسی روز حضرت آدم پیدا ہوئے' اسی روز جنت میں داخل ہوئے' اسی روز جنت سے نکالے گئے' اور قیامت بھی اسی جمعہ کے روز آئے گی-" (مسلم ۳/۶)

اِن تمام آیات واحادیث سے پتہ چلتا ہے کہ دُنیا کا اولین اِنسان رفتہ رفتہ نہیں' بلکہ یکبارگی پیدا ہوا- حق تعالٰی نے اپنے دست خاص سے ان کی صورت بنائی- اس کے بعد وہ ــــ رُوح پھونکے جانے' فرشتوں سے سجدہ کرانے' علم سکھانے اور جنت میں داخلے کے مراحل سے گذرتے رہے- پھر وہ گھڑی آئی کہ ــــ خلافِ حکم کرنے اور بھٹک جانے پر پھل کھانے کے نتیجے میں جنت سے نکالے گئے' اور اپنی بیوی حضرت حواء کے ساتھ ــــ جن کی تخلیق حکم الٰہی سے ہوئی ــــ دُنیا میں بسائے گئے-

حضرت آدم اور حواء دُنیا میں آباد ہوئے تو رفتہ رفتہ ان کی نسل بڑھی- قدرت کے ہاتھوں نے فیاضی کی' اور حسن و جمال سے آراستہ شکل و صورت' اور مکمل قدوقامت میں اولاد آدم کی پیدائش کا بڑی تیز رفتاری سے سلسلہ چلا- خدا نے اُن کے اندر نامی گرامی عقلمند' سردارانِ قوم اور زبان و بیان کے ماہر پیدا کئے- کل کائنات کو ان کا تابع فرمان بنایا' تاکہ دُنیا کی زندگی میں یہاں کی ایک ایک چیز سے فائدہ اُٹھائیں- پھر ان کی اندرونی اصلاح اور باطن کی صفائی کے لئے پیغمبروں کا طویل سلسلہ چلایا- نبیوں اور رسولوں پر آسمانی کتابیں نازل فرمائیں' تاکہ اِنسانیت کی تکمیل ہو' دُنیا کی زندگی میں اُن کے اندر سدھار کے آثار نمودار ہوں' اور پھر وہ دلوں کو صاف اور اپنی رُوحوں کو اس قدر پاکیزہ اور صاف ستھری بنالیں' تاکہ مرنے کے بعد آسمان میں قدسیوں کی جگہ انہیں ہمیشہ آرام اور اونچا مقام نصیب ہو-

اِسلام اور ہم مسلمانوں کی نظر میں ــــ حد درجہ معزز اِنسان کا آغاز و انجام اور اس کا

مقام ـــ یہ ہے جو ہم نے پیش کیا ـــ ' لیکن نیچری (Netural)' دہریہ' بے دین کفار و مشرکین کا نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ اِنسان بذات خود اس طرح پیدا نہیں ہوا' جس طرح آج دُنیا میں نظر آرہا ہے- بلکہ وہ بالکل ابتداء میں "خلیہ" (Cell) کی شکل میں کسی سیارے سے زمین پر آپڑا تھا- چونکہ ہماری زمین اس خلیے کو راس آگئی' اس لئے وہ پھیلنا اور بڑھنا شروع ہوا- نشوونما کی ابتداء میں اس کی حیثیت بے حد معمولی اور بھدے جاندار کی سی تھی- پھر قدرتی طور پر رفتہ رفتہ اس نے ردوبدل کو قبول کیا- جینے اور زندہ رہنے کے لئے ضروری چیزیں اس کے اندر آپ سے آپ بنتی اور بگڑتی گئیں' اور اسی کے ساتھ ساتھ اس کی ساخت اور ان کی حالت بھی بدلتی گئی- پھر امتدادِ زمانہ اور فطری حالات کے شدید رو و بدل نے خلیہ کی ساخت کو بدل کر دیگر انواع سے ترقی دیتے دیتے اسے ارتقاء کے پہلے زینہ پر ڈال دیا' اور اس کی شکل بندر کی سی بن گئی! اس شکل پر آنے کے بعد بھی تبدیلی کا عمل جاری رہا- چنانچہ دُم اور دوسری غیر ضروری چیزیں غائب ہوگئیں' اور بندر سے اس نے بندر اور اِنسان کی درمیانی شکل اِختیار کرلی- پھر وہ وقت آیا کہ یہ صنف بھی ناپید ہونے لگی' اور ان کا ڈھانچہ بھی رُوئے زمین پر باقی نہ رہا- اس لئے کہ رد و بدل کے شدید عمل نے اس درمیانی شکل کو بھی باقی نہ رکھا- چنانچہ اس شکل نے بھی اپنے اندر تبدیلی قبول کی اور موجودہ اِنسانی ہیئت اِختیار کرلی!

اِنسانی پیدائش کے اس عجیب و غریب نظریے کو ثابت کرنے کیلئے علم الحیوانات (Zoology) کے ماہرین ان اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہیں ـــ اتفاقات' فطری تغیرات' نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution)' بقاء اَصلح (Survival of the Fittest)' اور موروثی اثرات وغیرہ- جہاں تک ہم سمجھتے ہیں' یہ نظریئے (Theories) بذات خود برخود غلط اور بے بنیاد نہیں' اس لئے کہ ہمارا وجدان بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ باری تعالیٰ اَن گنت خلائق اور کائنات کی تخلیق میں اپنے دیگر اصولوں کی طرح ان اصولوں کو بھی گاہے بگاہے استعمال کرتا ہے' جبکہ اس کے بیشمار اصولوں اور ضابطوں تک رسائی بھی حضرت اِنسان کیلئے محال ہے- بہرکیف ہم دیکھتے ہیں کہ ابتداء آفرینش میں اِنسان کا وجود مرد کے نطفے' اور عورت کی رطوبت کے اندر ایک خلیہ کی شکل میں ہوتا ہے- پھر مادہ منویہ میں جان پڑتی ہے' اور اس کے اندر مذکر یا مونث ہونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں- پھر مرد عورت کے ملاپ سے

عورت کے رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے' جو مختلف حالتوں سے گذر کر جنین کی شکل اِختیار کرتا ہے۔ تا آنکہ ماں کے رحم میں اس کی خلقت تمام ہوتی ہے' اور نوزائیدہ بچہ کی شکل میں ایک ننھے منے مکمل اِنسان کا دُنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○ (المؤمنون: ۱۳ تا ۱۴)

ترجمہ "پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ جگہ (یعنی ماں کے رحم میں) نطفہ بنا کر رکھا' پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا' پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنایا' پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا۔ پھر ہم نے اس کو ایک اور ہی صورت میں بنایا۔ پس برکت و عظمت والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔"

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"ہر بنی نوعِ اِنسان اپنی پیدائش کے چالیس دن ماں کے رحم میں نطفہ کی شکل میں گذارتا ہے۔ پھر وہ جمے ہوئے خون اور گوشت کے لوتھڑے کی شکل اِختیار کرتا ہے۔ اسی حالت میں فرشتہ اس کے پاس آکر اس کے اندر رُوح پھونکتا ہے' اور اس کے بارے میں چار چیزوں کا اندراج کرتا ہے۔ روزی' موت' اس کی جملہ کارکردگی' اور یہ کہ اس کا شمار خوش نصیبوں میں ہوگا' یا بدبختوں میں۔"

(بخاری' مُسلم' اللؤلؤ والمرجان ۳/ ۲۰۷' ۲۰۸)

حضور ﷺ سے سوال کیا گیا:

"یارسول اللہ! بچہ ماں یا باپ کی مشابہت کیونکر اِختیار کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: مرد و عورت کے ملاپ کی صورت میں جس کی منی غالب آتی ہے' بچہ اسی کی شکل اِختیار کرتا ہے۔ (چنانچہ مرد کی منی غالب آنے کی صورت میں بچہ باپ اور اس کے عزیزوں کی صورت پر جاتا ہے۔ اور عورت کی منی غالب آنے کی صورت میں بچہ اپنے ننھیال کی صورت پر جاتا ہے۔)"

(بخاری ۵/ ۸۸' ۱۰۴۔ مُسلم ۱/ ۱۷۲)

یہ بھی گویا موروثی اثرات کی طرف ایک قسم کا اشارہ ہے۔ نباتات کے اندر تدریجی ارتقاء کا روزمرہ مشاہدہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ کھجور کا درخت ایک گٹھلی کی شکل میں اِدھ اُدھر

پڑا گرا ملتا ہے' لیکن یہی بیج جب زمین کے اندر دب جاتا ہے' اور مناسب آب و ہوا اور ماحول اسے نصیب ہوتا ہے تو یہی گٹھلی تر و تازہ شاخ کی شکل میں زمین سے اپنا سر اُبھارتی ہے' اور رفتہ رفتہ لمبے لمبے کھجور کے درختوں کی شکل اِختیار کرلیتی ہے جن کے اُوپر تہہ بہ تہہ خوشے لگے ہوتے ہیں۔ یہ سب انتظام اس لئے ہے کہ لوگوں کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو مل سکیں۔

یہ اور قدرت کی کاریگری کے بے شمار نمونے اس کا ثبوت ہیں کہ اِنسان و حیوان ہوں' یا پودے اور نباتات' سب کی افزائش اور پرورش قدرت کے تدریجی نظام کے تحت عمل میں آتی ہے۔ اسی طرح باپ دادا کی عادات و اطوار اور ان کے خاندانی اثرات کا بیٹے میں منتقل ہونا بھی قدرت خداوندی کا ادنیٰ کرشمہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز ازل سے دستورِ الٰہی یہ بھی رہا ہے کہ صرف وہی چیزیں یا قسمیں باقی رہ جاتی ہیں' جو دوسری انواع و اقسام سے زیادہ لائق اور مفید ہوتی ہیں۔ گویا آج سے نہیں ازل سے بقاء اَصلح کے دستور پر عملدرآمد جاری ہے۔ لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ ہم آنکھ بند کرکے یہ سب مانتے جارہے ہیں۔ ہم ان نظریوں کی تائید اس شرط کے ساتھ کرتے ہیں کہ کائنات اور اس کے ذرے ذرے میں جو ردو بدل ازل سے ہوتا آرہا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا' یہ تغیرات کا ذاتی نہیں' اور نہ ہی یہ کسی خوشنما اتفاق یا وقتی حادثے کا نتیجہ ہے' بلکہ یہ تمام تر اثر اور تاثیر اللہ ربُ العزت اور اس کی زبردست قدرت کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ نیز خلق و تکوین کا یہ قدرتی نظام آزاد اور بے اصول نہیں — بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادے کا پابند ہے۔ اور اسی ضابطے کے تحت کائنات کا یہ سارا نظام سارے عالم میں جاری و ساری ہے۔ لیکن چونکہ باری تعالیٰ خود مالک و مختار ہے' وہ محض اپنے فضل اور اپنی مہربانی سے اپنے ہی بنائے ہوئے اصولوں کی پابندی کرتا ہے۔ ورنہ اس پر کسی کا جبر اور دباؤ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اس نظامِ تکوینی میں از خود کبھی کوئی تبدیلی کر دیتا ہے' اور انبیاء و رسول جیسے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ ایسے معجزات دُنیا والوں کے سامنے پیش کرتا ہے جس سے اُن کی نبوت اور رسالت کی تصدیق ہوتی ہے' اور ان معجزات کو دیکھ کر ایک دُنیا حیران اور ششدر رہ جاتی ہے۔

چنانچہ دُنیا بھر کے اِنسانوں کی تخلیق کا ایک قدرتی نظام ہے' اور توالد و تناسل کا سلسلہ اسی کے مطابق چل رہا ہے۔ لیکن جب خدا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش منظور ہوئی تو

اس نے عام قاعدہ سے ہٹ کر بغیر باپ کے انہیں پیدا کرکے دکھادیا- چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (آل عمران:۵۹)

ترجمہ "بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے کہ اللہ نے پہلے مٹی سے اس (آدم علیہ السلام) کا قالب بنایا- پھر اس کو حکم دیا کہ (انسان) ہوجا- پس وہ اِنسان ہوگیا-"

عام اِنسان اپنی پیدائش کے ایک عرصے کے بعد بولنا شروع کرتا ہے- اور رفتہ رفتہ یہ صلاحیت اس کے اندر ترقی کرتی ہے' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت اسی وقت مل گئی جب آپ گہوارے میں تھے' اور آپ کی پیدائش کو ابھی ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا-

آگ کی خاصیت حق تعالیٰ نے یہ بنائی ہے کہ جو اس میں پڑتا ہے' آگ اسے فوراً جلا کر خاک کردیتی ہے- لیکن حضرت اِبراہیم علیہ السلام جب اسی آگ میں ڈالے گئے تو قدرت نے آگ کی اس تاثیر کو معدوم کردیا' اور وہی آگ آپ کے لئے گلزار بن گئی-

اِس طرح حق تعالیٰ قادرِ مطلق ہے' وہ جو چاہے کرسکتا ہے- کائنات کو ایک نظام کے مطابق بھی چلاتا ہے' اور اپنی مرضی اور منشاء سے جب چاہتا ہے اس کے اندر تبدیلی فرما دیتا ہے-

خلق اور تکوین کے جس نظام کو ہم خدائی نظام کہتے ہیں' حیرت کا مقام ہے کہ یہ نیچری اور بے دِین اسکو اتفاقی حادثہ یا خود کار نظام جیسے کھوکھلے ناموں سے یاد کرتے ہیں- اور یہ تمام تر کھینچ تان اور ہیر پھیر وہ صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ ذاتِ باری تعالیٰ کا اِقرار نہ کرنا پڑے' اور وہ ہر قسم کی مذہبی پابندیوں سے اپنی گردن چھڑا لیں اور خود کو آزاد اور بے مہار تصور کریں!

لیکن انہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ ذاتِ باری کا جس قدر انکار کریں' خلق و تکوین کے اِس نظام کو جو چاہیں نام دیں' اس کی قدرتِ کاملہ میں بال برابر فرق نہ آئے گا- چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا○ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○

(فاطر:۴۳)

ترجمہ "تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے' اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا نہ دیکھو گے۔"

ہاں اس کی مشیت ہوگی تو وہ اپنے بنائے ہوئے نظام کو نہ صرف موقوف کرسکتا ہے' بلکہ اس کو درہم برہم اور نیست و نابود بھی کرسکتا ہے' اس لئے کہ وہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔

اور اگر باری تعالیٰ چاہتا تو حضرتِ آدم اور حواء کو رفتہ رفتہ وجود میں لاتا' جیسا کہ اس بھری پُری دُنیا کے اس پورے نظام کو وہ تدریجی طور پر چلارہا ہے۔ لیکن اس کی مشیت یہ ٹھہری کہ دُنیا کے اولین اِنسانی جوڑے کو اس نے یک لخت پیدا فرمادیا۔ دہریوں کی طرح آدم و حواء نے ارتقاء کی سیڑھیوں کو زینہ بہ زینہ طے نہیں کیا' اور ہم اس قدر اِعتماد اور یقین سے یہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ خبریں ہمیں وہی دے رہا ہے جس کے دست قدرت نے اس عجوبہ روزگار کو وجود بخشا۔ اور جب صاحب واقعہ خود خبر دیتا ہے تو اس کے اندر صداقت ہوتی ہے اور جھوٹ کا شائبہ تک پایا نہیں جاتا۔

بحمداللہ! علماء اِسلام نے ڈارون کے فاسد نظریوں کا سختی سے تعاقب کیا ہے' اور ان کے اپنے نظریات اور تھیوری سے ان فاسد عقائد اور نظریات کا منہ توڑ جواب دیا ہے۔

ڈارون کے نظریہ کی خامیاں :

۱۔ نشوونما اور ارتقاء کا نظریہ اگر ہمہ گیر اور عمومی حیثیت رکھتا ہے' جس کی رُو سے سبھی جاندار اور حیوانات مختلف رُوپ دھارنے کے بعد اپنی موجودہ شکلوں تک پہنچ سکے ہیں تو اس نظریہ کے قائل افراد کو یہ بتانا ہوگا کہ اگر اِنسان شروع میں بندر تھا تو پالتو جانور جیسے اُونٹ' گائے' بیل' بھینس اور بکری شروع میں کیا تھے؟ چوپائے جیسے گھوڑے' گدھے اور خچر اور درندے جیسے ہاتھی' شیر' چیتا اور کتے وغیرہ ابتداء میں کیا تھے؟

۲۔ "بقاء اَصلح" کا نظریہ اگر درست ہے! تو پھر کیا وجہ ہے کہ زمین پر بسنے والے جملہ حیوانات کی نشوونما اور ترقی قطعی تھم چکی ہے؟ اس لئے کہ صدیوں سے دیکھا جارہا ہے کہ یہ

جاندار اپنے پچھلے حال پر قائم ہیں- حالانکہ کہا جاتا ہے کہ کمال کی کوئی حد نہیں ہوتی' لہٰذا ان کے اندر رد و بدل ہونا چاہئے' اور بہتر سے بہتر شکل انہیں اِختیار کرنا چاہئے- لیکن دیکھا یہ جارہا ہے کہ گھوڑا گھوڑا ہے' شیر اور بھیڑیئے حسب سابق اپنی اسی شکل پر قائم ہیں- اور سب سے زیادہ حیرت اس پر ہے کہ خود حضرتِ اِنسان صدیوں سے اپنی اسی شکل پر قائم ہے- اس نے ذرہ برابر ترقی یا کسی قسم کی تبدیلی کو قبول نہیں کیا ہے-

۳- جملہ حیوانات میں "بقاء اصلح" کا نظریہ اگر درست ہے' جس کا مطلب یہ کہ کوئی دو چیزوں میں زیادہ لائق وفائق نوعیت کو بقاء ہوتی ہے' تو پھر کیا وجہ ہے کہ بندر اور اِنسان کی درمیانی شکل (بوزنہ یا بندرِ بے دُم) فنا ہوگئی! اور بندر بدستور موجود رہ کر اس نظریہ کا منہ چڑا رہا ہے- جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ بندر فنا ہوتا اور وہ درمیانی شکل باقی رہ جاتی' اس لئے کہ بندر سے وہ بدرجہا بہتر تھی- اور بقول تمہارے اَصلح (زیادہ بہتر) کو بقاء ہوتی ہے- پھر کیا وجہ ہے کہ جو بے ہنگم اور نامناسب ہے وہ تو دندناتا پھر رہا ہے' اور اس سے بہتر لاپتہ ہے؟ اور اگر اس سب کے پیچھے نیچر اور فطرت کا خود کار نظام ہے تو سارا قصور اسی نیچر کا ہے کہ اس نے اس قسم کا غلط انتخاب کیوں کیا؟ کہ بھدے اور بے ہنگم کو باقی رکھا اور اس سے بہتر کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا-

۴- تمہارا مادہ پرستانہ ذہن' فکرو نظر اور استدلال و قیاس کو غیر اہم سمجھتا ہے- اسی لئے تُم نے یہ طے کرلیا ہے کہ بغیر دیکھے کوئی چیز تسلیم نہیں کرو گے- لیکن کیا وجہ ہے کہ اِنسان کے نظریہ ارتقاء میں تُم نے اپنے اصول کو بھی خیرباد کہہ دیا' اور بغیر دیکھے متعدد چیزیں تُم نے تسلیم کرلیں؟ مثلاً تُم کہتے ہو کہ اِنسان کی اولین شکل خلیہ کی صورت میں تھی جو کسی سیارے سے اس زمین پر آگرا تھا- جب اولین اِنسان خود ہی "خلیہ" تھا' تو اس سے متعلق تفصیل سے آگاہ آخر کس نے کیا؟ اس لئے کہ خلیہ کا مختلف رُوپ کسی نے بھی نہیں دیکھا اور خلیہ خود زیر پرورش تھا- حیرت ہوتی ہے کہ آج پورے وثوق سے اس نظریہ کو نہ صرف تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ دوسروں میں اس کا پرچار بھی کیا جاتا ہے! اس طرح گویا تُم اپنے مادی طریق فکر کی خود بخود خلاف ورزی کرتے ہو- اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈارونی عقیدہ بھی باطل اور لغو ہے- لہٰذا اس صاحب اِیمان عالم دین کی بات کا تمہیں اعتراف کرنا چاہئے جس نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

"خدا کا انکار کرنا اور گندگی کے کیڑے کی طرح زندگی گذارنا اس نظریہ کی جڑ' بنیاد اور اس کا

اصل مقصد ہے۔"

(قصتہ الایمان ص ۱۹۳ بین داروں والجسر)

غرض ڈارون کی تھیوری کے قائل بہتیروں نے اپنی عاجزی اور درماندگی کا اقرار کیا ہے' اور بیک زبان مل کر یہ اعتراف کیا ہے کہ "نشوونما اور ارتقاء" کا نظریہ کوئی علمی نظریہ نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے درست ہونے کی کوئی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ البتہ اس نظریہ کو محض اس لئے اختیار کیا جاتا ہے تاکہ خدا پر ایمان لانے سے بچا جاسکے۔ ورنہ اس کی ذات پر ایمان لانے سے بچنے کی کوئی صورت نہیں!! جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ـــ یہ مشہور کہاوت "بلی تھیلے سے باہر آگئی!" اسی قسم کے مواقع پر بولی جاتی ہے جس میں اصل پول کھل جاتا ہے اور جرم سامنے آجاتا ہے۔ والحمد للہ

موازنہ اور تقابلی مطالعہ :

اِیمان والوں اور بے ایمانوں کے عقائد میں امتیاز کرنے کے لئے ذیل میں ایک موازنہ درج کیا جاتا ہے' جس سے ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کے نزدیک اِنسان کیا ہے؟ اور اس کی قدروقیمت کیا ہے؟ اور ڈارِون اور اس کی ذریت کے نزدیک اس اشرف المخلوقات کی کیا کیا دُرگت بنی ہے؟

اِنسان! اِیمان والوں کی نظر میں

اِنسان کی پیدائش آسمانوں میں ہوئی۔ خلق و تکوین کے جملہ مرحلے اس نے بیک وقت طے کیے۔ اولین اِنسان کی شکل اور بعد والے اِنسانوں کی صورتیں یکساں رہیں۔ ان میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوا' اور نہ ہوگا۔ خدا نے اپنے دست خاص سے اسے بنایا۔ اس کے اندر اپنی رُوح پھونکی۔ اشیاء کے نام اور ان کے حقائق کا اسے علم دیا۔ آسمان میں فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ خدا نے اسے بہترین شکل و صورت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور جملہ خلائق سے افضل اور بہتر ٹھہرایا۔ اس کی جان و مال آبرو سب کچھ محفوظ قرار دیا' کہ ناحق اسے کوئی نہ ستائے۔ اس کی ہدایت کے لئے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کا طویل و عظیم سلسلہ جاری کیا۔ دنیا و

آخرت کی بھلائی کا سامان اسے بہم پہنچایا- خدا کے ان پیغمبروں نے خدا کی زبانی تفصیل سے یہ بتایا کہ اولین اِنسان اور پوری کائنات خلق و تکوین کے مرحلے سے کیسے گذری' اس کا بنانے والا کون ہے؟ اس کی غرض کیا ہے؟ اس کی کامیابی اور ناکامی کس میں ہے ہمیشہ کی زندگی اور دائمی آرام کی صورت کیا ہے؟ وغیرہ-

اِنسان! دہریوں کی نظر میں

نشوونما اور نظریہ ارتقاء کی رُو سے اِنسان کی پیدائش بدترین شکل و صورت میں عمل میں آئی- صدیاں گذرنے کے بعد اس نے بندر کی شکل پائی- مزید صدیاں گذرنے کے بعد بندر سے قدرے بہتر صورت اسے نصیب ہوئی' اور اسی قدر اور زمانہ گذرا تب کہیں موجودہ اِنسانی شکل اس نے اِختیار کی- اولین اِنسان! اور خلق و تکوین کے جملہ مراحل سے وہ کیسے گذرا؟ یہ سب کی اطلاع دینے والے وہ ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک بے ایمان' بدباطن' فتنہ پرداز' دہریہ اور بے دِین ہیں! بے راہ روی ان کی خصلت اور بربادی ان کا مقدر ہے- اس لئے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو انہوں نے استعمال کرنے سے گریز کیا- جس سے ان کی روشنی طبع ان کے لئے بلا بن گئی' اور وہ وقت بہت قریب ہے کہ ان کا نام و نشان بھی کہیں باقی نہ رہے گا- ؏

"مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے!

اِس تقابلی مطالعے کے بعد وہ لوگ جنہیں خدا نے عقل و بصیرت دی ہے' انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ ان دونوں اِنسانوں میں کس اِنسان کا وہ انتخاب کرتے ہیں' کونسا اِنسان ان کے نزدیک افضل اور لائق احترام ہے؟ اور کس کی عظمت کا دُنیائے اِنسانیت کو اعتراف کرنا چاہئے؟ — آیا وہ اِنسان' جسے اہل ایمان تسلیم کرتے ہیں' یا وہ اِنسان جسے ڈارون اور اس کی ذریت تسلیم کرتی ہے-

اِنسان اور کل کائنات کے پیدا کرنے والے کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد آج بھی اگر کوئی ڈارون کے نظریے کو درست سمجھنے پر مصر ہے تو ہماری نظر میں اس سے زیادہ نادان اور جاہل بھلا کون ہوگا؟ اس لئے کہ یہ وہ نظریہ ہے جس کی یہ ایک بنیادی غرض خدا کا

انکار ہے' اور دوسری غرض یہ ہے کہ گندگی کے کیڑے کی طرح اِنسان بھی اس دُنیا سے ناکام اور بے مراد چلا جائے' اور اس کی زندگی کا کوئی حاصل نہ ہو! (جیسا کہ ابھی گذرا کہ: خدا کا انکار کرنا اور گندگی کے کیڑے کی طرح زندگی گذارنا ـــ تحفۃ الایمان ص ۱۹۳)

عقیدہ

عقیدہ کیا ہے؟

عقیدہ ـــ اُن فیصلوں کا نام ہے جنہیں ـــ اِنسان اپنی عقل سے سوچ کر' کانوں سے سن کر' اور قوانین الٰہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔ یہ فیصلے دو ٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں' عقل و نقل کی کسوٹی پر قطعی پورے اُترتے ہیں۔ اسی لئے ایک بار جب اس کا ذہن اس قسم کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے' اور اپنے دل و دماغ میں وہ ٹھان لیتا ہے کہ جو اس نے سوچا وہی برحق اور درست ہے' تو اب کوئی طاقت اسے نہ اپنے فیصلے سے ہٹا سکتی ہے' نہ ہی اس کے اندر کسی قسم کا نقص' فتور' یا شک شبہ کا احتمال اس کے دل میں پیدا کر سکتی ہے۔

اس قسم کا سب سے اولین فیصلہ بندہ اپنے بنانے والے کے بارے میں کرتا ہے۔ وہ دل سے مانتا اور زبان سے اس کا اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک ذاتِ واحد ہے جس نے اس کو وجود بخشا۔ وہی اس کا خالق و مالک اور روزی رساں ہے۔ وہ بڑا علیم و خبیر' بڑی حکمت و قدرت والا ہے۔ وہ اس کی سنتا' اسے دیکھتا اور اس کے بے حد قریب ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ اس ذاتِ باری نے کل کائنات کو اس کے لئے اور اسے اپنی پرستش اور بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی غرض کے لئے اس نے بے شمار انبیاء اور رسول ہر قوم اور ہر زمانے میں مبعوث فرمائے۔ ان پر آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ بندہ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا نے اپنے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ جس قدر احکام اسے عطا کئے' ان کا ماننا اور ان پر عمل کرنا اس پر فرض ہے' اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے رُک جانا اس کے لئے لازمی ہے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر دل و دماغ اور رُوح و ضمیر کی نہ تو صفائی ہوگی نہ اس کے افکار و خیالات میں پاکیزگی آئے

گی۔ نہ ہی اس کے اخلاق و عادات میں کمال اور بڑائی پیدا ہوگی' اور نہ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی اصلاح اور درستی پیدا ہوگی۔

صاحب اِیمان یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کا رب بے نیاز ہے۔ اسے بندوں سے کسی قسم کی حاجت نہیں۔ نہ وہ بندوں کا محتاج ہے' ہاں بندے البتہ اس کے محتاج ہیں' اور یہ احتیاج بھی لامحدود ہے اس لئے کہ بندے ہر ہر چیز میں حتیٰ کہ سانس جو وہ لے رہے ہیں اس میں بھی وہ اپنے رب کے محتاج ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان کی سانس کو جاری رکھ کر انہیں زندہ رکھ سکتا ہے' ورنہ انہیں موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ وہ صرف خدا پر توکل اور اِعتماد کرتے ہیں' اسی سے اُمید رکھتے ہیں' اور خوف بھی سب سے زیادہ اسی سے رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بڑا سخت گیر اور بعجلت حساب لینے والا ہے' اور دوسری طرف وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا بھی ہے۔

وہ یہ بھی تصور رکھتا ہے کہ اگر اس کے رب نے اسے پسند کیا اور اس سے محبت کی تو جملہ خلائق از خود اس سے محبت کرے گی' لیکن اس کا رب اگر اس سے ناراض ہے تو ہر کوئی اس سے ناراض ہوگا۔ (اس لئے کہ جملہ خلائق کا دل خالق کائنات کی دو انگلیوں کے بیچ معلق ہے' وہ جب چاہے انہیں اُلٹ پلٹ سکتا ہے)

وہ یہ طے کئے ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ اس کا مالک و مولیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی کو یہ قدرت نہیں ہے وہی اس کا معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی اور پرستش کے لائق نہیں' نہ اس کے سوا کوئی اور پروردگار ہوسکتا ہے۔ نہ ہی اُلوہیت کی شان اور ربوبیت کی صفت کسی اور کے اندر پیدا ہوسکتی ہے۔

  

عقیدہ سے اِنسان کا ازلی رشتہ ہے

بہت سے لوگ ــــ عقیدہ اور مذہب کا نام سن کر ــــ کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ اِنسان کو عقائد کی چنداں حاجت نہیں! جب کہ طویل اِنسانی تاریخ اور ہر دور کے حقائق اور واقعات نے ہمیشہ اس خیالِ خام کی تردید کی ہے' اور اعتقاد و عقائد کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ اِنسان آج سے نہیں' تاریخ کے نامعلوم زمانے سے خواہ کہیں' اور کسی قسم کے حالات سے دو چار رہا ہو' اس نے کچھ افکار اور خیالات کو مرکزی حیثیت دے کر انھیں بطور "عقیدہ" تسلیم کیا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ عقائد صحیح بھی رہے یا نہیں۔ بہرکیف یہ واقعہ ہے کہ عقیدے کے وجود سے اِنسان کا دل و دماغ کبھی خالی نہیں رہا ہے ــــ بالخصوص آج کے ترقی یافتہ زمانے میں بھی یہ تصور اسی طرح اِنسانوں کے نہاں خانہ دل میں برقرار ہے ــــ جب کہ یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس صدی کی سائنس اور ٹیکنالوجی ترقیات اور علوم کی بہتات نے اِنسانوں کو ہمہ قسم کے عقائد بلکہ دِین و مذہب سے بھی بے نیاز کر دیا ہے۔ یہی نہیں' وہ ایک قدم آگے بڑھا کر یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ: ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے اس زمانے میں جب کہ اِنسان نے چاند پر اپنے قدم جما لئے' اور خلا میں دوسرے ستاروں اور سیاروں کی گذر گاہوں کی تلاش میں ہے ــــ اتنا کچھ کر لینے کے بعد اس دور کے اِنسان کو کسی خدا پر اِیمان لانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کفر و سرکشی کا یہ مرض ان کے اندر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ یہ بد زبان کہتے ہیں کہ' اِنسانوں کو خدا نے نہیں بنایا بلکہ خدا خود اِنسانی ذہن کی پیداوار[1] ہے!" (خدا کی پناہ!)

---

[1] انسان کی بہادری کے عنوان سے مارکسٹ کمیونسٹ ڈکشنری میں یہ فقرہ اسی طرح درج ہے۔

عقل و ہوش کے یہ دشمن اصل میں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا کا تصور افسانہ ہے' اس کا کوئی وجود نہیں' اور قدیم زمانے میں جن لوگوں نے اس کے وجود کو تسلیم کیا' انہوں نے رضا و رغبت سے نہیں بلکہ خوف اور دہشت سے اسے مانا ہے۔

اس لئے کہ پرانی دنیا کا اِنسان جس کے لئے زندگی اجیرن تھی۔ اپنے ابتدائی دور میں ہر چیز سے خوف کھاتا تھا۔ آسمانی' سلطانی ہر قسم کا خطرہ اسے لاحق تھا۔ وہ بیماری' فاقہ کشی' اور مفلسی سے ڈرتا تھا۔ آسمان پر بجلی کی گرج چمک اگر اس کی نیند حرام کر دیتی تھی تو زمین پر آندھی' طوفان' زلزلے اور سیلاب سے اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر رینگنے والے حقیر کیڑے مکوڑوں سے اس کا چین و سکون سب تباہ برباد ہو جاتا تھا۔

یہ اور اس قسم کے بے شمار آلام و مصائب نے اسے کسی ایسی غیبی طاقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا جو اس کی دانست میں بڑا زور آور' بڑا بلند و بالا ہے۔ جو اس کی پشت پناہی کر سکتا ہے۔ اور ان خطرات سے اسے نجات دے سکتا ہے۔

صورتِ حال یہ تھی جس سے تنگ آکر مجبوراً اِنسان نے خداؤں کا اپنے ذہن میں تصور باندھا۔ اس کا ایک نام تجویز کیا۔ اور خود سے یہ طے کیا کہ اسے خوش رکھنے کے لئے اس کی پرستش کرے گا دل سے اسے یاد کرے گا۔ تاکہ خطرات سے اسے نجات ملے۔

اس پس منظر کو دکھا کر وہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ خدا خود پروردگار نہیں۔ بلکہ بندوں کی ایجاد یا ان کے ذہنوں' کی پیداوار ہے۔

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان خود ساختہ اہل خرد کی بہت ساری لغویات کی طرح ان کا یہ فقرہ بھی پرلے درجہ کی حماقت جہالت' کفر و سرکشی' حقائق سے چشم پوشی' دل لگی' اور دیوانگی کی بدترین مثال ہے جو حد سے متجاوز ہو چکی ہے۔

"کفر کو نقل کرنا کفر نہیں"

اس مقولے کی بناء پر ہم نے اس ناپاک فقرے کو یہ دکھانے کے لئے نقل کیا ہے کہ خدا سے ان کی مراد اگر بت پرستوں کا خدا ہے جسے انہوں نے تراش خراش کر خدا کا نام دے رکھا ہے تو ہم بھی اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک ان کا خدا ساختہ پرداختہ اور ان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ اس نے اِنسانوں کو نہیں اِنسانوں نے خود انہیں وجود بخشا ہے۔

لیکن اگر وہ اس خام خیالی میں ــــ مبتلا ہیں کہ ــــ وہ خدا بھی اِنسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ جو زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے' جس نے اِنسانوں کو پیدا کیا' اور ان کی ہدایت کے لئے نبی اور رسول بھیجے' ان پر کتابیں نازل کیں' بہتر دین اور بہتر شریعت سے انہیں نوازا۔ تاکہ ان کے اندر اِنسانیت اور کمال کے جوہر کھلیں۔ زمین پر اپنے رب کے سچے نائب بنیں' اور دین دنیا اور آخرت کی سعادت اور مسرتیں انہیں نصیب ہوں۔ تو ہم برملا یہ کہیں گے کہ یہ ان کا دجل و فریب اور کھلی ہوئی مکاری اور جھوٹ ہے' اس لئے کہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے والا اِنسان اس قدر بھی ناتواں اور کمزور ہے کہ خود اپنے آپ کو' یا اپنے جیسے حقیر اِنسان' یا کسی قسم کے کیڑے مکوڑے' اور مکھی اور مچھر کو تو پیدا نہ کر سکا۔ چہ جائیکہ وہ اسے پیدا کرنے چلے جس نے کل کائنات اور جملہ خلائق کو عدم سے وجود بخشا' جو ان کا آقا و مالک اور پروردگار ہے۔ خداوند قدوس کی ذات ہر عیب سے پاک اور برتر ہے۔

اور یہ جو آج کا اِنسان خدا پر ایمان سے بے نیازی کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ اس نے طبیعیات اور کائنات کے اسرار فاش کر لئے۔ جب کہ وہ آج بھی بیماری' غریبی' سیلاب' زلزلے' قحط سالی' اور فاقہ مستی سے پہلے کی طرح ڈرتا ہے۔ تو درحقیقت ــــ اس کا یہ دعویٰ لغو' باطل اور بے قیمت ہے اس لئے کہ آج کا اِنسان ان سب سے ڈرتا ہے۔ اور اپنے پاس موجود کل وسائل کو استعمال کر کے بھی خود کو محفوظ نہیں پاتا نہ وہ کبھی محفوظ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اِنسانوں کو درپیش جسمانی' اور روحانی بیماریاں روز بروز افزوں تر ہیں۔ اور کل عالم اِنسانی اس سے لرزہ براندام ہے۔ چنانچہ کالرا' کینسر' مرگی اور اس جیسی صدہا بیماریوں نے اِنسانوں کو گھیر رکھا ہے۔ دنیا کی بڑی آبادی بھکمری' سیلاب' اور زلزلوں کی تباہ کاری سے دو چار ہے۔ بے شمار آدمی مرتے ہیں۔ اور خدا کا منکر اور بزعم خود اس کو پیدا کرنے کا دعویٰ کرنے والا' ان ہلاکتوں سے بچنا تو درکنار' ان پر روک لگانے یا ان کے توڑنے کی سکت بھی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کی پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ خطرات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اور یہ محض اس لئے کہ اس نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اس کے پسندیدہ دین سے رخ پھیرا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ذاتی وقار' شخصی کردار اور عادت و اطوار سب کچھ خاک میں مل چکا ہے۔ اس کی زندگی بدمزہ اور شب و روز گذارنا ان کے لئے موت سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ ان کی آنکھ کا پانی مرچکا ہے'

ان کی پوری زندگی بے حیائی' جرائم و تشدد' فحاشی اور فحش پسندی کا دوسرا نام ہے- اِنسانیت اور آدمیت کا سرچشمہ ان کے اندر سے خشک ہوچکا ہے- غیرت مندی' ذہانت اور شرافت و مروت کے جوہر ان کے اندر سے مردہ ہوتے جارہے ہیں- جھوٹ' مکاری' خیانت' دغابازی' کٹر قسم کی منافقت اور فریب کاری ان کی فطرت اور عادت بن چکی ہے- یہ وہ اسباب تھے جن کی بناء پر اِنسانی معاشرہ اور اس کی رہی سہی زندگی پستی کا شکار ہوئی- اور گراوٹ حد سے بڑھ گئی- ان حالات سے تنگ آکر موجودہ دور کے فلاسفر اور نام نہاد دانشور بھی یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ اب دِین اور اِیمان کی طرف لوٹ کر چلا جانا ناگزیر ہے- بڑے بڑے مفکرین اور ملحدین آج سرنگوں ہیں- اور مذہب اور روحانیت کی کمی کا شدت سے اقرار کرتے ہیں- ساتھ ہی نفسیات اور سماجی علوم کے ماہرین سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان کے لئے کوئی بہتر دین تجویز کریں- لیکن اس کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ اس مذہب کے اندر خدا کا تصور نہ ہو- یہ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ "خدا کا تصور انصاف' بھلائی اور قرابت داری کا حکم دیتا ہے- اور بے حیائی' ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے" (اقتباس از نحل ۹۱)

ان کی مشکل یہ ہے کہ عدل و انصاف' نیکو کاری اور بھلائی کو ایک آنکھ پسند نہیں کرتے- اور نہ دوسری طرف ظلم و زیادتی' بے حیائی اور بدکاری کو چھوڑنا چاہتے ہیں- اس لئے وہ ایسا خانہ ساز دِین چاہتے ہیں جس سے نفس اور اخلاق کی اصلاح ہو لیکن خدا کا تصور' اس کے احکام اور اس کی نواہی کا ذکر درمیان میں نہ آئے لیکن کیا ان کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہوگا؟

اور کیا کسی خانہ ساز دِین سے نفس' اخلاق اور روح و ضمیر کی اصلاح بھی ہوسکے گی؟ ہرگز نہیں! درحقیقت یہ لوگ فریب نفس جہالت اور گمراہی میں غرق ہوچکے ہیں- یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی- پھر ان کے کانوں کو بہرا' اور ان کی آنکھوں کو اندھا بنادیا-

اس قدر تفصیلات میں جانے کی غرض محض اس علمی حقیقت کی وضاحت تھی کہ عقل پر مبنی آئین اور شریعت دونوں ہی اِیمان و یقین اور دِین و مذہب کو اِنسان کے لئے حد درجہ لازمی قرار دیتے ہیں- اِنسان کی زندگی اور اس کی تمام حاجتوں اور مشکلات کا قرارِ واقعی حل کے طور پر سامنے آتے ہیں- اِنسانی زندگی کے لئے خدا پر اِیمان اور اس کی عبادت سے خالی رہنا کسی

لمحہ گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء آفرینش سے روئے زمین پر کسی باشعور اِنسان نے کسی ملک اور کسی زمانہ میں اعتقاد اور دین کی دولت سے محرومی کو کبھی پسند نہیں کیا ہے۔ جس کا مصداق یہ آیت ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّاخَلَا فِيْهَانَذِيْرٌ ○ (فاطر:۲۴)

ترجمہ "اور کوئی اُمت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ ہو۔"

قرآن پاک کی زبان میں "نَذِيْرٌ" کے لفظ سے نبی و رُسول یا ان کے وہ فرستادے مراد ہوتے ہیں۔ جنہوں نے انبیاء ورسل کی کامل پیروی کی' اور اس کے صلے میں حق تعالیٰ نے علومِ نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا۔ اور نبیوں کی آمد کے درمیانی عرصہ میں جب عام آدمی آنے والے نبی کا اِنتظار کرتے ہیں' یہ باسعادت افراد کارِ نبوت کو آگے بڑھاتے ہیں' اور اپنی قوم کو سابق نبی کی طرح کفر و شرک اور عقائد کی گندگی' اور خدا کی نافرمانی پر تنبیہ کرتے ہیں۔ خدا اور آسمانی کتابوں کو' نبی اور رسول اور ان کے لائے ہوئے دستور کو تسلیم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں' اور ظلم و شرارت اور زمین میں فتنہ و فساد سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔[1]

● دین کی اہمیت و ضرورت :

ابتدائے آفرینش سے یعنی آدم و حوا علیہا السلام کے جنت سے اتر کر جنت ارضی کو آباد کرنے سے آج تک اِنسان کو ایسے دستورِ حیات اور ضابطے کی اشد ضرورت تھی' جس پر عمل کرنے سے اسے عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم نصیب ہو' اسکے نفس اور باطن کی اصلاح ہو' اس کی زندگی منظم اور اسکا رخ صحیح سمت کی طرف ہو' اور اسے دنیا کی زندگی میں جو روئے زمین پر گذر رہی ہے کمال و کامرانی' اور ان مقاصد کی تکمیل نصیب ہو' جس کیلئے اسکے رب نے دنیا میں اسے بھیجا ہے' اور آخرت کی زندگی میں جو مرنے کے بعد شروع ہوگی' اور جس کا یقینی علم انبیاء کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں سے ہوتا ہے۔ سعادتِ ابدی اور رضائے الٰہی میسر ہو۔

---

1. مؤرخ' شمارک نے قرآن پاک کی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے: تاریخ میں ایسی بے شمار بستیوں کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے' جہاں قلعے اور محلات نہ تھے' بڑے بڑے پل اور اُونچے اُونچے ڈیم اور بند نہیں تھے۔ لیکن کسی ایسی بستی کا سراغ نہیں ملتا' جہاں کوئی عبادت گاہ اور معبد نہ رہا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ کسی نوعیت کے انسانی یا زمینی دستور پر عمل درآمد سے زندگی میں اس قسم کا انقلاب، اس کی اپنی اصلاح و درستی، اور عظیم مقاصد کا حصول ممکن نہیں، تاوقتیکہ کسی سچی اور خالص آسمانی شریعت کی پیروی نہ کی جائے، یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ سے بڑھ کر اِنسانی خواہشات، اس کے احساسات، اس کے دکھ درد، اور اس کے افکار و خیالات سے واقف کوئی نہیں ہوسکتا، جس نے عدم سے اسے وجود بخشا، اور مہد سے لحد تک اس کی پرورش کی، لہٰذا اس ذاتِ واحد سے بڑھ کر بھلا اور کون ہوگا، جو اس کے لئے دِین و آئین وضع کرے، اور وہ ضابطہ حیات مقرر فرمائے، جس سے اسے زندگی میں کمال اور مرنے کے بعد حیاتِ ابدی اور دائمی خوشی کی اہلیت نصیب ہو۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے دِین کی ضرورت زندگی کی بنیادی ضرورتوں، جیسے کھانے پینے، اوڑھنے سردی گرمی سے بچنے، دوا علاج، اور رہنے کے لئے مکان سے زیادہ مقدم ہے، اور جہاں ایک شخص کی زندگی میں دِین کا آنا ضروری ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ دیگر افراد ایک دوسرے کے لئے آئینہ بنیں، تاکہ ایک سے دوسرے کی اصلاح ہو، آپس میں تعاون اور ہمدردی پیدا ہو اور یکساں رنگ رہتی زندگی سب پر قائم اور باقی رہے۔

اِنسان فطری طور پر اپنی ناتوانی سے آگاہ ہے، اور بخوبی جانتا ہے کہ اسے زندگی کے میدان میں اپنے مالک و مولیٰ کی اعانت، اس کی توفیق و عنایت، اور اس کی حفاظت و نگہداشت مطلوب ہے، اس لئے وہ شدت سے اس کا محتاج ہے کہ اپنے ربِ حقیقی کی معرفت اسے نصیب ہو ـــ اور اطاعت و بندگی، اور مختلف عبادات سے اس کی رضا و خوشنودی زیادہ سے زیادہ حاصل ہو۔

اِنسان اپنی خداداد عقل و شعور، فہم و فراست، اور لیاقت و صلاحیت سے رفعت و سربلندی کے ان مدارج تک رسائی حاصل کرسکتا ہے، جن سے آگے کا تصور مشکل ہے، بنا بریں ان تین حالتوں میں جن کا ذکر پہلے گذرا اسے دِین الٰہی اور ایسے آئین کی ضرورت ہے جو اس کی فطرت اور افتادِ طبع کے مناسب ہو، جس کے ذریعے اس کے درمیان اور ان افراد کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی تعاون ہو، جن سے زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے تعلقات ناگزیر ہوں، یہ اس لئے کہ زندگی کے تقاضے بکثرت ہیں، اور حسن رہائش کے لئے کھانا پانی،

لباس، رہائش اور مواصلاتی وسائل بہرکیف درکار ہیں، نیز خدا کی معرفت اور اس تک رسائی کے لئے اس کے سکھلائے ہوئے علوم و معارف بھی ناگزیر ہیں۔ جن سے اس کو معلوم ہو گا کہ اس کی عبادت اور بندگی کیوں کرنی چاہئے، اس کے تقرب کے کیا طریقے ہیں، اسے کیا پسند اور کیا ناپسند ہے، کن سے وہ راضی یا ناراض ہوتا ہے، اسی علم الٰہی سے اسے حیات اور کائنات کے حقائق کا علم ہوگا، اور یہ معلوم ہو گا کہ دنیا اور آخرت میں عروج اور کمال کی کیا کیا شکلیں ہیں، اور زوال اور پستی کی کیا کیا صورتیں ہیں؟

غرض دین کی ضرورت اور اہمیت مسلم ہے اور اگر اِنسان چشم بصیرت سے کام لے تو محسوس ہو کہ جسم کی نشو و نما کے لئے اگر ہوا، پانی، غذا اور دوا ضروری ہے، تو روح کی پاکیزگی اور باطن کی اصلاح کے لئے عقائد کی درستی اور شرعی اصولوں کی پابندی اس سے زیادہ ضروری ہے، جس کا انکار کوئی جاہل یا گنوار ہی کرسکتا ہے، اور جن کی طرف التفات بھی نادانی ہے۔

رہا یہ دعویٰ کہ "اِنسان کی رہنمائی کے لئے، اس کی صلاح و فلاح اور کامرانی کے لئے اس کی عقل کافی ہے۔ اس کے لئے کسی وحی الٰہی کی ضرورت نہیں" تو یہ جہالت اور نادانی ہے اس لئے کہ اگر بدقسمتی سے اِنسانی عقل و شعور کی آبیاری وحی الٰہی کے آبِ حیات سے نہ ہوئی ہو بلکہ ان کی نشوونما خود رَو گھاس کی طرح ہوئی ہو، جن کے لئے کوئی اصول یا ضابطہ نہیں، تو اس میں شک نہیں کہ یہ عقل نہیں، جنون اور دیوانگی کہلانے کی مستحق ہے، جس کا نہ خدا کے یہاں اعتبار ہے، نہ عام اِنسانوں کے نزدیک اس کا کوئی وزن ہے، اور اگر اس قسم کی عقل چنداں مفید ہوتی تو وحی الٰہی سے محروم قومیں کسی صورت بدحالی، گمراہی اور فکری پریشانی کا یوں شکار نہ ہوتیں۔

چنانچہ سورۂ احقاف میں اِرشاد ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَآ اِنْ مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَالَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْئٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّاكَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (احقاف:۲۶)

ترجمہ "اور بے شک ہم نے (عاد) کو اُن باتوں میں قدرت دی تھی جن میں تُم کو قدرت نہیں دی- اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے' تو نہ ان کے کان ان کے کچھ کام آئے' اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل- اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے- اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے' اس نے ان کو آگھیرا-"

وحی الٰہی کے بغیر اِنسانی عقل نفع و ضرر کے فیصلے کرنے سے اس لئے درماندہ اور عاجز ہے کہ اِنسانی عقل کی حیثیت بدن کے ایسے عضو کی سی ہے جو قوتِ ادراک اور طاقت احساس رکھتی ہے- مثال کے طور پر آنکھ کے اندر دیکھنے کی صلاحیت ہے' اور یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ دیکھنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب روشنی ہو- اجالا نہ ہونے اور گھٹاٹوپ تاریکی پھیل جانے کی صورت میں آنکھ کی حیثیت بغیر سیل (Cells) کے ٹارچ کی سی ہوجاتی ہے- جس طرح سیل کے بغیر ٹارچ روشنی نہیں دے سکتی' روشنی کے بغیر آنکھ کچھ دیکھ نہیں سکتی- اسی طرح نورِ الٰہی اور وحی خداوندی کے بغیر عقل کسی قسم کا صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی- اور اگر اس کے باوجود کوئی اپنی عقل کو حق کا معیار سمجھے تو یہ اس کی بھول اور سب سے بڑی نامعقولیت ہوگی' لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اِسلام جیسا دِین فطرت جو وحی کا وہ تصور پیش کرتا ہے' جو ہر قسم کی کمی زیادتی اور ردو بدل سے پاک ہے یہ دین مختلف علوم و فنون کی تحصیل پر کسی قسم کی پابندی عائد کرتا ہے یا اس پر مصر ہے کہ تحصیل علم کی تمام کوششوں کو وحی الٰہی اور علومِ شریعت تک محدود رکھا جائے- اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ:

ا- بیشتر علوم جیسے ادب' اخلاق' تاریخ' سیرت (جغرافیہ' نجوم' فلکیات' ہیئت' طبقات الارض' ریاضی' ہندسہ' طب و جراحت' صنعتی پیداوار' تجارتی کاروبار) اور مختلف علوم و فنون کی نسبت جیسا کہ قرآن پاک کی صراحت اور اس کے بعض اشارات سے پتہ چلتا ہے- بالواسطہ یا بلا واسطہ قرآن پاک سے ہوتی ہے- یہ الگ بات ہے کہ جنہوں نے ان علوم کو سنوارا' ان کا نام اس علم کے ساتھ مشہور ہوا-

۲- مادّی علوم کا نفع عام طور پر مادّے یعنی جسم اور معدے تک محدود ہوتا ہے- جب کہ روح' جس کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں رہی' اس کو ان علوم سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچتا' اس لئے کہ روحانی سکون اور دل کی تسکین کا اس بازار میں کوئی پرسانِ حال نہیں! چنانچہ اس

غفلت اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس علم کے ماہرین بظاہر بڑے آرام و راحت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ لیکن اندر سے ان کی روح کس طرح بے چین رہتی ہے' اس کا احساس کم لوگوں کو ہوتا ہے۔

مادی علوم جن پر وحی الٰہی کی چھاپ نہ ہو' ان کے آزادانہ استعمال سے یہ تو ہوتا ہے کہ کائنات کے سربستہ راز کھل جاتے ہیں' مادوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ نئی نئی ایجاد سامنے آتی ہے جس سے گھڑی بھر کے لئے نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ○

(روم:۷)

ترجمہ "یہ تو دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں' اور آخرت کی طرف سے غافل ہیں۔"

لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ روحانیت اور اخلاقی قدروں کا دامن چھوڑ جانے کی صورت میں ان ایجادات کے تباہ کن اثرات کا یہ عالم ہے کہ خود ان کے بنانے والے خوف و دہشت سے لرز رہے ہیں' جب کہ یہ مادے اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے باوجود اتنے کوتاہ قامت بھی ہیں کہ اپنے مادی خول سے نہ باہر آسکتے ہیں' نہ روحانیت کی تسکین' یا ٹوٹے دلوں کو پھر سے جوڑنے کی سکت رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں ظاہری علوم پر جس قدر محنت بڑھ رہی ہے' اور نت نئے تجربات اور ان کے نتائج سامنے آرہے ہیں' بارہا یہ ہوتا ہے کہ توقع کے خلاف نتیجہ نکلنے کی صورت میں ان علوم کے ماہرین عاجز اور حیران رہ جاتے ہیں' اور دریافت کرنے پر کہ یہ کیوں ہوا؟ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ "کیسے" کا جواب ان کے پاس ہے' لیکن "کیوں ہوا؟ یہ وہ خود بھی نہیں جانتے۔ ان کی یہ معذوری دراصل وحی الٰہی سے محرومی کا نتیجہ ہے ؎

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نیز یہ واقعہ ہے کہ مادی علوم نے طویل محنت اور وسیع تجربے کی بنیاد پر خاصا امتیاز اور کمال اپنے اندر پیدا کر لیا ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج انسانیت اس سے کہیں زیادہ حیران اور دم بخود ہے جتنی کہ ان ترقیات سے پہلے اسے پریشانی لاحق تھی' اس لئے

کہ آج ہر ترقی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ بنتی جارہی ہے' اور امن و سکون کو دن بدن خطرہ لاحق ہے- جس کا زندہ ثبوت ہمارے سامنے پیش آنے والے روز مرہ کے حالات و واقعات ہیں- اور یہ سب سے بین اور کافی ثبوت ہیں- ان حالات کے پیش نظر یہ اعتراف ضروری ہوجاتا ہے کہ دین حق کا زندگی کے اندر آنا ایسا ہی ضروری ہے' جیسے زندگی کے لئے سانس کی نالی میں ہوا کی آمدورفت ضروری ہے' یا جیسے دھویں کے لئے آگ کا ہونا ضروری ہے-

آخر میں ہم پھر عرض کریں گے کہ دنیائے اِنسانیت کی' اس جہان اور آخرت میں کامرانی اور سعادتِ ابدی کا باعث صرف وہ دین ہے جسے حق تعالٰی نے بندوں کے لئے بنا کر مکمل کیا' اسے اپنی طرف منسوب کیا' اور اس پر اپنی خوشنودی کا اِظہار فرمایا- رہے وہ باطل مذاہب جنہیں خود ان کے ماننے والوں ہی نے توڑ مروڑ کر مسخ کیا' جیسے بدلا ہوا عیسائی اور یہودی مذہب-ان کے علاوہ مجوسی' بدھ اور ہندو دھرم وغیرہ اِگر انہیں کسی معنٰی میں دِین کہا بھی جائے تو اس میں شک نہیں کہ آج ان میں سے کسی کے اندر' اور تمام دوسرے زمینی اور خود ساختہ مذاہب میں روحانیت کا وہ پیغام نہیں جو دِین الٰہی اور شریعت خداوندی کا خاصہ ہے- اس لئے کہ علمائے یہود اور مسیحی پادریوں نے جس چیز کو مذہب کا نام دیا' وہ مذہب نہیں' مذہب کی بگڑی ہوئی شکل تھی- اور اس بگاڑ کے پیدا کرنے والے وہ خود تھے- چنانچہ اس کے نتیجے میں دنیا ان سے فریب کھا گئی' اور یہ فیصلہ کر بیٹھی کہ اگر یہی مذہب ہے تو اسے دور سے سلام- ایسے مذہب سے باز آنا بہتر ہے-

ان مذاہب سے عام بیزاری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ یورپ جس نے ایک زمانے تک مسیحیت کو بطور مذہب قبول کیا' وہاں کے متعدد ملکوں نے مختلف سیاسی' سماجی' ثقافتی' سائنسی' صنعتی اور تجارتی میدانوں میں اسی صورت ترقی کی جب کہ ان مذاہب کو انہوں نے خیر باد کہا! اس کے بالمقابل یہ حقیقت ہے کہ خدائی مذہب جو اپنی اصل شکل و صورت میں ہو' عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم سے اس کا ٹکراؤ کبھی نہیں ہوسکتا-

دنیائے اِنسانیت اور باشعور طبقہ آج اگر رہی سہی اِنسانیت کی حفاظت چاہتے ہیں' مادے اور معدے کے چکر سے نکل کر جہاں ان کی حالت مشین کے پرزوں یا جانوروں کی طرح بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے- دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں' بندوں کی غلامی سے نکل کر

خدا کی بندگی اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں' تو بلا تکلف عرض ہے کہ ان کا گمشدہ سرمایہ یہی دِین اِسلام اور شریعت محمدی ﷺ ہے' جو اُن کی ہمہ قسم کی ضرورتوں کی بخوبی تکمیل کر سکتا ہے' ان کی تمام بیماریوں کا علاج اور زندگی کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے۔

آج اِسلام تمام دانشوروں کو اور ان کے ذریعے سارے عالم کے اِنسانوں کو رنگ و نسل کی سطح سے بلند ہو کر یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے عقائد' اس کے احکام اور اس کے مکمل نظام کو اِختیار کریں۔ جس کے اندر ان کے لئے دنیا میں راحت اور آخرت میں نجات کا سامان مہیا ہے' اور جو چودہ سو سال سے ہر قسم کے ردو بدل اور تحریف سے پاک و صاف ہے۔

جہاں انہوں نے دیگر مذاہب اور مختلف ازموں کو جانچا اور پرکھا' حق کی جستجو اور روشنی کی تلاش کے لئے ایک آزمائش اور سہی! ع ؎

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے!

  

خدا کا وجود

اِنسانی فطرت کی آواز ہے

عقل سلیم کا راستہ سب سے آسان اور سیدھا راستہ ہے' جس کے ذریعہ بندہ اپنے رب کو پہچان سکتا ہے۔ اس کی الوہیت اور ربوبیت کو تسلیم کرسکتا ہے' اور اس کے کل احکام کی پابندی کرسکتا ہے۔

اِنسانی عقل اگر راستی اور سلامتی پر مبنی ہے' تو یہی عقل اشیاء اور مختلف امور سے متعلق مثبت یا منفی' یا ہونے یا نہ ہونے کا قابل قبول فیصلہ کرتی ہے۔

باری تعالیٰ کا وجود' اس کی معرفت و اطاعت اور اس سے تقرب کا حصول منجملہ ان مسائل میں سے ہے' جس کی تائید میں اِنسانی عقل انتہائی واضح اور دو ٹوک فیصلہ کرتی ہے' جس سے انکار کی گنجائش سمجھدار اور باشعور افراد کے لئے بے حد دشوار ہے۔

اِنسان اگر اپنے ضمیر کی آواز کو دبانے کی کوشش نہ کرے' اور اپنی عقل کے فیصلوں پر توجہ دے تو عقل و ضمیر اس کی رہنمائی کریں' اس کے سامنے دلائل اور شواہد پیش کریں۔ اور اس قضیہ سے متعلق اپنا آخری فیصلہ صادر کریں کہ:۔

"حق تعالیٰ کو اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ماننا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اس کی وحی پر عمل پیرا ہونا۔ اس کی اطاعت و عبادت کرنا۔ اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی کامل پیروی کرنا نہایت ضروری ہے۔"

"اِنسان غور کرے کہ اس بھری پُری کائنات میں سب سے بلند و بالا' سب سے زیادہ عظمت اور شان کا مالک آسمان ہے' جسے جی بھر ہر کوئی جب اور جہاں چاہے دیکھ سکتا ہے۔ اس

روشن' کشادہ اور جگمگاتے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عقل اِنسانی اسے اس طرح مخاطب کرتی ہے۔

"یہ چرخِ نیلی فام' اور یہ اونچا آسمان' یہ چاند' یہ سورج' یہ تارے' اور یہ کہکشاں جن کا مشاہدہ ان آنکھوں سے ممکن ہے' جس کی رفعت' حد' دوری اور پہنائی کی نہ کوئی انتہا ہے' نہ کسی کو اس سے انکار ہے۔ کیا یہ اس کا ثبوت نہیں کہ یہ جس قدر عظیم المرتبت اور اونچی شان والا ہے' اس کا بنانے والا اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا' اور قدرت' سطوت اور شان و شوکت کا مالک ہے۔"

زمین کا فرشِ خاکی ـــ جسے اِنسان ہر جگہ اپنے پیروں سے روندتا ہے' اسی خاک سے پیدا ہو کر ایک روز اسی میں مل جاتا ہے۔ یہ زمین اپنے وجود کی آپ دلیل ہے' جس سے انکار نہیں کیا سکتا۔ لہٰذا آسمان کی طرح یہ زمین بھی کیا خود بخود پیدا ہو سکتی ہے' یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟

زمین و آسمان کے علاوہ جن کا تعلق جماوات سے ہے' زندہ و پائندہ خلائق میں سب سے حیرت انگیز' عجوبہ روزگار اور افضل ترین مخلوق اِنسان ہے' اور اس کے بالمقابل ادنیٰ اور کمتر مخلوق مکھی' مکڑی اور چیونٹی وغیرہ ہیں۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ ان حقیر ترین مخلوقات کی بھی مختلف دنیا آباد ہے۔ ان کی کچھ مخصوص عادات اور طور طریق ہیں۔ ان کے زندگی گذارنے' کھانے پینے' خوراک کا ذخیرہ کرنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے کا اپنا ایک نظام ہے' جو کسی خارجی اعانت کے بغیر حرکت و عمل میں مصروف ہے۔ عقل یہ پوچھتی ہے کہ "کیا یہ نظام بھی خود ساختہ اور آپ سے آپ جاری و ساری ہے۔ یا اس کے پیچھے کوئی ذہن' کوئی طاقت کار فرما ہے؟

اس طرح اِنسانی عقل ایک ایک مخلوق' اور ان کے نظامِ حیات کو پیش کرکے یہ سوال کرتی ہے اور یہ احساس دلاتی ہے کہ ضرور اس کی جستجو کی جائے کہ عدم سے انہیں وجود بخشنے والا' انہیں روزی پہنچانے اور ایک خاص نظام کا پابند بنانے والا' ہر جاندار کو ایک مخصوص مدت تک زندگی سے نوازنے' اور پھر اسے سلب کر لینے والا آخر کون ہو سکتا ہے؟ وہ کون ہے؟ جس نے ازل سے ابد تک جملہ خلائق اور کل کائنات کو وجود بخشا' جو زبردست اور انوکھی قوتِ

تخلیق' حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب کا مالک ہے۔
اِنسان سوچے' تدبر اور غور و فکر سے کام لے' اور اپنی عقل کو ہیچ اور حقیر نہ سمجھے۔
اِنسانی عقل قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے' جو اس سے کام نہ لے' ہر کوئی اسے دیوانہ اور پاگل مشہور کرتا ہے۔ اس لئے کہ فکر و شعور اور عقل و تدبیر سے خالی ہو کر بلا سوچے سمجھے جو اس کے جی میں آتا ہے' کہتا ہے یا کرتا ہے' عقل کے ناخن لے کر اِنسان غور کرے کہ کیا کل کائنات آپ سے آپ بن گئی؟ کیا کوئی اس کا بنانے والا نہیں؟ اسی طرح کیا مادہ بھی تخلیق اور حرکت کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اول تو عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ مادہ جو پرسکون اور تن مردہ کی طرح ہوتا ہے' اتفاقاً" اس کے اندر حرکت کیونکر پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ جو شے مردہ ہو' وہ کسی اور چیز کی حیات کا باعث بن سکتی ہے؟

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْئٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○ (طور:۳۵)

ترجمہ: "کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔؟"

اور اگر بالفرض حرکت پیدا ہو بھی جائے تو یہ کیا ضروری ہے کہ اس مادے کے اندر زندگی کے آثار رونما ہوں' مختلف مخلوقات پیدا ہوں' اور ایک حیرت انگیز نظام کے تحت ان کا رشتہ آپس میں منسلک ہو؟

اور اگر یہ سب ممکن نہیں' اور یہ نظریہ سراسر باطل اور بے بنیاد ہے' تو اس سے بہتر تو یہی ہے کہ یہ تسلیم کر لیا جائے اور زبان سے اس کا اقرار کیا جائے کہ وہ خدا ہے' جو ہمیشہ سے ہے جو بڑی قوت و قدرت' بڑی قوتِ ارادی اور حد درجہ علم و حکمت والا ہے۔ اس نے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے آگاہ کیا کہ وہی خالق' پروردگار' ہر چیز پر قادر' زمین آسمان کا موجد اور کل بادشاہت والا ہے۔

اجرامِ سماوی پر غور کرنے کے بعد اب ہمیں زمین پر چل پھر کر اس کی جستجو اور تلاش میں نکلنا چاہئے کہ یہاں موجود تمام چیزیں کیا آپ سے آپ بن گئیں؟ یا ان کا کوئی بنانے والا ہے؟

ہمارے ارد گرد نباتات کی ایک دنیا آباد ہے۔ قسم قسم کے پودے' درخت' پتے' پھل' پھول اور بیلیں اپنی اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ ان سب پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان

کی پرورش اور افزائش مقرر اصول کے تحت انجام پاتی ہے' اور کوئی پودا یا پتہ اس ضابطے سے روگردانی یا انحراف کی اپنے اندر سکت یا طاقت بھی نہیں رکھتا۔ ہر بیج ایک مدت تک زمین کے اندر دفن رہتا ہے۔زمین کی رطوبت اور تری سے تازگی پاتا ہے۔ چند روز کے بعد زمین سے سر اٹھا کر باہر کی دنیا کو دیکھتا ہے۔ ہوا اور پانی سے شاد کام ہوتا ہے۔ اور جس طرح مادے کے حقیر ذرے میں ایٹمی طاقت کا عفریت بند ہوتا ہے' ایک معمولی بیج پورے درخت کا اس کی جڑ شاخوں سمیت خاکہ اپنے سینے میں مخفی کئے ہوتا ہے! کیا یہ درخت آپ سے اُگ رہا ہے؟ یا اس کا کوئی اُگانے والا ہے؟

نباتات کی طرح حیوانوں اور جانوروں کی بھی ایک دنیا ہے جن کی تعداد ہی نہیں ان کی اقسام بھی بے شمار ہیں۔ ان میں حقیر اور معمولی بھی ہیں' بلند و بالا اور پست قامت بھی ہیں۔ لیکن کسی حیوان سے متعلق یہ انکشاف آج تک نہیں کیا جاسکا کہ فلاں جاندار اپنی پیدائش کا آپ ذمہ دار ہے!

اِنسان خود اپنے اوپر بھی غور کرتا چلے کہ وہ سب سے اعلیٰ اشرف جاندار ہے جسے حق تعالیٰ نے خصوصی درجہ اور نمایاں امتیاز مرحمت فرمایا۔ دوسروں پر غور کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی اپنے اوپر نظر ڈالے' کہ مرد و عورت کے ملاپ سے رحم میں اس کا نطفہ قرار پایا۔ پھر مختلف مدارج طے کرتا ہوا ایک ننھے معصوم اِنسان کی صورت میں اس کا ظہور ہوا۔ پیدائش کے بعد پرورش اور ارتقاء کے مختلف زینے یعنی بچپن' جوانی' بڑھاپے کے مراحل طے کرتا رہا۔ تا آنکہ مقررہ وقت پر اس کو موت آلیتی ہے اور وہ اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ کیا ان تمام مراحل میں جنہیں اِنسان طے کرتا ہے' یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسے ذرہ برابر بھی اِختیار ہے' یا وہ اپنی مرضی اور ارادے کا مالک ہے؟

زمین' آسمان' نباتات و جمادات' اور کل کائنات پر' اور پھر اپنے اوپر نظر ڈال کر اِنسان غور کرے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچے کہ یہ سارا کارخانہ کیا آپ سے آپ جاری و ساری ہے؟

اِنسان کم از کم اپنے حالات سے بخوبی آگاہ ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ خود اپنی پیدائش کے معاملے میں وہ کتنا بے بس ہے۔ علم و آگہی کے باوجود جب اسے اپنے اوپر قدرت

نہیں تو تمام حیوانات جو اس سے کمتر ہیں' اپنی پیدائش پر بھلا انہیں کیونکر قدرت حاصل ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہو گا اسی طرح کوئی مخلوق جیسے' مکھی' یا ادنیٰ سی چیز جیسے' چائے کی پیالی- پیدا کرنے اور بنانے والے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی- چہ جائیکہ بڑی سے بڑی عمارت' یا معمولی سی روئی آپ سے آپ بن جائے! یہ سوچنا بھی جہالت ہے کہ خدا کچھ کرتا ہوا کہیں نظر نہیں آتا- اس لئے اس کا کوئی وجود نہیں- کیونکہ پہلو میں دھڑکتے ہوئے دل' اور سر کے اندر موجود دماغ کو ہر شخص دیکھ نہیں پاتا' لیکن ہزاروں اَن دیکھی چیزوں کی طرح ان کے وجود کو مانتا ہے- ایٹم جو اتنا مہین برق پارہ ہے کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آتا' لیکن سائنس کی نظر میں اس کی ایک حقیقت ہے- اور جب ان کا وجود ہے تو لامحالہ کوئی ان کا بنانے والا بھی ہونا چاہئے- اس لئے کہ بنانے والے کے بغیر کوئی چیز بن نہیں سکتی-

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ (طور:۳۵)

ترجمہ "کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟-"

حیرت ہے کہ یہ منکرین' جو خلق و تکوین کے خدائی قانون سے واقف ہوتے ہیں' بسا اوقات قدرت کے بعض مظاہر کا اُلٹا اثر لیتے ہیں- چنانچہ سمندر سے آبی بخارات اٹھتے' اور بخارات سے بارش برستے ہوئے' یا انڈے سے چوزہ' اور بیج سے پودا اُگتے ہوئے دیکھ کر وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جب یہ سب آپ سے آپ ہو رہا ہے تو کسی خدا کو ماننے' یا اس کا وجود تسلیم کرنے کی کیا ضرورت؟ اس عقل و دانش پر ماتم نہیں تو اور کیا کیا جائے کہ جن چیزوں سے اوروں کے دلوں میں اِیمان و یقین پیدا ہوتا ہے' ان کے اندر کفر و الحاد کے جراثیم پروان چڑھتے ہیں- کاش کہ انہیں اس کا احساس ہوتا!

اس قسم کے الحاد اور بے دینی کی مثال ایسی ہے' جیسے کوئی طباق بھر اعلیٰ درجہ کی کھجوریں کسی اَن پڑھ آدمی کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دے- جب وہ شکم سیر ہو کر کھا چکے' اور یہ پوچھ بیٹھے کہ اتنی لذیذ کھجوریں کس نے بنائیں؟ تو اسے بتایا جائے کہ بھائی خدا کے سوا بھلا اور کون بنا سکتا ہے؟ وہ شخص بھی مان لیتا ہے کہ بے شک اسی نے بنایا- پھر اتفاق سے اس کا گذر کھجوروں کے ایک باغ پر ہوتا ہے' جہاں باغ کا مالی درختوں کی رکھوالی میں مصروف ہوتا ہے' کھجور کے درختوں کی قلمیں لگاتا ہے' اور جڑوں کو سینچ کر پودوں کی پرورش کرتا ہے- یہ

دیکھ کر وہ شخص مکر جاتا ہے' اور کہتا ہے کہ کھجور اُگانے والا خدا نہیں' بلکہ یہی مالی ہے۔ اس لئے کہ شروع سے آخر تک ساری محنت یہ کرتا ہے' نہ کہ کوئی اور! ـــ اب اسے کون سمجھائے کہ مالی کی بساط ہی کیا؟ یہ تو قدرت کی ادنیٰ کاریگری ہے کہ اس نے کھجور کا ایک بیج ہی نہیں' بلکہ اس کی پرورش کے لئے ہوا' پانی' مٹی' اور خود اس مالی کو عدم سے وجود بخشا ـــ اسے باغبانی کا علم دیا' اور یہ اسی کا کرشمہ ہے کہ معمولی بیج کے پیٹ سے اونچا پورا درخت سر اٹھاتا ہے' اور اس کی شاخوں سے میٹھی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔!

اور اگر ان دہریوں سے یوں کہا جائے کہ تم جو زمین و زماں کے اصولوں اور کون و مکاں کے دستور پر حاوی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو' ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہ اصول اور ضابطے آخر کس نے بنائے؟ تو یہ منکرین' خدا کے وجود اور اس کی پرستش سے بچنے کے لئے کہیں گے کہ "یہ سب نیچر اور مادے کی توانائی کا کرشمہ ہے۔" اور اگر نیچر کو زبان مل جائے اور وہ ان سے مطالبہ کرے کہ "پھر تم میری سنو' اور میرے خلاف مت چلو!" تو جیسے انہوں نے خدا کا انکار کیا' نیچر کا بھی انکار کر بیٹھیں گے۔ جب کہ خداوند عالم صاف صاف ان سے کہتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (بقرہ:۲۱)

ترجمہ "اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو' جس نے تم کو پیدا کیا' اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزرے' تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

اس میں شک نہیں کہ نیچر یا مادے جیسی بے جان شے کو سب کچھ تسلیم کر لینے کی بجائے خدا پر ایمان لانا کہیں زیادہ معقول اور آسان ہے۔ چنانچہ کسی ماہر طبیعیات نے صحیح کہا ہے کہ "کائنات اور یہ سارا نظام اگر اپنے آپ وجود پذیر ہوا' تو ہمیں کل کائنات کو خدائی اوصاف کا حامل' بلکہ خدا تسلیم کرنا ہو گا' اور یہ کسی عجوبے سے کم نہ ہو گا۔ اس لئے کہ کسی ایسے خدا کا تصور کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ جو بیک وقت مادی اور غیر مادی' محسوس اور غیر محسوس' دو متضاد اوصاف کا حامل ہو۔ اس لئے میں ایسے خدا پر ایمان لانے کو ترجیح دوں گا جس نے کل کائنات کو پیدا کیا' جو تمام جہانوں کا حاکم اور نگراں ہے' اور جس کی ذات کائنات سے ماورا اور کون و مکان

کی آلائشوں سے پاک و صاف ہے۔ میں خدا کو چھوڑ کر نکتہ وروں کی غیر یقینی توجیہات اور فلسفیوں کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ جانا اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔"

یعنی نظامِ کائنات کی توجیہ کرنے کے لئے ماہرین طبیعیات اور اہل سائنس نے اتفاق' احتیاج' ضرورت اور مادی توانائی کے جو نظریے پیش کئے' اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ جس چیز کو کائنات کی توجیہ کا نام دے کر خدا کا بدل ٹھہرانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں' نہایت آسانی سے اسے خدائی نظام اور اس کا طریق کار جیسے معقول نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ ان کی تمام تر توجیہات کی حیثیت ذہنی تعیش' خوشنما فریب' جہالت اور وہم و گمان سے زیادہ نہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کائنات کی توجیہ اور نظامِ عالم کو چلانے کے لئے' خدا کے منکر اور ملحدین طبیعت' احتیاج و ضرورت اور اتفاق و علت جیسے نظریے پیش کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد کیا ہے؟

طبیعیات کیا ہے؟:

طبیعیات کافی وسیع مفہوم کا حامل ہے' جو بیک وقت مادے اور اس کے اجزاء ترکیبی پر بولا جاتا ہے۔ نیز مختلف عناصر جیسے: حرارت' برودت' خشکی اور تری' اور ان کے مختلف امتزاج پر بھی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ علم طبیعیات کی رو سے کسی عنصر کے باریک ترین ذرے یعنی جوہر کو بھی مادہ (Atom) کہتے ہیں۔ جو دوسرے انتہائی مہین ذروں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ ان کے اندر مثبت اور منفی دونوں قسم کی توانائیاں مقید ہوتی ہیں' (جیسے گھڑی کی کمانی پوری چابی دینے کے بعد اپنے اندر توانائی رکھتی ہے۔)

علم طبیعیات اور جدید سائنس کے ماہرین یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مادہ یا جوہر ان تین بنیادی اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ پروٹون (Proton) نیوٹرون (Neutron)' اور الیکٹرون (Electron)

اس علم کے ماہرین کے نزدیک مادہ کی حیثیت یہ ہے۔ لیکن جہاں تک عقل سلیم کا تعلق ہے' یہ سوال بار بار ذہن میں گردش کرتا ہے کہ عناصر کا یہ کھیل' یہ جوہری توانائی' اور

ایٹم کی یہ تمام تر فتنہ سامانی کیا محض اسی مادے کے چشم وابرو کا کرشمہ ہے؟ کیا مادہ یہ سب کچھ کر رہا ہے؟ یا اس مادے کے ماوراء بھی کوئی ذات ہے؟ جس کا قدم قدم پر مادہ خود محتاج ہے؟ — اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا نظریہ محض عقل کی نارسائی اور فہم کی ناپختگی کا نتیجہ ہے- اس لئے کہ اس پورے نظریے کو من و عن تسلیم کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ مادہ پہلے معدوم تھا- سب سے پہلے اس نے خود کو وجود بخشا- پھر اس نے دوسرے عناصر اور کل کائنات کو پیدا کیا! — جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مادہ اپنی تمام تر حیرت انگیز توانائی کے باوجود اپنے وجود کے لئے کسی ایسے موجد کا محتاج ہے جو اس سے ہزارہا ہزار گنا زیادہ طاقت اور قوت کا مالک ہے' اور جس نے ان اوصاف کو اس حقیر ذرے میں ودیعت کیا ہے- اس صورت کے تسلیم کئے جانے کے بعد یہ لازم آئے گا کہ مادہ ناقابل تخلیق اور لافانی نہیں' بلکہ مخلوق اور قطعی فنا ہو جانے والا ہے- اور یہ امر مقرر ہے کہ فانی شے الوہیت کی صلاحیت نہیں رکھ سکتی' نہ خلق و تکوین اور عدم سے وجود میں لانے کی اہل بن سکتی ہے- عقل کی اس نارسائی سے خدا کی پناہ!

عقل سلیم نے اب سے بہت پہلے اس قاعدہ کو مان لیا ہے کہ جو مادہ مختلف عناصر سے مرکب ہوگا' فانی ہوگا- اس لئے کہ مرکب اور بنی ہوئی چیز ایک نہ ایک دن بگڑ کر رہتی ہے- نیز عدم سے جو شے وجود میں آئے' اس کے لئے موجد کا ہونا لازمی ہے- چنانچہ علت و معلول کا نظریہ جو اگرچہ باطل ہے' لیکن اس کی تائید کرتا ہے — (اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ کائنات میں ازل سے ایک کے بعد ایک واقعات اور حوادث پیش آتے گئے- اور ہر بعد کے واقعہ کے لئے پہلے کے واقعہ کا وجود فرض کیا گیا ہے جو بعد والے واقعہ کا سبب اور اس کی علت بنا- اس نظریے کی رو سے کائنات کی تخلیق کی اصل علت اگر مادہ بنتا ہے' تو یہ ضروری ہے کہ خود مادہ سے پہلے کوئی علت ہو جو مادے کو جنم دے' ورنہ مادہ کا وجود باطل ہوگا- اس لئے کہ یہ نام نہاد عقلمند بھی اس کے قائل ہیں کہ علت کے بغیر معلول کا وجود کسی طرح ممکن نہیں!)

پس یہ ثابت ہوا کہ مادہ کا وجود اور اس کی گردش یا توانائی اگر معلول اور نتیجہ ہے تو اس کے لئے کوئی علت کا پایا جانا ضروری ہے- یہی علت در حقیقت اللہ ازلی ہے جو غیر مادی ہے' ازلی اس لئے کہ غیر ازلی حادث ہوتا ہے' اور حادث سرا سر مادہ سے بنا ہوتا ہے' وہ بھلا کسی کو کیا زندہ کر سکتا ہے؟

یوں بھی یہ امرِ بدیہی ہے کہ جو شئی خود تہی اور خالی ہو' وہ دوسرے کے لئے کچھ نہیں کر سکتی' نہ زندگی اور حیات کی طرح کوئی اعلیٰ وارفع چیز دے سکتی ہے' نہ موت اور عدم کی طرح کوئی ادنیٰ چیز دے سکتی ہے۔

نیز یہ تمام تر دجل و فریب اور ذہنی خلجان جو خلق اور تکوین کو مادے کی طرف منسوب کرنے کے نتیجے میں رونما ہوا' اور جس نے بیشتر افراد کو خدا کی یاد اور اس کی کتاب کی تلاوت سے غافل اور شکوک میں مبتلا کر رکھا ہے ___ اس تمام تر خلجان سے بچنے کے لئے صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ دھوکے کی یہ ساری ٹٹیاں محض اس لئے کھڑی کی گئی ہیں تاکہ خدا کے بندے ان میں اُلجھ کر خدا کے وجود' اور اس کے احکام کی بجا آوری کی نعمت سے غافل ہو جائیں۔ اس لئے بلا پس و پیش یہ کہا جاسکتا ہے کہ کائنات کے خدا کا اقرار کر لیا جائے اور اس کا اعلان کر دیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوگا' سب کچھ خدا کی قدرت اور اس کے طریق کار کا مظہر ہے۔ مادہ اور رائی سے لیکر پربت تک تمام اشیاء خدا کی مخلوق ہیں' ان کی نسبت اندھے اور بے جان مادہ کی طرف کرنا صحیح نہیں' نہ ہی اتفاقات کی طرف کرنا صحیح ہے' جو حکمت و ارادہ و تدبیر سے خالی ہیں۔

● اتفاقات کیا ہیں؟:

طبیعیات کے ماہرین نے انکار خدا کے لئے قانونِ علت کی طرح قانونِ اتفاق کے نام سے ایک نظریہ وضع کیا ہے' جو اپنے پس منظر کی طرح لغو اور باطل بنیادوں پر قائم ہے۔

اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ اب سے کروڑوں اربوں سال پہلے ___ یہ ماہرین اپنا جھوٹ چھپانے اور اِنسانی ذہن کو مرعوب کرنے کے لئے ہمیشہ اسی قسم کے مہیب اعداد و شمار کا سہارا لیتے ہیں ___ کائنات کا وجود نہ تھا۔ نہ نظامِ شمسی تھا' نہ زمین آسمان' نہ نباتات تھے اور نہ حیوانات۔ البتہ فضا کے اندر مادہ موجود تھا' جو شروع میں معتدل اور غیر متحرک تھا۔ مادہ کی اس ہیئت پر صدیاں بیت گئیں۔ پھر ایسا ہوا کہ پر سکون مادے میں غیر ارادی اور اتفاقی طور پر خلل واقع ہوا' اور وہ آپ سے آپ بڑھتا ہوا فضا میں پھیل گیا۔ یہاں تک کہ جابجا پھیلا ہوا مادہ سمٹ کر مختلف جگہوں میں یکجا ہونے لگا' اور اس پر بھی صدیاں بیت گئیں۔ پھر رفتہ رفتہ اس جمع شدہ

مادے سے کل کائنات' چرند پرند' نباتات و جمادات اور حیوانات وجود میں آئے' اور خلا میں رقص کرتی رنگ و نور سے معمور یہ دنیا آباد ہوئی۔

کائنات کی ابتداء اور نظامِ عالم کی اُستواری کی یہ توجیہ ہے' جسے اِس نظریہ کے حاملین بڑے شدومد سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج تک خود ان کا ضمیر بھی اس پر مطمئن نہیں ہوسکاہے۔ اور اطمینان کیونکر ہو؟ جب کہ ہذیان اور اوہام اس نظریے کی بنیاد ہے' جسے ماننا تو درکنار سننا بھی ہر شخص گوارہ نہیں کرے گا۔

مزید برآں یہ نظریہ خود ان کے قاعدے کی رو سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بغیر دیکھے کسی چیز کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن دیکھا گیا کہ اس نظریے میں چھوٹی بڑی متعدد چیزوں کو بغیر دیکھے محض فرض و تخمین' اور قیاس و اندازے کی بنیاد پر تسلیم کر لیا گیا۔!

ہم پھر عرض کریں گے کہ اس نظریے کی تہہ میں صرف خدا کا انکار اور اس کی بندگی سے گریز کا جذبہ کار فرما ہے۔ اس لئے کہ انہیں یقین ہے کہ اگر انہوں نے خدا کو تسلیم کر لیا تو انہیں دنیا کی لذت اور عیش کوشی سے دستبردار ہو کر ایک خدا کی بندگی' اور ایک پابند زندگی گزارنی ہوگی۔

نظریہ اتفاق اور نظریہ علت جس طرح ایک عجوبہ ہے' علماء اِسلام اور دینیات کے ماہرین نے اس کی تردید کے لئے بالکل اسی رنگ میں بعض دلچسپ جوابات دیئے ہیں' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"کسی زمانے کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں ایک چھاپہ خانہ تھا۔ جس کے اندر ایک صندوق میں بند کمپوزنگ کے لئے ٹائپ کے اتنے سارے حروف رکھے تھے جن کی مدد سے کئی کئی کتابیں شائع کی جاسکیں۔ اتفاق سے اس علاقے میں زبردست بھونچال آیا جس نے عمارت کے درو دیوار اور اس صندوق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ لیکن اس زلزلے کے نتیجہ میں ایک تماشہ ہوا کہ صندوق میں حرکت پیدا ہونے کی وجہ سے حروف ایک دوسرے پر گرتے گئے' اور بالکل اتفاقی طور پر متعدد ابواب اور فصلوں پر مشتمل ایک خوبصورت سجی سجائی علمی کتاب تیار ہوگئی"!!

"اسی قسم کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ کسی جگہ ایک شخص نے ایک تختی کے وسط میں ایک سوئی گاڑ دی' اور ایک اندھے شخص کو جسے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا' ایک ہزار سوئیاں دے کر کہا کہ اس

سوئی کا نشانہ لے کر ایک ایک سوئی اس انداز سے پھینکو کہ تمہاری ہر سوئی پہلی سوئی کے ناکے میں پیوست ہوتی جائے اور اس طرح بالکل اتفاقی طور پر سوئیوں کا اونچا مینار کھڑا ہو جائے۔"

غور کیا جائے کہ کوئی بھی عقلمند ان دونوں حوادث کو عقل و مشاہدے کی رُو سے درست ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! لہٰذا محض اتفاقی حوادث کے سہارے جب اس قسم کی معمولی چیزوں کا وجود ناممکن ہے' تو اس قدر وسیع و عریض کائنات اور خلا میں رقص کرتی یہ بھری پُری دنیا کیا محض اتفاق سے وجود میں آسکتی ہے؟ یا اس کے پیچھے بڑے زبردست منتظم اور مدبر کا شعوری ذہن کام کر رہا ہے؟

● احتیاج و ضرورت کیا ہے؟:

نظریہ اتفاق کی طرح ملحدین نے خدا کا انکار کرنے کے لئے ایک اور عجیب و غریب نظریہ وضع کیا ہے' جس کا نام احتیاج و ضرورت ہے۔

اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ "کائنات اور کل مخلوق کے اندر جو فرق نظر آتا ہے' وہ سب ضرورت اور احتیاج کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ زرافہ کو اونچے درختوں کی پتیاں کھانے' اور مچھلی کو پانی میں تیرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس ضرورت نے پہلے کی گردن لمبی کر دی' اور دوسری کو گلپھڑے عطا کئے!"

یہ اور اسی انداز کی دیگر کارآمد چیزوں کو اس نظریے کے حاملین اسی نام نہاد "ضرورت" کی دین سمجھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا اس تمام جھوٹ کا حاصل' خدا سے فرار اور اس کی بندگی سے گریز کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ یہ دانشور جنہیں خدا نے شعور اور دل و دماغ بھی بخشا ہے' غور کریں تو انہیں معلوم ہو کہ جس چیز کو وہ حاجت اور ضرورت کا نتیجہ سمجھتے ہیں' دراصل وہ سب خدا کی رحمت اور اس کی مہربانی کا صدقہ ہے۔ اور اگر کوئی رافت و رحمت کے ان نمونوں کو تلاش کرنا چاہے تو سچ یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں کی عمریں ختم ہو جائیں گی' لیکن اس کی رحمت و مہربانی کے نمونے کبھی ختم نہ ہوں گے۔ چنانچہ دانشور آئیں اور دیکھیں کہ یہ قدرتِ الٰہیہ کے وہی مخفی ہاتھ ہیں جو ماں کے رحم اور مادہ کے پیٹ میں بچے کی عجیب انداز سے پرورش کرتے ہیں۔ چنانچہ بچہ جب ماں کے رحم میں ہوتا ہے تو اس کے پیٹ سے ایک نلی لگی ہوتی ہے جس کے ذریعہ اس کی غذا براہ راست اس کے پیٹ میں پہنچتی

ہے' اور جب مدتِ حمل کے بعد بچہ کی پیدائش عمل میں آتی ہے تو وہی غذا دودھ کی شکل میں ماں کے پستان سے برآمد ہوتی ہے- اور دست قدرت بچے کی یوں دستگیری کرتا ہے کہ ابھی اسے کسی قسم کا شعور نہیں ہوتا' لیکن ماں کے پستان کو منہ میں لینا اور چوسنا اسے آجاتا ہے اور محض اس کے ہلکے سے اشارے پر اس کی غذا اس کے پیٹ میں پہنچ جاتی ہے' تا آنکہ دوسری غذاؤں کا وہ عادی بن جاتا ہے ـــ نر مادہ کا باہمی اختلاط بھی اسی کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے جس کی بنا پر حیوانات میں توالدو تناسل کا سلسلہ جاری ہے- اس کا سب سے زیادہ فائدہ بھی حضرتِ اِنسان کو پہنچتا ہے کہ ان جانوروں سے اِنسان اپنی غذا' لباس اور معاش کے بہت سارے مسائل حل کرتا ہے-

دانشور ذرا سوچیں! کہ نباتات اور پودوں میں "تخم ریزی اور بار آوری" کا عمل کیونکر ہوتا ہے؟ کیا یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ نرانجیر کے بیجوں سے کیڑے اُڑ اُڑ کر مادہ درختوں پر پڑتے ہیں! اور اس طرح یکے بعد دیگرے درختوں کو بار آور کرتے ہیں- یہ سب صرف اِنسانوں کے فائدے اور نفع رسانی کے لئے ہوتا ہے ـــ آئے دن وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سمندروں سے اٹھنے والے بادلوں کو ہوائیں اپنے دوش پر اڑائے لئے پھرتی ہیں' پھر جہاں خدا کا حکم ہوتا ہے' گرج چمک کے ساتھ بارش ہوتی ہے- اور اسی کے ذریعہ کھیتوں میں اناج' اور باغوں میں پھل اور سبزی ترکاریاں اُگتی ہیں-

کیا کوئی کہہ سکتا ہے پستان میں دودھ کی افزائش' نر و مادہ کا باہمی اختلاط' نباتات میں تخم ریزی' بادلوں سے بارش' کھیتوں اور باغوں سے اناج اور پھلوں کی پیداوار اور کارخانہ قدرت میں ہر چھوٹی بڑی حرکت کیا اسی نام نہاد احتیاج اور ضرورت کا نتیجہ ہے؟ اور کیا یہ سب جو انتہائی باقاعدگی اور ایک خاص نظم و ترتیب سے ہو رہا ہے' یہ ساری کار فرمائی اسی ضرورت کی کرشمہ سازی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ کسی ضرورت کا کرشمہ نہیں- یہ سب مالک حقیقی کا لطف و کرم اور اس کی عنایت و مہربانی کا ادنیٰ مظہر ہے-

آخر میں ایک عقلی دلیل پر اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں- وہ یہ کہ مادہ پرست اس کے قائل ہیں کہ اِنسان' حیوان اور نباتات کی پیدائش بہت بعد میں ہوئی- خصوصاً اِنسانوں کی پیدائش اور بھی پیچھے ہوئی لہٰذا اگر ان تینوں سے متعلق یہ سوال کیا جائے کہ انہیں عدم سے

وجود میں لانے والا کون ہے؟ ظاہر ہے ذیل کا کوئی ایک مفروضہ اس کا جواب ہوگا:

۱- باری تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔

۲- مادہ اور اس کے مختلف عناصر کے قصد و ارادے اور باہمی ملاپ سے کائنات کی تخلیق ہوئی اِس کی صورت یہ ہوئی کہ ان چیزوں نے بڑے غور و خوض کے بعد پوری دنیا کو اس طرح پیدا کیا جس طرح آج وہ ہمارے سامنے ہے۔

۳- مادہ اور اس کے عناصر کے اتفاقی ملاپ سے زمین آسمان' نبات و جماد' اور اِنسان و حیوان کی تخلیق ہوئی- اور یہ سب کسی قصد وارادے اور نظم و ترتیب کے بغیر ہوا۔

ان تین مفروضوں میں سے دوسرے مفروضے کو ملحدین رد کرتے ہیں- اس لئے کہ وہ نظریہ اتفاق کے قائل ہیں' جب کہ اس مفروضہ میں مادہ کے لئے قصدو ارادہ ثابت کیا گیا- رہا تیسرا نظریہ تو مادیین اگرچہ اس کے قائل ہیں' لیکن عقل و قیاس کی رُو سے جیسا کہ ہم نے عرض کیا' یہ محض واہمہ اور فکر و نظر کا فریب ہے ان دو مفروضوں کے باطل ہونے کے بعد اب ایک حقیقت باقی رہ گئی' وہ یہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے کل کائنات اور اس عالم رنگ وبو کو پیدا کیا- اِنسان و حیوان' اور نبات و جماد کو وجود بخشا' اور اسی کے قانونِ قدرت کے تحت یہ کارخانہ حیرت انگیز نظم کے ساتھ جاری و ساری ہے- اس صاف اور سیدھی بات کے سامنے آجانے کے بعد یہ ضروری ہوا کہ مادہ قانونِ اتفاق' اور نظریہ علت جیسے باطل خداؤں کا انکار کرکے اس خدائے واحد پر ایمان لانے کا اعلان کیا جائے جو خالق و مالک علیم و خبیراور حکیم و داناہے۔

عقل و قیاس کی روشنی میں وجود باری تعالیٰ پر ٹھوس دلیلیں پیش کئے جانے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی معرفت اور اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟





باری تعالیٰ کی معرفت اور اہل اِیمان کے مختلف مراتب

خدا کی معرفت اور اس کے حصول کے مختلف درجے ہیں۔ حق پرست چاہیں تو ذاتی مجاہدے اور محنت سے ان مراحل کو طے کرکے کمال کے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی واضح ہے کہ جس قدر معرفت الٰہی نصیب ہوگی' اسی درجہ کا تقویٰ اور تقرب' خوف و خشیت' عقیدت و محبت اور جذبہ بندگی بندے کے دل میں پیدا ہوگا۔

● پہلا درجہ:

جدید سائنس اور اس کے مختلف علوم جیسے: طبیعیات' علم حیات اور کیمیا کے ماہرین جن کے سامنے کائنات کھلی کتاب کے مانند ہوتی ہے' اور جو مختلف اشیاء اور ان کے حقائق پر طویل ریسرچ میں عمریں کھپا دیتے ہیں۔ مختلف تجربات اور کافی غور و خوض کے بعد ان میں سے بعض خوش نصیب ہستیوں کو یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس کی صناعی' اس کی قدرت' اور اس کی حکمت و تدبیر کا زبان و دل سے اقرار کر لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ اللہ کی کتاب یعنی قرآنِ کریم اور اس کے پیغمبر یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کی کوئی خبر' یا اس سے ادنیٰ واقفیت بھی انہیں میسر نہیں ہوتی' اس لئے انہیں کامل ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی معرفت کا ادنی درجہ حاصل ہونے کے باوجود وہ ایک طرح سے اندھیرے میں رہتے ہیں۔ اس لئے کہ کتاب و سنت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے انہیں باری تعالیٰ کے اسماء اور اس کی صفات کی واقفیت نہیں ہوتی' نہ ان کے دلوں میں اس کی محبت' عقیدت اور اس سے خوف و خشیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں' جس سے دلوں میں نیکی کی رغبت اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے' اور بندہ خدا کی بندگی

اور اس کی عبادت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ تب جاکر کہیں صحیح معرفت الٰہی اور یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ ان لوگوں کے دلوں میں خدا پر کسی درجہ کا ایمان و یقین پایا جاتا ہے' اور اس کی وجہ سے ان کے اندر خدا کی کسی قدر عظمت اور محبت پیدا ہوجاتی ہے' اس لئے اس ایمان کے صلے میں دُنیا میں اُنھیں دلی راحت و سکون میسر ہوتا ہے' اور خدا نے چاہا تو آخرت میں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

● دوسرا درجہ:

خدا کی معرفت کے دوسرے درجے میں وہ روایتی اور خاندانی مسلمان شامل ہیں جن کے کان بچپن ہی سے خدا کے وجود' اور اس کے اسماء و صفات سے آشنا ہوتے ہیں' اور جن کے تحت الشعور میں خدا اور اس کے نبیوں پر اِیمان سرایت کئے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ اِیمان انہیں بلا کسی محنت اور تلاش و جستجو کے حاصل ہوتا ہے' اس لئے اس طبقہ کا اِیمان بھی متوسط' اور خدا کی معرفت بھی انہیں کم نصیب ہوتی ہے' اور اسی لحاظ سے ان کے اندر خدا کا خوف' محبت' ذوق عبادت' تقویٰ اور اس سے نزدیکی پیدا ہوتی ہے۔

● تیسرا درجہ :

اس زُمرہ میں وہ مومنین صادقین اور علماء امت شامل ہیں جنہیں شریعت مطہرہ اور دستورِ الٰہی کا علم اور اس کا فہم نصیب ہوتا ہے' جس کا سرچشمہ براہِ راست خدا کی کتاب اور اس کے نبیوں کی تعلیمات ہوتی ہیں۔ نیز ذاتِ باری کے وجود اور اس کی معرفت کا یقین مختلف عقلی و نقلی دلائل سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ خدا کی معرفت کے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے' اور عام مسلمانوں کے مقابلے میں علماء کا یہ گروہ محبت و بندگی اور خشیت الٰہی کے جذبے سے سرشار ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی گروہ کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۞ (فاطر:۲۸)

ترجمہ "اور خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں' جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔"

● چوتھا درجہ:

یہ نورانی اور مقدس ترین گروہ انبیاء و مرسلین کا گروہ ہے' جو اہم امتیاز اور زبردست معجزات کے حامل ہوتے ہیں- یہی وہ بابرکت گروہ ہے جو معرفت کے سب سے اونچے اور بلند مرتبے پر فائز ہوتا ہے- جن کی ہمسری اور برابری کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا- چنانچہ فضل و کمال کے جملہ اوصاف جیسے خدا پر ایمان' اس کی محبت اس کا خوف' اس کی بندگی' اس کی راہ میں استقامت' اور مصائب پر صبر' غرض جملہ مکارمِ اخلاق علی وجہ الکمال ان کے اندر موجود ہوتے ہیں- ظاہر ہے یہ مقامِ بلند انہیں اس لئے حاصل ہوتا ہے کہ رسالت و نبوت کے نازک اور بلند ترین منصب پر فائز ہونے سے پہلے اور بعد میں زندگی کے کسی اسٹیج پر ان سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ یا قصور سرزد نہیں ہوتا- نیز یہ وہ مقدس ہستیاں ہوتی ہیں جن کے منہ میں حق تعالیٰ اپنا پاک کلام ڈالتا ہے- بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے انہیں منتخب کرتا ہے- اپنی معرفت' اس پر کامل یقین اور اس پر مستزاد فہم و فراست اور بالغ نظری اپنے دست خاص سے انہیں عطا فرماتا ہے' اپنے اسماء و صفات اور تمام اشیاء کا علم انہیں عطا فرماتا ہے' جس کی وجہ سے ان کا ایمان کامل اور یقین راسخ ہوتا ہے- اور اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت' اس کی طاعت و بندگی کا جذبہ سب سے زیادہ ان کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے- چنانچہ نبیوں کے پیشوااور خاتم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء ورُسل کے بعد سب سے مقدس گروہ یعنی جماعت صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا کو پہچانتا ہوں' اور اس سے ڈرتا ہوں" (اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان ۳/۱۱) (بخاری و مسلم)

حصول معرفت کا پہلا طریقہ

عقل اور دل سے رہنمائی

عقل سلیم جو گرد و پیش کی آلودگی سے متاثر ہوئے بغیر کوئی فیصلہ کرتی ہے' یا کوئی رائے قائم کرتی ہے' اس میں شک نہیں کہ اس کا فیصلہ باوزن اور حق بجانب ہوتا ہے۔ عقل کی بجائے اگر اِنسان کے ظاہری حواس جیسے 'آنکھ' ناک' اور کان وغیرہ کوئی فیصلہ صادر کرتے ہیں' اپنی قوت احساس' سابقہ تجربات' یا تحقیق و تلاش کے بعد کوئی حکم نافذ کرتے ہیں' تو بسا اوقات بعد میں ان کی خامی کا احساس ہوتا ہے' اور یہ پتہ چل جاتا ہے کہ پہلا فیصلہ عجلت اور جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انکھ ساکن اور متحرک شے میں فرق نہیں کرتی' کان اِنسانی اور حیوانی آواز میں' اور ناک مختلف قسم کی بُو اور مہک میں تمیز نہیں کرتی' قوتِ ذائقہ کسی چیز کو کڑوا بتاتی ہے۔ بعد میں وہی چیز اسے شیریں یا تُرش معلوم ہوتی ہے۔

علمی تجربے اور اس کے نتائج میں بھی آئے دن رد و بدل اور انقلاب آتے رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف فنی تحقیقات جن کی بنیاد طویل مشاہدے اور جستجو پر مبنی ہوتی ہے' ان کے مختلف زاویوں میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے' اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ علم ایک سمندر ہے۔ کوئی اس کے حصول میں عمریں کھپا دے' اس کی حد اور انتہا کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے دریا کی گہرائی اور اس کا کنارا تلاش کرنا دشوار ہے۔! لیکن مشاہدہ شاہد ہے کہ عقل سلیم اور فہم مستقیم جو مسائل حل کرتی ہے' یا جو فیصلے صادر کرتی ہے۔ ان کے اندر تناقض اور باہم ٹکراؤ نہیں ہوتا' خواہ ان مسائل کا تعلق موجودات ممکنات' یا ناممکنات سے کیوں نہ ہو۔

مثال کے طور پر موجودات کے بارے میں عقل سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے کہ کوئی امر موجود اگر معلول ہے' تو اس کی علت کا پایا جانا ضروری ہے ــــ امکان جیسے: ساکن اشیاء کے لئے حرکت' اور متحرک اشیاء کے لئے سکون' دونوں کا عقل کے نزدیک امکان ہے' چنانچہ حرکت کی علت پر حرکت' اور سکون کی علت پر سکون کا پایا جانا لازمی ہے- امتناع کی مثال یوں ہے جیسے کہا جائے کہ کھڑا ہونے والا بیٹھا نہیں ہے-

مذکورہ بالا امور کی طرح بدیہی اور نظری مسائل میں بھی عقل سلیم صحیح فیصلہ کرتی ہے اور خطا سے محفوظ رہتی ہے چانچہ دو کا آدھا ایک ہونا مرد کا مرد ہونا' بھرے ہوئے برتن کا بھرا ہونا' بدیہی ہے- بدیہی نہایت واضح ہوتا ہے' اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہوتی' البتہ نظری امور میں قدرے غور و فکر کی حاجت ہوتی ہے' جیسے تین چوبیس کا آٹھواں حصہ ہے' ایک' بارہ کا بارہواں حصہ ہے' عالم حادث ہے' اور معلول کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے' یہ سب نظری ہیں- ان میں فکر و نظراور غو و فکر کی ضرورت ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ ان میں خطا اور غلطی نہیں ہوتی-

غرض اِنسانی عقل و شعور کے صحیح استعمال سے بہت ساری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں' خدا پر اِیمان لانے' اور اس تک رسائی کے لئے بھی عقل ایک اہم ذریعہ ہے- ذیل میں ایسے چند ذرائع اور ضابطے درج کئے جاتے ہیں:

قانونِ علت:

۱- اِنسان کو آغاز تمیز سے جن بدیہی باتوں کا علم ہوتا ہے' ان میں ایک یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حالت' صفت' یا وجود میں تبدیلی کے لئے کسی نہ کسی علت کا پایا جانا ضروری ہے' اور چونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے' اس لئے کوئی شی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے دور کیوں جائیں' اپنے سامنے رکھی ہوئی صراحی' یا کسی مشین کا پرزہ دیکھ کر ہر کوئی اپنی عقل سے سوچ لیتا ہے کہ ہو نہ ہو کسی نے صراحی لا کر رکھ دی ہے! اور پرزے کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے! اس لئے کہ یہ یقین ہے کہ صراحی اپنے آپ اس جگہ پر آ نہیں سکتی' نہ ہی پرزہ خود بخود بن کر اپنی جگہ فٹ ہو سکتا ہے ــــ کیسی عجیب بات ہے کہ جب ایک معمولی سی صراحی یا چھوٹے سے چھوٹا پرزہ کسی

رکھنے یا بنانے والے کے بغیر اپنی جگہ نہیں لے سکتا' تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ نظام شمسی اور یہ پوری کائنات آپ سے آپ بن جائے۔

اس صاف اور سیدھے طریقے سے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے' اور عقل بھی تفصیل سے بتاتی ہے' جسے تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز ہی نہیں کائنات کے ذرے ذرے کا وجود' اور اس کے اندر ہونے والی ہر صفت کیفیت' حرکت اور تبدیلی آپ سے آپ رونما نہیں ہو سکتی' ان گنت اور بیشمار مخلوقات جو خشکی اور تری میں زندگی کے سفر میں مصروف ہیں' آخر کوئی علت تو ہے جو انہیں عدم سے نکال کر وجود میں لاتی ہے' اور ایک حال سے دوسرے میں لے جانے کا سبب بنتی ہے' عقل یہ بھی کہتی ہے کہ کارکردگی کے لحاظ سے یہ علت ناکافی اور کمزور نہیں' ورنہ یہ ایجاد و اختراع ناتمام ہوگی' اس لئے یہ علت انتہائی زبردست' توانا' اور سب سے اعلیٰ و ارفع ہے' اس لئے کہ مظاہر قدرت اور اس پوری کائنات کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا کارخانہ جس علت کے سبب حرکت و عمل میں مصروف ہے' اور یہاں کی ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی ہو' جس طرح خلق و تکوین' ایجاد و اختراع' حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب کے مراحل سے گذر کر ایک مستحکم وجود' موزوں ساخت' اور بے مثال رنگ و روپ اختیار کرتی ہے' یہ ضروری ہے کہ وہ علت بذات خود زبردست قدرت بے نظیر علم و حکمت اور کافی دوامی قوتِ ارادی کی حامل ہو' ورنہ بصورت دیگر عجز اور درماندگی لازم آئے گی' اب عقل گذشتہ تمام مفروضوں کو ایک ایک کرکے پیش کرتی ہے' اور پوچھتی ہے کہ "کیا مادہ اور طبیعیات وہ علت ہے جو یہ سب کر رہی ہے؟" ہرگز نہیں' اس لئے کہ مادہ قصد وارادہ اور علم و حکمت سے خالی ہے' پھر کیا یہ سب اتفاقات کا نتیجہ ہے' نہیں ہرگز نہیں' اس لئے کہ کوئی چیز کتنی ہی موزوں ساخت یا مناسب ہیئت کی ہو' آپ سے آپ اس صورت کو پہنچنا اس کے لئے ممکن نہیں' پھر کیا یہ سارا کرشمہ احتیاج و ضرورت کا ہے' نہیں' ہرگز نہیں' اس لئے کہ وہ ذہنی اپج ہے' جسے باہوش اور سنجیدہ آدمی سننا بھی گوارا نہیں کرتا' عقل کہتی ہے کہ ان تمام نظریوں کے باطل ہو جانے کے بعد اب ایک حقیقت رہ جاتی ہے' کہ وہ علت کوئی اور نہیں خود باری تعالیٰ کی ذات ہے' جس نے رنگ و نور سے آراستہ اس دنیا کو آباد کیا' اور تمام جہانوں کو پیدا فرمایا' جو ہر عیب سے پاک اور سب سے بزرگ و برتر ہے' اس میں شک نہیں کہ باری

تعالیٰ کے وجود پر عقل سلیم اس طرح راست اور درست فیصلہ صادر کرتی ہے' ایمان والے اپنے خالق و مالک کو مان کر اس کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ اس پر ایمان لاتے ہیں' اور جن کی فطرت ان کی عقل کی طرح سلیم ہوتی ہے' عقل و ضمیر کے اس فیصلے کو وہ بھی من و عن تسلیم کرتے ہیں۔

قانونِ وجوب:

۲۔ اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ کل عالم علوی اور سفلی' اور کائنات کی ایک ایک چیز جیسے: اِنسان' حیوان' نباتات و جمادات کا وجود تین حالتوں سے خالی نہیں' اس لئے کہ حکماء کا یہی فیصلہ ہے کہ ہر چیز کا وجود یا تو واجب ہوگا' یا ممتنع' یا ممکن' ـــ واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شی ازل سے ابد تک ہو' اور اس کے معدوم ہونے کا تصور عقل کے نزدیک بھی محال ہو' ـــ ممتنع ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز جو نہ کبھی موجود تھی' نہ آئندہ موجود ہو سکتی ہے' اور اس کے وجود کا تصور عقلی طور پر محال ہو' ـــ جائز' جسے ممکن بھی کہا جاسکتا ہے' وہ شی ہے جو ہمیشہ سے نہیں ہے' لیکن وجود میں آئی' اور فنا ہو جائے گی' گویا شی کا عدم اور وجود یکساں ہے ـــ ان تینوں نظریات کو مد نظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیئے کہ کائنات کا وجود کس نوعیت کا ہے' جواب یہ ہے کہ جہاں تک پہلے دونوں مفروضوں (واجب اور ممتنع) کا تعلق ہے یہ دونوں فیصلے غلط ثابت ہوتے ہیں' اس لئے کہ کائنات کا واجب الوجود ہونا' یعنی ازلی اور لافانی ہونا' اور ممتنع یعنی وجود کا تصور بھی محال ہونا دونوں باطل ہے' اس لئے کہ فی الوقت کائنات موجود ہے۔ اور جب کائنات اور کل عالم کے لئے وجوب اور امتناع کا حکم ثابت نہ ہوسکا' تو لا محالہ عالم کا ممکن الوجود ہونا ثابت ہوا۔ اس لئے کہ حالتیں تین ہیں' ان کے علاوہ کوئی اور حالت نہیں' اور جب ممکن الوجو ہونا ثابت ہوا' تو ہم کہیں گے کہ جب کائنات کا وقوع ممکن ہے تو وہ سردست ہے' اور جب ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے وجود کا موجب کون ہے؟ اگر جواب یہ ہو کہ اس کے وجود کے لئے کوئی نہ کوئی علت کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ علت کے بغیر ـــ معلول اور سبب کے بغیر مسبب کا پایا جانا محال ہے' جسے عقل بھی تسلیم نہیں کرتی' تو یہ سوال در پیش ہوگا کہ کیا وجود کی علت مادہ اور طبیعیات ہے؟ جو شعور اور ارادے سے خالی اور تر، مردہ کی طرح ہے' یا اس کی علت اتفاقی حوادث ہیں' جب کہ پہلے گذر چکا کہ ایجاد و اختراع' موزونیت

اور حسن قامت، نکتہ سنجی اور باریک بینی اور اس سب کے ساتھ خلق و تکوین جیسے عظیم شاہکار کے لئے، فکر و نظر، شعوری ذہن و افر عقل و بصیرت لا محدود قوتِ ارادی، اور اس سب کے بعد ذات واجب الوجوب کا ہونا ضروری ہے، رہا اتفاقی حوادث کا نظریہ تو یہ سراسر باطل ہے اور اس کے اندر کامل عقل، محکم عزم، اور حکمت و تدبیر جیسے اوصاف کا تصور اور اس کی تلاش عبث ہے، اسی طرح احتیاج و ضرورت بھی اس کی علت نہیں اس لئے کہ یہ یکسر باطل اور لا یعنی تخیل ہے، اسے نظریہ کہنا بھی ٹھیک نہیں جب کہ یہ محض وہم ہے، جس کا قائل کوئی صائب الرای نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جیسا کہ عرض کیا گیا یہ صرف باری تعالیٰ کی ذات مجمع صفات، اور اس کی عنایات کا کرشمہ ہے، جس نے کائنات کو وجود بخشا، اور محض اپنی حکمت و تدبیر اور نظم و ترتیب سے اس کار گاہِ عالم کو مقرر وقت تک کے لئے رواں دواں رکھا۔ بنا بریں کائنات کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے باری تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اعلیٰ وارفع اور لائق و فائق کوئی ذات نہیں ہے جس نے کسی کجی اور ٹیڑھ کے بغیر کائنات کو راست اور درست پیدا کیا، تاآنکہ کل عالم اور جہانوں کا حیرت انگیز نظام جس انوکھی ترتیب، حکمت و تدبیر، قوتِ ایجاد، فطری مظاہر، دقت نظر اور پختگی کے ساتھ آنکھوں کے سامنے ہے، یہ حق تعالیٰ کی شان کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔

اس طرح عقل کے راستے اہل دانش، خدا تک رسائی حاصل کرتے ہیں، اِیمان لانے والے اس پر اِیمان لاتے ہیں، اس کی پرستش اور اس سے محبت کرتے ہیں، اور اس کی بارگاہ میں تقرب پاتے ہیں۔

قانونِ حدوث:

۳۔ زندہ و پائندہ خلائق اور کل کائنات سے متعلق یہ نظریہ مسلم ہے کہ یہ سب حادث ہیں۔ اور اِنسان وہ مخلوق ہے جس پر حدوث سب سے زیادہ طاری ہوتا ہے، چنانچہ حکماء اور طبقات الارض کے ماہرین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کل کائنات حادث ہے، اور کل اس لئے کہ بیک وقت بعض کا حدوث اور بعض کا قدم متضاد، ناقابل قبول اور عقل کے خلاف ہے۔

رہا کل کائنات کا حدوث تو از روئے عقل یہ ثابت ہے' اور جیسا کہ کہا گیا ماہرین طبیعیات بھی اس کے منکر نہیں' البتہ حدوث ثابت ہونے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جس علت کو اسکا موجب تسلیم کیا گیا' وہ اس کے لئے کافی ہو' اس لئے کہ معلول یعنی حدوث مناسب علت کے بغیر تناقض کا باعث' اور عقل سلیم کے خلاف ہے' لہٰذا یہ لازم آتا ہے کہ اس کے لئے ایسی لازمی اور مناسب علت ہو' جو انتہائی قوی' بے نیاز وغیر محتاج' منظم و مدبر' ازلی اور لافانی ہو- اور خود اس پر حدوث طاری نہ ہو- اس لئے کہ جو علت خود فانی یا دوسروں کی محتاج ہو وہ دوسروں کو فنا نہیں کرسکتی- اور اگر کوئی علت دوسروں کی محتاج ہو تو اس سے دَور یا تسلسل لازم آئے گا' جو عقل کی رُو سے باطل اور محال ہے-

اِس بحث و تمحیص کا حاصل بھی یہی نکلتا ہے کہ وہ لافانی ذات جو اپنے وجود میں کسی کی محتاج نہیں' اور جو ازل سے ابد تک ہے' باری تعالیٰ کی ذات ہے جس نے عالم کی تخلیق کی' اور جو اس جیسے نہ جانے کتنے جہانوں کا پروردگار اور پالنہار ہے-

● ۴- قانونِ نظام:

خدا کو عقل کے ذریعہ پانے اور پہچاننے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ دُنیا اور کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے سبق لیا جائے- چنانچہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جس طرح ایک خوبصورت گھڑی ہوتی ہے جو صحیح وقت' دن' تاریخ' مہینہ اور گرمی سردی کا درجہ بتاتی ہے' کائنات کے اندر قدرت کا بنایا ہوا ایک شمسی نظام بھی ہے جو اِس گھڑی سے کہیں زیادہ صحیح اور درست طریقہ پر روز و شب' صبح و شام' ہفتہ مہینہ' برس' صدی' سمت اور موسم نہ صرف بتاتا ہے' بلکہ ان تمام چیزوں کو بناتا ہے- قدرت کی اس عظیم گھڑی کی نقالی میں جو اِنسانی گھڑی بنائی گئی' جس کے بارے میں اغلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ سو برس' دو سو برس چلے گی' پھر اس کے پرزے گھس کر ختم ہو جائیں گے- لیکن ہزاروں صدیاں گذر گئیں' دُنیا نہ جانے کتنی بار اُجڑی اور بسائی گئی' لیکن قدرت کے اس نظام اور اس کی بنائی ہوئی گھڑی کا نہ کوئی پرزہ خراب ہوا' نہ اس میں کوئی فرق آیا- پہلی گھڑی کو دیکھ کر اِنسانی ذہن فوراً اس کے بنانے اور ایجاد کرنے والے کی طرف جاتا ہے ـــ اہل خرد ذرا سوچیں! کہ اس سے زیادہ ستم ظریف بھلا کون ہوگا؟ جو کسی

معمولی گھڑی کو دیکھ کر تو اس کے بنانے والے کا قائل ہو جائے' لیکن چاند' سورج' مریخ عطارد' زہرہ مشتری' زمین آسمان' اور قدرت کے اس مستحکم نظام کو دیکھنے اور سمجھے' اس کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لے' اور یہ خیال کرے کہ یہ سارا کارخانہ آپ سے آپ چل رہا ہے۔ یا نیچر' مختلف عناصر' اتفاقی حوادث' یا احتیاج و ضرورت جیسے مختلف نظریات کے نام سے اس کا کوئی چلانے والا ہے' تو وہ علم و حکمت' ارادہ و دانش' اور نظم و ترتیب کی دولت سے یکسر محروم ہے!

صدقِ احساس' اور فکر و تجسّس کے ساتھ اِنسان ذرا سوچے کہ کیا یہ گنبد نما نیلا آسمان اس کی رفعت اور پختہ بناوٹ' یہ جگمگاتے تارے اور ہرایک کا درمیانی فاصلہ' یہ دہکتا سورج اور ٹھنڈا چاند' اور یہ رات دن کی منظم گردش' کیا یہ سب باری تعالیٰ کی عظمت' اس کی الوہیت' اور اس کی شانِ ربوبیت کی زبردست نشانیاں نہیں؟

زمین کا یہ فرشِ خاکی' کہیں دریا کہیں ندی' کہیں پہاڑ کہیں وادی' کہیں رفعت کہیں پستی' کہیں جابجا سبزہ کی چادر' کہیں لہلہاتے مرغزار' کہیں پودے کہیں جھاڑی' جنگلوں اور پہاڑوں میں' سمندروں اور دریاؤں میں انواع و اقسام کے حیوانات' — کیا یہ سب خدا کی نشانیاں اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ نہیں؟

عجائباتِ عالم اور اس کی نیرنگیوں سے ہٹ کر اِنسان خود اپنے جیسے اِنسانوں کا جائزہ لے کہ کہنے کو سب اِنسان ہیں' لیکن تمام اِنسانوں کی رنگت' ان کی ساخت' ان کی زبان' ان کے خدوخال' اور قدوقامت میں کس قدر تنوع اور جدت آفرینی ہے کہ کوئی دو اِنسان ہی نہیں' کسی ایک ہی اِنسان کی ہر انگلی کے نقوش دوسری انگلی سے قطعی جداگانہ اور مختلف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ گوناگوں فرق اور تفاوت عقلِ اِنسانی کے لئے لمحہ فکریہ ہے' جو اسے رُک کر یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ اس ایجاد و اختراع کے پیچھے ایک ایسا شعوری اور فکری ذہن کارفرما ہے' جو ہر لحاظ سے بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کا مالک' زبردست قدرت اور حکمت والا ہے۔ جو اکیلا ہے' اس کے سوا کوئی دوسرا نہ پرورش کرنے والا ہے' نہ ہی پرستش کے لائق ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا' وَزَيَّنّٰهَا' وَمَالَهَا مِنْ

فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ (ق:٦تا٨)

ترجمہ "کیا انہوں نے اپنے اُوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسا اونچا اور بڑا بنایا' اور ستاروں سے اس کو آراستہ کیا' اور اس میں کہیں شگاف نہیں ہے۔ اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا' اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں' (جو ذریعہ ہے) بینائی اور دانائی کا' ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے۔"

اور اگر واقعی اِنسان حق کا متلاشی' اور اس کا ذہن عبرت و نصیحت کا خواستگار ہو تو اس میں شک نہیں کہ اس کی قدرت کے ادنیٰ مظاہر جیسے: دن کا اُجالا اور رات کی اندھیاری' مشکبار ہوائیں اور کالی گھٹائیں' گھر کے آنے والے بادل اور موسلادھار بارش' اور پھر پانی اور اس کے ذریعہ نشوونما پانے والے جملہ حیوانات و نباتات' غرض سب ہی اِنسان کو فکر و عمل کی دعوت دیتے ہیں اور خدا کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کے لئے واضح اشارہ کرتے ہیں۔ یہی نہیں' بلکہ اگر عقل سلیم بیدار ہو جائے' تو کائنات کا ذرہ ذرہ وجودِ باری کا ثبوت' اور اس کی حکمت و تدبیر' قوتِ تخلیق' اور ایجاد و اختراع کی روشن دلیل بنتا ہے۔

۵- قانونِ نوازشِ اِلٰہی:

اس قانون کی تفصیل ذکر کرنے سے پہلے اس حقیقت کا اِظہار ضروری ہے کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی خلق و تکوین میں ذرہ برابر ناانصافی یا ظلم و زیادتی نہیں کی' نہ ہی کسی چیز کو بیکار اور رائیگاں پیدا فرمایا۔ چنانچہ اِنسان دیکھ سکتا ہے کہ چیزوں کی شکل و صورت بدل جاتی ہے' لیکن اس کے باوجود ہر اسٹیج پر کسی نہ کسی مصرف میں اس کا استعمال ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (دخان:٣٨'٣٩)

ترجمہ "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے کھیل نہیں بنایا' بلکہ ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

نیز فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ ○ (ص:۲۷)

ترجمہ "اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو چیزیں ان کے درمیان ہیں' ان کو خالی از حکمت نہیں پیدا کیا- (یعنی خالی از حکمت ہونا) ان لوگوں کا گمان ہے جو کافر ہیں-"

اِس مختصر تمہید کے بعد اِنسان غور کرے کہ یہ دُنیا اور دُنیا کی ہر چیز—

۱- جہاں کسی خلل یا خرابی کا شکار نہیں'

۲- وہیں کل کائنات جیسے: زمین آسمان' چاند سورج' ہوا اور بادل' غرض پورا نظام کمالِ اطاعت اور جذبہ احسان کے ساتھ مسلسل حرکت و عمل میں مصروف ہے- یہ حرکت و عمل صرف اس لئے ہے کہ نازشِ خلق اور افضل خلائق کہلانے والا یہ معمولی قدو قامت کا اِنسان اپنی دو وقت کی روٹی پاسکے' اور اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان کر اس کی پرستش کرے-

اِنسان اور کل کائنات کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عظیم المرتبت بادشاہ نے ایک عالی شان اور بے نظیر محل تعمیر کیا- ہر قسم کی خوبصورتی اور رعنائی کا اسے نمونہ بنایا- راحت و آرام کے تمام اسباب جو کہیں ہوسکتے تھے' سب اس میں فراہم کرنے کے بعد اس کو ایک مثالی اور لاثانی محل کی شکل میں کھڑا کیا- پھر اپنی رعایا میں سے بظاہر حقیر و ناتواں نظر آنے والی ایک رعیت کو محض اپنے لطف و کرم سے اپنا مہمان بنایا' اور اسے یہ شرف بخشا کہ وہ آئے اور اس محل میں رہے' خود کو اور اپنی نسلوں کو اس میں آباد کرے' اور ہر قسم کے اسبابِ راحت سے فیض اُٹھائے- مہمان نے بسروچشم اس میزبانی کو قبول کیا اور محل کو آباد کیا— لیکن عیش و راحت جس کا خاصہ ہے کہ دل کو یادِ اِلٰہی' اور دماغ کو خوفِ خدا سے آزاد کر دیتی ہے! یہ مہمان بھی اس مرض کا شکار ہوا' اور بجائے اس کے کہ اپنے منعمِ حقیقی کا احسان مانے' اس کی نعمتوں کی قدر کرے- اس نے اس کی ناقدری کی' اور اپنے محسن کو بھول کر اس بے نظیر محل کی تعمیر کی نسبت ایسوں کی طرف کرنی شروع کی' جنھوں نے اپنے ذہن میں ادنیٰ چیزوں کی خلق و تکوین کا بھی کبھی تصور نہ کیا تھا-

اس تمثیل میں بادشاہ سے مراد باری تعالیٰ ہے' محل سے مراد دنیا' اور مہمان سے مراد حضرتِ اِنسان ہے' جو انکار و الحاد کا مرتکب ہو کر خدا اور مذہب سے بیزار' اور گمراہ اور اپنے رب کی نافرمانی کا شکار ہوتا جارہا ہے' جبکہ قرآنِ پاک اسے آواز دیتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَلَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَسَخَّرَلَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (جاثیہ:۱۲'۱۳)

ترجمہ "وہ اللہ ہی تو ہے' جس نے دریا کو تمہارے کام میں لگایا' تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں' اور تاکہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو' اور شکر گذار بن جاؤ۔ اور اسی طرح جو کچھ آسمانوں میں ہے' اور جو کچھ زمین میں ہے' سب کو اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا' جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔"

ذیل میں بندوں پر نوازشِ الٰہی کی ہلکی سی جھلک پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ آسمان میں:

یہ دھرتی جس کے اُوپر اِنسان کا پورا کنبہ آباد ہے' اس سے بہت اُوپر تاحد نظر پھیلی ہوئی آسمان کی نیلگوں چھت اپنے جلو میں بے شمار اجرامِ سماوی' روشن ستارے' سیارے' چاند' سورج' اور اس کے پورے نظامِ شمسی کو سمیٹے ہے' جن سے ایک طرف اگر نیلے آسمان کو زینت حاصل ہے' تو دوسری طرف زمین کے کل کاروبار زراعت' تجارت' صنعت و حرفت اور معیشت کا ان سے گہرا تعلق ہے۔ چاند نہ نکلا ہو تو تاروں بھری رات میں اِنسان' تاروں کی مدد سے سمتوں اور راہوں کا تعین کرتا ہے' چاند کے طلوع و غروب' اس کے گھٹنے بڑھنے' اور اس کی بُرجوں اور منزلوں سے ماہ و سال کا حساب لگاتا ہے۔ طلوعِ آفتاب سے روز و شب کا اندازہ' اور روزہ مرہ کے کاموں کی تکمیل کرتا ہے۔ دن کے چھوٹے بڑے ہونے سے موسم کی تبدیلی اور فصلوں کی آمد و گذشت کا تعین کرتا ہے۔ دھوپ کی مدد سے زمین حرارت' اور توانائی پاتی ہے۔ اس لئے کہ یہ نہ ہوتی تو زمین برف کی طرح سرد ہو کر ناقابلِ رہائش قرار پاتی۔ دھوپ سے

آبی بخارات بادل بن کر بارش کی شکل میں سُوکھی دھرتی کو سیراب اور جل تھل بنا دیتے ہیں۔ دُور آکاش سے آنے والی یہ مُوسلادھار بارش اور پانی کے قطرے زمین کے منہ میں نہ گرتے تو یہاں نہ زندگی کی رمق ہوتی' اور نہ اِنسان' حیوان اور نبات کا دُور دُور کہیں نام و نشان ہوتا۔

درحقیقت آسمان کی پہنائیوں میں' اس کے چھوٹے بڑے ستاروں سیاروں میں' چاند سورج اور سارے نظام شمسی میں خدا کی حکمت' قدرت' اس کی بے پناہ نعمت اور اس کی معرفت کے بے شمار دلائل موجود ہیں' جو اِنسانوں کو ہدایت اور فکرو نظر کا احساس دلاتے ہیں۔

● ۲- زمین میں:

رہی زمین جس کے فرشِ خاکی پر اس کا اپنا گھر ہے۔ دست قدرت نے اس کے تین چوتھائی حصّوں کو پانی سے لبریز رکھا' جس کی وجہ سے جابجا نہریں' دریا' اور سمندر موجیں مارتے ہوئے رواں ہیں۔ خشکی میں جگہ جگہ روزمرہ کی زندگی میں کار آمد مختلف اشیاء کے ذخیرے کانوں کی شکل میں دبے پڑے ہیں۔ اُونچے اُونچے پہاڑ' ٹیلے' ہرے بھرے جنگلوں میں درختوں اور جانوروں کی صورت جنگلاتی دولت بافراط موجود ہے۔ باغوں اور کھیتوں سے پھلوں اور غلّے کی پیداوار کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے' جس سے غذا اور معاش کی مختلف ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ پورا کارخانہ اِنسانوں اور صرف اِنسانوں کا تابع اور مسخر ہے۔ اس کے کسی حصہ پر اِنسانوں کے سوا کسی کا اجارہ نہیں' اور اِنسان جس قدر بھی چاہے اس خزینے سے اپنی ضرورت کی چیزیں نکال کر ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

آسمان کی پہنائی اور زمین کی وسعت جو اپنے خزانوں کے ساتھ اِنسان کی خدمت کے لئے کمربستہ اور ہمہ تن آمادہ ہے' یہ خود اس کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان تمام چیزوں' اس پوری کائنات اور خود حضرتِ اِنسان کا بنانے والا اور پیدا کرنے والا باری تعالیٰ ہے' جس کا وجود برحق ہے۔ جس نے اس پورے نظامِ ربوبیت کو جاری کرنے کے بعد حضرتِ اِنسان کو وجود بخشا' اور محض اس کے اعزاز و اکرام کی خاطر پوری کائنات کو اس کا تابع فرمان بنایا۔ اس قادرِ مطلق کی کس کس عنایت کا ذکر کیا جائے؟ جو اس نے بارش کے قطروں کی طرح اِنسانوں پر نچھاور فرمائی ہے۔ اس کی ایک ایک عنایت اپنے اندر نوازش و مہربانی کا خزانہ' اور تذکیرو یاد دہانی کا دفتر لئے ہے۔ اور زبانِ حال سے اِنسانوں کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ مزید جہالت اور سرکشی کا شکار نہ ہوں۔

چنانچہ جیسا کہ عرض کیا گیا' نباتات میں تخم ریزی اور حیوانات میں بار آوری بھی قدرت کا ایک عجیب نظام ہے' جس سے اِنسان کی مختلف ضرورتوں کی بآسانی تکمیل ہوتی ہے۔ اور جس طرح آپ سے آپ یہ اہم کام انجام پاتا ہے' اس پر دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں۔ چنانچہ ماہرین اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حیوانات کی طرح نباتات میں بھی قدرت نے نر اور مادہ کا فرق قائم رکھا ہے' اور ایک ضابطے کے تحت سال کے مخصوص دنوں میں اِن پودوں اور ان کے بیجوں میں باقاعدہ افزائش کا عمل رُونما ہوتا ہے۔ حیوانات میں بار آوری کا عمل محتاجِ بیان نہیں' البتہ یہ چیز قدرت کے دقیق نظام کا کس قدر انوکھا مظہر ہے کہ حیوانوں میں نر' مادہ کی طرف خود بخود مائل ہوتا ہے' لیکن بار آوری کا مرحلہ تکمیل پاجانے کے بعد پھر خود بخود بیگانہ ہوجاتا ہے۔ تا آنکہ مادہ بچہ جننے اور دودھ پلانے کے عمل سے فارغ ہوتی ہے' اور جب یہ مدت پوری ہوتی ہے تو نر حسب سابق پھر اس کی طرف مائل ہوتا ہے!

اِن اِنسانوں سے کوئی پوچھے کہ یہ اور قدرت کے بے شمار مظاہر اور کاریگری آخر کس کے لئے ہے؟ کیا یہ سارا غیبی خزانہ اِنسانوں اور صرف اِنسانوں کی غذا' لباس اور معاش کے بندوبست کیلئے نہیں؟ اور اگر اس قدر صاف صاف رہنمائی کے بعد بھی حضرتِ اِنسان محض اپنی ناعاقبت اندیشی کی بنا پر وجودِ باری اور قدرتِ اِلٰہی کو تسلیم نہ کرے' اور ان واضح اشاروں کو سمجھ نہ سکے' تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے بعد تاریخ اِنسانی کا وہ سیاہ ترین دور شروع ہوگا' جس کے اندر عقل اِنسانی کے لیے کسی رہنما' اور فکر و نظر کے لئے کسی رہبر کی ضرورت نہ ہوگی' نہ دُور دُور تک ان کا کہیں وجود ہوگا۔ پھر نہ کوئی حق کا خواستگار ہوگا' اور نہ کہیں یہ سامانِ ہدایت دستیاب ہوگا۔ اور وہ وقت آئے گا کہ ولالت اور ہدایت کے معمولی نمونے بھی دُنیا سے ناپید ہوں گے۔ چنانچہ دُھواں ہوگا مگر آگ کا نشان تک نہ ہوگا! بیج ہوں گے' لیکن پتے' پھل' پودے اور درختوں کا پتہ نہ ہوگا۔ حرکت ہوگی' مگر جانداروں میں زندگی کی رمق اور جینے کا مزہ باقی نہیں رہے گا! اور جب کلجگ کا یہ دور شروع ہوگا تو عقل اِنسانی بھی ہوش و خرد کی سرحد سے بہت دُور جذب و جنون کی وادی میں سرگرداں ہوگی' اور دُنیا بالکل آخری بار گہری تاریکی اور پھر فنا کے گھاٹ اُتر کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوجائے گی ــــ!

خدا کی معرفت کا دوسرا طریقہ

مذہب کی رہنمائی

خدا کو پہچان کر اور اُس پر اِیمان لاکر اُس کی عبادت کرنا اِنسان کے دُنیا میں آنے کا اصل مقصد ہے۔ دوسرے مذاہب کے مقابلے میں صرف اِسلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ عقل و نقل ہر دو طریقے سے وہ باری تعالیٰ کے وجود اور اپنی حقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ حق و صداقت کو ثابت کرنے کے لئے یہ طریقہ اس لئے زیادہ سُود مند ہے کہ اس کی بدولت اِنسان کا ذہن عقائد کی گندگی سے پاک ہو کر عمل کے اس راستے کو اِختیار کرتا ہے جس پر خدا نے دُنیا اور آخرت کی کامیابی اور اپنی خوشنودی کا وعدہ فرمایا ہے۔ جبکہ عقل زیادہ سے زیادہ اتنا کر سکتی ہے کہ خالق کائنات سے متعلق اِنسان کے ذہن کو صاف کرکے خدا کا صحیح تصور دل میں پیدا کرسکتی ہے' لیکن ایسے دستور کا فراہم کرنا عقل کا کام نہیں' جس پر عمل کرکے اِنسان کفر و شرک کی آلائش سے پاک و صاف ہو کر اپنے نفس اور اخلاق کی اصلاح کرے۔ اپنے رب کو راضی کرنے والے اعمال سیکھ کر انہیں اِختیار کرے' اور دُنیا میں سکون اور آخرت میں جہنم کے عذاب سے نجات حاصل کرے۔

مذہب کی رہنمائی کا یہ ہلکا سا تعارف ہے۔ اس تعارف کے بعد' لیکن اس کی تفصیل اور طریق کار کا ذکر کرنے سے پہلے' دو باتوں کا اعتراف ضروری ہے:

۱- اِس دُنیا میں اور اِن مادی آنکھوں سے خدا کو دیکھنا ممکن نہیں۔ لہٰذا ہر شخص کو کم از کم یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اپنی حقیقت اور ماہیت کو باری تعالیٰ جتنا جانتا ہے' اور جس طرح اپنا تعارف کراتا ہے' کوئی دوسرا نہ اتنا جان سکتا ہے' نہ اُس کے جیسا تعارف کرا سکتا ہے۔

۲- دوسرے اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہوگا کہ حق تعالیٰ نے خود اپنے تعارف کے

لئے دو انتہائی معتبر ذرائع، یعنی پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی آسمانی کتابوں کو خاص طور پر منتخب فرمایا ہے- اور یہ واقعہ ہے کہ اِنسانی ذہن خدا کی معرفت کا جس حد تک متحمل ہے، اس حد تک سمجھانے میں اس کے پیغمبروں نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی، اور نہ آسمانی کتابوں نے اس موضوع کو تشنہ یا نامکمل رکھا ہے- چنانچہ پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ خدا کی معرفت، اس کے اسماء، اس کی صفات، اور اس سے متعلق جس قسم کی وضاحت پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی زبانی دُنیا والوں کو ملتی رہی ہے، یہ صرف اس کا نتیجہ ہے کہ ہر دور میں خدا کے بندوں کا خدا سے تعلق اُستوار رہا ہے، اس کی محبت اور اطاعت کا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن رہا ہے- اور جس طرح انہیں اپنے وجود کا یقین ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ حق تعالیٰ کے موجود ہونے کا یقین ہوتا ہے- آسمانی کتابوں خصوصاً سب سے آخری، مکمل اور محفوظ کتاب: قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے اپنے تعارف کے لئے ذیل کے مختلف انداز کو اِختیار کیا ہے:

۱- کہیں کافر اور مومن کا امتیاز کئے بغیر رُوئے سخن تمام اِنسانوں کی طرف ہے جس میں اپنی ذات کا مناسب الفاظ میں تعارف کرانے کے بعد بندوں کو ضروری احکام سے نوازا ہے-

۲، ۳- کہیں رُوئے سخن پیغمبروں کی طرف ہے، لیکن عمومی طور پر ساری اُمت بھی وحی الٰہی، اور احکامِ خداوندی کی مخاطب ہے-

۴- کہیں وحی کا انداز قصے اور حکایات کا ہے، اور مخاطب کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق تعالیٰ نے ابتداء آفرینش سے پیغمبروں کا طویل سلسلہ جاری فرمایا، ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور ضرورت لاحق ہونے پر ایسے خارقِ عادت معجزات سے ان کی تائید و حمایت کی جو عام اِنسانی عقل و شعور سے بالاتر ہیں- جن سے اِنسانی عقلیں دنگ رہ گئیں، اوران کا اِبطال تو درکنار، ان کی نظیر لانے سے زمانہ قاصر رہا-

ذیل میں ہر اندازِ بیان سے متعلق بطور نمونہ چند آیتیں پیش کی جاتی ہیں:

● (ا) قرآن کا خطاب تمام اِنسانوں سے:

● ـــ باری تعالیٰ نے قرآن پاک کے آغاز میں سب سے پہلے اس کتاب کے وحی الٰہی ہونے کو بیان کیا، اور اس کی یہ خاصیت بتائی کہ اس سے نیک فطرت لوگوں کو نیکی کا راستہ ملتا

ہے۔ اس کے بعد متقیوں' کافروں اور منافقوں کا ترتیب وار ذکر کیا' تاکہ قرآن پڑھنے والوں پر نیکی اور بدی دونوں کی راہیں کھل جائیں ـــ اِس وضاحت کے بعد تمام اِنسانوں کو مخاطب کر کے خدا کی معرفت کا طریقہ اور توحید الٰہی کا درس دیا۔ کیونکہ دُنیا و آخرت کی سعادت' خدا کی عبادت اور شرک سے نجات کی بنیاد خدا کی معرفت اور اس کی توحید پر ہے۔ ساتھ ہی ان اُمور کی طرف بھی بطورِ خاص نشاندہی فرمائی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تُم کو اور تمام اِنسانوں کو پیدا کیا' اسی نے تمہاری پرورش کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا کیے۔ تمہاری آسائش کے لئے تمہارے پیروں تلے فرشِ خاکی بچھایا' سروں پر نیلگوں آسمان کا سائبان بنایا۔! بادل بنا کر آسمان سے پانی برسایا' اور زمین سے قسم قسم کے میوے اور دانے اُگائے' تاکہ تُم کھاؤ پیو اور زندگی کی قدر کرو۔ اس عام خطاب کے ساتھ ساتھ براہِ راست اِنسانی عقل کو ان دو نکتوں کی طرف توجہ دلائی:

(۱) خلق و تکوین اور نظامِ ربوبیت کا تمام تر دار و مدار صرف باری تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ اس لئے اس کے سوا کل کائنات اور دنیا کی ایک ایک چیز حادث اور فانی ہے۔

(۲) دوسرا نکتہ باری تعالیٰ کی نوازش اور اس کی مہربانی کا اِظہار ہے' جس کی تفصیل گذر چکی ـــ اللہ سبحانہ' تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (بقرہ:۲۱'۲۲)

ترجمہ "اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تُم کو پیدا کیا' اور ان لوگوں کو بھی جو تُم سے پہلے گذر چکے ہیں تاکہ تُم پرہیز گار بن جاؤ۔ وہ پروردگار ایسا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا' اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لئے طرح طرح کے میوے پیدا کیے۔ پس کسی کو اللہ کا ہمسر اور شریک نہ بناؤ' حالانکہ تُم جانتے ہو (کہ اس جیسا کوئی نہیں ہے)۔"

● ـــ قرآنِ پاک تمام بنی نوعِ اِنسان کو یاد دلاتا ہے کہ ان کی عقلمندی کا تقاضا ہے کہ اس کتابِ الٰہی کے اثر سے ان کے اندر پرہیز گاری آئے' اور وہ خدا کے راستے کو چھوڑ کر کفر اور شرک کا راستہ ہرگز اِختیار نہ کریں- نیز انہیں اپنے خدا سے اس لئے ڈرنا چاہئے کہ وہی ان کا خالق' مالک اور روزی رَساں ہے- اس نے سب سے پہلے آدم کو' اور ان کی بائیں پسلی سے حواء کو پیدا فرمایا- اور یہ اسی کی نوازش اور مہربانی ہے کہ انہیں کے ایک رشتہ پر اِنسانی آبادی کے پورے سماجی نظام کی بنیاد ہے- ذیل کی اس آیت میں ذاتِ باری کا تعارف اور دنیا کے حادث ہونے کا ذکر ہے- ارشاد ہے-

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ○ (نسا:۱)

ترجمہ "لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو' جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا- (یعنی پہلے اس سے اس کا جوڑا بنایا- پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و عورتیں (پیدا کرکے زمین میں پھیلا دیئے)-"

● ـــ تمام اِنسانوں خصوصاً دانشوروں کو اللہ تعالیٰ کی اِن صفات کا اپنی عقل سے تصور کرنا چاہئے کہ یہ اسی کی ذات مجمع صفات ہے جس نے ادنیٰ سے اعلیٰ تک ساری کائنات کو پیدا کیا' اور وہی اس کو چلا رہا ہے- آسمان زمین' سورج چاند' تارے درخت' اور پتھر سب کو اس نے تنہا پیدا کیا- لہٰذا وہی اس لائق ہے کہ تم صرف اس کو کارساز مانو' اس کے حکموں پر چلو' اور صرف اسی کی پرستش کرو- اور اگر اتنی موٹی بات بھی بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تو یہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے بعض کو اپنا معبود بنالیتے ہیں- اس لئے کہ یہ اوصاف ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کے وجود کی سچی نشانیاں ہیں- ورنہ ادنیٰ ہوش والا بھی غور کرے کہ کل کائنات جب ایک نظام کے مطابق حرکت و عمل میں مصروف ہے تو اس کائنات کے بنانے والے کا موجود ہونا لازمی ہے- اس لئے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ کام ہو اور کام کرنے والے کا وجود نہ ہو! چنانچہ ارشادِ باری ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (اعراف:۵۴)

ترجمہ "بلاشبہ تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے' جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا- پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا- وہ رات سے دن کو ڈھانک لیتا ہے' کہ رات دن کے پیچھے جلدی جلدی آتی ہے- اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا' اس طور پر کہ یہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں- (یاد رکھو) اللہ ہی کا کام پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے- اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے' بڑی برکت والا ہے-"

● — اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی نعمتوں پر غور کرو- کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے آسمان اور زمین میں ایسا عظیم الشان انتظام کر رکھا ہے جس کے ذریعہ تم کو روزی ملتی ہے' اور تمہاری بقا کا سامان ہوتا ہے- سوچو کہ کائنات میں اس کے سوا کون ہے جو ایسا انتظام کرسکے؟ ظاہر ہے کوئی نہیں- لہٰذا اس علم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی بندگی نہ کرو- پھر بڑی حیرت کی بات ہے کہ تم کدھر پھرے جارہے ہو؟ آیت میں حسب سابق عالم کا حدوث' اور اللہ کا تعارف مذکور ہے- ارشاد ہے-

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ (فاطر:۳)

ترجمہ "لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں' ان کو یاد کرو- کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے؟ جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے سکے- اس کے سوا کوئی معبود نہیں! پھر تم کہاں اُلٹے جارہے ہو؟-"

● — بزرگی اور بڑائی کے بارے میں لوگوں کا یہ تصور صحیح نہیں کہ جس شخص کا تعلق کسی اُونچے خاندان سے ہے وہی بڑا ہے- نسب کی حقیقت تو بس اتنی ہے کہ سب انسان آدم و حواء کی اولاد ہیں' اور اس لحاظ سے سب برابر ہیں- رہا قوموں' قبیلوں اور خاندانوں کا

فرق تو یہ اس لئے رکھا گیا کہ جب کبھی ضرورت پڑے تو تعارف اور شناخت کے لئے کام آئے۔ ورنہ خدا چاہتا تو جانوروں اور چوپایوں کی طرح اِنسانوں کے ریوڑ کے ریوڑ بنا ڈالتا۔ پھر نہ کوئی خاندان اور قبیلہ ہوتا' نہ ہی کسی قومیت اور ملت کا وجود ہوتا' لیکن اس صورت میں بڑی خرابیاں ہوتیں۔ اس لئے کہ اِنسانوں اور جانوروں میں نہ کوئی امتیاز ہوتا' نہ تہذیب و شائستگی اور اخلاقی قدروں کا نام و نشان ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے بڑا کرم کیا' اور بندوں پر اس کی بڑی نوازش ہوئی جو اس نے اِنسانوں کی سماجی زندگی اور اس کی کامیابی کا راز' آپس کے تعاون اور امدادِ باہمی کے اصولوں پر رکھا' اور انہیں یوں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم فرما دیا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا' اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

(حجرات:۱۳)

ترجمہ "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد' ایک عورت سے پیدا کیا' اور تم کو مختلف قومیں اور قبیلے بنایا' تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو' بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ بلاشبہ اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔"

● ___ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے' اور یہ صرف اسی کی خصوصیت ہے کہ اس نے بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا' اور ان کو ایسے قانون میں جکڑ دیا کہ وہ بغیر ستونوں کے ٹھہرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی نے زمین کو فرش کی طرح بچھایا' اور اس پر جگہ جگہ پہاڑ کھڑے کر دیئے کہ وہ ہلے نہیں' اور اس پر بسنے والے ایک دوسرے پر گر کر تباہ و برباد نہ ہوں۔ اور زمین پر قسم قسم کے اور عجیب و غریب شکل و صورت کے بے شمار جانور پھیلا دیئے۔ پھر آسمان سے پانی برسا کر کل روئے زمین کو ان کے لئے ایک وسیع و عریض دستر خوان میں تبدیل کر ڈالا۔ اور اس میں طرح طرح کے خوشنما درخت' پودے' پھل پھول' سبزیاں اور غلے اُگائے' جسے زمین پر بسنے والے تاحیات استعمال کرتے ہیں' اور آسمان کے سبز گنبد تلے' زمین کے فرش خاکی پر چین اور سکون سے اپنی زندگی کے دن گذارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عظیم الشان کائنات تو یہ سامنے ہے۔ اب ذرا اُن کی بنائی ہوئی چیزوں کے کچھ نمونے پیش کرو' جن کو تم نے اپنا معبود بنا

رکھا ہے! اگر نہیں پیش کر سکتے تو ذرا سوچو کہ بے کمال اور جھوٹے خداؤں کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے' آیت میں حدوثِ عالم اور باری تعالیٰ کا تعارف مذکور ہے ارشاد ہے:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَبِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ○ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ○ (لقمن:۱۰'۱۱)

ترجمہ "اُسی نے آسمانوں کو ستون کے بغیر پیدا کیا' جیسا کہ تم دیکھتے ہو' اور زمین پر پہاڑ بنا کر رکھ دیئے تاکہ وہ تم کو لیکر جھک نہ جائے' اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔ اور ہم نے ہی آسمان سے پانی برسایا' پھر اس سے قسم قسم کی نفیس چیزیں اُگائیں۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو (جھوٹے معبود) ہیں' انہوں نے کیا پیدا کیا؟۔"

ساتھ ہی ان آیتوں میں عقلِ انسانی کو خطاب کرکے باری تعالیٰ کا وجود' اس کی عنایات و مہربانی' اس کے نظامِ ربوبیت' اور خلق و تکوین کے مختلف مظاہر کی طرف بھی موقع موقع پر اشارہ کیا گیا ہے۔

● — باری تعالیٰ اپنی ایک ایک صفات کو گناتا ہے۔ اپنی زبردست قوتِ تخلیق' حکمت و تدبیر' شانِ غفاری' اور زور آوری کے ایک ایک نمونہ کو پیش کرتا ہے' اور اس کے جلو میں اپنی بے شمار نعمتوں کو شمار کراتا ہے' اور بتاتا ہے کہ یہ اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں' اور اس نظام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سورج نکلتا ہے تو رات اپنی سیاہ چادر لپیٹ کر چل دیتی ہے۔ اور جب ڈوبتا ہے تو دن اپنی نورانی چادر لپیٹ لیتا ہے اور رات اپنی سیاہ چادر تان دیتی ہے۔ یہ اس کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو تمہارے کام پر لگا رکھا ہے۔ چاند اور سورج کی یہ وہ منظم گردش ہے جس کے ذریعہ تم روز و شب' ماہ و سال' اور موسموں کی تبدیلی کا اندازہ کرتے ہو۔ سورج اور اس کا سرگرم نظام نہ ہوتا تو زمین برف کی قاش ہوتی! جس پر زندگی اجیرن اور

حیات ناپید ہوتی ـــ تمہارے فائدے اور راحت کے لئے اس نے اُونٹ' گائے' بھیڑ اور بکریاں پیدا فرمائیں' کہ تُم ان کا دودھ پیتے ہو' گوشت کھاتے ہو' ہڈیوں اور چمڑے سے بہت ساری چیزیں بناتے ہو- گویا یہ جانور باری تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے گوشت' دودھ' اُون' بال اور کھال کا چلتا پھرتا خزانہ ہیں' جن سے جب تُم چاہتے ہو اپنی مطلوبہ شئے بقدرِ ضرورت لے کر اپنا کام چلا لیتے ہو' تمہیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ساری بلند صفات اس کی ہیں جس کا نام "اَللّٰہ" ہے-

کیا اب بھی یہ بات تمہارے دلوں میں نہیں اُترتی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں- حیرت ہے ایسی روشن دلیلوں کے ہوتے ہوئے بھی خدا کے وجود اور اس کی توحید کا تُم انکار کرتے ہو؟:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ' يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ' كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى' اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَّخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ' ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ' لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ' فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ (زمر: ۵' ۶)

ترجمہ "اُس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا' اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے' اور اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے- ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا- دیکھو' وہی غالب اور بخشنے والا ہے- اس نے تُم کو ایک شخص یعنی آدم سے پیدا کیا' پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا' اور اس نے تمہارے لئے چار پایوں میں سے آٹھ جوڑے بنائے- وہی تُم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے' اور اسی کی سلطنت ہے- اس کے سوا کوئی معبود نہیں' پھر تُم کہاں پھرے جاتے ہو؟-"

● ـــ منکرین و ملحدین پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے باری تعالیٰ اپنی خالقیت کی صفت کی طرف ان کی توجہ منعطف کراتا ہے' جس کا نشان بندہ اپنے میں اور ساری کائنات میں دیکھ سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا' جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے پھر وہی ہے جو زندگی کے بعد موت طاری کرتا ہے' اور موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشے گا۔ اور پھر تم اپنے اعمال کی جزاء یا سزا پانے کے لئے اس کے سامنے حاضر ہوگے۔ جس ذات میں خالقیت کی اتنی بڑی صفت ہو اس کے وجود اور اس کے پیغام کا انکار کرنا سخت تعجب کی بات ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا' ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ' وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (بقرہ:۲۸'۲۹)

ترجمہ "لوگو! تم اللہ کا کیونکر انکار کرسکتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے۔ اس نے تم کو زندگی بخشی' پھر وہ تم کو مارے گا' پھر دوبارہ زندہ کرے گا' بالآخر اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے زمین میں تمام چیزیں پیدا کیں' پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا' تو عمدہ سات آسمان بنائے' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

ان تمام آیتوں میں حق تعالیٰ کے وجود' اس کی عنایات' اور کائنات کے حادث اور فانی ہونے کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

(۲) قرآن کا خطاب پیغمبروں سے:

● ـــ انبیاء اور رسول خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ جن کے منہ میں اللہ تعالیٰ اپنا کلام ڈالتا ہے کبھی ان کے پاس فرشتوں کو بھیجتا ہے' کبھی براہِ راست ان پر وحی نازل کرتا ہے' اور ان کے ذریعہ دُنیا والوں کے سامنے اپنا تعارف کراتا ہے' ـــ دُنیا کے اولین اِنسان حضرتِ آدم ہیں۔ اُنہیں حکم ہوتا ہے:

يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○ (بقرہ:۳۵)

ترجمہ "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں بہشت میں رہو' اور اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ پیو' لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا' ورنہ زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔"

● — حضرتِ آدم کی بزرگی کو ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم کا سجدہ کریں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی' لیکن شیطان نے انکار کیا' اور اسی وقت سے حضرتِ آدم اور ان کی اولاد کا دشمن ہو گیا۔ آدم اور اولادِ آدم کو ان کے پروردگار نے جتلا دیا' اور بار بار توجہ دلائی کہ شیطان ان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور ہر لحہ ان کو گمراہ کرنے کے درپے ہے۔ وہ اس کی جان توڑ کوشش کرے گا کہ آدم کو کسی نہ کسی طرح جنت سے نکال باہر کرے۔ اس لئے انہیں اس درخت کے قریب نہ جانا چاہئے جس کا پھل کھانے سے انہیں اللہ نے منع کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا○ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى○ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى○ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى○ (طٰہٰ:۱۱۵تا۱۱۹)

ترجمہ "اور بلاشبہ ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے' اور ہم نے ان میں عزم نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا' اے آدم! بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' تو کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے' پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ بلاشبہ جنت میں تمہارے لئے یہ آرام ہے کہ تم اس میں نہ کبھی بھوکے رہو گے اور نہ ننگے ہو گے اور بلاشبہ اس میں تم نہ پیاسے ہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔"

● — اِسلام تمام انبیاء کا دین ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرتِ نوح علیہ السلام ہیں۔ اللہ

کا اِرشاد ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ○ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ (ھود:۳۶‘۳۷)

ترجمہ "اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ اِیمان لاچکے ہیں' ان کے سوا اور کوئی اِیمان نہیں لائے گا- تو جو کام یہ کررہے ہیں' ان کی وجہ سے تم غم نہ کھاؤ' اور ہمارے حکم کے مطابق ہمارے سامنے ایک کشتی بناؤ- اور جو ظالم ہیں' ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا' کیونکہ وہ ضرور غرق کردیئے جانے والے ہیں-"

نیز فرمایا:

یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ○

(ھود:۴۸)

ترجمہ "اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ' جو تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہے) کشتی سے اتر جاؤ-"

● — آج سے ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے مرکز اور عبادت گاہ قرار دیا' اور اس کی تولیت حضرتِ ابراہیم اور حضرتِ اسمٰعیل علیہما السلام کے سپرد کی' اور ان کو حکم دیا کہ عبادت کرنے والوں اور طواف کرنے والوں کے لئے اس گھر کو ہر قسم کی گندگیوں سے پاک و صاف رکھیں:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا' قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ' قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ (بقرہ:۱۲۴)

ترجمہ "(اس وقت) اللہ نے فرمایا کہ (اے ابراہیم) میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا- (ابراہیم نے) عرض کیا (پروردگار) میری اولاد میں سے بھی ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہد ظالموں تک نہ پہنچ سکے گا-"

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ (بقرہ:۱۲۵)

ترجمہ "اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے اس گھر کو پاک و صاف رکھو۔"

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا' اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ .○ (صفت:۱۰۴'۱۰۵)

ترجمہ "ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔"

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (نساء:۱۶۳)

ترجمہ "اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف وحی بھیجی تھی۔"

● ـــ حضرتِ موسیٰ نے ایک غیبی آواز سنی' جس نے اپنا تعارف یوں کرایا:

يَامُوْسٰى اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ' اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَايُوْحٰى ○ اِنَّنِىْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ○ (طٰہٰ:۱۱تا۱۴)

ترجمہ "اے موسیٰ! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ پس تم اپنی جوتیاں اتار دو' کیونکہ تم طوی کے مقدس میدان میں ہو۔ اور میں نے تم کو (نبوت کے لئے) منتخب کر لیا ہے۔ تو جو وحی کی جاتی ہے' اسے غور سے سنو۔ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں' پس تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھو!۔"

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى ○ قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○ قَالَ اَلْقِهَا يَا مُوْسٰى ○ فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ○ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ○ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ○
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ......
وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ (طہ:۱۷تا۴۷)

ترجمہ "اور اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا' یہ میری لاٹھی ہے- میں اس کا سہارا لیتا ہوں- اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں' اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں- اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ اسے (زمین پر) ڈال دو- تو انہوں نے ڈال دیا پس اچانک (کیا دیکھتے ہیں کہ) وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے- اللہ نے فرمایا اس کو پکڑ لو' اور ڈرو نہیں- ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے- اور دیکھو تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھو (پھر نکالو) وہ کسی عیب (اور بیماری) کے بغیر روشن (اور چمکتا دمکتا) نکلے گا- یہ دوسری نشانی (ہوگی) تاکہ ہم اپنی (قدرت کی) بڑی (بڑی) نشانیاں تم کو دکھائیں (یہ نشانیاں لے کر) فرعون کے پاس جاؤ- کیونکہ اس نے سرکشی اختیار کی ہے- موسیٰ نے کہا میرے خدا (اس کام کے لئے) میرا سینہ کھول دے........ اور اس شخص کے لئے سلامتی ہے جو ہدایت کی بات مانے-"

● ــــ نبوت اور سلطنت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنا بہت ضروری بھی ہے اور بے حد مشکل بھی- اس لئے حضرت داؤد کو خطاب کرکے نصیحت فرمائی:

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ○ (ص:۲۶)

ترجمہ "اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرو' اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی-"

● ــــ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ ایوب علیہ السلام کے مال و دولت اور اہل و عیال میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی' چنانچہ وہ بڑی بے فکری سے زندگی بسر کرتے تھے- لیکن اللہ نے ان

کی آزمائش فرمائی' مال و متاع برباد ہوا' اہل و عیال ہلاک ہوئے' اور جسم کو سخت روگ لگ گیا۔ اس پر بھی انہوں نے صبر کیا' اور جنابِ باری میں کوئی شکایت نہیں۔ بلکہ نہایت ادب کے ساتھ اپنا حالِ زار اس طرح عرض کیا کہ پروردگار' شیطان نے مجھے ایذا اور تکالیف میں ڈال دیا ہے۔ جب حضرتِ ایوب آزمائش میں پورے اترے تو اللہ نے ان کی ساری تکلیفیں دور فرمادیں:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْنَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ○ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ○ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ (صٓ :۴۱ تا ۴۴)

"اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا (اور عرض کیا) کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور تکلیف پہنچائی ہے۔ (ہم نے کہا زمین پر) اپنا پاؤں مارو۔ (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا جو) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں ہے) اور ہم نے ان کو (اہل و عیال) اور ان کے ساتھ ان کے برابر بخشے (یہ) ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لئے نصیحت تھی۔ اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو' اور اس سے مارو' اور قسم نہ توڑو۔ بے شک ہم نے ان کو صابر پایا' وہ اچھے بندے تھے' اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔"

● — حضرتِ زکریا کے کوئی اولاد نہ تھی' کیونکہ ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ بڑھاپے میں ان کو خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ میرے بعد میرے عزیز و اقربا دینِ حق کو برباد کردیں۔ اس لئے ایک رات بارگاہِ ایزدی میں اپنا حال پیش کیا' آواز آئی:

يَا زَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ○ (مریم:۷)

"اے زکریا! ہم تم کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص نہیں بنایا۔"

جب اللہ تعالیٰ نے حضرتِ زکریا کی دعا قبول فرمائی' اور ان کو انوکھے ڈھنگ کا ایک لڑکا پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تو ان کو یقین آگیا۔ حضرتِ زکریا نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ (مریم:۱۰)

ترجمہ "زکریا نے کہا' اے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تُم صحیح سالم رہتے ہوئے تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔"

● ـــ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے اور ملک میں پیغمبروں کو بھیجا۔ بہت کم لوگوں نے ان بزرگوں کی نصیحتوں کو سنا' اور ان پر عمل کرکے اپنی زندگیوں کو سدھارا۔ لیکن بہت سے بندوں نے اپنے پروردگار کے پیغام سے منہ پھیر لیا' اور پیغمبروں کی نافرمانی کی۔ اس کے علاوہ اہل کتاب نے پیغمبروں کی اولاد ہونے پر بڑا غرور کیا' اور یہ سمجھ بیٹھے کہ پیغمبر بہرصورت ان کو عذابِ الٰہی سے بچالیں گے۔ خاص کر عیسائیوں نے کفارہ کا عقیدہ گھڑ کر اپنے خیال میں اللہ سے نجات کا پروانہ لکھوا لیا' اور بے فکر ہو کر بیٹھ گئے۔ ان عیسائیوں کی تنبیہ کے لئے خاص طور پر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر نمایاں اور طویل فرمایا' چنانچہ فرمایا:

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ترجمہ "اے عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے' جبکہ میں نے رُوح القدس سے تمہاری مدد کی۔"

نیز فرمایا:

يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ (آلِ عمران:۵۵)

ترجمہ "اے عیسیٰ! میں تمہاری (دنیا میں رہنے کی) مدت پوری کر دوں گا۔ اور تُم کو اپنی طرف اٹھا لوں گا' اور تمہیں کافروں (کی تہمتوں) سے پاک کر دوں گا۔ اور جن لوگوں نے

تمہاری پیروی کی ہے، ان کو قیامت تک کافروں پر غالب رکھوں گا۔"

● ـــ اللہ کے آخری نبی اور رسول حضرتِ محمد ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو خدا کے اس آخری پیغمبر نے کم و بیش تئیس سال تک دشمنوں کے ہجوم میں رہ کر کامل صداقت اور وفاداری، عزم و ہمت، صبر و استقلال اور جانفشانی کے ساتھ اللہ کے احکام بندگانِ خدا تک پہنچائے۔ اس پورے زمانے میں کفرو اِسلام کی کشمکش انتہائی عروج پر تھی۔ ہجرت کے بعد بھی مکہ والوں کی فوج کشی کا خطرہ الگ رہا۔ خود مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں نے خطرناک سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے وجودِ مقدس کے بارے میں ان کی نیتیں خراب ہوچکی تھیں۔ اس زہریلے ماحول اور مخالفتوں کے ہجوم میں حق تعالیٰ نے مختلف انداز سے آپ کی ڈھارس بندھائی اور تسلی دی، اور سارے جہان والوں کے سامنے آنحضرت کی شانِ رسالت کا اعلان فرمایا، اور منصب رسالت کی اہمیت کو واضح کیا۔ اور فرمایا کہ اس منصب کا تقاضہ یہ ہے کہ جو کچھ اے پیغمبر! تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اس کا ایک ایک حرف بندگانِ خدا کو پہنچادو۔ اور اس بات کی فکر مت کرو کہ یہ لوگ اِیمان نہیں لاتے!

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ○ (مائدہ:٦٧)

ترجمہ "اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تُم پر نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تُم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تُم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

○ ـــ سورہ اَحزاب میں فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ وَّاتَّبِعْ مَايُوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (احزاب:١، ٣)

ترجمہ "اے پیغمبر! اللہ سے ڈرو۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ مانو! بیشک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور اس حکم کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجا جاتا ہے۔ جو کچھ تُم کرتے ہو بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے۔

اور اللہ پر بھروسہ رکھو' اللہ ہی کافی و کارساز ہے۔"

● ـــ سورہ جاثیہ میں فرمایا:

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ○ (جاثیہ:۱۸'۱۹)

ترجمہ "پھر (اے پیغمبر) ہم نے تم کو دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا- پس تم اسی پر چلتے رہو- اور ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلو جو کچھ نہیں جانتے- یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے۔"

● (۳) قرآن کا خطاب ایمان والوں سے:

● ـــ کہیں عام مسلمانوں اور ایمان والوں کو براہِ راست خطاب کیا گیا' اور ان کو حسب موقع نصیحتیں کی گئیں- چنانچہ سورہ آلِ عمران میں مسلمانوں کی یہ شان بتائی گئی کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُو اتَّقُو اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ○ (آلِ عمران:۱۰۲'۱۰۳)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو' جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے' اور اسلام کے سوا کسی اور دین پر نہ مرو- اور سب مل کر اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو' اور متفرق مت ہو۔"

● ـــ سورہ حج میں فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُو ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ○ (حج:۷۷'۷۸)

ترجمہ "اے ایمان والو! (اللہ کی جناب میں) رکوع کرو اور سجدہ کرو' اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیکی کرتے رہو تاکہ کامیاب رہو' اور اللہ (کی راہ) میں خوب کوشش کرو' جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔"

● ـــ سورہ زُخرف میں فرمایا:

يٰعِبَادِ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ بِاٰيٰتِنَا

وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ○
(زخرف:٦٨تا٧٠)

ترجمہ "(ہم ان سے کہیں گے) اے میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے' اور نہ تم غمگین ہوگے۔ (یعنی) وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار تھے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمہاری بیویاں عزت و احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہوجاؤ۔"

(۴) پیغمبروں کے واقعات:

— عام اِنسانوں کی ہدایت کے لئے باری تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ خدا کے یہ مخلص اور پاکباز بندے اپنے اپنے وقت پر دنیا میں تشریف لائے۔ خدا کا پیغام اس کے بندوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا۔ جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا انہیں نجات اور رضاء الٰہی کا مژدہ سنایا۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی انہیں اس کے عذاب سے ڈرایا دھمکایا۔

حضرتِ نوح علیہ السلام سلسلہ نبوت کے عظیم المرتبت پیغمبر گذرے ہیں۔ سورہ نوح میں ان کی حکایت قرآن پاک اس طرح بیان کرتا ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ○ يَغْفِرْلَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْكُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (نوح:۱تا۴)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو کفر کے وبال سے) ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آئے۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! میں تمہارے لئے کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔ (اور کہتا ہوں کہ) تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو' اور میرا کہنا مانو تو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجائے گا تو وہ نہیں ٹلے گا۔ کاش تم

سمجھو۔"

⬤ ــــ حضرت ہود اور حضرت صالح' قومِ عاد اور قومِ ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ اسی ترتیب سے قرآن پاک ان کے قصے بیان کرتا ہے:

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا' قَالَ یَا قَوْمِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ' اِنْ اَنْتُمْ اِلاَّ مُفْتَرُوْنَ ○ یَا قَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلاَّ عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ ○ (ھود:۵۰'۵۱)

ترجمہ "اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا' ہود نے کہا' اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم (شرک کرکے) اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ اے میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے صلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو اس (اللہ) کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پس تم کیوں نہیں سمجھتے۔"

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا' قَالَ یَاقَوْمِ اعْبُدُواللّٰهَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ' هُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ' اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ○ (ھود:۶۱)

ترجمہ "اور ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے (قومی) بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) صالح نے کہا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا' اور پھر اس میں تم کو آباد کیا تو تم اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو' پھر اسی کی طرف متوجہ رہو۔ بے شک میرا پروردگار نزدیک ہے اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔"

⬤ ــــ حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام اسی زرین سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ قرآن پاک جستہ جستہ ان میں سے ایک ایک کا واقعہ اپنے مخصوص رنگ میں پیش کرتا ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْکِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَّکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ (حدید:۲۶)

ترجمہ "اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا' اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (جاری) رکھا' تو بعض ان میں سے ہدایت پر ہیں' اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں"

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (صفت:۱۳۳تا۱۳۸)

ترجمہ "اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے جب کہ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات دی' مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا اور (اے مکہ والو!) بیشک تم ان (کے مقامات) پر کبھی صبح کو اور (کبھی) رات کو گذرتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے۔"

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ! قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ' فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا' ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (اعراف:۸۵)

ترجمہ "اور ہم نے مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے کہا۔ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' (دیکھو) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے' تو (دیکھو) ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو' اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلاؤ' اگر تم ایماندار ہو تو (یقین کرو کہ) یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔"

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ' وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ○ (ہود:۹۶'۹۸)

ترجمہ "اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے

سرداروں کی طرف بھیجا' مگر ان لوگوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا- وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا' اور ان کو دوزخ میں اتارے گا یہ برا گھاٹ ہے جس پر وہ پہنچیں گے-"

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَابَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (صف:۵'۶)

ترجمہ "اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب کہ مریم کے بیٹے عیسٰی نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں' اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں' اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام "احمد" ہوگا' ان کی بشارت سناتا ہوں- پھر وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے-"

● ___ حضرت محمد ﷺ دیوارِ نبوت کی آخری اینٹ اور ختم المرسلین ﷺ ہیں- آپ کی نبوت ہمہ گیر اور تا قیامت قائم و دائم رہے گی- قرآن پاک نے جابجا اس حقیقت کا اظہار کیا ہے:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ○ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ "(اے محمد!) تم کہہ دو کہ لوگو' میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں-"

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ○ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (احزاب:۴۵ تا ۴۸)

ترجمہ "اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے- اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ (بنایا

ہے) اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانو' اور ان کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس کا خیال نہ کرو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو' اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔"

یہ انبیاء کرام وہ ہیں جن کا قرآنِ کریم نے مختصریا مفصل ذکر کیا۔ ان کے علاوہ ایسے بھی پیغمبر گذرے ہیں جن کا قرآن کریم نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ بہرکیف نبیوں اور رسولوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کی طرف حق تعالیٰ نے وحی بھیجی' اپنے علوم و معرفت سے انہیں نوازا' اور مختلف قوموں اور ملکوں کی طرف انہیں مبعوث فرمایا۔ کبھی ان پیغمبروں پر کوئی برا وقت آیا تو انہوں نے اپنے رب کو آواز دی۔ حق تعالیٰ نے فوری طور پر ان کی فریاد رسی کی۔ معجزات کی ضرورت لاحق ہونے پر خارقِ عادت معجزات سے نوازا۔ پھر کیا ان برگزیدہ ہستیوں' اور ان کے مقدس کارناموں کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد کسی سمجھ دار باہوش آدمی کے لئے اس بات کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کے وجود' اس کی معرفت' اس پر اِیمان لانے' اس کی اطاعت کرنے' اور اس سے ڈرنے کے لئے دلائل یا مزید ثبوت تلاش کرے؟ نہیں! ہرگز نہیں!

(۵) آسمانی کتابیں:

— علاوہ ازیں حق تعالیٰ نے وحی والہام کے ساتھ ساتھ بے شمار صحیفے اور چھوٹی بڑی کتابیں نازل فرمائیں' جو معرفت الٰہی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ چنانچہ بعض صحیفے حضرت ابراہیم' اور حضرت موسیٰ پر نازل ہوئے۔ توریت' زبور' انجیل' اور قرآن پاک ترتیب وار حضرت موسیٰ' حضرت داؤد' حضرت عیسیٰ' اور ہمارے نبی حضرت محمد علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام پر نازل ہوئیں۔ ہمارا اِیمان ہے کہ حق تعالیٰ نے مذکورہ کتابیں انبیاء سابقین پر نازل فرمائیں۔ اور ان کی امتوں کے گنے چنے خوش نصیب اور باسعادت افراد نے ان آسمانی کتابوں کو بسرو چشم قبول کیا۔ ان کے احکام و نواہی اور دستور کی پابندی کی' اور وعدے وعید اور زجرو توبیخ کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ ہاں' اتنا ضرور ہوا کہ آگے چل کر اُمت کی اکثریت نے لاپرواہی برتی اور ان کتابوں میں کتربیونت اور تبدیلی اور تحریف کے مرتکب ہوئے۔ لیکن ہر قسم کے ردو بدل اور

حک و اضافے سے اگر کوئی آسمانی کتاب محفوظ رہی تو بلاشبہ وہ "قرآنِ کریم" ہے۔

اس کتاب کی خصوصیات بے شمار ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں کہ یہ کتاب حضور اکرم ﷺ کا سب سے عظیم اور زندہ و تابندہ معجزہ ہے۔! آسمانی کتابوں میں سے یہی وہ کتاب ہے جس کے نزول پر چودہ صدیاں گذرنے کے باوجود یہ حال کی نازل شدہ' اور انتہائی تر و تازہ معلوم ہوتی ہے۔ مضبوط اور منضبط ایسی کہ ایک لفظ نہیں' بلکہ کسی نقطہ اور شوشے کا فرق بھی نہیں نکالا جاسکتا۔! یہ روشن چراغ حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور آپ کی رسالت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ ایک یتیم جس نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا! کسی استاد کے سامنے کبھی زانو تہہ نہیں کیا! اس نے دنیا والوں کے سامنے ایسی کتاب پیش کی' جس نے بڑے بڑے اُدباء' شعراء' فلاسفہ اور حکماء کو عاجز و درماندہ کر دیا۔ ؎

(جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ رازِ اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں)

علوم و فنون اور حکمت و معرفت ــــ جن کا تعلق ذاتِ باری سے ہو یا اِنسانی معلومات سے ــــ ان کا ایسا کونسا گوشہ ہے جس کے متعلق کلی یا جزئی' اصولی یا ذیلی طور پر ان کا ذکر یا اشارہ اس کتاب میں موجود نہیں۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ایجادات اور بیشتر اہم ترقیات حالیہ برسوں یا اس صدی کی دین ہیں؟ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ امتیاز و خصوصیت بھی صرف اسی منفرد کتاب کو حاصل ہے کہ برس ہا برس پہلے سے یہ ان کی طرف واضح اور صاف صاف اشارات کرتی چلی آرہی ہیں۔

چنانچہ جدید سائنس نے بسیار کاوش کے بعد جس ذرّے کو تلاش کیا' قرآن پاک نے بہت پہلے اس چھوٹی سے چھوٹی مقدار کا ذکر کیا ہے[1]۔ علم الحیوان[2]۔ یا علم الاشیاء (جیسے زمین'

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:
[1] فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ (زلزال:۷)
ترجمہ "تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی' وہ اس کو دیکھ لے گا۔"
[2] (Zoology): وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ ○ (ذاریات:۴۹)
ترجمہ "اور ہر چیز کی ہم نے دو دو قسمیں بنائیں۔"

آسمان' رات اور دن وغیرہ کا علم) زمین کا مدور ہونا[۳] - کائنات اور افلاک کا وسیع ہونا[۴] - اصول حفظان صحت[۵] -عدل و مساوات[۶] - آدابِ معیشت و معاشرت اور اخلاقِ فاضلہ[۷] - اور بے شمار ضروری علوم' جن کا تعلق اِلہیات' فلکیات' کائنات و موجودات' یا اِنسانی زندگی کے کسی گوشے یا شعبے سے ہو- جن سے اِنسانی دنیا اب تک ناواقف تھی! اور جن کا اجمالی ذکر بھی کافی تفصیل طلب ہے-

اس کتاب میں موجود ہے- یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب دنیا کی جامع اور مکمل ترین کتاب' اور اس کالانے والا دنیا کا اعلیٰ وارفع ترین' صادق و امین' اور کامل و اکمل ترین اِنسان ہے(ﷺ)

غور کرنا چاہئے کہ اس قدر اوصاف کی حامل کتاب آخر کہاں سے آسکتی ہے؟ کیا اس کا کوئی ماخذ یا سرچشمہ نہ ہوگا؟ یا پیغمبر علیہ السلام نے خود اسے ترتیب دیا؟ ظاہر ہے دونوں میں سے کوئی جواب درست نہیں! لہٰذا یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ اس کی نسبت ذاتِ باری کے سوا کسی اور کی طرف ممکن نہیں- اور اس کالانے والا بھی خدا کا فرستادہ اور پیغمبر ہو سکتا ہے' کوئی اور نہیں- اور اگر اِنسانی دنیا کو راحت و سکون' عدل و مساوات' اور حق و صداقت کی تلاش ہے تو

---

[۳] يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ○ (زُمر:۵)

ترجمہ "وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے' اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے-"

[۴] وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○ (ذاریات:۴۷)

ترجمہ "اور ہم ہی نے آسمانوں کو اپنی قدرت سے بنایا' اور ہم کو سب طرح کی قدرت ہے-"

[۵] كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ○ (اعراف:۳۱)

ترجمہ "اور کھاؤ اور پیو مگر فضول خرچی مت کرو-"

[۶] وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ○ (نساء:۵۸)

ترجمہ "اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو-"

[۷] اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ○ (نحل:۹۰)

ترجمہ "بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو اور (سب کے ساتھ) بھلائی کرو-"

وہ صرف اس کتاب میں مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں نہ یہ گمشدہ سرمایہ مل سکتا ہے' نہ ہی سعادتِ ابدی' نجات اور ہدایت نصیب ہو سکتی ہے!

(۶) معجزات معرفت کا ایک دروازہ:

-باری تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو کچھ ایسی نشانیاں مرحمت فرمائیں جو خرقِ عادت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں' جن سے باری تعالیٰ کی معرفت اور اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ معجزات کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظامِ کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے' تاکہ یہ ثابت کر دے کہ نظام فطرت اس کے قدرتی نظام کے تابع ہے۔ وہ کسی کا محکوم نہیں' بلکہ وہ جس طرح چاہے ان میں تصرف کر سکتا ہے۔

ان معجزات میں سے ایک معجزہ موحدین کے پیشوا انبیاء کے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ جن کا احترام دنیا کی تمام اہل کتاب قومیں یکساں طور پر کرتی ہیں۔

حق و صداقت اور توحید و رسالت کے دشمن منکرین اور مشرکین نے آپ کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا۔ اور آپ کا قصہ تمام کرنے۔ آپ سے انتقام لینے' اور آپ سے نجات پانے کے لئے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔

ظاہری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ آگ جلاتی ہے۔ اور آگ اگر جلاتی ہے تو بے شک یہ اس کی فطرت ہے۔ مگر اس میں جلانے کی فطرت کس نے پیدا کی؟ اس کے خالق نے۔ یہ آگ کی فطرت کا طبعی تقاضہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس نے چاہا سالارِ انبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس خاصیت کو بدل ڈالا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جس رسی سے آپ کے دونوں ہاتھ پیر باندھے گئے تھے وہ جل گئی' لیکن آپ کا بال تک بیکا نہ ہوا:

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّسَلاَمًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ ○ (انبیاء:۶۸'۶۹)

ترجمہ "ہم نے حکم دیا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا' اور ابراہیم پر سلامتی (کا موجب) بن جا۔"

-حضرت موسیٰ علیہ السلام ہاتھ میں ایک لاٹھی لئے کھڑے ہیں' اور اس کے متعلق صرف اِتنا جانتے ہیں کہ وہ ان کا سہارا اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا ایک ذریعہ

ہے۔ اسی معمولی سی لکڑی سے متعلق حکم ہوا کہ اس کو زمین پر ڈال دو۔ چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ اس کے پیدا کرنے والے نے اس کی فطرت کو بدل کر اسے ایک مہیب حیوان بنا ڈالا:

فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ○ (اعراف:۱۰۷)

"تب موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی' تو وہ اسی وقت ایک نمایاں اژدہا بن گئی۔"

● -پانی کی فطرت سیلان ہے۔ مگر اس کی یہ فطرت اور خود پانی' باری تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس لئے جب اس نے چاہا اپنے کلیم حضرت موسیٰ کے لئے روانی اور سیلان کی فطرت کو ٹھہراؤ اور انجماد سے بدل ڈالا۔ چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری تو وہ پھٹ کر پہاڑوں کی طرح الگ الگ کھڑا ہوگیا۔ ان دو معجزوں کا منکر کوئی حسی اور بدیہی امور کا منکر ہی ہوگا جس کا انکار بھی ناقابلِ اعتماد ہے۔ ارشاد ہے۔

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ ○ (شعراء:۶۳)

"تو دریا پھٹ گیا' اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہوگیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے)۔"

● -بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو دست قدرت نے عجیب شان مسیحائی سے نوازا تھا۔ آپ خدا کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ خدا کے حکم سے مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔ شیرخوار اور پالنے میں پرورش پانے والا بچہ کبھی بات نہیں کرسکتا' لیکن حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت بات کی' جب آپ ماں کی گود میں ابھی انگوٹھا چوستے تھے:

اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ' تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلاً ' وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ ' وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ○ (مائدہ:۱۱۰)

"جب کہ میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی' اور جب کہ تم جھولے میں اور بڑے ہو کر لوگوں سے یکساں گفتگو کرتے تھے۔ اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے پرند کی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے' تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا تھا۔ اور

جبکہ تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے۔"

● -دنیا کے سب سے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حق تعالیٰ نے بے شمار معجزات سے نوازا تھا۔ آپ کا سب سے بڑا اور درخشاں معجزہ جس سے اُفق عالم جگمگا اٹھا وہ قرآنِ کریم ہے۔ اس کے علاوہ چند معجزات یہ ہیں: معراج[1] کا واقعہ' غزوۂ[2] احد میں حضرت قتادہ کی آنکھ جو رخسار پر لٹک آئی تھی' آپؐ نے آنکھ کے ڈھیلے کو اوپر اٹھایا اور اس کو اس کی جگہ پر جما کر اپنی ہتھیلی سے ذرا دبا دیا۔ پھر ان کے انتقال تک یہ حال تھا کہ ان سے جو بھی ملتا' اس کو کبھی یہ معلوم نہ ہوتا کہ ان کی کس آنکھ میں زخم لگا تھا۔ کنکریوں[3] کا سلام کرنا اور کیکر[4] کے درختوں کا آپ کے لئے رونا اور شہادت[5] دینا۔ آپ[6] کی انگشت مبارک سے پانی کا چشمہ اُبل پڑنا جس سے لق و دق صحرا میں کم و بیش چودہ سو پر مشتمل لشکر نے سیراب ہو کر پانی پیا۔ ان کے علاوہ بے شمار معجزات ہیں جن کا ذکر دشوار ہے۔ یہ معجزے صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے سامنے ہوا کرتے تھے' جن سے زیادہ پاک باز پاک باطن اور بندہ مولیٰ صفات اِنسانوں کو چشم فلک نے بھی کم دیکھا ہو گا۔!

مذکورہ بالا ایک ایک معجزہ قدرت کے تکوینی نظام کے برخلاف اور خارقِ عادت ہے۔ لیکن کیا ان میں سے کوئی معجزہ حق تعالیٰ کے سوا کسی اور خدا کے وجود' اس کی الوہیت' اس کی ربوبیت اور اس کے بے پناہ اوصاف کی نشاندہی کرتا ہے؟ خدایا' نہیں' ہرگز نہیں' یہ سب بس تیری ذات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تُو اولین و آخرین کا رب ہے۔ تُو وہ پاک ذات ہے جس کا منکرین بھی انکار نہ کر سکیں گے۔ انصاف پسند بتائیں کہ وہ کس خدا کو ماننا چاہتے ہیں؟ کیا اس کو جو تخلیق' رزق رسانی' تدبیر' نفع و ضرر' اور موت و حیات پر قادر ہے۔ جس نے پیغمبر بھیجے۔ ان پر کتابیں نازل کیں۔ قوانین وضع کئے' جو ہدایت دیتا اور گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے نیک

---

[1] سورہ اسراء اللؤلؤ (۱/۳۵'۳۹)' بخاری (۱/۹۲-۹۴) مسلم (۱/۹۹-۱۰۷)
[2] سیرت ابن ہشام (۳/۳۳)۔
[3] ترمذی ۹' بخاری ۲/۱۱۔
[4] ترمذی (۸/۲۴۳)۔
[5] مسلم (۸/۵۸'۵۹)
[6] بخاری (۷/۳۸)۔

بخت یا بدبخت بناتا ہے۔ جس سے چاہتا ہے دوستی یا دشمنی کرتا ہے۔ یا راضی یا ناراض ہوتا ہے۔ جس نے بیشمار معجزات و کرامات بخشے۔ جس کے ننانوے اسماء حسنیٰ اور اعلیٰ صفات ہیں۔ جو گویا دانا' بینا' اور سننے والا ہے۔ جو پست و بالا کرتا ہے۔ عزت و ذلت دیتا ہے۔ عدل و احسان کا معاملہ کرتا ہے۔ اور ظلم سے روکتا ہے۔ یا وہ بے شعور' گونگے' بہرے' اندھے اور نکمے مادے کو خدا تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔ جو سننے' بولنے' پسند کرنے نہ کرنے' اور نفع و ضرر غرض ہر چیز سے خالی ہے۔ جس نے پیغمبر نہیں بھیجے' کتابیں نازل نہیں کیں۔ قوانین نہیں بنائے جس کا کوئی نام' کوئی وصف نہیں' جس کا مقدر گونگا' بہرہ رہنا اور فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے۔

مادہ پرست ہمیں بتائیں؟ یا پھر ہماری سنیں! ہم اس خدائے واحد پر اِیمان رکھتے ہیں۔ جس نے کائنات اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ جس کا عرش پانی پر تھا۔ جس نے آدم کو مٹی سے بنا کر اس میں جان ڈالی ناپاک قطرے کے جوہر سے ان کی نسل بڑھائی۔ جو ہر چیز کا خالق و مالک' بڑی قدرت اور بڑی حکمت والا ہے جس نے پیغمبر بھیجے' انہیں کتابوں سے نوازا' جو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ جو بخشش کرتا اور فتح و ظفر سے شاد کام کرتا ہے۔ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے تو انصاف کے ساتھ گمراہ کرتا ہے۔اس کے بندوں کے سینے اس کی محبت سے معمور ہوتے ہیں۔ خدا کی یاد ان کی غذا اور اس کی خوشنودی ان کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ اس کی بندگی کے بغیر ہر گھڑی وبال' اِیمان کے بغیر ان کی زندگی اجیرن ہے۔ ان کا اِیمان اُمید و بیم کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کی رضا کے آگے وہ سب کچھ ہیچ سمجھتے ہیں اس کی معرفت اور محبت سے ان کے دلوں کو ڈھارس ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت اور خواہش بھی نہیں ہوتی۔

خدایا! تو نے ہمیں جس طرح اپنی معرفت اور اِیمان سے نوازا اپنی عبادت اور بندگی کے لئے بھی ہمیں قبول فرما' اور اس کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرما۔ اپنی محبت اور خوشنودی عنایت فرما' اپنے عفو و درگذر کے دامن میں ہمیں پناہ دے' اور اپنی خوشنودی اور رضامندی کی خلعت ہمیں مرحمت فرما۔ آمین!

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات:

معرفت الٰہی کا عام طریقہ جیسا کہ عرض کیا گیا' خالص عقل کا طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ بندہ خلق میں غور و فکر کے ذریعہ خالق تک رسائی حاصل کرے۔ چونکہ اس طریقہ کا دارومدار تمام تر عقل و قیاس پر مبنی ہوتا ہے' اس لئے اس سے خدا کی محض جزئی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ مکمل معرفت کا حصول صرف اسی طریقے سے ممکن نہیں۔

معرفت الٰہی کا سادہ اور محفوظ ترین طریقہ وہ ہے جس میں فکر و نظر اور عقل و بصیرت کا استعمال بھی ہو' اور جہاں عقل درماندہ اور عاجز ہو جائے وہاں آسمانی کتابوں اور نبیوں کی تعلیمات سے روشنی لی جائے یہ طریقہ اس لئے زیادہ سود مند اور آسان ہے کہ باری تعالیٰ کے وجود' اور اس کے اسماء و صفات کا علم جتنا وحی الٰہی اور پیغمبروں کی زبانی ہو سکتا ہے' پہلے طریقے سے اس کا سواں ۱۰۰ حصہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا! یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین' اسماء و صفاتِ الٰہی کے بارے میں کذب و افتراء اور ہر قسم کی کجی سے بچنے کے لئے غیر معمولی احتیاط کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ باری تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولنا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ چنانچہ اِرشاد ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ (زمر:۳۲)

"تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا' جو اللہ پر جھوٹ بولے۔ اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلائے۔ کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا۔"

اس کذب و افتراء سے بچنے کے لئے ان کے نزدیک دو ضابطے مقرر تھے:

۱۔ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں حق تعالیٰ کی جتنی صفات اور اسماء وارد ہیں' سب سے زیادہ جامع بات یہ ہے کہ اللہ کو اس کے انہیں ناموں اور صفتوں کے ساتھ پکارا جائے جن کے ساتھ اس نے خود کو متصف کیا ہے' یا اس کے نبیوں نے بیان کیا ہے' اور جو درحقیقت اللہ کی عظمت و جلال اور اس کی کبریائی کے عین لائق اور مطابق ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُو الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ

اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (اعراف:۱۸۰)

ترجمہ "اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں۔ تو اس کو ان ہی ناموں سے پکارو' اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی سزا پائیں گے۔"

۲۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوصافِ عالیہ اور اسماء حسنیٰ کا جو ذکر فرمایا ہے' نیز احادیث سے اس بارے میں جو کچھ ثابت ہے' اسلافِ صالحین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے تھے' اور نہ اس کی ذات کو مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے۔ مخلوقات سے تشبیہ اس لئے بھی عقل و قیاس کے خلاف ہے کہ جب خاک کو عالم پاک سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی!

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

تو فانی اور لافانی میں یکسانیت بھلا کیونکر ہو سکتی ہے؟ نیز شرعی نقطہ نظر سے مماثلت اس لئے بھی محال ہے کہ باری تعالیٰ نے خود کو مخلوقات کی مماثلت سے پاک رکھنے کا حکم صادر کیا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○ (شوریٰ:۱۱)

ترجمہ "اس جیسی کوئی چیز نہیں' اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔"

نیز فرمایا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (سورہ اخلاص)

ترجمہ "(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے' نہ اس کی کوئی اولاد ہے' اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے' اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔"

مشابہت اور تمثیل عقل کی رُو سے اس لئے محال ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ' اور وہ شئے جو مادہ کہلانے کی مستحق ہے' سب خود مخلوق ہے' اور مادہ کا پیدا کرنے والا مادہ نہیں ہو سکتا۔ اور جو مادی نہیں اس کی نسبت یا اس کی مشابہت مادہ کے ساتھ کرنا درست نہیں۔ یہی وہ عقائد

ہیں جنہیں اللہ نے اپنے لئے بیان فرمایا۔ اسی عقیدے پر حضورِ اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خیر القرون کا زمانہ تھا۔ اور تمام حق پرست مومنین صادقین بھی اسی عقیدے پر قائم رہے۔

صاحب اِیمان بندے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے دوست اور دشمن رکھتا ہے۔ اپنے ہاتھوں تخلیق کرتا ہے۔ عرش پر قرار پاتا ہے۔ فیصلہ کیلئے جلوہ گر ہوگا۔ آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے۔ اس نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے متعلق جس طرح کہہ دیا' رسول ﷺ نے (جو حق تعالیٰ کے اسماء و صفات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں) اس کے اسماء و صفات کو جس طرح بیان کر دیا۔ اس سے آگے کچھ سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ اس لئے کہ اس میں کوئی گنجائش ہوتی تو اللہ اور اس کے رسول کا ممانعتی حکم کتاب و سُنت میں وارد نہ ہوتا۔ نیز کتاب و سُنت میں درج اوصاف کو جھٹلانا یا ان کے خلاف کہنا حرام ہے۔ اور یہ بھی حرام ہے کہ جن اوصاف ــــ سے حق تعالیٰ بری ہے۔ یا جو اوصاف ــــ اس کے کمالات الٰہیہ کے منافی ہیں۔ ان کی نسبت اس کی طرف کی جائے۔ جیسے اس کی بیوی' اولاد' حکومت میں حصہ دار' یا ناتوانی کے سبب اس کا کوئی معاون تصور کیا جائے۔

۲۔ صاحب اِیمان بندے خدا اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ خالق اور مخلوق کے اوصاف میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور ہر دو میں ادنیٰ مشابہت بھی محال ہے۔ چنانچہ جب باری تعالیٰ کہتا ہے کہ اس کے ہاتھ ہیں۔ اور مومن بھی یہی کہتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں لیتے کہ خدا کا ہاتھ اِنسانوں جیسا ہے۔ یا اس کے مشابہ ہے۔ بخدا وہ اس کا تصور بھی نہیں کرتے اس لئے کہ جس طرح خدا اور اِنسان کی ہستی میں فرق ہے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن بندے حق تعالیٰ کی صفات میں نہ کسی قسم کی تاویل کرتے ہیں۔ نہ تحریف' تعطیل اور تشبیہ سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ خالق و مخلوق کی صفات میں کسی قسم کی مشابہت تلاش کرنا عقل و نقل اور شریعت کی رو سے محال اور ناممکن ہے۔ اور خارج میں بھی یہ بعید از امکان ہے نیز اسی لئے حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کو کسی مخلوق سے مشابہ قرار دینا ان کے نزدیک سب سے بڑا جھوٹ اور باطل ہے۔ جیسے یہ کہنا کہ: اللہ کا ہاتھ' اللہ کی آنکھ'

اِنسان کے ہاتھ یا آنکھ کی طرح ہے۔ یااللہ تعالیٰ عرش پر قرار پاتا ہے۔ جیسے اِنسان تخت پر بیٹھتا ہے۔ وغیرہ ـــ ! یہ اور اس قسم کی تمام تشبیہات باطل ہیں۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ سراسر جھوٹ اور خدا پر بہتان باندھنا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ عرض کیا گیا اِنسانی عقل خود خالق و مخلوق کی ذات و صفات اور اس کی ایک ایک چیز میں ادنیٰ سی' مشابہت کو بھی محال اور ناممکن ٹھہراتی ہے۔

۳۔ باہم فرق اور مغایرت کو عقلی طریقہ سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ محاورہ میں دو چیزوں کی ذات اور صفات کی فہمائش کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں انتہائی مغایرت اور دوری ہوتی ہے۔ چنانچہ عربی زبان میں "راس" کا لفظ مال اور اِنسان دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ (رأس المال' رأس الانسان) لیکن پہلی صورت میں اس کے معنی دولت اور سرمایہ کے ہیں۔ اور دوسری' صورت میں اس سے مراد "کاسہ سر" ہے۔ اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ـــ لفظ "عین" کا استعمال بھی اسی طرح ہے۔ عین الشمس (چشمہ آفتاب) عین الماء (چشمہ آب) عین الحیوان (جانور کی آنکھ) لیکن نام کے سوا ان کے اندر کوئی یکسانیت نہیں ہے۔

قصہ کوتاہ' عقل اور نقل دونوں مومن کی ان عقائد تک کامل رہنمائی کرتے ہیں۔ عقل اس طرح کہ عقل اس کی ماہیت اور حقیقت کے ادراک سے خود کو قاصر سمجھتی ہے۔ کیوں کہ باری تعالیٰ کی ذات کوئی مادہ نہیں جس کا ادراک ممکن ہو۔ اور چونکہ اس کی صفات اسی کی ذات سے وابستہ ہیں اس لئے ذات کی طرح صفات کی کنہ اور حقیقت سمجھنا بھی محال ہے۔ نقل اور شریعت سے اس طرح رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ نے کہہ دیا کہ اس کے جیسی کوئی چیز نہیں۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ نیز یہ کہ مخلوق خالق کا احاطہ کر بھی نہیں سکتی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی متعدد صفات بیان فرمائیں۔ جیسے صفت سمع و بصر' صفت ید' صفت عین' صفت رضا' صفت غضب' صفت محبت' صفت ناراضگی وغیرہ نیز اپنے کئی افعال گنوائے۔ جیسے آنا' اُترنا' عرش پر قرار پانا وغیرہ اوصافِ جو کتاب و سُنت میں صاف اور صریح طور پر وارد ہیں۔

خلاصہ!

بحث کا حاصل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا علم جس طرح خود ذاتِ باری کو حاصل ہے' کسی اور کو اس کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے اوصاف عالیہ اور اسماء حسنیٰ کو جس طرح بیان کیا ہے' اس کے نبیوں اور رسولوں نے اس سے متعلق جو کچھ کہا ہے' وہ حق تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور عظمت و جلال کے شایانِ شان ہے۔ اس لئے بندہ مومن حق تعالیٰ کے بارے میں بس وہی عقیدہ رکھتا ہے جو کتاب و سُنت سے ثابت ہے۔ نیز وہ یہ سمجھتا ہے کہ باری تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دینا مشرکانہ طریقہ ہے۔ اسی طرح ذاتِ باری سے اس کے اوصاف و کمال کو بے دخل کرنا اور اسے معطل سمجھنا یا ان کی بے جا تاویل کرنا کفر و اِلحاد ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو مخلوقات سے مماثل قرار دینے سے منع فرمایا ہے' اور تشبیہ دینے والے کو مردود قرار دیا ہے۔!

مشرک اور کافر جو خدا کے ناموں اور صفتوں میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں' درحقیقت وہ خدا کے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ ظاہر ہے ان بدبختوں سے بڑھ کر ظالم اور بے انصاف کوئی نہیں۔ ان کے برخلاف وہ لوگ جو حق و صداقت کے پرستار ہیں' اور حق تعالیٰ کو بے مثل اور بے چوں مانتے ہیں' جو باری تعالیٰ کی حقیقت کے بارے میں اپنی درماندگی اور عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اور خالق باری کی ذات میں غور کرنے کی بجائے اس کی خلائق اور کل کائنات میں غور کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا دامن باری تعالیٰ سے متعلق کذب و غلط بیانی سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا' جو اللہ پر جھوٹ بولے اور جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلائے' کیا جہنم میں ایسے کافروں کا ٹھکانا نہ ہوگا؟"

خدا سے اِلتجا:

قَالُوا ائْتِنَابِبُرهَانٍ فَقُلْتُ لَهُمْ اَنّٰى يَقُوْمُ عَلَى الْبُرْهَانِ بُرْهَان
جب انہوں نے دلیل طلب کی تو جواب میں میں نے کہا اس قدر روشن دلیل کے ہوتے ہوئے کیا پھر کسی دلیل کی ضرورت ہے؟

○ ــــ بارِ الٰہا! کافروں کے کفر' مشرکین کے شرک' اور ملحدین کی بے دینی سے ہم بیزاری' اور نفرت کا اِظہار کرتے ہیں' اور صرف تیری اُلوہیت اور رُبوبیت کا اقرار کرتے ہیں۔ خدایا! اپنی ہستی کی سب سے بڑی پہچان اور اپنے وجود کی سب سے بڑی دلیل خود تیری ذات ہے۔ پھر تیرے وجود کی دلیلیں لانا ہماری کتنی بڑی نادانی ہے۔ خدایا! ہمارے اس قصور کو معاف فرما۔ ہم تجھ پر اِیمان لاتے ہیں۔ ہم نے تجھے بس تیرے ذریعہ پہچانا۔ کسی اور ذریعہ سے نہیں۔ تو نے ہمیں اپنے انعام و احسانات سے متعارف کرایا' ہمارے دل میں اِیمان کا نور منور فرمایا۔ جس سے ہمیں تیری معرفت نصیب ہوئی۔ تو ہمارا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ــــ تو ہی ہمارا اولین و آخرین کا معبود ہے۔

○ ــــ خدایا! تو وہم و گمان' اندازے اور قیاس سب سے بالا تر ہے۔ جس اِیمان و یقین کی فطرت پر تو نے ہمیں پیدا کیا' ہمارے دلوں میں اپنی محتاجی' اور ضرورت کو جس قدر تو نے اُجاگر کیا' اپنے اوپر جس حد تک اِعتماد اور بھروسہ کرنے کا تو نے ہمیں پابند بنایا' اسی فطرتِ مستقیمہ' اِیمان و یقین اور احتیاج و توکل نے ہمیں راہ دکھائی' اور آج ہم تیرے در پر حاضر ہیں۔ تیری ذات اور تیری جملہ صفات کو تیرے بیان کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ ہم عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم کے ساتھ تیرے وجود کا اقرار کرتے ہیں' اور ہر حال میں نزدیک اور دور' اطرافِ عالم میں اور اپنی ذات میں بس تیرے جلال و جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور تیرے ہی اوصاف و کمالات کے بارے میں حق کی گواہی دیتے ہیں۔ ہم مکرر کہتے ہیں کہ تیرا وجود' دلیل و ثبوت' نشان و شہادت سے بالا تر اور بے نیاز ہے۔ دلائل اور شہادتیں بھلا کیونکر تیری تخلیق کر سکتی ہیں' جب کہ تو خود ان کا بنانے اور پیدا کرنے والا ہے۔ صرف تو ہے جو خلائق کا پروردگار' ان کا مالک و مولیٰ' اور ان کا معبودِ حقیقی ہے۔

○ ـــ خدایا ہم ندامت' شرمندگی' ❶ حیا' اور درماندگی کی پونجی لے کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔ تجھ سے بڑھ کر واضح کوئی حقیقت نہیں' کل موجودات صرف تیرے وجود کا صدقہ ہیں۔ تو اپنی دلیل آپ ہے' تیرے وجود کے لئے ہمیں مزید کسی ثبوت کی ❷ حاجت نہیں۔ ہم تیری بندگی میں کوتاہی' اور تیری معرفت میں سستی کا اعتراف کرتے ہیں۔ بس ہمارے قصور کو تو معاف فرما۔!

---

❶ اس میں شک نہیں کہ ان سطور کی تحریر کے وقت' خصوصا وجود باری کے لئے عقلی اور شرعی دلائل تحریر کرتے ہوئے میرا شعور مجھے جھنجھوڑ کر یہ کہتا تھا کہ: کیا باری تعالی کا وجود بھی کوئی مسئلہ ہے جسے ثابت کرنے کی ضرورت ہو؟ کیا کوئی ہے جو اس کا انکار کرتا ہو؟ اور کیا خصوصا ہم مسلمان ایسی زندگی کا تصور کر سکتے ہیں جس میں خدا نہ ہو' اس کے وجود اور اس پر ایمان کا کوسوں پتہ نہ ہو؟ اور کیا ـــ ؟ اور کیا ـــ ؟؟!

❷ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا: خدا کی معرفت کی دلیل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "دین کے اندر جو کوئی اٹکل کے تیر چلاتا ہے' حق و صداقت سے دور' شک و شبہ میں مبتلا' اور پھر گمراہ ہوجاتا ہے۔ ہمارا طریق کار یہ ہے کہ خدا نے اپنے بارے میں جو کچھ اور جیسا کچھ بتایا ہے' ہم اس کو بس اسی کے مطابق مانتے ہیں۔"

ایک عارف کا مقولہ ہے کہ: چیزوں نے ہمیں خدا تک نہیں پہنچایا' بلکہ خدا نے ہمیں چیزوں تک پہنچایا' اور ان کے بارے میں صحیح علم دیا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہؒ ۱۸/۲)





توحید

توحید کیا ہے؟

توحید: وحدت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ایک ماننا' اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا ہے۔ شریعت کی زبان میں یہ عقیدہ رکھنے کا نام توحید ہے کہ: باری تعالیٰ اپنی ذات' صفات' اور جملہ اوصاف و کمال میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اُس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں' کوئی اُس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔ صرف وہی با اِختیار ہے' اُس کے کاموں میں نہ کوئی دخل دے سکتا ہے' نہ اسے کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہے۔ حتیٰ کہ اس کے نہ اولاد ہے۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (سورہ اِخلاص)

ترجمہ "(اے پیغمبر) لوگوں سے کہدو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے' نہ اس کے کوئی اولاد ہے' اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے' اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔"

باری تعالیٰ اپنی شانِ رُبوبیت میں منفرد ہے۔ اس کے کسی وصف میں اور خاص طور پر اس کی ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ' قُلِ اللّٰهُ ○ (رعد:١٦)

ترجمہ "(اے پیغمبر! ان سے) پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ (وہ تو کیا کہیں گے) تم ہی کہہ دو کہ اللہ! (ہی تو ہے)۔"

نیز فرمایا:

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمْ مَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ○ (یونس:۳۱)

ترجمہ

"(اے پیغمبر! اِن مشرکوں سے) پوچھو کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے' یا وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے' اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے' اور بے جان کو جاندار سے پیدا کرتا ہے' اور وہ کون ہے جو تمام دُنیا کا انتظام کر رہا ہے؟ تو وہ (بلا تامل) کہیں گے کہ "اللہ"!۔"

عبادت اور بندگی کے لائق بس وہی ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور ہمسر نہیں:

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (انعام:۱۶۲)

ترجمہ "(اے پیغمبر) یہ بھی کہدو کہ بیشک میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا' اور میں اللہ کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔"

توحید کی قسمیں:

توحید کی تین قسمیں ہیں: (۱)توحید ربوبیت (۲)توحید الوہیت (۳)توحید اسماء و صفات

۱۔ توحید ربوبیت: یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق و مالک اور روزی رساں ہے۔ وہی زندہ کرنے والا' اور مارنے والا ہے اپنے افعال اور کارکردگی میں وہ اکیلا ہے' اور یہ پورا کارخانہ صرف اس کے اشارہ پر رواں دواں ہے۔

۲۔ توحید الوہیت: توحید الوہیت کو توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو تنہا عبادت اور بندگی کے لائق مانا جائے۔ کیونکہ وہی اس کا حقیقی مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں' خواہ اس کا درجہ اور مرتبہ کتنا ہی بلند و بالا ہو۔ خواہ

وہ نبی یا پیغمبر ہو' فرشتہ یا جن ہو' یا ولی صالح ہو۔!

۳۔ توحید اسماء اور صفات: گذشتہ صفحات میں اسماء و صفات کی توحید کا مفصل ذکر آچکا ہے۔ باقی ماندہ دونوں قسموں کی تفصیل' اور ان سے متعلق ضروری معلومات ہم اب پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ توحید ربوبیت کیا ہے؟:

ربوبیت کا لفظ "رب" سے بنا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے رب کی تشریح ضروری ہے۔ رب کے کئی معنی ہیں: آقا' مالک' پرورش کرنے والا' درستی کرنے والا۔ اور اس کا صحیح ترین مصداق باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اس لفظ کا حقیقی مفہوم اور صحیح استعمال صرف اسی کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معنی میں اس کا استعمال مجازی اور اضافی ہے۔

باری تعالیٰ کی ذات "رب" کہلانے کی حقیقی مستحق اس لئے ہے کہ صرف وہی ذاتِ واحد ہے جس کے اندر مذکورہ معنی بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ ہی جملہ کائنات اور تمام موجودات کا خالق و مالک' آقا و پروردگار' روزی رساں و مصلح' مربی اور نگراں ہے۔ اِن تمام اوصاف و اعمال میں اس کی ذات یکتا اور منفرد ہے۔ کوئی فردِ بشر' یا کوئی مخلوق اس ربِ حقیقی کے ہم پلہ ہونے کا دعوی نہیں کر سکتی۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اپنے کنبے کی پرورش کرتا ہے' یا ان کا روزی رساں ہے۔ فلاں آدمی بچوں کی تربیت اور ان کی اصلاح کا ذمہ دار ہے' یا فلاں' فلاں کا آقا' مالک اور والی ہے' تو اس قسم کا استعمال غلط نہیں۔ نہ ہی توحید ربوبیت کا عقیدہ اس سے مجروح ہوگا۔ اس لئے کہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی اِنسان خواہ کسی رُتبہ اور مرتبہ کا ہو' عدم سے وجود میں لانا' یا مالک حقیقی اور مُربی ہونا اس کے یا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے مجازی طور پر کرتا ہے۔ حقیقت میں خلق و تکوین سے لے کر جملہ ضروریات کا بہم پہنچانے والا' اور رُشد و ہدایت دینے والا بھی صرف باری تعالیٰ ہے۔

شانِ ربوبیت فطرت کے عین مطابق:

ہر دور اور ہر زمانے میں صحیح سوجھ بوجھ رکھنے والوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ خدا کے

ساتھ اُس کی شانِ ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں سمجھتے تھے' اور اسے عقل اور فطرت کے خلاف مانتے تھے اس لئے کہ عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم رکھنے والا ہر شخص یہ جانتا اور مانتا ہے کہ خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔

شرک کے غیر فطری ہونے کی دوسری اہم دلیل یہ ہے کہ عرب کے مشرکین جنہیں قرآنِ پاک توحید ربوبیت کی تلقین کرتا' تو وہ اس کا اعتراف کرتے تھے کہ ان کے معبود ربوبیت کے وصف سے خالی' اور خلق و تکوین سے عاجز ہیں۔ حالانکہ یہ وہی مشرکین تھے جو اپنے خداؤں کی بڑی تعظیم کرتے تھے' اور ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے خداؤں کے بارے میں ربوبیت' یا اس کی کسی ادنیٰ صورت کا دعویٰ وہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا انسان' یا ان کے سینکڑوں بت مل کر بھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ تپتے ہوئے صحرا میں پانی کا ایک گھونٹ' یا اناج کا کوئی دانہ پیدا کر سکیں! وہ دل سے اس کے قائل تھے کہ کائنات سے ماوراء' کوئی ذات ہے جو خالق و مالک' روزی رساں' اور مدبر ہے' اور یہ سارا نظام اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

قرآنِ کریم' مشرکین کے اس اندرونی بھید کا پردہ جابجا فاش کرتا ہے۔ چنانچہ سورہ یونس میں ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ' اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ' وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ' وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ' فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ○ (یونس:۳۱)

ترجمہ "(اے پیغمبر! اِن مشرکوں سے) پوچھو کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے' یا وہ کون ہے جو (تمہارے) کانوں اور آنکھوں پر پورا اِختیار رکھتا ہے' اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے' اور بے جان کو جاندار سے پیدا کرتا ہے' اور وہ کون ہے جو تمام دُنیا کا انتظام کر رہا ہے؟ تو وہ (بلا تأمل) کہیں گے کہ "اللہ"!۔"

سورہ زُخرف میں ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ

الْعَلِيْمُ ۝ (زخرف:۹)

ترجمہ "اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے کہ ان کو (اللہ) غالب (اور) علم والے نے پیدا کیا ہے۔"

سورہ مومنون میں ہے:

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ‎ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۝ (مومنون:۸۶ '۸۷)

ترجمہ "(اے پیغمبر! ان سے) پوچھو کہ سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بھی اللہ کا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (زخرف:۸۷)

ترجمہ "اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے ان کو پیدا کیا؟ تو یہ کہیں گے اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟۔"

لادینیت کی سرخ آندھی:

قدیم سے قدیم دُنیا جہاں خدا کی قائل' اور اس کی شانِ ربوبیت کی معترف رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لگ بھگ سترھویں صدی تک عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اِلحاد اور لادینیت کوئی چیز ہے۔ یا بالفاظ دیگر خدا کا کہیں وجود نہیں۔ لیکن اِسے ترقی' معکوس کہئے یا عقل و خرد کی بے خردی' کہ ٹھیک اٹھارہویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے آغاز سے اس تخیل کے ساتھ ایک نئی تحریک نے جنم لیا' کہ خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ خصوصاً یورپ میں انتہا پسند' لینن زدہ مارکسٹ کمیونسٹوں نے اس نظریہ کو خوب خوب ہوا دی۔ اور دیکھتے دیکھتے یورپ اور دُنیا کے بیشتر ملک اس سرخ آندھی کی لپیٹ میں آگئے۔ جبکہ قدیم دُنیا خدا کے تصور کے ساتھ اگرچہ مشرکانہ رسوم اور طرح طرح کی خرافات میں مبتلا رہی' اور اپنے جھوٹے خداؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پرستش' اور ان کے لئے

بھینٹ چڑھاتی رہی۔ لیکن جیسا کہ ابھی گذرا' فطری طور پر اُن کے کان ایک غیبی آواز سے سدا آشنا رہتے تھے کہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے جس کے ذریعہ خیر کی طلب اور شر سے پناہ مانگی جاسکتی ہے۔

لادینیت کے اسباب:

لادینیت کی سرخ آندھی نے یورپ اور دوسرے ملکوں کو جس طرح اپنی لپیٹ میں لیا' اس کی وجوہات متعدد ہوسکتی ہیں ذیل کی پانچ وجوہات ان میں زیادہ اہم ہیں:

۱۔ **اربابِ کلیسا کی بالادستی اور ظلم و زیادتی:** کلیسا کے پوپ اور پادریوں کو عوام اور حکومت میں جو اثر و رسوخ اور اقتدار حاصل رہا' اس کا انہوں نے ہمیشہ غلط استعمال کیا۔ چنانچہ مذہب کے نام پر مذہب کے ان ٹھیکیداروں نے اقتدار کے نشہ میں وہ حرکتیں کیں' جس نے عوام کو رسوا کیا' اور انہیں غلاموں سے زیادہ بدتر زندگی گذارنے پر مجبور کیا۔

۲۔ **عیسائیت کا حالِ زار اور عقلیت اور اصولِ فطرت سے اس کا تصادم:** آسمانی شریعت اور خدائی قانون میں جس چیز کا سب سے زیادہ لحاظ کیا جاتا ہے' وہ اِنسانی فطرت ہے۔ لیکن عیسائیت کے جھوٹے علمبرداروں نے خدائی مذہب میں اپنی طرف سے آمیزش کرکے اسے فطرت کے عین مقابل لاکھڑا کیا۔ خلافِ عقل اور خلافِ فطرت آئین و ضوابط کو مذہب اور دینداری کا نام دیا۔ اور اس طرح اِنسانوں کو مذہب حقہ سے برگشتہ اور دُور کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

۳۔ **طبیعیات اور صنعت و حرفت کے علوم کی غیر معمولی ترقی اور مذہبیت کی پستی:** علم حیات' علم کیمیا اور مختلف تاریخی' جغرافیائی' اور فلسفیانہ نظریے' جن کو کسی دور میں مسلمہ حقائق کی حیثیت حاصل نہ ہوسکی۔ ارباب کلیسا نے ان افکار و خیالات کو مسلمات کا درجہ دے کر ان کا رشتہ مذہب سے جوڑ دیا۔ جبکہ ان افکار کی حیثیت ہمیشہ عارضی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اِنسانی علم رفتہ رفتہ آگے بڑھتا ہے اور ہر آن اس میں تبدیلی کا امکان ہوتا ہے۔ عیسائیت کے ٹھیکیداروں کی اس عقل و فطرت سے متصادم پالیسی کے نتیجہ میں یورپ میں علوم کے اِحیاء کی تحریک نے جنم لیا۔ اہل کلیسا نے عقل کو بیکار کرنے اور فطرت کو

دبانے کی جس قدر کوششیں کیں' وہ سب ناکام ہوئیں۔ اس تحریک کے میدانِ عمل میں آنے کے بعد سائنسی ایجادات اور صنعتی ترقیات کا دور شروع ہوا' جو آج نقطہ عروج پر پہنچا ہوا ہے' چونکہ کلیسا نے عقل و دانش کو پہلے ہی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کرنا چاہا تھا' اس لئے جب اہل سائنس اور جدید علمی نظریات اور عملی تجربوں نے عیسائیت پر اعتراضات کئے' تو ان اعتراضات کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ چنانچہ مادی قوتوں کو فروغ ہوا' اور ان طاقتوں نے توہم پرستی اور مذہبیت کا سرے سے خاتمہ کر دیا!

۴۔ مذہب کے ناعاقبت اندیش بہی خواہوں نے مذہب کو فطرت سے دُور رکھ کر فطری خواہشات کو غیر فطری ذرائع سے دبانے کی کوشش کی۔ چنانچہ بظاہر عورتوں سے کنارہ کشی اِختیار کی گئی' شادی کو گناہ سمجھا گیا' لیکن اصلاح کے اس غیر فطری طریقے کی آڑ میں بدکاری کے اڈے کھل گئے۔ فحش کاری کا بازار گرم ہوا۔ عبادت گاہیں قحبہ خانے میں تبدیل ہوگئیں۔ اور یوں ایک نام نہاد مذہبی طبقہ کے طفیل دیگر مذاہب بھی سرعام رسوا ہوئے۔ نیز شیطان' انسان کو شہوت پرستی کے راستے پر ڈالنے کی زبردست کوشش کرتا ہے۔ ان نام نہاد خدا پرستوں نے جب فطرت کا گلا گھونٹ دیا تو اس کے نتیجہ میں اخلاقی قدروں کا جنازہ نکل گیا۔ خانگی اور گھریلو زندگی تباہ ہوئی۔ آزادانہ شہوت رانی' اِباحیت' اور مذہبی طرزِ زندگی سے بغاوت کا عام جذبہ پیدا ہوا' اور رفتہ رفتہ سماج اور معاشرہ پر سے مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔

۵۔ رہا اِسلام تو اس کے احکام نظروں سے اوجھل اور اس کی روشنی آنکھوں سے مستور ہو چکی تھی۔ اس کا روحانی سایہ سمٹ کر تنگ اور اس کی خیر و خوبی کا سرچشمہ محدود ہو چکا تھا۔ جو بجا طور پر سارے عالم کیلئے طاقت اور روحانیت کا ذخیرہ فراہم کرتا تھا۔ جو اخلاقی قدروں اور اعلیٰ صفات کا نقیب تھا۔ بالخصوص جس دوران' کمیونزم اور سوشلزم جیسے فاسد اور سراسر مادی نظریے وجود میں آئے افسوس اسی اثناء میں اِسلام کے چشمہ صافی کو گدلا اور صحیح اور خالص اِسلامی عقائد کو زنگ آلود کرنے کی سازش کی گئی۔ اس کے گھر کو تاراج اور اس کے علوم و معرفت کے بازار کو ویران کیا گیا۔ دشمنوں کے گھروں میں یہ سازش تیار کی گئی۔ اور خود اِسلام کے فرزند خواب غفلت میں پڑ کر اس کا شکار ہوئے۔ اس اِدبار و نکبت اور خوابِ بے خودی اور غفلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اِلحاد و لامذہبیت نے میدان خالی پایا۔ اور لادینیت کے

ٹھیکیداروں نے پرزے نکالنا شروع کیے۔ پھر کیا تھا۔ گمراہی' غلط کاری' بگاڑ اور فساد کا بازار گرم ہوا۔ اور جب رفتہ رفتہ ان کی ہمت بڑھی' انہوں نے تمام مذاہب پر نظرکرم کرنی شروع کی۔ خدا کی ہستی کو فرضی مان کر اس کے وجود سے انکار کیا۔ لوگوں کی شخصی اور ذاتی خرابی کو بھی مذہب کے سرباندھنا شروع کیا۔ مذہب کا انکار اور اس کے خلاف ایک محاذ بنالیا۔ اور ادنیٰ سی مہلت دیئے بغیر مذہب کے خلاف اپنے سارے ترکش خالی کرلئے۔ اور نت نئے اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔

اور اگر یادش بخیر! ــــ اِسلام کا عہد زرّیں لوٹ آتا۔ اِسلامیوں کی رزم کی شمشیروسناں اور بزمِ رفتہ کی رعنائیاں اسی طرح اپنے شباب پر ہوتیں' وہ علوم جن کے یہ موجد تھے' جیسے: طبیعیات' فلکیات' نت نئی ایجادات' علم کیمیا' علم حفظانِ صحت: طب و جراحت' علم قانون' علم ہندسہ' تاریخ' جغرافیہ' ریاضی اور علم الاخلاق وغیرہ پر بدستور ان کی گرفت ہوتی' ان کے عدل و انصاف' اور آئین مساوات کے جو نمونے تاریخ کے صفحات میں مدفون ہیں' زندہ جاوید شکل میں دُنیا کے سامنے جلوہ گر ہوتے تو اس میں شک نہیں کہ یہ دشمنانِ اِسلام' اِسلام پر یوں حملہ آور ہونے کی بجائے دم بخود اور سرنگوں ہوتے' اور ان کی قوتِ گویائی کبھی کی سلب ہوچکی ہوتی۔ لیکن ہوا وہ جو نہ ہونا تھا!ــــہ

بِذَاقَضَتِ الْاَیَّامُ مَابَیْنَ اَھْلِھَا مَصَائِبُ قَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدُ

زمانہ کی ریت کچھ اس قسم کی ہے کہ ایک ہی دن کسی قوم کے لئے روزِ ماتم ہوتا ہے تو دوسری قوم کے لئے جشن مسرت کا دن ہوتا ہے

ہماری نظر میں دہریت اور انتہاپسند اشتراکیت جو آج جہاں اور جس قدر نظر آرہی ہے' اس کے وجود کے حقیقی اسباب یہ ہیں۔ اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر ان پر روک نہ لگائی گئی' تو وہ دن دُور نہیں جب ہر طرف صرف جنگل کا راج ہوگا' حیوانیت پورے عروج پر ہوگی' اور سسکتی بلکتی اِنسانیت تہہ خاک مدفون ہوگی۔

اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں' آج دُنیا میں کوئی مذہب یا کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس سرخ سیلاب کے تھپیڑوں کا رُخ موڑ سکے' یا کم از کم اس کا زور توڑ کر اپنا بچاؤ ہی کرسکے۔ ہاں اگر کوئی مذہب ہے' تو بلاشبہ یہی ایک "دین اِسلام" ہے۔ لیکن یہ دین اسی صورت میں برگ

وبار لاسکتا ہے جبکہ اس کے خالص اصولوں اور پاک و صاف دستور کے نفاذ کے لئے کوئی خطہ یا گوشہ محفوظ ہو' جہاں صرف کتاب و سُنت اور سلف صالحین کے طریقوں کی حکمرانی ہو' اور ہر کس و ناکس اِسلامی احکام اور اِسلامی شعائر کی بجا آوری کو اپنی زندگی کا اولین فرض قرار دے' اور اس دِین خالص کے اندر کسی اور ازم یا دھرم کا پیوند نہ لگائے۔

ہمیں یقین ہے کہ اِس قسم کی مثالی حکومتوں سے نہ صرف لادینیت اور مادہ پرست عقلیت کا خاتمہ ہوگا' بلکہ اہل دانش دیکھیں گے کہ عوام ازخود سوشلزم اور کمیونزم جیسے کھوٹے سکوں اور اس کے بلند بانگ دعوؤں سے دست بردار ہوں گے' اور دِین خالص کو اپنا دستور بنائیں گے۔

یورپ خود پہلا شکار:

چونکہ مادہ پرست عقلیت اور اشتراکیت سراسر یورپ کی دین ہے' اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ خود اس نظریہ اور اس کے عملی تجربے کا اولین شکار بنا۔ یورپ نے دوسری زبردست غلطی یہ کی کہ اس کے ظلمت کدہ میں اِسلام کا نور جب روشنی کا پیغام لے کر پہنچا تو مذہب کے نام نہاد علمبرداروں نے اس نور کا جواب تاریکی سے دیا' اور ہلال و صلیب کے نام سے انتہائی خوں ریز جنگیں چھیڑ دیں۔ جبکہ انہیں پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق' اور آپ کے لائے ہوئے دِین کو قبول کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ ان کے پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) نے بھی آپ کی بعثت کی خوشخبری سنائی تھی۔

علاوہ ازیں مسیحیت ایک قوم کی شریعت' اور حضرتِ مسیح صرف بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ جبکہ حضرت محمد ﷺ تاقیامت آنے والی نسلوں کے پیغمبر' اور آپ کی لائی ہوئی کتاب تمام اِنسانوں کے لئے آخری آسمانی شریعت ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا پیغمبر مسیح حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کامل اعتراف تھا۔ چنانچہ آپ نے خود فرمایا:

"میں تو صرف اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کو راہ بتاؤں۔" (انجیل متی: ۱۵' ۲۴)

قرآن پاک نے اس اعتراف کو اپنے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم
مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ
اسْمُهُ أَحْمَدُ ○ (صف:٦)

ترجمہ "(اور وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا' اے بنی اسرائیل! میں (خاص) تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) توریت' اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام "احمد" ہوگا' ان کی بشارت سناتا ہوں۔"

اگلی اُمتوں کے انبیاء اور اپنے درمیان فرق کو نبی آخر الزماں ﷺ نے ایک حدیث میں یوں بیان فرمایا:

"مجھ سے پہلے کے نبیوں کی بعثت مخصوص خطے اور مخصوص قوم کی طرف ہوا کرتی تھی' اور میں تاقیامت آنے والی قوموں کا نبی ہوں۔" (اللؤلؤ والمرجان:۱/۱۰۴)

نیز باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعاً ○ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ "(اے محمد!) تم کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا ○ (سبا:۲۸)

ترجمہ "اور (اے محمد!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

مزید ارشاد ہوا:

تَبٰرَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِينَ نَذِيرًا ○

(فرقان:۱)

ترجمہ "وہ (ذات بڑی) بابرکت ہے جس نے اپنے (خاص) بندے پر فرقان (یعنی قرآن) نازل فرمایا' تاکہ وہ سارے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا ہو۔"

نیز مسیحیوں کا یہ کردار بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ اِسلام کے آغاز ہی سے' اِسلام کے خلاف یہودیوں نے انہیں اپنا آلہ کار بنا رکھا ہے' اور انہیں اس کا احساس تک نہیں۔ کیا مسیحی خود اپنی تاریخ بھلا بیٹھے ہیں کہ کس طرح شاطر یہودیوں نے حضرت مسیح کی پیدائش کے دن سے ان کے خلاف کذب اور اِفترا پردازی کا ایک بازار گرم کیا۔ ان کے حواریوں سے ہر محاذ پر ایسی سخت زور آزمائی کی کہ ناچار ہو کر انہیں آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑ کے غاروں اور گپھاؤں میں پناہ لینی پڑی۔ اور یہی وہ صیہونی درندے تھے جنہوں نے بارھویں صدی عیسوی میں مسیحیت کے اِسلام سے راست تصادم کے لئے اسے میدانِ کارزار میں لاکھڑا کیا۔ اور سارے یورپ اور اس کی حلیف طاقتوں کو صلیبی جنگوں میں جھونک دیا۔ جبکہ درپردہ حقیقت یہ تھی کہ ان یہودیوں کو خصوصاً مشرقی یورپ میں خالص مسیحی تعلیمات کی نشرو اِشاعت' اور اپنے مکرو فریب کا پردہ فاش ہونے کا سخت اندیشہ تھا۔ اس لئے انہوں نے مسیحی راہبوں اور پادریوں کا لبادہ اوڑھ کر مسیحی بننا گوارہ کیا۔ اور اس طرح بنی اسرائیل کی ان گم گشتہ رہ بھیڑوں کو حضرت مسیح اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات سے برگشتہ کیا۔

نیز یہ انہیں کی سازش تھی کہ ''تثلیث'' جیسے فاسد عقیدے کے ذریعے دین مسیحی میں بت پرستی کو شامل کر دیا' جبکہ حضرت مسیح نے یہ کہہ کر اس سے کھلی بیزاری کا اِظہار کیا تھا جبکہ آپ ابھی گہوارے میں تھے کہ:

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰہِ ○ (مریم:۳۰)

ترجمہ ''میں اللہ کا بندہ ہوں!۔''

نبوت سے سرفراز ہونے پر فرمایا:

یَا بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ' اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰنہُ النَّارُ' وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

(مائدہ:۷۲)

ترجمہ ''اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی عبادت کرو' جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بلاشبہ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

یہودیوں کی جانب سے خالص دین مسیحی کو تباہ کرنے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ انہوں نے ایک انجیل میں رد و بدل کرکے اس کی تین' تین انجیلیں بنا ڈالیں[1]

دُکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ یورپ نے سب کچھ یہ جانتے ہوئے کیا کہ خالص مسیحیت کی جگہ اب صرف اِسلام وہ اکیلا مذہب ہے جو یورپ کے معیار پر پورا اُترتا ہے' یہی ایک آفاقی مذہب ہے جس کے اندر قدرت نے بے پناہ وسعت اور لچک پیدا کر رکھی ہے۔ نیز یہ کہ یہ تنہا عربوں کا' یا ایشیا اور افریقہ والوں کا دین نہیں۔ اس دین پر صرف یورپ یا کسی اور براعظم والوں کا اجارہ بھی نہیں' بلکہ یہ ساری دُنیا کا' اور ساری دُنیا کے اِنسانوں کا دین ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس دین خالص کو تسلیم کرنے سے انہوں نے گریز کیا۔!

یورپ یہ بھی جانتا تھا کہ صرف اِسلام وہ دین ہے جس کے اندر سارے عالم کی ہدایت کی بھرپور صلاحیت ہے' اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ سب سے پہلے یورپ بڑھ کر اس دین کا حلقہ بگوش ہوتا' اسے اپنا کر سعادتِ ابدی کا حقدار بنتا۔ لیکن افسوس کہ اس سب کے باوجود یورپ نے ماضی بعید میں اِسلام کے خلاف پوری شدت سے صلیبی جنگوں کی آگ بھڑکائی۔ ماضی قریب میں بیشتر مُسلم ممالک کو یورپین اقوام' بالخصوص برطانیہ اور فرانس نے اپنے پنجہ استبداد میں ایک مدت تک جکڑے رکھا۔ اور ابھی زیادہ دن نہیں گذرے کہ صیہونیت اور یورپ کے ناپاک گٹھ جوڑ نے "خلافت اِسلامیہ" کی قبائے عظمت کو تار تار کیا۔ باطنیہ' ناصریہ' زندیقیہ' نام نہاد صوفیا' اور دوسرے گمراہ مُسلم فرقوں جو اِسلام کا لبادہ اوڑھ کر اِسلام کو جڑ بنیاد سے کھود پھینکنے کی کوشش میں دشمنانِ اِسلام سے بڑھ کر پیش پیش ہیں کا متحدہ محاذ بنا کر اِسلام کی دیواروں میں شگاف ڈالنے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔

تازہ ترین صورتِ حال یہ ہے کہ یورپ اور اس کی حلیف سامراجی طاقتوں نے جب

---

[1] آگے چل کر یہ تعداد ۳۵ ہوئی۔ پھر ان میں سے پانچ کو چھانٹ کر علیحدہ کیا گیا۔ آج کی مسیحی دُنیا میں انہیں پانچ انجیلوں کا عام رواج ہے

یہ دیکھا کہ مُسلم نو آبادیات پر تادیر قبضہ ان کے لئے مضر ہے' تو انہوں نے ایک ایک کرکے ان ملکوں کو آزاد کرنا شروع کیا۔ لیکن بایں ہمہ خاصی بڑی تعداد میں کچھ ننگ دیں' ننگ وطن قسم کے ضمیر فروش میر جعفروں اور میر صادقوں کو اپنی ناپاک یادگار کے طور پر ان ملکوں کی سیاسی بساط پر ایک مہرے کی طرح رکھ چھوڑا۔ جن کی نس نس میں اِسلام دشمنی' خودرائی' اور خدا فراموشی کا جذبہ سرایت کئے ہے۔ جو اِسلام کا ٹائیٹل استعمال کرتے ہیں' لیکن اندر سے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اِسلام کا مستحکم قلعہ کسی طرح زمین بوس ہو۔ یہ سیاسی کٹھ پتلیاں بڑی طاقتوں کے اشارے پر اس لئے ناچتی ہیں کہ سامراج' جو سامنے کے دروازے سے ان ملکوں کو چھوڑنے پر بظاہر مجبور ہوا' چور دروازے سے پھر اسے اندر گھسنے کا موقع ملے۔

آج یہ دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے کہ عالم اسلام کی کلیدی شخصیتیں ان بڑی طاقتوں کی محض آلہ کار بنی ہوئی ہیں' اور اپنے یوروپین آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ایک سے بڑھ کر ایک بازی لے جانے کی فکر میں ہیں۔ اب ان کی کوشش یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ چھیڑ دی جائے۔ یہ کوشش ان کی پہلے سے بھی رہی ہے۔ اور اب تو انہوں نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ اسلام نہ رہے صرف اس کا نام باقی رہے! آخری آسمانی کتاب کی رُوح نکل جائے' اور صرف اس کے نقوش صفحہ قرطاس پر ثبت رہیں — لیکن کیا دشمنانِ اِسلام کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگا؟ اور کیا "جیسی کرنی' ویسی بھرنی" کے مصداق قرآن کریم کی یہ پیشین گوئی ان پر صادق نہ آئے گی کہ:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۝ (فاطر:۴۳)

ترجمہ "اور بری تدبیر کا وبال اس کے کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔"

کیوں نہیں؟ یقیناً وہ دن دُور نہیں' جب ان بڑی طاقتوں کو منہ کی کھانی پڑے گی' جب ان کی طاقت و سطوت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا' اور انہیں خون کے گھونٹ پینے پڑیں گے۔ اور یہ کوئی خوش فہمی نہیں۔ خدا کی یہی سُنت متوارثہ ہے کہ کوئی سی طاقت وقوت ہو' اس کے نزدیک اس کی حیثیت تارِ عنکبوت سے زیادہ نہیں۔ اور جب اس کی مشیت ہوگی' اس کا ایک معمولی جھاڑو مکڑی کے ان جالوں کو تار تار کرنے کیلئے کافی ہوگا۔ اِسلام اور اِسلامی تعلیمات کے خلاف ہر نادانی کا نتیجہ انہیں مل کر رہے گا۔ اس لئے کہ یہ دین خدا کی زمین پر

خدا کا پسندیدہ پہلا اور آخری دین ہے۔ اس سے زیادہ سچا اور خالص دین اب رُوئے زمین پر کوئی اور نہ آئے گا۔ اس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونے والا اس دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' ہاں اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر آپ کلھاڑی ضرور مارلے گا۔

مظاہر پرستی کی بھرمار:

یہ عرض کئے جانے کے بعد کہ عرب کے مشرکین بھی باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے' یہ انکشاف کچھ عجیب سا لگتا ہے کہ آج مسلمانوں میں لاتعداد قسم کی پرستشوں کی بھرمار ہے۔ لیکن اُمت کے مختلف طبقوں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد تعجب آپ سے آپ رفع ہو جاتا ہے' اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب اگر شرک کی ایک قسم یعنی بت پرستی میں مبتلا تھے' تو آج بہت سارے مُسلم گھرانوں اور خاندانوں میں شرک کا بازار گرم ہے' اور مسلمان توحید کے نام پر شرک میں ملوث ہیں۔

ذیل میں بے حد اختصار سے اس تلخ حقیقت کو محض اس لئے بیان کیا جاتا ہے' تاکہ مسلمان شرک کی گندگی اور اس کے بدتر نتائج سے آگاہ ہو جائیں' اور اس حقیقت کو اچھی طرح جان لیں کہ ان کے دین کا سارا کروفر جس عقیدہ توحید کی بدولت تھا' اور جس کی بنیاد کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ پر قائم ہے' اس دین میں کسی قسم کے شرک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے:

ا۔ بہت سارے جاہل مسلمانوں کے دلوں میں عقیدہ کی طرح اس تخیل کو جمادیا گیا ہے کہ ”خدائی نظام کی طرح اِس دُنیا میں اس کے متوازی ایک اور نظام قائم ہے' جس کی باگ ڈور بہت سارے غوث' قطب' اَبدال' صالحین' اور پیروں فقیروں کے ہاتھوں میں ہے۔ زندگی اور موت' عزت و ذلت' نفع نقصان اور اس قسم کی تمام چیزوں کا دینا لینا سب ان کے دائرہ اِختیار میں ہے۔ بارگاہِ خداوندی کی طرح ان کا بھی دربار لگتا ہے' جہاں سے مختلف قسم کے فرمان اور فیصلے صادر ہوتے ہیں۔“

اسی فاسد عقیدہ کا یہ نتیجہ ہے کہ عوام کا بڑا طبقہ توحید خالص سے منحرف ہو کر پیر پرستی' رسول پرستی' اور مظاہر پرستی میں ملوث ہے۔ مصیبت دُور کرنے اور مرادوں کو پوری

کرنے کے لئے ان سے دُعائیں کی جاتی ہیں۔ ان کے نام کی نذریں' نیازیں اور چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ روزی' نوکری' اولاد' مقدمہ بازی اور وہ سب طلب کرنے کے لئے ان کے سامنے آہ و زاری اور فریاد کی جاتی ہے جو اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے کون نہیں جانتا کہ یہ سب خدا کی شان ربوبیت کے ساتھ بھیانک قسم کا مذاق اور دل لگی ہے' اور کھلم کھلا شرک ہے۔!

۲۔ گمراہ صوفیوں' بدعتیوں' اور قبوری مولویوں کا یہ عقیدہ ہے' اور وہ مسلسل اس کا پرچار کرتے ہیں کہ "اولیاء اور صالحین' جس طرح زندگی میں عالم کا نظام چلاتے ہیں' مرنے کے بعد بھی بدستور ان کا فیض جاری رہتا ہے' اور وہ نظامِ عالم میں دخیل' اور خدا کے شریک کار ہوتے ہیں۔" (نعوذ باللہ)

اسی پروپیگنڈہ کا یہ نتیجہ ہے کہ آج عالم اِسلام میں جگہ جگہ روضوں اور مزاروں کی چوکھٹیں کعبہ کا دروازہ بنی ہوئی ہیں۔ درگاہوں اور مقبروں کی رونق نے مسجدوں کو ویران کر دیا ہے۔ زیارت گاہوں اور خانقاہوں نے شفاخانوں اور حفاظت گاہوں کی اہمیت کم کر دی ہے۔ اور آج ہر خاص و عام کا یہ ذہن بنا ہوا ہے کہ ناگہانی اُفتاد' موذی مرض' یا کوئی صدمہ یا پریشانی لاحق ہونے کی صورت میں وہ جوق در جوق انہیں آستانوں اور مزاروں کی طرف دوڑتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی طرح ان روضوں کی جالیوں سے لپٹ کر آہ و زاری کرتے ہیں۔ کھلے بندوں قبروں کا طواف اور سجدہ کرتے ہیں۔ چلہ کشی اور جاروب کشی کے لئے مدتوں وہاں پڑے رہتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کی دیرینہ تمنائیں پوری ہوں گی' حالانکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں' بلکہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ یہ قبریں اور مزاریں محض آڑ ہیں' جن کے پیچھے ایک ایسی تجارت کا بازار گرم ہے جس میں کہیں نقصان کا اندیشہ یا خسارے کا ڈر نہیں۔ جہاں عقیدہ توحید اور ایمان و یقین کا سودا ہوتا ہے' اور عزت و عصمت' شرم و حیا اور اَخلاقی قدروں کا سربازار نیلام ہوتا ہے۔

اور یہ وہی نام نہاد علم کے دعویدار' اور تاریکی وضلالت کے بیوپاری ہیں' جو ان مشرکانہ رسموں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں' جو بزرگوں کی بوسیدہ ہڈیوں پر اپنے شیش محلوں کی تعمیر کرتے ہیں' اور محض اپنے مفاد کے لئے اس قسم کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ: "ان کا دربار خدا

کا دربار ہے' جہاں ہر پریشانی کا علاج اور ہر درد کی دوا موجود ہے!؟"

ہم عرض کریں گے کہ ہر بندہ مومن کو' جسے خدا نے اپنی معرفت سے نوازا ہے' یہ باور کرانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ ان مزاروں اور آستانوں کی آڑ میں جو کچھ ہو رہا ہے' وہ خدا پرستی نہیں' کھلی ہوئی قبر پرستی اور بدترین قسم کا شرک ہے۔ جس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اس لئے کہ پرستش کے لائق کوئی اور نہیں' نہ ہی نفع نقصان پہنچانا' یا عزت و ذلت دینا خدا کے سوا کسی کے اختیار میں ہے۔ اور یہی عقیدہ توحید کی روح' اور شانِ ربوبیت کے شایان ہے۔

۳۔ بہت سارے جاہل مسلمان خدا سے اتنا نہیں ڈرتے' جتنا کہ جنوں' شیطانوں' اور خبیث رُوحوں سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے برے اثرات سے بچنے کے لئے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ ان کے نام کی بھینٹ دی جاتی ہے۔ نئے گھر کی چوکھٹ پر' یا نئے پل یا کنویں کی کھدائی کے وقت قربانی کی جاتی ہے۔ متعدی امراض اور وباؤں سے حفاظت کے لئے بکرے کاٹے جاتے ہیں۔ اور ان مشرکانہ عقائد کی باقاعدہ نشرو اِشاعت ایک شیطانی مشین کے تحت ہوتی ہے' جس کے کل پرزے عام اِنسان ہوتے ہیں جو مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مشیت ایزدی اور کارگاہِ خداوندی میں خبیث رُوحیں اور شیاطین دخیل ہیں۔ اور اس طرح محض علم سے دُوری اور دِین خالص سے لاپرواہی کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان اتنا بڑا ظلم کرتے ہیں کہ بھوت پریت اور شیطانوں کو اپنے مالک و مولیٰ کا ساجھی اور ہمسر بنا ڈالتے ہیں۔ (خدا کی پناہ)

۴۔ عوام کے اندر ایک رجحان یہ ہے کہ مشائخ طریقت' گمراہ صوفیا' خرقِ عادت کشف و کرامات کے مدعی پیروں اور فقیروں کی غیر معمولی تعظیم اور ان کے حکموں کی تعمیل کرتے ہیں۔ صاف و صریح آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کی پیروی کی بجائے خود ساختہ اَوراد و وظائف کو روز مرہ کا معمول بناتے ہیں اٹھتے بیٹھتے شرکیہ فقرے اور کفر کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ حواس باختہ مجذوبوں اور نام نہاد بزرگوں کی طرف ایسی جھوٹی کہانیاں اور خرقِ عادت کرامات گھڑتے ہیں جن کو صحت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ نبیوں اور رسولوں کو خدا کا اوتار' دیوانے فقیروں کو روشن ضمیر' اور درویشوں کو دل کے بھیدوں کا واقف کار سمجھتے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان سے فریاد اور دعا کے لئے ایسے قصیدے اور اشعار موزوں کرتے ہیں جو

صرف اللہ رب العزت کے شایانِ شان ہیں۔ ان سے عقیدت اور محبت کے اِظہار میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ ظالم خدا کا اتنا احترام نہیں کرتے جتنا کہ ان گم گشتہ رہ اِنسانوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہیں' اور اپنا تن' من' دھن ان پر قربان کرتے ہیں۔ یہ سب کھلا ہوا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح بڑی طاقتوں اور غیر مُسلم حکمرانوں کی چاپلوسی اور جی حضوری کا رجحان تشویشناک حد تک مسلمانوں کے اندر عام ہوتا جارہا ہے۔ یہ مرض دِین و اِیمان کے لئے اس وقت اور بھی خطرناک ہوجاتا ہے' جب دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے فرضی آقاؤں اور مجازی خداؤں کو خوش کرنے کے لئے حلال کو حرام' اور حرام کو حلال ٹھہرا دیتا ہے! اور اس کی غیرت وحمیت اس حد تک مردہ ہوجاتی ہے کہ بازار کے مال کی طرح اس کی قسمت کا سودا ہوتا ہے' اور ہر کوئی اسے اپنی جھولی اور مٹھی میں بندھا ہوا سمجھتا ہے۔

ہماری نظر میں یہ غلامانہ ذہنیت باری تعالٰی کی شانِ ربوبیت میں شریک ٹھہرانے کا نتیجہ ہے اس لئے کہ مسلمان سب کچھ ہوسکتا ہے' لیکن اپنے خالق و مالک کے حق میں جھوٹا اور مشرک نہیں بن سکتا' چہ جائیکہ اَغیار چاہیں یا نہ چاہیں' یہ اس حد تک گر کران کی اطاعت کے لئے آمادہ ہو کر خدا کی اطاعت کو بھی پس پشت ڈال دے۔ حالانکہ شریعت کا فیصلہ ہے کہ "اضطرار اور مجبوری کے بغیر غیروں کی تابعداری اور فرماں برداری کرنا خدا کی ساتھ شرک اور کفر کرنے کے مترادف ہے۔" اس کی تائید اور تصدیق حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

حضرت عدی کی زندگی کا یہ قصہ مشہور ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ نے مسیحی مذہب اِختیار کیا۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کے بعد اپنی عزیز بہن کے اشارہ پر مشرف بہ اِسلام ہوئے اِسلام لانے کے بعد جب انہوں نے حضور ﷺ کی مجلس میں قرآنِ پاک کی یہ آیت سنی جس میں یہودیوں اور عیسائیوں پر اپنے علماء و مشائخ اور حضرتِ مسیح کو خدا بنا لینے کی صریح فردِ جرم عائد کی گئی تھی:

اِتَّخَذُوٓا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ

وَمَآ اُمِرُوْآ اِلاَّ لِيَعْبُدُوْآ اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (توبہ:۳۱)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح بن مریم کو خدا بنالیا ہے' حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ (صرف) ایک معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔"

تو حضرت عدیؓ نے عرض کیا: "ہم اپنے علماء اور مشائخ کو پوجتے نہیں تھے" اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: "بھلا بتلاؤ! کیا صورت حال یہ نہ تھی کہ ربّی اور پادری جس چیز کو حرام کر دیتے' تم لوگ اس کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اور جس چیز کو وہ حلال کہہ دیتے' تم لوگ اس کو حلال نہیں سمجھتے تھے؟" حضرت عدیؓ نے عرض کیا: "ہاں' بے شک!" آپ نے فرمایا: "یہی ان کی عبادت کرنی ہے۔" (احمد' ترمذی)

اخیر میں ہم عرض کریں گے کہ عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کے اندر مظاہر پرستی اور مشرکانہ رسوم کی جو بھرمار ہے اس کی یہ ایک جھلک ہے! ــــ اِس خدا پرست امت کو جسے بارگاہ خداوندی سے "خیر اُمت" کا لقب ملا' اور جسے توحید خالص کی تبلیغ' اور کفرو شرک کے مٹانے کے لئے برپا کیا گیا۔ خود اس امت کے اندر اس کے جراثیم سرایت کرنے کی وجہ ہمارے نزدیک صرف یہ ہے کہ یہ امت کتاب و سنت کی صاف و صریح تعلیمات سے دن بدن دُور ہوتی جارہی ہے۔ جہالت اور برائیاں اس کے اندر عام ہوتی جارہی ہیں۔ کتاب و سنت اور سلف صالحین کا اُسوہ سیکھنے' اور عملی زندگی میں انہیں برتنے کے جذبات سرد پڑتے جارہے ہیں ــــ اور ان کے بالمقابل دشمنانِ اسلام جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین اور مذہب سے دور کردیں۔ خدا پر ایمان و یقین کا عقیدہ' جو ان کی طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ ہے' اسے بگاڑ کر اس چشمہ صافی سے بالکلیہ انہیں محروم کردیں۔ ان کی یہ تمام سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہیں' اور مسلمان ہیں کہ منکرین اور مخالفین کے ان ہتھکنڈوں اور ان کی سازشوں سے بے پرواہ غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔

دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ   بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ!

سادگی مُسلم کی دیکھ' اَوروں کی عیاری بھی دیکھ!

توحید اُلوہیت:

توحید اُلوہیت کو "توحید عبادت" بھی کہا جاتا ہے۔ ربوبیت اور اسماء وصفات کی توحید کا اہم جز ہونے کی بنا پر بندہ مومن کی زندگی میں اس عقیدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات لاحاصل اور بے سُود ہے۔

"توحید ربوبیت" کی حقیقت یہ ہے کہ بندے کو خدا کی معرفت اور اس کی شانِ ربوبیت سے گہری واقفیت ہو۔ اور اس صفت میں وہ کسی کو خدا کا ثانی اور ہمسر نہ سمجھے۔

"توحید اسماء وصفات" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات کے بارے میں کتاب اللہ' اور احادیث صحیحہ سے جو کچھ ثابت ہے اس کو کسی تمثیل' تاویل' یا تعطیل کے بغیر صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے مخصوص سمجھے۔ اور اس کی کسی خوبی اور صفت میں کسی اور کو اس کا شریک کار اور مساوی نہ سمجھے۔

"توحید الوہیت" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی عبادت میں اکیلا اور فرد ماننے' اور دل کی گہرائی سے اس کا اقرار کرے اور اعضاء سے اس کا اِظہار کرے کہ عبادت اور بندگی کا مستحق بس وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں ہے۔ توحید کامل کا بلند مقام یہ ہے کہ بندہ عملی طور پر یہ دکھادے کہ اس کہ بندگی کی تمام صورتیں اور اس کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ وہ کامل طور پر اپنے آپ کو اس کے حوالے کردے۔ اور بس پھر سب کچھ کرتے ہوئے بھی اس کی رحمت کا اُمیدوار' اور اس کی ناراضگی سے ڈرتا رہے:

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ' لَاشَرِیْكَ لَهٗ وبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ○ (انعام:١٦٢'١٦٣)

"(اے پیغمبر یہ بھی) کہہ دو کہ بے شک میری نماز اور میری تمام عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے' جس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے' اور میں اللہ کے فرماں برداروں میں پہلا فرماں بردار ہوں۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جس طریقہ پر گامزن ہیں' بعینہ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے:

یَاقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَO اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَO (انعام:۷۸'۷۹)

ترجمہ "اے لوگو! جن چیزوں کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں نے تو ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رُخ کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔"

توحید الوہیت کے اسی عقیدے پر جسے اللہ نے اپنے لئے بیان کیا' جو قرآنِ کریم اور احادیث صحیحہ سے کسی تمثیل' تکییف اور تعطیل کے بغیر ثابت ہے۔ اسی عقیدے پر خدا کے تمام انبیاء اور رسول قائم تھے' اور اسی کی شان یہ ہے کہ ہر نبی اپنے عہد مبارک میں اپنی قوم کو بس ایک دعوت دیتے تھے:

یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗO (اعراف:۵۹'۶۵'۷۳'۸۵)

(ہود:۵۰'۶۱'۸۴)۔

ترجمہ "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اسی مضمون کا عقیدہ کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ" کے اندر موجود ہے' جس کی تبلیغ و اِشاعت گذشتہ نبیوں اور رسولوں کا اہم ترین مشن تھا۔ اسی کلمہ کی سربلندی کے لئے ہر نبی مارے اور ستائے گئے ان سے دشمنی کی گئی' ان سے طویل جنگیں لڑی گئیں ___ اسی کی دعوت کو لوگوں میں عام کرنے کے لئے نبی آخرالزمان ﷺ کو سب سے زیادہ اذیت پہنچائی گئی۔ اور بعثت کے بعد سے تاحیات کسی دم نہ آپ کو چین لینے دیا گیا' نہ ہی آپ کے اصحاب کرام کو سکھ کی گھڑی گذارنے کی مہلت دی گئی۔ اس کلمہ کا زبان سے اقرار کرنا شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ یہ کلمہ درحقیقت باطل خداؤں کے خلاف کھلا ہوا اعلانِ جنگ ہے۔ اس کلمہ کو دل سے ماننا' اس عزم کا اِظہار کرنا ہے کہ اب وہ ساری مخلوق سے یکسو ہو کر صرف ایک ہستی کی طرف' اور تمام مذاہب سے رُخ پھیر کر صرف ایک دِین یعنی

'دینِ اِسلام'' کی طرف رُخ کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جب کہ سارے نبی اور رسول دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں' اور ان کے پیرو کار بھی پیوند خاک بن چکے ہیں' صرف یہی وہ دین ہے جو تاقیامت قائم و دائم اور زندہ و تابندہ رہے گا صرف اسی کے کلمہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ رنگ و نسل' ملک و زبان اور حسب و نسب سے بالاتر ہو کر ہر زمانے اور ہر ملک میں بسنے والے اِنسانوں کے اندر یکساں مساوات' عدل وانصاف' اور سچی بھائی چارگی کا پرچار کرتا ہے۔ اس کلمہ کا اقرار کرنے کے بعد گورا' کالے کا ہم پلہ بن جاتا ہے' غریب' امیر کا ہم مرتبہ ہو جاتا ہے۔ غلام اپنے آقا کے برابر میں آجاتا ہے۔ اور شاہ و گدا کے درمیان' اور حاکم و رعیت کے مابین کوئی بھید بھاؤ' یا کسی قسم کا فرقِ مراتب باقی نہیں رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قیصرِ رُوم ''ہرقل'' کے نام حضورِ اکرم ﷺ نے جو مکتوب ارسال فرمایا' اس کا مرکزی مضمون یہ تھا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و صلاۃ کے بعد! اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں طور پر (مسلم) ہے' وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں' اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا (اپنا) کارساز نہ بنائے۔'' (آلِ عمران:۶۴۔ بخاری:۱/۷'۹۰'۵۴/۴'۵۷۰)

اسی ''توحید الوہیت'' یا ''توحید عبادت'' کا اثر تھا کہ ہر نبی جب اس کا کلمہ بلند کرتا' اور غیراللہ کے مقابلہ میں عبادت اور بندگی کا صحیح حقدار صرف باری تعالیٰ کی ذات کو بتاتا تھا تو قوم ان کے خون کی پیاسی بن جاتی تھی' اور پھر دشمنی اور عداوت کی وہ آگ بھڑک اٹھتی جس کے تیز شعلوں میں رشتہ داری اور قرابت جل کر خاکستر ہو جاتی تھی۔ ماں باپ' اپنی اولاد کو' بھائی اپنے بھائی کو' اور خویش واقارب' اپنے والوں کو چھوڑ دیتے' اور ان کی فطری محبت کو دل سے نکال پھینکتے تھے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ○

(مجادلہ:۲۲)

"جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں' تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے' یا بھائی' یا خاندان کے لوگ ہوں۔"

حضرتِ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرزِ عمل کو پیش کرتے ہوئے دوسری جگہ یہ نصیحت فرمائی کہ دیکھو ان سبھوں نے اپنی قوم اور اپنی برادری سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہیں۔ تمہارے ان مشرکانہ طریقوں کو ہم نہیں مانتے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ○ (ممتحنہ:۴)

"(مسلمانو!) ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے تمہارے لئے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو' بیزار ہیں۔ ہم تم کو نہیں مانتے۔ اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی۔"

تاریخ گواہ ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے' جن کی دعوت کا محور یہی کلمہ طیبہ تھا کہ صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کرو۔ اور بتوں اور شیطان کی پرستش سے بچو' جو تمہیں ہدایت اور حق و صداقت کے راستے سے بے راہ کرنے کی سرتوڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ○ (نحل:۳۶)

"(اور یہ واقعہ ہے کہ) ہم نے ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کے

سمجھانے کے لئے) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی پرستش سے بچو۔"

"طاغوت" طغیان سے بنا ہے' جس کے معنی آگے بڑھ جانے کے ہیں۔ اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنی حدود سے تجاوز کر جائے۔ خواہ اسے معبود بنا کر اس کی بندگی کرے' یا اسے مقتدا سمجھ کر اس کی پیروی کرے۔ لہٰذا ہر قوم کا طاغوت وہ ہوگا' جسے اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں لوگ اپنی اطاعت کا مرکز بنالیں۔ خدا کو چھوڑ کر اس کی بندگی کریں۔ یا اللہ کی طرف سے بصیرت کے بغیر اس کی پیروی کریں۔ یا ان باتوں میں اس کی اتباع کریں جن کے بارے میں ان کو علم نہ ہو کہ خدا کی مرضی یہی ہے' یا یہ اس کی مرضی کے خلاف ہے۔

"توحید الوہیت" کی قدر و منزلت اور اِسلام میں اس کے مقام سے کامل واقفیت کے لئے اس بحث کے اہم نکتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے۔ توحید اُلوہیتؔ یا توحید عبادت کی تعریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو ۲ سرے اور ایک رابطہ ہے' جو دونوں سروں میں جوڑ پیدا کرتا ہے۔

پہلے سرے پر ایک نحیف و ناتواں اور حقیر و نازک مخلوق یعنی خود حضرتِ اِنسان ہے' جو سراپا نیاز' اور ہر ہر چیز کا محتاج ہے' جو تاحیات اپنے سے طاقت ور کی پشت پناہی اور اعانت کا خواستگار ہوتا ہے۔ جس کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کوئی اسے نفع پہنچائے' یا کم از کم مضرت اور نقصان سے اسے نجات دلائے۔

دوسری طرف باری تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے' جو طاقت و قوت میں یکتا' حکمت اور بے نیازی میں فرد' اور سننے جاننے اور فوری گرفت کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔

درمیانی رابطہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہو' اور جس سے وہ راضی ہو۔ خواہ وہ اقوال و اعمال ہوں' یا افعالِ ظاہری یا باطنی ہوں' اور جنہیں بندہ اپنے دل کی گہرائی' اور نیت کی سچائی کے ساتھ صرف اپنے رب کے لئے کرے۔ اور انہیں اس طریقہ پر انجام دے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے پیش کیا۔ اس تعریف کی رُو سے ذیل کے نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱۔ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے اِنسان کسی نہ کسی کا تابع فرمان' اور حکم کا پابند رہا

ہے۔ اس لئے کہ فطری طور پر وہ کمزور اور ناتواں ہے' اور بندگی' چاکری' اور تابعداری کے دائرے سے ایک لحہ کے لئے باہر آنا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسرے یہ عبادت اور بندگی اس نے یا تو خاص ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے کی ہے۔ مگر یہ اس وقت جب کہ اِنسان کو اس کا صحیح علم' اور اس کی سچی معرفت نصیب ہوئی ورنہ بصورتِ دیگر اِنسانوں نے ہر اس طاقت کے آگے جبین نیاز جھکائی ہے جسے انہوں نے اپنے سے بالاتر' اور نفع و ضرر کا موجب سمجھا ہے۔

۲۔ عقل و نقل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی' یا اس کا تعلق دل' زبان' یا دیگر اعضاء سے ہو' ان میں سے کوئی چیز اللہ کے سوا کسی اور کے لئے کرنا سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔ اس لئے کہ کائنات میں سب سے افضل اور بالاتر اِنسان کی ذات ہے' اور اِنسان کا سارا فضل و کمال اس کا ذاتی نہیں' بلکہ خدا داد ہے۔ وہ خود نحیف و ناتواں پیدا ہوتا ہے۔ پھر زندگی کی ساری بہاریں دیکھنے کے بعد اسی ضعف اور ناتوانی کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اسے جو کچھ حاصل ہے سب عطیہ خداوندی اور فضل ربانی ہے۔ اس کے بالمقابل باری تعالیٰ کی ذات مجمع صفات' اور اس کی ہستی ہر عیب سے پاک و صاف ہے۔ طاقت و شوکت' معرفت اور علم و حکمت' بے نیازی اور قدرت' اور خلق و تکوین کی ہر ہر صلاحیت میں وہ یکتا اور بے ہمتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اور موجودات کا ہر اونیٰ اور اعلیٰ اس کا محتاج ہے' اور خود وہ کسی کا محتاج نہیں' اس لئے عبادت اور بندگی کا مستحق صرف وہ ہے۔ اس کا ساجھی اور شریک کوئی اور نہیں۔

۳۔ عبادت قربِ الٰہی کا سبب اور رابطہ اسی صورت بن سکتی ہے جب کہ اس کی ضروری معلومات حاصل ہو' اور مخصوص کیفیت اور جذبہ اخلاص سے دل اور نگاہیں سرشار ہوں۔ ورنہ اس کے بغیر کوئی عبادت نہ ظہور پذیر ہوسکتی ہے' نہ ہی سود مند یا کارگر ثابت ہوسکتی ہے۔ جملہ عبادات کا طریقہ اور اس کی مخصوص معرفت حاصل کرنے کے لئے خدا پر' اس کے پیغمبروں پر' اوران کی لائی ہوئی کتابوں پر اِیمان لانے کے بعد یہ ضروری ہے کہ بندہ اپنے اوقات کو فارغ کرے اور پیغمبر کی لائی ہوئی کتاب اور اس کے بتائے ہوئے صاف ستھرے اور خالص طریقے کو براہ راست اس کے اصل سرچشمہ سے حاصل کرے' اور پھر اس کی کما حقہ

پیروی کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بیحد ضروری ہے کہ شرک کے تمام مظاہر اور عبادات کے رائیگاں جانے کی تمام صورتوں سے پرہیز کرے۔ تاکہ محنت اکارت نہ جائے۔ باری تعالیٰ کی شان ربوبیت میں شرک کرنا جتنا مضر ہے' اس کی بندگی میں شرک کرنے سے بھی حددرجہ نقصان پہنچتا ہے۔

چونکہ شرک کی جملہ اقسام کی وضاحت اور ان کی بیخ کنی اس کتاب کی تالیف کی اصل غرض ہے اس لئے ہم عبادت میں شرک کے عنوان سے ان مظاہر اور صورتوں کو علیحدہ بیان کرتے ہیں جو ملت اِسلامیہ میں آج قدم قدم پر نگاہوں کے سامنے آرہی ہیں۔ خدا ہمیں نیک توفیق دے۔

عبادت میں شرک اور اس کی شکلیں:

لفظ "شرک" شرکت سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنٰی یہ ہیں کہ خدا کی ذات یا اس کی کسی صفت کا اقرار کرتے ہوئے' اوروں کو کم یا زیادہ کسی درجہ بھی اس میں شریک مانا جائے۔ شرک' توحید کی ضد ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت' یا اس کے اسماء و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے' اور اس طرح اللہ کی عبادت میں غیروں کو حصہ دار سمجھنا کافروں کا شیوہ ہے۔ خصوصاً جب کہ یہ سب کرنے والا جان بوجھ کر کرتا ہے' اور اس پر اصرار بھی کرتا ہے۔

شرک سب سے بڑا گناہ اور کفر کا مرادف اس لئے ہے کہ مشرک درحقیقت خدا کو جھٹلاتا ہے' اور اس کے ناموں اور صفتوں میں غیروں کو شامل کرنے کی زبردست نادانی کرتا ہے۔ نیز اس ایک شرک سے خواہ وہ کسی قسم کا ہو' ایک سے زائد خداؤں کا ماننا لازم آتا ہے۔ اور یہ کھلا ہوا جھوٹ اور کفر ہے۔ اس لئے کہ:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ○ (آلِ عمران:۱۸)

ترجمہ "اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ○ (محمد:۱۹)

ترجمہ "(تو اے پیغمبر!) یقین رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔"

شرک کی دو ۲ قسم ہے۔ شرکِ اکبر' شرک اصغر (اسے شرکِ خفی بھی کہا جاتا ہے۔)

شرکِ اکبر کھلا ہوا کفر ہے۔ اور جو شخص اس پر مرا اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ لیکن جو شخص اس سے محفوظ رہا' مگر شرکِ اصغر کا اتنا مرتکب ہوا کہ گناہوں کا پلہ بھاری ہو گیا' تو وہ جہنم میں داخل ہو گا اور اگر کم ہوا' اور ساتھ ہی نیک عمل زیادہ رہا تو ایسی صورت میں مواخذہ نہ ہو گا۔ اور اسی وجہ سے یہ کفر کے مساوی بھی نہ ہو گا۔ چنانچہ صحیح حدیثوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) حضور ﷺ نے فرمایا' تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر سب سے (مسیح دجال سے بھی) زیادہ ہے؟ وہ شرکِ اصغر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: حضور! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریاکاری (کہ کوئی اللہ کے لئے نماز پڑھے' مگر کسی کو دکھانے کے واسطے اسے ذر اور خوف سے پڑھے)" (احمد)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا:

"جو اللہ چاہے' اور تم چاہو" آپ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ اس طرح کہا کرو' جو اکیلا اللہ چاہے" (احمد)

نیز جس وقت صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے شکایت کی:

(آپ کے زمانہ میں ایک منافق تھا' جو مسلمانوں کو ستاتا تھا') کچھ لوگوں نے کہا: چلو ہم اس منافق کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے فریاد کریں۔ تو آپ نے فرمایا: "مجھ سے نہیں' اللہ سے فریاد کی جاتی ہے۔" (احمد' طبرانی)

نیز آپ نے فرمایا:

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے (کفر یا) شرک کیا۔ (ترمذی' حاکم)

حضور ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! اس شرک (اصغر' چھوٹے شرک) سے بچو۔ اس لئے کہ یہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ ہلکا ہے" کہا گیا: حضور! جب یہ اتنا ہلکا ہے تو ہم اس سے کیسے بچیں؟ آپ نے فرمایا: "تم یوں کہا کرو' اے اللہ! ہم اس شرک سے تیری پناہ چاہتے ہیں' جس کو ہم جانتے ہیں' اور اس شرک سے بھی تیری مغفرت چاہتے ہیں' جس کو ہم محسوس تک نہیں کرتے۔" (احمد' طبرانی)

مذکورہ بالا صورتوں میں حضور ﷺ نے اس شرک کی مذمت تو فرمائی' لیکن اسے کفر' یا اس کے مرتکب کو مرتد نہیں فرمایا۔ اسی لئے ہم نے اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک بنانے والے کو کافر اسی وقت گردانا' جب کہ اس کا کرنے والا جان بوجھ کر ایسا کرے۔ اور کسی

عداوت، دشمنی، تکبر، حب جاہ، حب مال، یا منصب کی خواہش پر، یا بلا کسی وجہ کے شرک کرنے پر اَڑا رہے۔

شرکِ اصغر ایک نازک موضوع ہے۔ للٰذا مزید وضاحت کے لئے باری تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء اس کی صفات، اور اس کے افعال کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ ان کی توحید، اور ان کے کفر اور شرک کا فرق دونوں نمایاں ہو جائے۔

(الف) ذاتِ باری:

خدائے تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کائنات کی ایک ایک چیز پر غور کرنا شریعت کی رُو سے ثابت ہے، لیکن ذاتِ باری پر غور و فکر کرنے سے شریعت نے منع بھی کیا ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کی ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں۔ دوسرے اِنسان کی بصیرت اور اس کی عقل اس قدر نارسا اور خام ہے کہ ذات باری کا اِدراک اور اس کی حقیقت و ماہیت کا شعور اس کے بس کی چیز نہیں اِنسان سراسر مادہ سے بنا ہے۔ اس لئے اس کی نظر اور اس کی عقل مادی چیزوں کو دیکھ کر ان کی ماہیت کو سمجھ سکتی ہے۔ باری تعالیٰ کی ذات مادہ اور اشیاء سب سے ماوراء ہے۔ اس لئے کہ مادہ مخلوق ہے۔ اور ذاتِ باری اس کا پیدا کرنے اور بنانے والا ہے۔ یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر سلف کا یہ عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ذاتِ مقدس میں کلام کرنے سے کامل پرہیز کرنا ضروری ہے، اور اس قسم کا سوال کرنا بدعت ہے۔ البتہ اس نے اپنی کتاب میں اپنے بہت سارے اسماء حسنٰی اور اوصاف عالیہ کا ذکر کیا ہے، اور بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس کو ان ناموں اور صفتوں سے پکاریں، اور ان کے ذریعہ وسیلہ تلاش کریں، اور ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ○ (اعراف:۱۸۰)

ترجمہ "اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، تو اس کو ان ہی ناموں سے پکارو۔"

اور اگر اس کے باوجود کوئی اس کی ذات کو مخلوقات سے تشبیہ دیتا ہے، یا کسی قسم کی تکییف، تعطیل، یا تاویل کی کوشش کرتا ہے، یا اس کی حقیقت و ماہیت سے متعلق ایسا کوئی عقیدہ رکھتا ہے، جو اللہ کی کتاب اور اس کے اُتارے ہوئے احکام سے ثابت نہیں، جس کے بارے میں کوئی صحیح علم نہیں، نہ ہی صحیح احادیث ان کے بارے میں وارد ہیں، تو اہل سلف اور جمہورِ اُمت کے نزدیک یہ سب کفر و شرک اور کھلی ہوئی گمراہی اور بدعت ہے۔

(ب) اسماء وصفات:

سلف کا معمول تھا کہ اللہ کی ذات کی طرح اس کے ان اسماء و صفات پر بھی وہ اِیمان لاتے تھے' جن کو اللہ نے خود اپنے لئے بیان کیا' اور اپنی کتاب اور رسول کی زبانی انہیں ناموں سے خود کو موسوم کیا' چنانچہ سلف انہیں کے ذریعہ اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرتے تھے۔ لہٰذا ہُوبہو ان پر ایمان لانا ضروری ہے نہ ان کی من مانی تاویل کرنا جائز ہے' جو ظاہر کے خلاف ہو نہ ہی اس کی صفات کو مخلوقات سے مشابہت دینا جائز ہے۔ اگلوں نے اس علم کو یوں ہی سیکھا' اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ بعد والوں نے بھی اس کی پیروی کی' اور شرک' کفراور بدعت کی پیروی سے منع کیا' جو سراسر ظلم اور بڑا گناہ ہے۔

اور اگر کوئی شخص تقدیس اور تنزیہ کے ارادے سے بھی صفات کی بیجا تاویل کرے تو یہ سلف کے معمول کی خلاف ورزی اور جہالت ہوگی۔ اس لئے کہ نہ خدا نے اپنے بندوں کو اس کا پابند کیا' اور نہ کہیں اس قسم کا کوئی حکم وارد ہے۔ مثال کے طور پر باری تعالیٰ کے ید' مجی' اِستواء' وَجہ' ساق وغیرہ کے بارے میں سلف کا عقیدہ ہے کہ یہ صفات معلوم ہیں' لیکن ان کی کیفیت مجہول ہے۔ اور یہی بات تمام صفات کے بارے میں کہی جائے گی ــــ لیکن اگر کوئی ید سے مراد قدرت الٰہی' مجی سے مراد قضا وقدر یا نزول ملائکہ' استواء' سے مراد قبضہ قدرت' اور علو سے مراد قہر خداوندی لے' تو یہ بدعت اور عقیدہ سلف کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس لئے کہ اگر اس قسم کی کوئی تاویل ہوتی تو ہم تک ضرور پہنچتی۔

اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ:

○ ــــ متشابہات میں پڑنا اور ان کی بے جا تاویل کرنا کوئی پسندیدہ بات نہیں۔ اس لئے کہ تلاش و جستجو اگر کسی درجہ مفید ہوتی' تو حضور ﷺ اس گوشہ کو تشنہ نہ رکھتے۔ کیونکہ اُمت کے لئے خیر کی جستجو اور بھلائی کا طالب آپ سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

○ ــــ ذاتِ باری کی کنہ اور اس کی ماہیت کی جستجو بندے کے لئے مضر ہے۔ اس لئے کہ تلاش و جستجو اگر کسی درجہ مفید ہوتی تو باری تعالیٰ اپنی کتاب میں دیگر ضروری امور کی

طرح اس گوشہ کو بھی اُجاگر کرتا کیونکہ اپنی ذات سے جتنا باخبر وہ ہے' کسی اور کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کے باوجود ان کی ماہیت کی جستجو کرنا باری تعالیٰ پر الزام دھرنے کے مُرادف ہو گا۔

○ ___ باری تعالیٰ کی صفات کا جو مفہوم سلف کے نزدیک متعین ہے' اس کے خلاف کسی نیک نیتی ہی سے سہی' مثلاً تشبیہ وغیرہ سے بچنے کے لئے بھی اگر کوئی ان صفات کا دوسرا مفہوم مراد لیتا ہے' جیسے "ید" سے سلف نے صفت ید مراد لیا ہے۔ اگر کوئی اس سے قدرتِ الٰہی مراد لے' یا اس سے بھی نیچے اتر کر اگر کوئی اِنسانی ہاتھ سے اس کے ہاتھ کا' اِنسان کی آمد کی طرح اس کی آمد کا' اور بادشاہوں کی تخت نشینی کی طرح اس کی "عرش نشینی" کا تصور کرے' تو یہ انتہا درجہ کی جہالت' دروغ گوئی' اور کھلا ہوا شرک ہو گا۔ اور اس آیت سے کفر اور انکار لازم آئے گا' جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"اس کے مثل کوئی چیز نہیں' نہ اس کے ہمسر کوئی ہے" (شوریٰ:۱۱)

○ ___ تشبیہ وغیرہ سے بچنے کے لئے' جو لوگ باری تعالیٰ کی صفات میں بیجا تاویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ جو الفاظ باری تعالیٰ کی صفات وافعال بیان کرنے کے لئے اِختیار کئے گئے ان میں اکثر وہ ہیں جن کا استعمال مخلوق کی صفات کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً خدا کو "حی" "سمیع" "بصیر" "متکلم" وغیرہ کہا گیا۔ اور اِنسان کے لئے بھی یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں لیکن ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے۔ کسی مخلوق کو سمیع و بصیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اب اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے آنکھ کہتے ہیں' اور جو دیکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرے اس کا نتیجہ اور غرض و غایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رُویت بصری سے حاصل ہوتا ہے۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا گیا' تو یہ آلہ اور غرض دونوں چیزیں معتبر ہوئیں' اور دونوں کی کیفیت بھی معلوم ہوئی۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال ہوا' تو یقیناً وہ آلہ اور جسمانی کیفیت مراد نہیں ہو سکتی' جو مخلوق کے خواص میں سے ہے' اور جن سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے۔ البتہ ہمیں عقیدہ رکھنا ہو گا کہ "دیکھنا" اس کی ذاتِ اقدس میں موجود ہے۔ اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہو سکتا ہے' اس کو بدرجہ کمال

حاصل ہے۔ آگے یہ کہ قدرت کے وہ ذرائع کیا ہیں؟ اور دیکھنے کی کیفیت کیسی ہے؟ تو سوائے اس کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہے' ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ جو اس نکتے کو نہیں سمجھتے وہ صفات میں بیجا تاویل کرتے ہیں' اور اس طرح ماوراء و عقل حقائق میں غور کرکے پریشان ہوتے ہیں جب کہ تاویل نہ کرنے والے خدا کی صفات کو بندوں کی صفات پر قیاس نہیں کرتے اور کفرو شرک اور جہالت سے محفوظ رہتے ہیں۔

(ج) عباداتِ الٰہی:

توحید عبادت اور عبادات کی اقسام بیان کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ باری تعالیٰ نے ساری کائنات کو اِنسانوں کے لئے اور اِنسان کو اپنی عبادت اور اپنا ذکر و شکر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

(ذاریات:۵۶ تا۵۸)

ترجمہ "اور میں نے جنوں اور اِنسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ اور میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں' اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا' قوت والا اور توانا ہے۔"

عبادت کا طریقہ اور اس کی اقسام کا جاننا وحی الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے یہ علم توقیفی ہے' اور اسی وجہ سے کتاب و سنت کا بڑا حصہ عبادات کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ اس علم کے مطابق خدا کی پرستش کرنے والا مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے۔ اور جو کوئی عبادت کرتا ہے' لیکن اپنی خواہشات کو اس میں شامل کرتا ہے' یا شیطان کے بہکاوے میں آکر خدا کی پرستش میں مخلوق کو شریک کرتا ہے' تو یہ خدا کی بندگی نہیں ہوگی' نفس اور شیطان کی بندگی ہوگی' اور باری تعالیٰ اس قسم کی بندگی کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کا خالص اور مشروع طریقہ کیا ہے؟ — جواب یہ ہے کہ قرآنِ پاک اور صحیح احادیث میں عبادات کا طریقہ مفصل مذکور ہے۔ اور طالب باآسانی ہردو چشموں سے استفادہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں توحید

عبادت اور مشرکانہ عبادات کی مختلف صورتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ جملہ عبادات کا احاطہ کرنے کے لئے ابتداء میں "قلب کے اعمال و عبادات" کا ذکر ہوگا' اور "اعضاء و جوارح کی عبادات" پر یہ بحث ختم ہوگی۔

(الف) قلب کے اعمال و عبادات:

یعنی وہ عبادات جن کا تعلق براہِ راست دل سے ہے۔ جیسے' اِیمان و یقین' محبت' خوف و خشیت رَجاء و رغبت توبہ و انابت' اور توکل وغیرہ

۱۔ اِیمان و یقین: باری تعالےٰ کے وجود اور اس کی شانِ ربوبیت کو دل سے ماننا اور اس پر یقین کرنا اِیمان کی بنیاد ہے۔ نیز یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ وہی تمام اِنسانوں کا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کے تمام احکام برحق ہیں۔ فرشتے' تمام آسمانی کتابیں' صحیفے (جو پیغمبروں پر اُتارے گئے) نبی اور رسول' قیامت' حشر و نشر' جزا و سزا' جنت اور جہنم' اور اچھی بری تقدیر تمام چیزیں برحق ہیں ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ (نساء:۱۳۶)

ترجمہ "اے اِیمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے' اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں' سب پر ایمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستہ سے بھٹک کر دُور جا پڑا۔"

اور جو کوئی ان میں شک کرتا ہے' یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا پالنہار سمجھتا ہے' یا بندگی میں غیروں کو شریک کرتا ہے' وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔

۲۔ محبت: عبادت کے لئے بے انتہا خوف و خشیت کے ساتھ دل میں غایت درجہ محبت کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ بغیر اس کے معرفت الٰہی اور قُرب نصیب نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ یہ ضروری ہے کہ بندہ اللہ سے' اس کے دِین سے' اور اس کے محبوب بندوں سے محبت کرے' اور جو شخص اللہ کو محبوب رکھے گا' لازمی طور پر وہ اس کے نیک بندوں کے عقائد' اور ان کے اقوال و اعمال سے بھی محبت کرے گا۔ اور جس کو اللہ سے محبت نہ ہوگی' اسے دین سے' اس کے نیک بندوں سے اور ان کے اقوال و اعمال سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی'

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۝ (بقرہ:۱۶۵)

ترجمہ "لیکن جو لوگ اِیمان والے ہیں ان کو اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔"

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ "(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تُم (واقعی) اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا' اور تمہارے گناہ معاف کردے گا' اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔"

حضور ﷺ کا اِرشاد ہے:

"خدایا! مجھے اپنی محبت نصیب فرما' اور جن کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے' ان کی محبت دل میں پیدا فرما۔ خدایا! جن سے مجھے محبت ہو' اپنی چاہت کے کاموں میں ان کی محبت کو میرے دل میں مضبوط فرما۔ خدایا! جن کی محبت کو تو نے میرے دل سے نکال دیا' ان سے مجھے بے نیاز کر دے اور اپنے پسندیدہ کاموں کی محبت کو میرے دل میں پیدا فرما۔" (ترمذی' ۴۷)

اس محبت سے ـــ جو ریا اور شرک کی آمیزش سے پاک ہو ـــ نفع کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ اور اگر کسی نے وہ محبت کی جو خدا کو ناپسند ہے' جیسے باطل معبودوں کی محبت' دُنیا اور دنیا داروں کی محبت وغیرہ' تو یہ توحید عبادت اور توحید محبت کے منافی اور اس عقیدے کے لئے مضر ہے۔ اس لئے کہ اس محبت کے دل میں پیوست ہوجانے کے بعد بندہ خدا اور رَسول کی معصیت پر دلیر ہوجاتا ہے۔ خدا کی بزرگی اور عظمت دل سے نکل جاتی ہے' اور اس کی جگہ غیروں کی محبت اور دل میں ان سے خوف اور دہشت پیدا ہوجاتی ہے۔

۳۔ خوف و خشیت: "خوف و خشیت" خدا کے نیک بندوں کا شعار ہے۔ اس

لئے کہ باری تعالیٰ نے اپنے سے ڈرنے' اور غیروں سے نہ ڈرنے کی باربار تاکید فرمائی:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ ○ (مائدہ:۴۴)

"(حق کی پیروی میں) لوگوں سے نہ ڈرو' بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔"

کہیں یہی حکم "خوف" کے لفظ سے مذکور ہے:

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آلِ عمران:۱۷۵)

"تو تم ان سے نہ ڈرو' بلکہ مجھ ہی سے ڈرو۔"

جو لوگ بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کا صلہ یہ ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ (ملک:۱۲)

"بے شک جو لوگ بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مقرر ہے۔"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ خوف و خشیت بھی خدا کی عبادت ہے' جس کا تعلق دل سے ہے۔ اور دیگر عبادات کی طرح اس عبادت میں بھی توحید کی رعایت کرنا بے حد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص غیراللہ کو بڑا مان کر اس سے ڈرتا ہے' یا کسی اضطرار یا مجبوری کے بغیر خدا کی نافرمانی کرتا ہے' ایسا شخص عبادت میں شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

۴۔ رَجاء و رَغبت: جس ذات کے دست قدرت میں خیر ہے' اور جو اسے عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے' اس سے خیر کی تمنا اور اس کے حصول کا اِنتظار کرنا "رَجاء" کہلاتا ہے۔ اور یہی "رغبت" کی تعریف ہے۔ خدا کے نیک بندوں نے ہر طرح سے اپنے رب کی بندگی کی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

۱ لغت کی رُو سے ان دونوں کے درمیان ہلکا سا فرق ہے "خوف" جس کا ڈر ہو' اگر اس کی عظمت اور بڑائی کا دل میں احساس نہ ہو تو اس ڈر کو خوف کہا جاتا ہے۔ "خشیت" اور اگر اس کی عظمت بھی دل میں جاگزیں ہو تو یہ خشیت کہلاتا ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ (کہف:۱۱۰)

ترجمہ "تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے' اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔"

نیز ارشاد ہے:

لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۝ (احزاب:۲۱)

ترجمہ "اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی اُمید رکھتا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (انبیاء:۹۰)

ترجمہ "اور ہم کو اُمید اور خوف سے پکارا کرتے تھے' اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔"

حضور ﷺ کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (انشراح:۷'۸)

ترجمہ "تو جب تم (تبلیغ کے کاموں سے) فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو' اور اپنے پروردگار کی طرف (پورے طور پر) توجہ کیا کرو۔"

چونکہ عزت و ذلت' ملک و حکومت اور خیر و برکت سب باری تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (آلِ عمران:۲۶)

ترجمہ "(اے پیغمبر! تم یوں) کہو کہ اے اللہ سارے ملک کے مالک' تو جس کو چاہے سلطنت عطا کرے' اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے'

اور جسے چاہے ذلت دے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس لئے غیراللہ سے خیر کا طلب کرنا یا اس کی اُمید رکھنا حد درجہ گمراہی اور باطل ہے' اور اس کا مرتکب مشرک ہے۔

۵۔ **توبہ اور اِنابت:** کسی گناہ کے بعد احساسِ ندامت کے ساتھ باری تعالیٰ کی طرف اس عزم و ارادے سے متوجہ ہونا سچی توبہ کہلاتا ہے کہ اب وہ پلٹ کر کبھی گناہ نہیں کرے گا۔ (جیسے تھن سے دودھ نکالے جانے کے بعد دوبارہ اسے تھن میں لوٹانا ممکن نہیں۔) توبہ ایک عبادت ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ ○ (زمر:۵۴)

ترجمہ "اور تم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو' اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ۔"

باری تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کو وہ ہدایت دیتا ہے۔

وَیَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ○ (شوریٰ:۱۳)

ترجمہ "اور جو اس کی طرف رجوع کرے' اسے اپنے تک رسائی دیتا ہے۔"

اور عام مسلمانوں کو انہیں کی پیروی کرنی چاہئے:

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ○ (لقمٰن:۱۵)

ترجمہ "اور جو میری طرف رجوع کرے' اس کے راستہ پر چلنا۔"

جب یہ حقیقت مسلّم ہے کہ عزت و ذلت' نفع و ضرر' اور ہر قسم کی دادو دہش صرف باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔ اس لئے غیروں سے اس کی توقع رکھنا جہالت' اور اس قسم کی حرکت کرنے والا مشرک ہے۔

۶۔ **توکل:** اسباب کو کام میں لاتے ہوئے نتیجہ کو باری تعالیٰ کے حوالہ کر دینا' اور ساتھ ہی یہ ایمان و یقین رکھنا کہ کامیابی کا مدار اللہ کی توفیق اور اس کی رحمت پر ہے' توکل کہلاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے جا بجا اسی توکل کی تاکید فرمائی ہے' اور اسے اصل ایمان اور عظیم عبادت قرار دیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ (أحزاب:۴۸)

ترجمہ "اور اللہ پر بھروسہ رکھو' اللہ کافی کارساز ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (مائدہ:۲۳)

ترجمہ "اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔"

اس کا وعدہ ہے کہ جو اپنی مہارت اور عمل پر نہیں' اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کیلئے کافی ہوتا ہے' اور غیب سے اس کے لئے راہ کھول دیتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ○ (طلاق:۳)

ترجمہ "اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے' اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔"

توکل' اس کے خاص بندوں کا شعار ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ (ابراہیم:۱۲)

ترجمہ "اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔"

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ توکل خالص دل کا فعل ہے۔ اس لئے کہ بندہ دل سے یہ یقین کرتا ہے۔ کہ اس کا خدا اس کے لئے کافی ہے۔ اپنے دل میں اسی یقین کو جما کر وہ بس بھر کوشش کرتا ہے' لیکن اپنی کوشش پر بھروسہ کرنے کی بجائے خدا کی ذات پر اِعتماد کرتا ہے' اور پھر مطمئن ہو جاتا ہے کہ جو ہوگا اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ وہ نہ چاہے گا تو کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ وہی قادرِ مطلق' دانا و بینا' اور اپنے بندوں کے لئے کافی و وافی ہے۔ بس یہی اِعتماد و یقین اِیمانِ کامل کی نشانی ہے۔ لیکن جس شخص کے اندر یہ نعمت نہیں' اور جو خدا پر اِعتماد کرنے کی بجائے غیروں پر اِعتماد کرے' یا خدا پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی عقل و دانش پر بھروسہ کرے' وہ مشرک اور بے دین ہوگا۔

(ب) اعضاء و جوارح کی عبادت:

اکثر عبادت اور اعمال' اعضاء و جوارح سے ادا ہوتے ہیں۔ افادہ عام کے لئے بطریق اختصار چند مخصوص عبادتوں کو درج کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جن عبادتوں کو مسلمانوں نے شرک سے داغدار بنا رکھا ہے:

۱۔ خدا سے کوئی حاجت یا دل کی مُراد مانگنا' یا مصیبت سے حفاظت چاہنا' "دعا" کہلاتا ہے۔ دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے' بلکہ حدیث میں ہے کہ:

"دعا عبادت کا مغز ہے" ۔۔ "دعا بھی عبادت ہے"

(ترمذی' ۱۶' ۴۰۔ ابوداؤد۔۔۱/۳۴۱)

اور جس طرح مغز نہ ہو تو چھلکا ہی چھلکا رہ جاتا ہے' اسی طرح بغیر دعا کے عبادت بے وَقعت ہوتی ہے۔ دعا کے اندر عبادت کی تمام صورتیں جیسے' فروتنی' انکساری' عاجزی. خشوع وخضوع اور خدائے تعالیٰ سے پانے کی اُمید اور غیروں سے نہ ملنے کا یقین' سب ہی مکمل طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے اچھے ناموں کا تصور پیدا ہوتا ہے' اور ان کے توسل سے بندہ اپنی درخواست خدا کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں دعا کے اندر فروتنی اور انکساری مزید بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے عبودیت کا اِظہار زیادہ ہوتا ہے کہ دو عبادت ایک ساتھ جمع ہوتی ہے۔ اسی لئے سجدہ میں کی گئی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

دعا کے اندر بندے کا تصور یہ ہوتا ہے کہ جس کے سامنے وہ اپنی مرادیں پیش کر رہا ہے' وہ اس کی سنتا ہے' اس کے دل کے بھیدوں کو جانتا ہے' اور ان کے پورا کرنے پر بخوبی قدرت رکھتا ہے' اور یہ امرِ مسلّم ہے کہ یہ اوصاف صرف باری تعالیٰ کے اندر موجود ہیں۔ کسی دوسرے کے اندر ان کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس لئے عقل و نقل کا تقاضہ ہے کہ دعا صرف باری تعالیٰ سے کی جائے' جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○ (جن:۱۸)

"اور یہ کہ مسجدیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں' تو تُم اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔"

اب اگر کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی نبی یا رسول کو پکارتا ہے' اولیاء صالحین' یا پیروں اور فقیروں سے فریاد کرتا ہے' ان کے سامنے عاجزی اور فروتنی کا اِظہار کرتا ہے' تو یہ فعل حرام اور شرک ہوگا' اور ایسا کرنے والا ظالم' جاہل اور مشرک مانا جائے گا۔

۲۔ اِستغاثہ: یعنی مدد مانگنا۔ پریشاں حال' بھوکے' پیاسے کی حاجت روائی اور امداد کرنا۔ استغاثہ' دعا کی قبیل سے ہے۔ دعا کی طرح حاجت بھی اسی ذاتِ واحد کے سامنے پیش

کرنی چاہئے' جو بندے کی حالت اور اس کی حاجت سے باخبر ہے' اس کی سنتا ہے' اور اس کی حاجت روائی کرسکتا ہے۔

بنابریں خدائے تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق سے مدد طلب کرنا' اسے حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ خواہ وہ مخلوق نبی' رسول' صدیقین' شہداء' یا صالحین ہوں' یا کوئی زندہ مُردہ ہو' غیر اللہ سے وہ چیزیں مانگنا بھی شرک ہے' جو صرف باری تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ مثلاً اولاد یا روزی مانگنا' گمشدہ کی واپسی کا سوال کرنا' تکلیف اور مصیبت دور کرنے کی درخواست کرنا' اور ہر وہ چیز مانگنا جو کسی مخلوق کی قدرت و امکان سے بعید ہے۔ ان تمام افعال' یا ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب کرنے والا باری تعالیٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب ہوگا' جس کی بخشش اللہ سے توبہ کے بغیر ممکن نہیں۔

البتہ جو چیز کسی زندہ مخلوق کے امکان میں ہو' اور وہ فریاد بطریق عبادت اللہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو' اور جس سے فریاد کی جائے وہ پکار کو سنتا ہو' تو اس کو اس سے مانگنے میں مضائقہ نہیں۔ جیسے اپنی کسی ضرورت میں دوسرے سے مدد چاہنا' یا ڈوبنے' یا آگ سے بچنے کے لئے مدد طلب کرنا برا نہیں ہے۔

۳۔ اِستعانت: یہ اِستغاثہ کا ہم معنی ہے۔ یعنی مدد طلب کرنا' یا مشکلات سے گلو خلاصی چاہنا' خدائے تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے نفع نقصان' عزت ذلت' یا مصائب میں مدد طلب کرنا' شرک ہے۔ یوں ہی کسی زندہ مردہ یا غائب کو پکارنا اور اس کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا بھی شرک ہے۔ اسی لئے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے رب سے مدد مانگیں' اور اسی سے فریاد کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِيَّاكَ نَعْبُدُوَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ (فاتحہ:۵)

ترجمہ "ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں' اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اسی کی تلقین کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

"جب مانگو تو اللہ سے مانگو' اور جب مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔" (ترمذی:۵۹)

بنابریں کسی زندہ عاجز' یا غائب مُردہ سے مانگنا برخود غلط' باطل اور عبادت میں شرک

کے مترادف ہوگا۔

۴۔ نذر: "پیشکش" وہ چیز جو خدا کے حضور پیش کی جائے۔ کوئی عبادت جسے بندہ اپنے اُوپر لازم کرلے' اور تقرب کی نیت سے خدا کے سامنے پیش کرے۔ کبھی مشکل یا پریشانی کے وقت' یا دل کی مُراد کو پورا کرنے کی غرض سے منت مانی جاتی ہے۔ مثلاً اگر بیمار کو صحت حاصل ہوئی' یا گمشدہ واپس آیا' یا فلاں ضرورت پوری ہوئی' تو جانور قربان کرے گا' یا اس قدر مال خدا کی راہ میں خیرات کرے گا' یا اس قدر روزہ رکھے گا' یا اتنی نمازیں پڑھے گا' یہ سب نذر کہلاتا ہے۔ نذر ایک مخصوص عبادت ہے' اور جو لوگ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے کا التزام کرتے ہیں' باری تعالیٰ ان کی ستائش کرتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ ○ (الانسان:۷)

ترجمہ "یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں۔"

ایک اور موقع پر ان کی حواصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ○ (بقرہ:۲۷۰)

ترجمہ "اور تُم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو' یا کسی طرح کی نذر مانو' تو اللہ کو سب معلوم ہے۔"

شریعت کی نظر میں کسی شرط کے بغیر خالص اللہ کے لئے نذر ماننا سب سے بہتر عمل ہے۔ اس لئے کہ مشروط نذر کو حضور ﷺ نے یہ کہہ کر ناپسند فرمایا ہے کہ:

"اس قسم کی نذر پوری کرنا کوئی بہت اُونچا عمل نہیں۔ یہ تو بخیل کو خرچ کی ترغیب دینے کا ایک ذریعہ ہے۔" (اللؤلؤ والمرجان ۲/۱۶۸)

نذر سے متعلق مذکورہ بالا ضابطوں کی بنیاد پر یہ جان لینا چاہئے کہ خدا کے سوا کسی اور کے لئے نذر ماننا شرک ہے۔ اولیاء صالحین' یا کسی بھی زندہ مُردہ کے لئے نذر ماننا کھلا ہوا شرک ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ نذر ایک قلبی عبادت ہے' نذر ماننے والا خیر کی جستجو میں اپنے دل کی چاہت اور رغبت کا نذرانہ اس ذات کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ جس کی قدرت اور بے نیازی کو وہ دل سے مانتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خود وہ اس کے سامنے عاجز اور درماندہ ہے۔

جاہل بدعتی ایک فریب یہ کرتے ہیں کہ کہتے ہیں: "نذر تو اللہ کے لئے ہے اور ثواب اولیاء صالحین کے لئے۔" یہ جہالت اور گمراہی ہے۔ اول تو کسی کو ولی کہنا "دعویٰ بلا دلیل" ہے۔ اس لئے کہ کون جانے کہ وہ ولی ہے' یا شیطان؟ دوسرے اس قسم کی نذر سے خدا بے نیاز ہے۔ اس لئے یہ نذر درحقیقت ولی اور پیر فقیر کے لئے ہے۔ اور یہ جہالت اور کھلا ہوا شرک ہے۔

۵۔ قربانی کرنا: قربانی کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے' جس سے خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ قربانی میں یہ ذبح شامل ہیں۔ عیدالاضحیٰ کی قربانیاں' ہدی کے جانور جو حج میں خانہ کعبہ کے پاس ذبح کئے جاتے ہیں۔ عقیقہ یعنی بچہ پیدا ہونے کے ساتویں دن کی قربانی۔ ولیمہ کا ذبیحہ' فقیروں اور مسکینوں کو خیرات دینے کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے۔ یہ تمام ذبیحے کتاب و سنت کی رُو سے مشروع ہیں۔ اور اگر کرنے والے کے اندر اخلاصِ نیت اور للّٰہیت ہے تو اسے ثواب اور خدا کا تقرب یقیناً نصیب ہوگا۔ لیکن کوئی شخص اگر غیر اللہ کے لئے جانوروں کو ذبح کرے' خدا کے سوا کسی سے نفع کی توقع اور نقصان کے دفعیہ کی اُمید رکھے' یا انہیں خوش کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کرے' تو یہ خدا کی عبادت میں کھلا ہوا شرک ہوگا' جس سے توبہ کرنالازم ہے۔

اس موقع پر ان تمام جاہل بدعتیوں کو تنبیہ کرنا ہم دینی فریضہ سمجھتے ہیں جو عرس اور ولادت و وفات کے موقعوں پر قبروں' مزاروں اور درگاہوں کے گرد جانوروں کی قربانی کرنے میں کثیرمال خرچ کرتے ہیں' اور اس کو اس قدر افضل سمجھتے ہیں کہ اس کے آگے تقویٰ طہارت' فرائض وواجبات کی ادائیگی' اور سنتوں کی پابندی کو ضروری ہی نہیں سمجھتے۔ اور اگر کوئی ان کی اصلاح کے لئے انہیں منع کرتا ہے' تو جاہل یہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں خوش کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں' تاکہ ان کے جاہ و مرتبہ کا ہمیں سہارا حاصل ہو' اور یہ ہماری دستگیری کریں۔ اس لئے کہ نجات کی کنجی اور شفاء و برکت کا خزانہ انہیں کے ہاتھوں میں ہے' اور اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ کے بغیر نہ دُعائیں سنتا ہے' نہ عبادت قبول کرتا ہے! (حالانکہ یہ محض فریب ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا نہ کوئی شریک ہے' نہ کوئی اس کا ساجھی ہے۔ لیکن خانقاہوں اور درگاہوں کے ان خضر صورت بیوپاریوں نے ایک خدا کا دربار چھوڑ کر ہزاروں چھوٹے چھوٹے

دربار پیدا کر دیئے' اور جو آداب' مراسم اور قربانیاں دربارِ خداوندی کے سزاوار تھیں' وہ سب ان جھوٹے درباروں کے لئے بھی مخصوص کر دیں۔)

اسی قسم کا مشرکانہ ذبیحہ وہ ہے جو جادو ٹونے یا آسیب کو دفع کرنے کے لئے مختلف استھانوں اور آستانوں پر عمل میں آتا ہے۔ جنوں اور شیطانوں سے حفاظت' اور انہیں خوش کرنے کے لئے نئے گھر کی چوکھٹ پر بکرا ذبح کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ذبح کرنا صریح شرک اور کفر ہے ــ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ ذٰلِكَ۔

۶۔ رکوع سجدہ: (نماز کی ہر رکعت میں قرات ختم ہونے کے بعد "رکوع" اور رکوع سے اٹھ کر "سجدہ" کیا جاتا ہے۔ ہر مسلمان روز مرہ کی فرض اور سنت نمازوں میں بیسیوں رکوع اور سجدے کرتا ہے۔ اسلام کی اس اہم ترین عبادت کے اندر ان دونوں کی حیثیت رُکن کی ہے۔ ان کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوسکتی۔ رکوع اور سجدہ بندگی اور عبادت کا کامل ترین مظہر ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو بطورِ خاص اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (حج:۷۷)

ترجمہ: "اے ایمان والو! (اللہ کی جناب میں) رکوع اور سجدہ کرو' اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو' اور نیکی کرتے رہو' تاکہ کامیاب رہو۔"

حضرتِ مریم کو حکم ہوا کہ:

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ ۝ (آلِ عمران:۴۳)

ترجمہ: "اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتی رہو' اور (اس کی جناب میں) سجدہ کیا کرو' اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو۔"

اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لئے نبی آخرالزماں کو حکم ہوا کہ:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۔ (علق:۱۹)

ترجمہ "اور نماز پڑھتے رہو' اور قرب حاصل کرتے رہو۔"

رکوع جس میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھ کر سر کو نیچے جھکا دیا جاتا ہے۔ اور سجدہ جس میں زمین پر دونوں ہاتھ رکھے جاتے ہیں' اور پیشانی کو دونوں ہاتھوں کے درمیان زمین پر رکھا جاتا ہے' اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں حالتیں حد سے زیادہ تذلل اور عاجزی و انکساری کی علامت ہیں۔ اور صرف باری تعالیٰ کی ذات اس کی حقیقی مستحق ہے۔ لہٰذا جو لوگ قبروں' مزاروں' یا زندہ اِنسانوں کو سجدہ کرتے ہیں' وہ گناہِ کبیرہ اور شرکِ اکبر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ باری تعالیٰ نے تنبیہ کی ہے کہ وہ سب کچھ معاف کر سکتا ہے' لیکن شرک کو معاف نہیں کرے گا' ہاں مرنے سے پہلے اگر صدقِ دل سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ○ (نساء:۱۱۶)

ترجمہ "بلاشبہ اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے' اور اس کے سوا (دوسرے گناہ) جس کے لئے چاہے گا' بخش دے گا۔ اور جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا وہ (سیدھے راستے سے) بھٹک کر دُور جا پڑا۔"

۷۔ **طواف اور حجر اسود کا بوسہ:** خانہ کعبہ کا طواف اور اس کے گرد پھیرا لگانے کو باری تعالیٰ نے عبادت قرار دیا ہے' اور اس کا حکم دیا ہے کہ:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ (حج:۲۹)

ترجمہ "اور اس قدیم گھر (یعنی خانہ کعبہ) کا طواف کریں۔"

اور حجر اسود کا بوسہ لینا صحیح حدیث کی رُو سے ثابت ہے۔ اس لئے صرف خانہ کعبہ کا طواف اور حجر اسود کا بوسہ لینا مشروع ہے۔ اب اگر کوئی کسی آستانے' درگاہ' زیارت گاہ' مزار' یا کسی قبر' یا صاحب قبر کی عظمت کا تصور کرکے اس کے گرد چکر لگائے گا' یا ان کا بوسہ لے گا' یا کسی دیوار' کونے' زاویے' تابوت' صندوق' چوکھٹ' دروازے' یا اس کی کڑیوں کو چومے گا' تو یہ جہالت اور بدعت ہوگی' اور اگر نفع نقصان کی توقع رکھ کر اس قسم کی کریہہ حرکت کرے گا' تو یہ کھلا ہوا شرک ہوگا' جسے توبہ کے بغیر باری تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔

۸۔ دیگر عبادات: اِن کے علاوہ وہ تمام عبادتیں جنہیں باری تعالیٰ نے تقرب کے حصول کے لئے فرض فرمایا' یا جنہیں حضور ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے مشروع فرمایا۔ جیسے نماز' روزہ' حج' عمرہ' زکوٰۃ' قربانی' نذر' خیرات' اعتکاف' جہاد سرحدوں کی پہریداری' ہر قسم کی نیکی اور صلہ رحمی' ذکر' دُعا' خیر کی دعوت' برائیوں سے ممانعت' علم سیکھنا' اور سکھانا' اور تمام عبادتیں جن کا ثبوت کتاب و سُنت سے ملتا ہے' ان کی ادائیگی کے وقت صرف رضاء الٰہی اور اس کی خوشنودی کا خیال دل میں رکھنا چاہئے۔ ریاکاری' بدنیتی' اور نمائش سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز بھی اللہ کے سوا غیروں کے لئے کی' تو یہ شرک ہوگا۔

کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کی بنیاد جس اخلاص نیت اور توحید خالص پر قائم ہے' اس عقیدے میں اس قسم کے فعل بد کی کوئی گنجائش نہیں ہے (نہ ہی فتنہ شرک کی طرح مخلوقات میں کوئی فتنہ پایا جاتا ہے۔ اور اگر شرک کا مرتکب اسی حال میں مرا تو اس کے لئے جہنم ناگزیر ہے۔)

۹۔ لالچ یا ڈر کی وجہ سے عبادت چھوڑ دینا: باری تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُو اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلاَ تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ○ (محمد:۳۳)

ترجمہ "اے اِیمان والو! اللہ کی اطاعت کرو' اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو' اور اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔"

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اہم عبادت ہے' اور خلائق میں سے کسی کے کہنے سننے میں آکر' یا کسی لالچ یا ڈر کی وجہ سے عبادت چھوڑ دینا شرکِ اکبر اور بہت بڑی معصیت ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ہونی چاہئے۔ اگر کوئی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خدا کو ناراض کرے تو یہ خدا کی معصیت اور سخت بے حیائی شمار ہوگی۔

۱۰۔ قسم کھانا: خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کی بزرگی کا دھیان دل میں

جما کر اس کے نام کی قسم کھانا بھی ایک عبادت ہے۔ اس لئے قسم صرف باری تعالیٰ کی کھانی چاہئے۔ جو کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی قسم کھاتا ہے' شرک کرتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"سنو! باری تعالیٰ تمہیں تمہارے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے روکتا ہے' اس لئے جو قسم کھانا چاہے' خدا کی قسم کھائے' ورنہ چپ رہے۔"

(اللؤلؤ والمرجان فیما اتفق علیہ الشیخان ۱۷۰/۲) نیز فرمایا:

"جو شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے' شرک کرتا ہے۔" (دوسری روایت میں ہے کہ) "وہ خدا کا انکار کرتا ہے۔" (ترمذی' احمد' حاکم)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"جس نے قسم کھانے میں یوں کہہ دیا: "لات وعزّٰی کی قسم!" تو (بعد میں) "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دے" (اللؤلؤ والمرجان ۱۷۰/۲- مسلم:۸۱/۵)

شرک کے اِن مظاہر کے علاوہ اُمت میں "وسیلہ" "شفاعت" "توسل" اور "تبرک" کے نام سے جگہ جگہ شرک کی بڑی بڑی دُکانیں سجی ہیں' جہاں انتہائی وسیع پیمانے پر واسطہ' وسیلہ' اور سفارش" کا بیوپار ہو رہا ہے (اور خالق و مخلوق کے درمیان بڑی بڑی دیواریں حائل کر کے اللہ کو اس کی خدائی میں اس قدر محصور کر دیا گیا ہے کہ وہ "بحق فلاں" اور "بحرمت فلاں" کی صداؤں کے بغیر کسی کی سن ہی نہیں سکتا! خدا کی پناہ!) اس لئے بحث کے ختم سے پیشتر ضروری ہے کہ اس اہم موضوع کے مخفی گوشوں کو اُجاگر کیا جائے' تاکہ وسیلہ اور اس کی حقیقت سے ہر خاص و عام واقف ہو جائے' اور حجت تمام ہو۔





وسیلہ اور اس کی حقیقت

وسیلہ کیا ہے؟

لغوی معنیٰ: وسیلہ عربی لفظ ہے۔ اس سے مُراد وہ عمل ہے جس کے ذریعہ رغبت کے ساتھ کسی کا تقرب حاصل کیا جائے' اور اس تک پہنچا جائے۔

"وَاسِلْ" یعنی راغب' مائل نیز کہا جاتا ہے۔ تَوَسَّلَ اِلَیْهِ بِکَذَا تَوَسُّلاً وَ تَوْسِیْلاً' اِذَا عَمِلَ عَمَلاً تَقَرَّبَ اِلَیْهِ (یعنی' فلاں عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کیا۔) "وَسَّلَ" اس وقت کہتے ہیں جب آدمی کسی کی طرف راغب ہو۔ اور "وَاسِلْ" اور "مُتَوَسِّلْ" کہتے ہیں اللہ کی طرف رغبت کرنے والے کو۔

ابوطالب شاعر اپنے "قصیدہ لامیہ" میں کہتا ہے:

اَرَی النَّاسَ لاَ یَدْرُوْنَ مَا قَدْرُ اَمْرِهِمْ بَلٰی کُلُّ ذِیْ دِیْنٍ اِلَی اللّٰهِ وَاسِلُ

"میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگوں کو اپنے کاموں کی قدر نہیں ہے ہاں' جو دیندار ہیں وہ ضرور اللہ کا تقرب چاہتے ہیں"

"وسیلہ" کی جمع "وسائل" ہے لبید کہتا ہے:

وَلَمَّا رَاَیْتُ الْقَوْمَ لاَ وُدَّ فِیْهِمْ وَقَدْ قَطَّعُوْا کُلَّ الْعُرٰی وَالْوَسَائِلِ

"جب میں جان گیا کہ قوم کے اندر وہ محبت نہ رہی' اور انہوں نے جملہ روابط اور وسائل توڑ دیئے ہیں"

وسیلہ کا ایک معنیٰ اور ہے' یعنی بادشاہ کے پاس درجہ' مرتبہ' منصب اور اس کا قرب چاہنا۔ جنت کے سب سے اُونچے مقام کو بھی وسیلہ کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا اِرشاد ہے:

"پھر میرے لئے وسیلہ ملنے کی خدا سے دُعا کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے' جو دُنیا میں کسی ایک ہی بندہ کو ملے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا۔ لہٰذا جو شخص میرے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کرے گا۔ اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی۔" (مُسلم:۱/۴)

شرعی معنی: شریعت کی زبان میں وسیلہ کہتے ہیں اللہ کا تقرب حاصل کرنا' اس کی عبادت اور بندگی کرکے' اور ہر اُس عمل کے ذریعہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے' اور اس سے خوش ہو۔ وسیلہ الی اللہ' جس کی حقیقت یہ ہے کہ عبادت' مکارمِ شریعت' اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اس کی بارگاہ میں طاعت و بندگی پیش کرکے اور اس کی رضا کی تمام راہوں پر چل کر دُنیا اور آخرت کی کامیابی اور اس کا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ (اعمالِ صالحہ وغیرہ مشروع طریقہ) وہ سبب ہے جس سے واسل یا متوسل (محتاج و ناتواں بندہ) مطلوب و مرغوب (باری تعالیٰ) تک پہنچتا ہے' اور مقبولِ بارگاہ ہوتا ہے۔ اس قبولیت کے لئے ذیل کی شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

● — اول یہ کہ عمل کرنے اور وسیلہ چاہنے والا اخلاص اور صداقت کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہو' اور مومن صالح ہو۔

● — دوم یہ کہ وسیلہ اس طریقہ کے مطابق ہو جو اللہ نے اپنی کتاب میں مقرر فرمایا ہے' اور جسے حق تعالیٰ نے وسیلہ قرار دیا ہے۔

● — سوم یہ کہ حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے اقوال و افعال سے اس کو واضح فرمایا ہے اور وسیلہ کے طور پر اسے اِختیار فرمایا ہے' اِن وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے جس وقت اور موقع پر جس طرح ان وسائل کو استعمال کیا' اُمت اس کی پوری رعایت کرے' اور اس میں کسی قسم کی کمی زیادتی یا تقدیم و تاخیر نہ کرے۔

اِن حقائق کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ سے استفادہ صرف اِیمان والوں کے لئے مخصوص ہے' جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور سنتوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اس لئے غیر مُسلم کتنی بھی نیکی کریں گے آخرت میں اس کا صلہ ہرگز نہ پائیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان بدعت اور ضلالت کے راستہ سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے' تو یہ اس کی زبردست بھول اور جہل و دَجل کی انتہا ہوگی۔ اس لئے کہ بدعت اور خُرافات خدا سے قریب نہیں کوسوں دُور کرتی ہے' اور اللہ کی ناراضگی' غصہ' لعنت' اور آخرت میں دردناک عذاب کا باعث بنتی ہے۔ ہاں' مشروع وسیلہ زندگی کی اہم ترین ضرورت اور تقربِ الٰہی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ اور بندہ مومن جب اور جہاں چاہے ان وسائل کو صحیح طور پر استعمال کرکے اپنے

رب سے تعلق جوڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وسائل اور ان سے استفادہ زمان و مکان کی قید سے قطعی آزاد ہے' اور ان پر کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (مائدہ:۳۵)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو' اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو' اور اس کی راہ میں جہاد کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

سورہ اسراء میں فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ○ (بنی اسرائیل:۵۷)

ترجمہ "وہ لوگ جن کو یہ مشرک (حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں' وہ خود اپنے رب کے پاس تقرب کا ذریعہ تلاش کرتے ہیں کہ کون اللہ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ وہ اس کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں' اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔"

پہلی آیت میں ایمان والوں کو یہ تاکید کی گئی کہ وہ فرائض اور واجبات کو تو ادا کریں' لیکن اس کے دائرے سے آگے بڑھ کر خدا کو راضی کرنے والے دوسرے بے شمار فلاحی کاموں سے خدا کے حضور تقرب حاصل کریں۔ اس لئے کہ اوامر کی تعمیل اور نواہی سے احتراز' تقویٰ کی رُوح اور اس کی جان ہے۔ اور اگر یہ دولت حاصل ہوئی تو خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ اس کی رضا بندے کے شامل حال رہے گی' اور آخرت کے عذاب سے حفاظت اسے نصیب ہوگی۔

کتاب و سُنت کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ جب بھی اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہیں اس کی جناب میں نیک اعمال کو وسیلہ بنائیں' جن سے باری تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ کوئی عمل' صالح اس وقت ہوتا ہے' جب وہ سنت کے موافق ہو' اور کرنے والے کے اندر اخلاص وللّٰہیت ہو' اس کے سوا کسی اور کی چاہت نہ ہو۔ علماء نے صراحت کی ہے کہ مقبول عمل کی بنیادی شرطیں یہی ہیں۔ ان وسائل میں نفلی عبادات' جیسے: تمام نفل نمازیں'

روزے' حج' عمرہ' اور دوسرے رفاہی اور فلاحی نفلی اعمال شامل ہیں' جو شریعت اور سنت مطہرہ سے ثابت ہیں۔

دوسری آیت کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ قدیم زمانے میں عربوں کے اندر کچھ جنوں کی پرستش کا رواج تھا۔ خوش قسمتی سے وہ جن مشرف بہ اِسلام ہوئے' اور انہوں نے اپنی زندگی کا رُخ موڑ لیا' اور خدا کی بندگی اور اس کی بارگاہ میں تقرب کے لئے انہوں نے نیکی کا راستہ اِختیار کیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ ان کی پرستش کرنے والے اِنسانوں کو اس کی خبر نہ ہوئی' اور وہ حسب سابق ان کی پرستش کرتے رہے۔ ادھر سورہ اسراء کی ان دو آیتوں کے ذریعہ باری تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ اطلاع دی کہ ان مشرکین کو آگاہ کر دیجئے کہ جن کے ذریعہ یہ خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں' وہ خود احکامِ الٰہی کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ جو خود دوسرے کے محتاج ہیں' وہ کسی کی دستگیری بھلا کیونکر کرسکتے ہیں؟

● مشروع اور ممنوع وسیلہ:

وسیلہ کا لفظ جائز اور ناجائز' اور مشروع اور ممنوع دونوں وسائل پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہ جاننا چاہئے کہ کتاب و سُنت کی روشنی میں کون سا وسیلہ مشروع ہے اور کون سا ممنوع؟ تاکہ ہر دو کا فرق بخوبی ذہن نشین ہو جائے' اور مسلمان خصوصاً عوام غیر شرعی وسیلہ سے بچ کر شرعی وسیلہ کو اپنا سکیں۔

مشروع وسیلہ: شرعی وسیلہ وہ ہے جس کا باری تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم فرمایا' اور حضور ﷺ نے جس کی صراحت فرمائی' اور بیشتر مستحب یا مباح کاموں کی نشاندہی بھی فرما دی کہ اللہ کے بندے ان اعمال کو اپنائیں' اور باری تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں۔

ممنوع وسیلہ: ممنوع وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ وسیلہ سمجھ کر وہ اعمال اِختیار کئے جائیں' جو کتاب و سُنت اور ان کی رُوح کے خلاف واقع ہیں۔ بلکہ شریعت کی نظر میں ان کی حیثیت حرام یا مکروہ کی ہے۔

مذکورہ بالا شرعی وسیلہ کے علاوہ وسیلہ کی ایک قسم وہ ہے' جسے ہم "دنیاوی وسیلہ" کہہ

سکتے ہیں۔

بہرکیف! وسیلہ کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وسیلہ دُنیاوی امور کا ہو' یا دینی و اُخروی امور کا۔ یہ وسائل سود مند اسی وقت ہوں گے جبکہ وہ شرع سے ثابت ہوں۔ ورنہ وہ وسائل ناقابل اعتبار ہی نہیں' کفراور وبال جان ہوں گے۔ ذیل میں ایسے چند دُنیاوی وسائل ذکر کئے جاتے ہیں جو شریعت کی رُو سے حرام ہیں۔

۱۔ دو بھائیوں میں سے ایک نادار ہے' دوسرا مالدار' نادار بھائی مالدار بننا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے مالدار بھائی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے' جبکہ یہی نادار بھائی اس کا تنہا وارث ہے۔ تو کیا اس کی ہوس کی تکمیل کے لئے یہ وسیلہ سود مند ہوگا؟ جواب یہ کہ ہرگز نہیں اس لئے کہ یہ اقدام شرعاً حرام اور عقلاً باطل ہے۔

۲۔ ایک شخص اپنی پسند کی کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس نے پیغام دیا۔ لیکن اُدھر سے رشتہ منظور نہیں ہوا۔ اس شخص نے تہیہ کر لیا کہ کسی جادوگر' یا جھاڑ پھونک کرنے والے کے پاس جاکر کوئی ایسی تدبیر کرے گا' جس سے لڑکی از خود مائل ہو کر اس کے دام میں گرفتار ہو جائے! کیا یہ وسیلہ درست ہوگا؟ ہرگز نہیں' شریعت کی نظر میں یہ حرام کاری اور کھلی ہوئی مکاری ہے۔

۳۔ کسی کا مال چوری چلا گیا۔ چور لاپتہ ہے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ فلاں عامل کے پاس جاؤ' اس کے قبضہ میں کوئی جن ہے اُس کے ذریعہ چور کا پتہ چل جائے گا۔ کیا اس سلسلے میں جن وغیرہ سے مدد لینا شرعاً درست ہوگا؟ جواب یہ کہ نہیں۔ اس لئے کہ غیب کی خبر کوئی نہیں جانتا' اور یہ کوئی مشروع وسیلہ نہیں۔

۴۔ ایک شخص بیمار ہوا۔ اس نے خاطر خواہ علاج کیا' مگر صحت نہ ملی۔ کسی نے اس کے بھائی کے کان میں یہ بھر دیا کہ وہ مریض کو لے کر فلاں آستانے یا درگاہ پر حاضر ہو۔ قبر کی آہنی جالی کو چومے' یا مزار کے پتھر پر ہاتھ پھیرے' درخواست کا کاغذ' یا کپڑے کی گرہ جالیوں سے لٹکائے' قبر والے کو پکارے' اور اس سے فریاد کرے۔ اس کا بھائی ضرور شفایاب ہوگا۔ کیا یہ بھائی یہ سب کچھ کر گذرے؟ جواب یہ کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہیں' بلکہ شرکِ اکبر ہے' جو توبہ کے بغیر ہرگز معاف نہ ہوگا۔

۵۔ ایک اور مریض ہے۔ شفایابی کے لئے اسے کسی نے یہ جھانسہ دیا کہ وہ کچھ دن شراب کا استعمال کرے' اسے کامل شفا نصیب ہوگی! کیا بیمار دوا سمجھ کر شراب پی لے؟ جواب یہ کہ نہیں۔ اِس لئے کہ حرام اور نجس چیز میں شفا نہیں ہے۔

۶۔ اِسلامی حکومت کے اندر' اِسلامی کورٹوں کے سامنے سُراغ رساں کتوں کے استعمال کی تجویز آئی' تاکہ جرائم کی تفتیش اور مجرم کی گرفتاری میں سہولت ہو۔! کیا شریعت کی نظر میں یہ تجویز مناسب رہے گی؟ جواب یہ کہ یہ صورت نامناسب اور حرام ہوگی۔ اس لئے کہ جرم کے اثبات' یا وقوعہ کی تصدیق کے لئے ملزم کا اقبالِ جرم' یا دو عادل مسلمان گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی جانور' اور وہ بھی کتے سے شہادت کی توقع محال ہے۔!

۷۔ ایک عورت کسی جیوتشی' غیبی خبر دینے والے' یا کسی فال کھولنے والے کے پاس جاکر مستقبل میں اپنی شادی کی کامیابی یا ناکامی کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے' یا مشورہ لینا چاہتی ہے فال کھولنے والا اپنے کسی ہمزاد' یا دوست جن' یا ارواح کے وسیلہ سے معلومات حاصل کرکے اسے اطلاع دے گا۔ یہ اور اسی قسم کے اُمور میں ان وسائل کا استعمال آخر کہاں تک درست ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب وسائل ممنوع اور حرام ہیں۔ اور شریعت نے کسی صورت ان کے استعمال کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس لئے کہ کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور اس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کرنا شریعت محمدی سے نکل جانے اور علیحدہ ہونے کی علامت ہے۔

دُنیاوی وسائل اور ذرائع' اسباب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے حصولِ رزق کیلئے خرید و فروخت تجارت و زراعت' اور ملازمت اور اُجرت وغیرہ' شریعت کی نظر میں یہ وسائل مشروع اور جائز ہیں۔ لیکن رزق ہی کے حصول کے لئے اگر کوئی سودی کاروبار' چوری' نقب زنی' جُوا' سٹہ' شراب' ذخیرہ اندوزی' خیانت اور جعلسازی وغیرہ کو ذریعہ بنائے' تو شریعت کی نظر میں یہ ممنوع' ناجائز اور حرام ہوگا۔

امراض کا علاج پاکیزہ اور حلال دواؤں سے تو کیا جاسکتا ہے۔ لیکن زہریلی' ناپاک اور حرام دواؤں سے علاج کرنا حرام ہے۔ جو کسی صورت جائز نہیں۔ چوروں اور مجرموں کی تلاش

ضروری ہے' لیکن اس کے لئے راست اور درست وسائل کا استعمال ضروری ہے۔ کتوں یا غلط وسائل کو کام میں لانا صحیح نہیں ۔صاحب رائے سے مشورہ لینا برا نہیں' لیکن نجومی' پامسٹ (Palmist) کاہن اور عاملوں کے چکر میں پڑنا' اپنا دین' ایمان' اور اپنی عاقبت تباہ کرنا ہے۔

شرعی اُمور میں وسیلہ لینے میں ذیل کی کوئی ایک غرض ضرور ہوتی ہے:

● ــــ پہلی غرض جو انتہائی اشرف واعلیٰ ہے' یہ کہ باری تعالیٰ کی رضا' خوشنودی' اور اس کی بارگاہ میں مقام پیدا کرنے کے لئے تقرب چاہنا' اور اس کی ذات کا وسیلہ لینا۔

● ــــ دُنیا اور آخرت کے کسی نفع کے حصول' یا ضرر سے حفاظت کے لئے' یا اپنی دلی مُراد' یا مقصد کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کی بلند ذات کا وسیلہ چاہنا۔

وسیلہ بے حد نازک طریق عبادت ہے۔ جو اسے صحیح طریقہ سے اپنائے گا' یہ اس کے لئے پل ثابت ہوگا' اور رضاء الٰہی کے ذریعہ اس کی جنت میں پہنچائے گا۔ اور کسی نے ٹھوکر کھائی' اور غلط راہ اپنائی' اسے نفع کی بجائے سخت نقصان اور جان کی ہلاکت ہوگی۔

(دورِ جہالت کی ابتداء سے وسیلہ کے موضوع اور اس کے طریق کار میں عام طور پر ایک قسم کا انتشار اور تصادم رہا ہے۔ کوئی اسے جائز بتاتا ہے' کوئی اسے ناجائز سمجھتا ہے۔ کچھ لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں' اور کچھ ہیں کہ ہر جا و بیجا طریقہ کو اپنانے پر مصر ہیں) اس لئے وسیلہ اور توسل کے لغوی اور شرعی معنٰی کی تحقیق کے بعد اس کی ہر دو قسم مشروع اور ممنوع کو تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے۔ مشروع وسیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام ذکر کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اپنی رضا اور خوشنودی کے لئے باری تعالیٰ نے بے شمار صورتیں اور طریقے بیان کئے ہیں۔ جیسے: ایمان' یعنی اخلاص اور فہم کے ساتھ توحید و رسالت کی شہادت دینا۔ یہ وسیلہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے علاوہ اعمالِ صالحہ جیسے فرائض و واجبات' اور نوافل' نیز خیر اور نیکی کے وہ تمام اعمال جن کی شریعت نے اجازت دی ہے' اور جن پر باری تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حرام اور ناجائز کاموں سے کلی احتراز' جن سے شریعت نے منع کیا ہے' اور باری تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہوتا ہے۔

اس کی دلیل حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"میرا بندہ جتنا میرے فرائض ادا کرنے سے مجھ سے قربت حاصل کرلیتا ہے' اتنا کسی چیز سے

نہیں کر سکتا۔ میرا بندہ میرا قرب نوافل سے بھی حاصل کرتا ہے' اور نفلی کاموں کو ادا کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں' اور جس سے میں محبت کرتا ہوں اس کا کان بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"

"میری ذات کی قسم اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے بخش دوں۔ وہ چاہے تو میں اس کو پناہ دوں۔" -بخاری: ۱۳۱/۸)

مشروع وسائل:

ا۔ ایمانِ خالص کا وسیلہ: (ایمان کا لفظ بولنے اور سننے میں بے حد مختصر سا لفظ ہے لیکن اس کی قدر و قیمت اور اس کے وزن کے آگے ساری کائنات اور پوری دُنیا ہیچ ہے) ایمان ایک وسیع لفظ ہے' جو اللہ کو' اس کے پیغمبروں کو' اس کے فرشتوں کو' اس کی کتابوں کو' آخرت کے دن کو' جنت اور جہنم کو' اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے کو شامل ہے۔ اِیمان سب سے بلند عمل صالح اور عظیم ترین وسیلہ ہے۔ اس سے اُونچا کوئی عمل نہیں۔ اس لئے کہ عمل خواہ کتنا ہی صالح اور نیک کیوں نہ ہو' جب تک عمل کرنے والے کے اندر مضبوط ایمان نہ ہوگا' اس کا عمل بیکار اور لغو ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اِیمان خدا کے نزدیک مقبول ترین وسیلہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ متوسلین کے حق میں فرمایا۔

رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آلِ عمران:۱۵)

ترجمہ "اے پروردگار ہم ایمان لائے۔ تو ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچا۔"

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا' رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ (آلِ عمران:۱۹۳)

ترجمہ "اے پروردگار! ہم نے ایک منادی دینے والے کو سنا جو اِیمان لانے کے لئے اعلان کر رہا تھا' کہ لوگو! اپنے پروردگار پر اِیمان لاؤ۔ تو ہم اِیمان لائے۔ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما۔ ہم سے برائیاں دُور کر دے' اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے ایمان کے وسیلہ سے دُعا کی اور یوں کہا:
"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس بات کے وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو اکیلا ہے' بے نیاز ہے' تیری کوئی اولاد نہیں' اور نہ تو کسی کی اولاد ہے' اور نہ تیرے برابر کوئی ہے۔ حضور ﷺ یہ سن رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس شخص نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دُعا کی۔ جو شخص اس وسیلہ سے دُعا کرے گا۔ اللہ قبول کرے گا' اور جو مانگے گا' اللہ ضرور دے گا۔" (ترمذی)

کتاب و سُنت کی تعلیمات پر مشتمل یہ ایمان جب دل میں سرایت کرتا ہے' تو زبان اور اعضاء سے ایمان کی علامتوں اور اس کی برکتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ اور بندہ وہ اعمال کرتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ ایمانِ کامل کی اسی محبوبیت کا نتیجہ ہے کہ دُنیا و آخرت کی بھلائی اور اپنی دلی مُرادوں کے حصول کے لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اپنی دعاؤں میں ایمان کو وسیلہ بنائیں۔ اور یوں دعائیں مانگیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ بِاِیْمَانِیْ بِكَ وَ بِرَسُوْلِكَ اَوْ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ اَوْ تَقْضِیَ حَاجَتِیْ فِیْ كَذَا (وَیُسَمِّی حَاجَتَهٗ)

ترجمہ "اے اللہ! ہم تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائے' اب تو اسی ایمان کے وسیلہ سے' یا یوں کہے۔ اے اللہ' میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک تو ہی اللہ ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں' بس اسی ایمان کے وسیلہ سے تو مجھے معاف کر دے' مجھ پر اپنی رحمت نازل فرما' اور میری حاجت کو پوری فرما ۔ (یہاں اپنی حاجت کا تصور کرے)۔"

۲۔ **نماز کا وسیلہ:** نماز دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ نماز خواہ فرض ہو' یا نفل' خدا کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے بڑھ کر اُمت میں خیر کے اعمال کی جستجو کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ:
"خدا کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: "نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔" (مُسلم)

جو مومن مرد اور عورت خدا کا تقرب اور اس کی بارگاہ میں قدر و منزلت کا خواستگار ہو' اُسے چاہئے کہ پانچ وقت کی نمازیں پابندی سے پڑھے' خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہوگی۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس مومن مرد یا عورت کو کوئی حاجت پیش آئے' اسے چاہئے کہ اچھی طرح وضو کرے' اور نماز پڑھ کر اپنے رب سے دُعا کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول کرے گا۔"

ترمذی کی روایت ہے کہ "ایک نابینا صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست کی کہ حضور ﷺ اللہ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے انہیں اچھی طرح وضو کرنے اور نماز پڑھ کر دُعا مانگنے کے لئے کہا۔ انہوں نے دُعا کی' اور آنحضرت ﷺ نے ان کے اصرار پر خود بھی دُعا فرمائی۔ اللہ نے دُعا قبول کی اور صحابی اسی مجلس میں بینا ہوگئے' اور انہیں نظر آنے لگا۔" (۹/۱۱۷' ۱۱۸' ۱۱۱' احمد ۱۳۸/۴' ابن ماجہ' امامہ /۱۸۹)

"اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اعلیٰ ترین وسیلہ ہے' اور یہ کہ مومن کی دُعا' یا ایک مومن کے لئے دوسرے مومن کی دُعا' مشروع وسیلہ ہے' مذکورہ بالا حدیث کا ہر لفظ دُعا کو ثابت کرتا ہے۔ جو لوگ کسی چھوٹے بڑے کی شخصیت' اس کی ذات' جاہ' حق' یا حرمت کو وسیلہ بنانے کے لئے اس حدیث کا سہارا لیتے ہیں' اور اپنی خانقاہوں اور زیارت گاہوں میں اسی کا بیوپار کرتے ہیں' وہ حدیث کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرتے ہیں' اور غلط کرتے ہیں۔)

۳۔ **روزہ کا وسیلہ:** روزہ کا اصل مقصد تزکیہ نفس اور رضاء الٰہی کے ساتھ یہ ہے کہ روزہ رکھ کر غریبوں اور بیکسوں کے دُکھ درد خصوصاً فاقہ کشی اور محتاجی کا صحیح اندازہ ہو' اور ان کی بروقت مدد کی جاسکے۔ روزہ خیر اور نیکی کی بہترین صورت ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا:

● — "اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے کوئی ایسا کام بتائیے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم روزے رکھا کرو۔ اس لئے کہ اس جیسی کوئی عبادت نہیں۔" نسائی)

● — آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: "جو بندہ اللہ کے لئے روزہ رکھتا ہے' اللہ تعالیٰ

اس روزہ کے عوض ستر سال کی مسافت کے برابر دوزخ سے اُسے دُور کر دیتا ہے۔" (اللؤلؤ والمرجان ۲/۲۰)

● ــ نیز فرمایا: "روزہ دار کے منہ کی بُو' خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے۔" (اللولو والمرجان ۲/۱۹)

اِن احادیث کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں قرب اور نزدیکی کے حصول کے لئے' اور دُعاؤں کی قبولیت اور حاجتوں کی تکمیل کی خاطر روزہ تیر بہدف اور کامیاب وسیلہ ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تین آدمیوں کی دُعائیں رد نہیں کی جاتیں: ۱۔ روزہ دار کی دُعا جب تک کہ وہ افطار نہ کرلے' ۲۔ امامِ عادل' ۳۔ اور مظلوم۔

۴۔ صدقہ کا وسیلہ: اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے' تکلیف یا مصیبت میں مبتلا کسی مفلس' مستحق' غریب یا یتیم کو کچھ نقد' جنس' یا ضرورت کی کوئی چیز دے دینا صدقہ کہلاتا ہے' رضاءِ الٰہی کے خالص ارادے' اور خوشدلی کے ساتھ پاکیزہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بیش بہا عمل اور بہتر وسیلہ ہے۔ صدقہ سے سچی خوشی نصیب ہوتی ہے' اور دُنیا میں رنج اور مصیبت سے نجات' اور آخرت میں عذاب سے چھٹکارا ملتا ہے۔ احادیث میں بہ کثرت اس کی فضیلت وارد ہے۔ چنانچہ صحاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

"آگ سے بچو' اگرچہ کھجور کے ٹکڑے سے ہو۔" (بخاری' مسلم)

نیز فرمایا:

"جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے' اسی طرح صدقہ گناہوں کو دھو دیتا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "نیکی کرنے والا بدترین انجام سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو کوئی چھپا کر صدقہ کرتا ہے' اللہ کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈی کرتا ہے۔ نیز رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔" (ابن ماجہ' ترمذی)

۵۔ حج کا وسیلہ: حج اِسلام کا پانچواں اہم رُکن' اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بہترین وسیلہ ہے۔ اس کی فضیلت بکثرت وارد ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: نیکیوں والے حج کی جزا بس جنت ہے۔" نیز فرمایا: جس شخص نے حج کیا' اور کوئی فحش بات نہ کی' اور نہ کوئی گناہ کیا' تو وہاں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس

آئے گا' جیسا پیدائش کے دن تھا۔" (بخاری' مُسلم)

۶۔ عمرہ کا وسیلہ: حج اجتماعی عبادت ہے' اور عمرہ انفرادی عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے بھی حج کی طرح احرام باندھا جاتا ہے' اور اسی طرح طواف وسعی اور حلق یا قصر کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ اس سے گناہ زائل ہوتا ہے اور درجہ بڑھتا ہے۔ دعا کی قبولیت اور خدا کا تقرب حاصل کرنے کا یہ بہترین وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"حج اور عمرہ میں متابعت کرنا (پہلے حج کیا تو بعد میں عمرہ کرنا' یا پہلے عمرہ کیا تو بعد میں حج کرنا) مفلسی اور گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے' جیسے آگ کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کے میل کو دور کرتی ہے۔" ترمذی' نسائی)

۷۔ جہاد کا وسیلہ: خدا کی راہ میں جہاد اور پاسبانی انتہائی مقدس فریضہ اور افضل وسیلہ ہے۔ اس لئے کہ اس سے خدا کا تقرب اور اس کے نزدیک اعلیٰ مقام حاصل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"جنت میں سو درجے ہیں۔ ان کو خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اس کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر دو درجہ کے درمیان اتنا فاصلہ ہے' جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔"

(بخاری ۹/ ۱۵۳' مُسلم ۶۶/ ۳۷)

نیز فرمایا: "خدا کی راہ میں جہاد کے لئے صف میں کھڑے رہنا' ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔" (دارمی: /۷۔ احمد: ۳۴۶/۲)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: "ایک مجاہد' دوسرے حاجی' تیسرے عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد ہیں۔ اگر وہ لوگ دُعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اگر وہ مغفرت چاہیں تو ان کے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے۔" (نسائی:۲/ ۱۴' ۱۵- ابن ماجہ/۵)

نیز فرمایا: "لشکر کی حفاظت کے لئے سرحدوں پر پاسبانی کرنا دُنیا اور جو کچھ دُنیا میں ہے' اس سے بہتر ہے۔ جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ ساری کائنات سے بہتر ہے۔ دوپہر سے کسی وقت ایک بار' یا دوپہر کے بعد سے شام تک کسی وقت ایک بار جہاد کے لئے چلنا ان تمام سے بہتر ہے' جن پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔" (بخاری:۴/ ۴۳)

یہ بھی فرمایا کہ: "اللہ کے راستے میں جاگنے والی اور خوفِ خدا سے رونے والی آنکھوں پر جہنم

کی آگ حرام ہے۔" (اللولو والمرجان: ۲/۲۵۷)

"اِن ارشاداتِ عالیہ کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا اور دین کی سربلندی کے لئے صبرو استقامت کا ثبوت دینا عظیم نیکی ہے' جس کو وسیلہ بنا کر لغزشوں سے معافی اور فتح و کامرانی کے لئے دُعا کی جاسکتی ہے۔)

۸۔ ذکرو تسبیح کا وسیلہ: خدا کو یاد کرنا بیش بہا عبادت اور تقرب الٰہی کا مؤثر وسیلہ ہے۔ حضور ﷺ تمام اِنسانوں میں سب سے بڑے خطیب اور فصیح و بلیغ اِنسان تھے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعائیں' ادب اور بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔ ذیل میں آپ ﷺ کی چند دعائیں درج ہیں' جو اُمت کے لئے بہترین وسیلہ ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ ○ (بخاری)

ترجمہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ اکیلا ہے' اُس کا کوئی شریک نہیں' اُس کے لئے ملک ہے' اور اسی کیلئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ○ (بخاری)

ترجمہ "تیری پاکی بیان کرتے ہیں' اے اللہ! اور حمد کرتے ہیں۔ تیری پاکی بیان کرتے ہیں اے اللہ! اور تو بڑی عظمت والا ہے۔"

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ' وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ (مسلم' ابوداؤد)

ترجمہ "پاک ہے اللہ تعالیٰ اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور طاقت اور زور کسی کو نہیں سوائے اللہ کے' وہ سب سے بڑا سب سے اعلیٰ ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

● — "میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں۔ جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس

کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔" (اللولو والمرجان: ۲۱۹/۳)

● ـــ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) احکام تو بہت سارے ہیں' مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے کہ میں اسی کو زیادہ کیا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کی یاد سے اپنی زبان کو تر رکھو۔" نیز فرمایا: "خدا کی یاد سے بڑھ کر کوئی عمل ابن آدم کو جہنم کے عذاب سے نجات دلانے والا نہیں۔"

(ترمذی / ۴۱' احمد ۱۸۸/۴/ ۱۹۰)' (طبرانی' ابن ماجہ: / ۵۴۔ احمد: ۲۳۹/۵)

نیز فرمایا: "اس شخص کی مثال جو اللہ کو یاد کرتا ہے' اور جو نہیں کرتا' ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔" (بخاری: ۱۰۷/۸)

(اِن روایتوں سے پتہ چلتاہے کہ ایک مومن کی زندگی کا حاصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ سے بھری پری اس کی پوری زندگی پر ذکر و تسبیح اور یادِ الٰہی کے وسیلہ کی آخری مہر لگنی چاہئے۔)

۹۔ درود شریف کا وسیلہ: حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سارے عالم کے لئے رحمت ہے۔ دُنیا والوں پر آپ ﷺ کے جس قدر احسانات ہیں' کسی اور کے نہیں۔ نہ ہی کسی اور کی ذات سے دُنیا کو اتنا نفع پہنچا' جتنا آپ ﷺ سے پہنچا۔ اس لئے خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنا' اور آپ ﷺ پر دُرود پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ دعا مانگنے سے پہلے اور بعد میں آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا دعا کی قبولیت کے لئے ممد و معاون ہے۔ اس سے درجہ بڑھتا ہے' اور تقربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

● ـــ "جس نے مجھ پر ایک مرتبہ دُرود پڑھا' خدا اس پر دس مرتبہ اپنی رحمت بھیجتا ہے۔"

● ـــ "ایک شخص نے حضور ﷺ سے عرض کیا: میرا اکثر وقت آپ ﷺ پر دُرود پڑھنے میں گذرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تب خدا تمہیں غم سے نجات دینے' اور تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔" (احمد' ترمذی: -/۲۳)

● ـــ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلا۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کھجوروں کے ایک باغ میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے اندر پہنچا۔ وہاں جاکر میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ میں ہیں' اور بڑی دیر تک سجدہ کی حالت میں رہے۔ میں ڈرا کہ خدانخواستہ کہیں آپ

ﷺ کو کچھ ہو نہ گیا ہو! میں قریب پہنچ کر آپ ﷺ کو حسرت سے دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ مجھے قریب دیکھ کر فرمایا: عبدالرحمٰن! کہو کیا بات ہے؟ میں نے سرگذشت سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ابھی ابھی جبرائیل نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ کیا میں آپ کو ایک خوش خبری نہ سناؤں؟ باری تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس نے تم پر درود پڑھا' میں اُس پر اپنی رحمت نازل کرتا ہوں۔ اور جو کوئی آپ پر سلام بھیجتا ہے' میں اُس پر سلامتی نازل کرتا ہوں۔" میں اسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے سجدہ کر رہا تھا۔" (احمد' حاکم)

(اِس سے معلوم ہوا کہ درود شریف بارگاہِ الٰہی میں تقرب کے حصول کا اہم ترین ذریعہ ہے۔)

۱۰۔ استغفار کا وسیلہ: کوتاہی اور گناہ ہر کسی سے سرزد ہوتا ہے۔ سب سے بہتر اِنسان وہ ہے جو اپنے گناہوں اور غفلت کی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے' اور پھر گناہ نہ کرے۔ یہی استغفار ہے۔ توبہ اور استغفار سے بڑے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے گناہوں سے حفاظت کا یہ بھی ایک اہم قلعہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ○ (آلِ عمران:۱۷)

ترجمہ "اور پچھلی رات میں توبہ و استغفار کرنے والے ہیں۔"

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (ذاریات:۱۸)

ترجمہ "اور سحر کے وقت وہ استغفار کرتے تھے۔"

نیز فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ○ (آلِ عمران:۱۳۵)

ترجمہ "اور وہ لوگ کہ جب کوئی سخت گناہ کر بیٹھتے ہیں' یا (کوئی نازیبا حرکت کرکے) اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں' تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "جس نے یوں کہا'

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ○

ترجمہ "میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں' جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ زندہ جاوید ہے۔ ساری کائنات کا نگہبان اور پاسبان ہے' میں اُس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔"

اُس کے سارے گناہ معاف ہوں گے' خواہ اس نے جہاد میں پشت پھیر کر بھاگنے کا گناہ کیوں نہ کیا ہو۔ (ابوداؤد)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَّزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّمِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَّخْرَجًاوَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ○ (ابوداود:۱/۳۴۸)' (احمد:۱/۱۴۸-۱/۳۴۸)' (ترمذی (دعوات /۱۱۷)

ترجمہ "جو شخص اپنے رب سے معافی مانگتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر غم سے نجات دیتا ہے۔ ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔"

۱۱۔ دُعا کا وسیلہ: خدا سے مانگنا' اور دعا کرنا عبادت ہے۔ اگر صدقِ دل سے دعا مانگی جائے تو ضرور قبول ہوتی ہے۔ اور اسی لئے بارگاہِ خداوندی میں یہ ایک بہتر وسیلہ ہے۔ مشکلات اور پریشانیوں میں دعا سے بہتر کوئی وسیلہ نہ ہونے کی وجہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ○ (غافر:۶۰)

ترجمہ "تم مجھ کو پکارو' میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔"

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ○ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ○ (بقرہ:۱۸۶)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) جب تُم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہدو کہ میں قریب ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "دعا عبادت ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ' اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ

عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ۝ (غافر:٦٠)

ترجمہ "اور تمہارے رب نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو' میں تمہاری درخواست قبول کروں گا' بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے۔"(احمد)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

● — "زمین پر آباد کوئی بھی مسلمان خدا سے جو دعا کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی ضرور سنتا ہے۔ پھر یا تو اسے وہی دیتا ہے' جو وہ مانگتا ہے' یا کسی ناگہانی اُفتاد کو اس پر سے ٹال دیتا ہے۔ بشرطیکہ یہ دعا کسی گناہ کے لئے' یا رشتہ کو توڑنے کے لئے نہ ہو۔" (ترمذی:/١١٥)

نیز فرمایا:

● — "کوئی مسلمان جب دردمندی کے ساتھ اپنے رب سے دعا کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اُس کی دُعا قبول کرتا ہے۔ پھر یا تو دُنیا میں اس کا فوری صلہ دیتا ہے' یا اسے روک لیتا ہے' اور اس کی دُعا کو آخرت کے لئے ذخیرہ بنا دیتا ہے' یا کسی آفت کو جو اس پر آنے والی ہوتی ہے' ٹال دیتا ہے۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: تب تو ہم بہت بہت دعائیں مانگا کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جتنا مانگو گے' اللہ تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ دینے والا ہے۔" (مسند احمد: ١٨/٣)

حضور ﷺ نے فرمایا:

● — "اللہ بڑا سخی اور زندہ جاوید ہے۔ جب کوئی بندہ دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو ان ہاتھوں کو خالی اور ناکام لوٹاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔" (ابوداؤد:١/٣٤٢)

١٢- اپنے مومن بھائی کی دعا کا وسیلہ: کبھی ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی سے کہتا ہے کہ وہ اپنی دعا کے وسیلہ سے اللہ سے اس کی حاجات کی تکمیل کی لئے درخواست کرے۔ مثلاً یوں کہے:

"تم میرے لئے اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے صحت دے۔ یا میری فلاں حاجت پوری کر دے۔"

اور کبھی ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس کی درخواست کے بغیر بھی خدا سے دعا کرتا ہے۔ مثلاً اسے مصیبت میں مبتلا دیکھ کر اس کی حاضری میں' یا پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرتا ہے' یا نماز جنازہ پڑھتے ہوئے میت کے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ دعا نہ صرف مشروع ہے' بلکہ

خدا نے چاہا تو مقبول بھی ہوگی۔

جب حضور ﷺ زندہ تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ حضور ﷺ دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی دعائیں قبول فرماتا تھا۔ کبھی پانی مانگنے کے مواقع پر آپ ﷺ کی دعا کو وسیلہ بنا کر اللہ سے فریاد کی جاتی تھی۔ خود حضور ﷺ بھی دعا فرماتے، نتیجہ میں بارانِ رحمت کا نزول ہوتا تھا، اور کل خلائق فیضیاب ہوتی تھی۔ (بخاری، مُسلم)

نیز نابینا صحابی کی روایت پیچھے گذر چکی ہے، جس میں آخر میں حضرت عثمان بن حنیف راوی کا بیان ہے کہ:

"ابھی ہم وہیں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اندھا ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔" (ترمذی:۱/۱۱۸۔ احمد:۴/۱۳۸۔ ابن ماجہ:/۱۸۹)

کبھی حضور ﷺ دوسروں سے اپنے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جبکہ وہ عمرہ ادا کرنے کے لئے جارہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"بھائی، اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا" دوسری روایت میں یوں ہے:

"بھائی، اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک رکھنا۔" (ابوداود:۱/۳۳۴، ترمذی:/۱۰۹)

حضور ﷺ جب تک بقید حیات رہے، صحابہ کرام اِستسقاء اور دیگر مواقع پر آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے، اور آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔ لیکن جب آپ ﷺ وفات پاگئے اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، تو اس حال میں آپ ﷺ سے دعا کی درخواست ممکن نہ تھی۔ اس لئے آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی آفت کے موقع پر صحابہ کسی متقی پرہیز گار کی دُعا کا، یا خاندان نبوت سے وابستہ کسی فرد کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔ چنانچہ عہد فاروقی میں جب ایک مرتبہ قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی، اور ابھی لوگوں کے ہاتھ دعا سے جھکے بھی نہ تھے کہ موسلادھار بارش ہوئی۔ غرض سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا کہ مشکل یا پریشانی کے دنوں میں وہ شہر سے باہر نکل کر اپنے صلح ترین آدمی کے ذریعہ دعا کراتے تھے۔ حضور ﷺ سے بھی منقول ہے کہ:

"جو مسلمان بندہ اپنے بھائی کے لئے اس کی پیٹھ پیچھے دعا کرتا ہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، خدایا

قبول فرما! اور اس دعا کرنے والے کو بھی اتنا ہی عنایت فرما!" (مسلم: ۸۶/۸)
(مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں اور اپنے مومن بھائیوں کی دعاؤں کا وسیلہ لینا درست ہے۔ لیکن کسی اعلیٰ یا ادنیٰ شخصیت یا اس کی ذات کو وسیلہ بنا کر دعا کرنا نہ تو دُرست ہے' نہ ہی روایتوں سے اس قسم کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔"

۳۔ قرآن پاک کا وسیلہ: قرآنِ پاک کی تلاوت اعلیٰ و اشرف ترین وسیلہ ہے۔ اس کے وسیلہ سے دعا کرنا قبولیت کی ضمانت ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کے ایک حرف پر دس نیکیوں کا وعدہ فرمایا ہے (ترمذی بروایت ابن مسعود) اس کی تلاوت کی محفلوں اور اس کے پڑھنے پڑھانے والوں کی مجلسوں پر خدا کی رحمت اور طمانیت کا نزول ہوتا ہے۔ فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں۔ اور ان پر اپنے پَروں کا سایہ کئے ہوتے ہیں۔ اس کے معانی پر غور و فکر اور اس کے درس تدریس میں اِنہماک ایسی زبردست نیکی ہے جس کے ہم پلہ نہ کوئی نیکی ہے۔ اور نہ اس سے افضل کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآنِ مجید خود سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔" (بخاری)

نیز ان کا شمار نکوکار اور مقرب بندوں میں ہوگا۔ ارشاد ہے۔

"قرآنِ پاک کا ماہر اللہ کے ان معزز اور بزرگ نورانی فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو آسمانوں میں لوحِ محفوظ سے قرآن پاک کو نقل کرتے ہیں۔" (مسلم ۱۹۵/۲)

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا:

"قرآن پاک پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ وہ قرآن پڑھتا جائے اور خیر کے اعلیٰ مدارجِ پر چڑھتا جائے۔ اور جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا یہاں بھی اسی طرح پڑھے۔ یہاں تک کہ جس درجہ پر اس کا پڑھنا ختم ہو گا۔ جنت میں وہی اس کا مقام ہو گا۔ ترمذی ۱۱/۴۲' ۱۳' احمد: ۴۰/۳)

۴۔ اَسماءِ حسنیٰ کا وسیلہ: یہ وسیلہ اپنی نوعیت اور قبولیت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ اور مقبول ترین وسیلہ ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے سامنے دعا سے پہلے اس کی حمد و ثنا کی جائے۔ اس کی بزرگی و عظمت اور اس کی عزت و جلال کے حامل اَسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کو پیش کیا جائے۔ پھر جو حاجت در پیش ہو اُس کی دعا کی جائے۔ تاکہ اِسماءِ الٰہی اور اس کا ذکر اور تسبیح' سب بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بن جائیں' اور دعائیں قبول ہوں۔ اس میں

شک نہیں کہ اِسماءِ حسنیٰ کا وسیلہ مؤثر ترین وسیلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے وسیلہ سے دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ بشرطیکہ دعا کا خواستگار کسب حلال اور صدقِ مقال کے معیار پر پورا اترتا ہو' اور اس کی دعا قطع رحمی یا کسی گناہ کے لئے نہ ہو۔ قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں جابجا اس وسیلہ کی اہمیت اور فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (اَعراف:۱۸۰)

ترجمہ "اور اللہ کے لئے اچھے اچھے نام ہیں' تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔"

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے اچھے اچھے ناموں سے اسے پکاریں' تاکہ ان کی دعائیں قبول ہوں۔

اللہ کی ذات اور اس کے اسماء و صفات سے وسیلہ لینے کے بیشتر طریقے احادیث میں بھی مذکور ہیں۔ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ اپنی دعاؤں سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کے اَسماءِ حسنیٰ اور صفاتِ عالیہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اس کے بعد عرضِ مدعا کرتے تھے۔ مثلاً:

(۱) یَا اَرْحَمَ الراحِمِیْنَ: حضور ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص تین بار یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ: کہتا ہے ایک فرشتہ جو اس کلمہ پر مقرر ہے' کہتا ہے: اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ: کی ذات تمہاری جانب متوجہ ہے' اس لئے تم مانگو' کیا مانگتے ہو؟" (حاکم)

(۲) یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام: حضور ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ: (اے عزت وجلال والے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری فریاد قبول ہوئی' لہٰذا مانگو کیا مانگتے ہو؟" (ترمذی)

(۳) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یَا حَنَّانُ یَا مَنَّانُ یَا بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ۔

ترجمہ "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ بیشک تیرے ہی لئے سب تعریف ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں' تو ہی احسان کرنے والا اور بڑی شفقت کرنے

والا ہے۔ تو ہی آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اے بزرگی اور جلال والے ' زندہ رہنے والے ' اے بندوبست کرنے والے۔"

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو عیاش رضی اللہ عنہ ' کے پاس سے گذرے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے یوں دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی ' جو شخص بھی اس کے وسیلہ سے دعا مانگے گا ' اللہ قبول کرے گا۔ اور جب بھی اس کے ذریعہ سوال کیا جائے گا ' اللہ دے گا۔" (مسند احمد: ۱۵۸/۳)

(۴) یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! یَا رَبِّ! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"جب بندہ یَارَبِّ! یَارَبِّ! یَارَبِّ! کہتا ہے ' تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ' میرے بندے میں حاضر ہوں ' مانگو! تمہیں ملے گا۔" (الترغیب والترھیب: ۴۸۸/۲)

(۵) لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ (انبیاء: ۸۷)

ترجمہ "(اے پروردگار!) تیرے سوا کوئی معبود نہیں ' تو پاک ہے ' بے شک میں قصور وار ہوں۔"

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں یہی کلمات ادا کرتے تھے۔ جو شخص ان کلمات کے وسیلہ سے خدا سے دعا کرے گا ' اللہ اس کی دعا قبول کرے گا۔" (ترمذی: ۸۱/۱)

بطورِ مثال ہم نے اللہ کے چند اَسماءِ حسنیٰ پیش کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ' اور ہر نام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے وسیلہ سے جب بھی دعا مانگی جائے گی ' اللہ قبول کرے گا۔ اس لئے کہ وہ بڑا سخی ' بہت مہربان ' نہایت رحم والا ہے ' دعا کرنے اور مانگنے کا مسنون طریقہ یہی ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اور اپنی اُمت کے لئے اسی طریقہ کو پسند فرمایا تھا۔ اس لئے اُمت کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ○ (اعراف: ۱۸۰)

ترجمہ "اور اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ تم اللہ کو انہیں ناموں سے پکارو۔"

۱۵۔ نیک کاموں کا وسیلہ:

خیر اور بھلائی کا کوئی سا عمل ایمان اور اِخلاصِ نیت کے ساتھ کرنے پر جہاں اجر ملتا

ہے' وہیں اس کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے اور حوادث سے حفاظت ہوتی ہے۔

● ــــ غار میں چھپے ہوئے تین شخصوں کا واقعہ اس کی بہترین دلیل ہے انہوں نے ایک رات ایک غار میں پناہ لی۔ اِتفاق سے ایک چٹان سرک کر غار کے منہ پر آپڑی۔ اور راستہ بند ہوگیا ان میں سے دو نے خالص اللہ کیلئے نیک عمل کرنے کے وسیلہ سے حق تعالیٰ سے دعا کی تیسرے نے خوفِ خدا کے سبب برائی سے رُک جانے کا وسیلہ لیا۔ اللہ نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔ چٹان ایک طرف ہوگئی اور یہ تینوں غار سے نکل کر چلے گئے۔ (بخاری' مسلم' نسائی)

● ــــ بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے راہ چلتے ایک کانٹے دار ٹہنی کو اس خیال سے ایک طرف ڈال دیا کہ کسی راہ گیر کو اذیت نہ پہنچے۔ حق تعالیٰ نے اس کی نیکی قبول فرمائی۔ اور بظاہر معمولی نظر آنے والی اس نیکی پر اس کی مغفرت فرمائی اور اسے جنت میں داخل فرمایا۔ (اللولؤ ۲۰۱/۳۱)

● ــــ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے پیاس سے بے تاب ایک کتے کو پانی پلایا۔ یہ کتا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی بار بار منہ میں لے رہا تھا۔ اس عورت نے اس درجہ اِخلاص اور لِلّٰہیت سے اس عمل کو کیا کہ اللہ نے اس کو قبولیت کا شرف بخشا اور اسے بھی جنت میں داخل فرمایا۔
(اللولؤ ۷۵/۳' بخاری ۲۱۱/۴' مسلم ۴۴/۷'۴۵)

۱۶۔ گناہوں سے پرہیز کا وسیلہ: نیکی اور بھلائی کا کرنا جہاں عبادت ہے' وہیں برائی خصوصاً بڑے گناہوں سے احتراز اور پرہیز بھی مومن صادق اور مخلص مسلمانوں کی زبردست نیکی ہے۔ جس کا وسیلہ لے کر باری تعالیٰ سے اپنی مرادوں کے حصول اور اپنی تمناؤں کی بجا آوری کے لئے دعا کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ غار والوں کے واقعہ میں گذرا کہ ان میں سے دو شخصوں نے اپنی نیکیوں کا وسیلہ لیا' اور ایک شخص نے برائی نہ کرنے کے وسیلہ سے دعا کی۔ اس شخص نے کہا تھا:

"اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن تھی' جو مجھے بہت زیادہ محبوب تھی۔ میں نے اس سے اپنی بری نیت کا اِظہار کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ قحط سالی کے ہاتھوں وہ مجبور ہو کر میرے پاس آئی۔ میں نے اسے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ مجھے خلوت کا موقع دے وہ اس پر راضی ہوگئی۔ اور جب میں نے اس پر پوری طرح قابو پالیا' تو وہ کہنے لگی'

عصمت کی اس مہر کو ناحق مت توڑو۔ یہ سن کر میں اس کے پاس سے ہٹ گیا' اور اگرچہ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی' پھر بھی میں اس کے ساتھ اپنے برے خیال سے باز آگیا' اور وہ اشرفیاں بھی معاف کر دیں جو میں نے اسے دی تھیں ــ اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل محض تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس چٹان کی مصیبت سے نجات دے' چنانچہ چٹان سرک گئی۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۲۳۶/۳)

اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اُمت پچھلی اُمتوں کے حالات سے سبق سیکھ سکتی ہے' اور غار والوں کی طرح آپ کی اُمت بھی مصائب اور مشکلات کے وقت اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا کر اللہ سے دعا کر سکتی ہے' پھر مومن کا خمیر نیکیوں سے بنا ہے۔ معصیت سے پرہیز اور دل میں خدا کا خوف رکھنا صرف بندہ مومن کی شان ہے۔

باری تعالیٰ کی کامل اطاعت بھی اسی میں ہے کہ یا تو مومن گناہ نہ کرے' یا کم از کم دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہو تو اسے شرم آئے' اور وہ گناہ کرنے سے باز آجائے۔ اس لئے معصیت سے پرہیز بھی عمل صالح کی طرح ایک زبردست نیکی ہے۔ اور اس کو وسیلہ بنا کر مومن نہ صرف خدا کی رضا حاصل کر سکتا ہے بلکہ اپنی مشکلات کا ازالہ' اور خدا کا تقرب بھی تلاش کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس عمل کو بطورِ وسیلہ اپنی اُمت کے لئے مشروع فرمایا۔

● ممنوع اور حرام وسائل:

مشروع وسائل تفصیل سے بیان کئے جانے کے بعد آئندہ سطروں میں ممنوع اور باطل وسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

افسوس ان حرام اور ممنوع وسائل نے اُمت کی بڑی اکثریت اور عام مسلمانوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ عوام کا بڑا طبقہ آج حرام اور ناجائز وسیلوں میں بری طرح گرفتار ہو کر جائز اور مشروع وسیلوں سے بالکلیہ محروم ہوتا جارہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اُمت کی موجودہ تباہی اور ذِلت و پسماندگی کا ایک سبب ان حرام' وسائل کا اندھا دھند استعمال بھی ہے جو دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

چونکہ ہمارے پیش نظر' ساری امت کی خیر خواہی ہے۔ صحیح اور خالص دِین اِسلام کی

تبلیغ و اِشاعت ہمارا مقصد ہے- ہم دل سے یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اس دین کا صحیح نقشہ آجائے- اس کا ــــ ٹھیک ٹھیک تعارُف ہو جائے-

بنابریں:ــــ

ذیل میں چند ممنوع وسیلے ان کی ضروری تشریح کے ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- اولیاء اور صالحین سے فریاد کرنا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کسی کی ذات اور شخصیت کا وسیلہ لینا' اولیاء اللہ سے شفاعت مانگنا اور فریاد کرنا سب شریعت کے خلاف ہے' اس لئے قطعاً حرام ہے- نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے' نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعلیم فرمائی ہے- بلکہ شریعت نے اس قسم کے وسیلہ کی مذمت کی ہے- مذموم اور حرام وسیلہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا لینے والا اِسلام سے خارج ہو جاتا ہے' اور بغیر توبہ کے مرگیا تو جہنمی ہو گا- (خدا کی پناہ)

جاہل اور عام مسلمانوں میں وسیلہ کا جو یہ رواج چل پڑا ہے کہ مثلاً کسی مخصوص آدمی کا نام لے کر کہتے ہیں: "اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں کو اپنا سفارشی بنا کر پیش کرتا ہوں کہ اس کے وسیلہ سے تو میری حاجت پوری کر دے- اور کبھی تو یہ ظالم انہیں فلاں کا نام لے کر اور انہیں پکار کر ان سے فریاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: اے سیدی فلاں! اے خواجہ فلاں! اے غوث پاک دستگیر! میری مدد کر' میری مُراد پوری کر' میرے لئے خدا سے دعا کر! مجھے اپنی پناہ میں رکھ! میں تیری اور اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' میں بس تیری طرف منسوب ہوں-" یہ اور اس قسم کے بے شمار شرک اور کفر کے کلمات بے تحاشہ کہے چلے جاتے ہیں- جاننا چاہئے کہ اِسلام اس قسم کے وسیلہ سے بری ہے- قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں کہیں اس وسیلہ کی یا اس طرح غیر اللہ سے فریاد کرنے کی اجازت نہیں ہے- بلکہ کتاب و سُنت کی رُو سے یہ سب ممنوع اور حرام اور کھلا ہوا شرک ہے' جس کے متعلق باری تعالیٰ نے سختی سے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے-

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ (مائدہ:۷۲)

ترجمہ "بلاشبہ جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے' اور ظالموں کا کوئی مدد گار نہیں۔"

۲- غیر اللہ کے لئے نذر ماننا

اکثر جاہل اور بدعتی' اولیاء و صالحین کے لئے نذر مانتے ہیں مُردوں کے لئے نذر مان کر اپنی مُرادوں اور حاجتوں کی تکمیل کے لئے ان کی ذات کا وسیلہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ کھلا ہوا شرک اور کتاب و سُنت سے دُوری کا نتیجہ ہے۔

بعض جاہل ایسے بھی ہوتے ہیں جو نذر مانتے ہیں کہ اگر ان کی دلی مُراد پوری ہوئی یا انہیں روزی مل گئی تو وہ فلاں ولی کے نام پر' یا ان کی قبر پر کوئی جانور یا جائداد وقف کریں گے۔ یہ بدترین قسم کا شرک اور کبیرہ گناہ ہے۔ اِسلام اس سے بری ہے۔ اِسلام نے کہیں اس طرح کی تعلیم نہیں دی' اور نہ ہی مسلمانوں کا کبھی یہ عقیدہ رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے فریاد کو جائز سمجھا ہو' خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پکارنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ قبروں پر جانوروں کو ذبح کرنا قبّہ تعمیر کرنا' چادر چڑھانا ان پر پردہ لٹکانا' چراغاں کرنا' قبروں کو چھونا' اس کے گرد طواف کرنا' مُردوں اور صاحب مزار سے نفع پہنچانے' یا نقصان سے بچانے کی دعا کرنا' یہ سب سلف کے نزدیک حد درجہ ممنوع اور حرام ہے۔ اگر کسی نے اس قسم کی کوئی نذر مانی تو اس کو پوری کرنا کسی درجہ میں ضروری نہیں۔ بلکہ نذر ماننے والے کو توبہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ مذکورہ بالا کوئی سا بھی اقدام عقیدہ توحید سے ٹکراتا ہے' اور کلمہ طیبہ کی اس روح کے خلاف جاتا ہے' جس میں بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ وہ بندگی اور عبادت صرف اللہ کی کرے گا۔ کسی اور کی نہیں۔

۳- قبروں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانا: قبروں کے پاس جانور ذبح کرنا منجملہ اور رسوم کے اہل جاہلیت کی قدیم رسم ہے۔ آج عالم اِسلام میں جگہ جگہ قبروں پر جو تہوار اور میلہ لگتا ہے' عرس کے موقع پر دُور دراز سے کثیر مال اور جانور لائے جاتے ہیں' اور مزاروں پر ان

کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے' یہ سب ضلالت اور گمراہی ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان کو مشروع نہیں قرار دیا' نہ ان کا وسیلہ لینے کی اجازت دی ہے۔ البتہ اہل جاہلیت اس پر عامل تھے۔ اسی لئے قرآنِ پاک نے سختی سے اس باطل عقیدے پر تنبیہ کی ہے' اور فرمایا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا○ (نساء:٣٦)

ترجمہ "اور اللہ ہی کی عبادت کرو' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔"

نیز فرمایا:

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (بقرہ:٢٢)

ترجمہ "پس کسی کو اللہ کا ہمسر (اور شریک) نہ بناؤ۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو (کہ اس جیسا کوئی بھی نہیں)۔"

۴۔ قبروں پر چلہ کشی: قبروں کی زیارت اور ان کا طواف کرنا' مزاروں کی چوکھٹ' اور ان کے پتھروں کو چومنا' اولیاء اور صالحین سے شفاعت مانگنا' بیماروں کی شفایابی کے لئے آستانوں اور درگاہوں پر چلہ کشی کرنا' اور عرس اور میلاد کی محفلیں سجانا' کسی زندہ یا مُردہ کو پکارنا' اور اس سے شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنا' یہ سب ممنوع اور قطعاً حرام ہیں۔ اور یہ سب وہی لوگ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ناواقف اور عقیدہ توحید سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ فی الحقیقت ان سب باتوں کی قدرت' اللہ تعالٰی کی قادرِ مطلق ذات کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں۔ اور جو شخص جان بوجھ کر ایسا کرے گا' یا اس پر اصرار کرے گا' اہل شرع کے نزدیک کافر اور مشرک ہوگا۔

۵۔ کسی کے جاہ کا وسیلہ لینا: اللہ تعالٰی کے یہاں کسی کے جاہ و مرتبہ کا وسیلہ لینا' غیر شرعی طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہنا: "اے اللہ! میں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ یا تیرے فلاں بندے کے جاہ کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔" اللہ کی بارگاہ میں یہ وسیلہ غیر مشروع اور مردود ہے۔ نیز یہ اسلامی تعلیمات اور حکم الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے۔ جب کہ ان لفظوں سے دعا کرنی چاہئے۔ یااللہ' یاارحم الراحمین' یاذا الجلال والاکرام یاحی یاقیوم۔ جیسا کہ ارشاد ہے

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۝ (أعراف:۱۸۰)

کتاب و سُنت کی رُو سے جو وسیلہ مشروع ہے' اس کی کسی قدر تفصیل گذشتہ صفحات میں درج ہے۔ اس پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لینا چاہئے کہ کیا کسی نبی اور رسول نے کسی وَلی کامل اور بزرگ نے کبھی اپنے جاہ یا مرتبہ کے وسیلہ سے بھی دعا کی ہے؟ یا یہ من گھڑت اور نری بدعت اور جہالت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ اللہ کے سامنے جائز اور مشروع چیزوں کا وسیلہ لینا چاہئے' جس کو وسیلہ کے طور پر خود اس ذاتِ واحد نے مقرر کیا ہے' بھلا وہ چیز کیونکر وسیلہ بن سکتی ہے جو بدعت اور ضلالت ہے' اور خدا کو سخت ناپسند ہے؟!

۲۔ کسی کے حق کا وسیلہ لینا: جاہ و مرتبہ کی طرح حق و حرمت کا وسیلہ لینا بھی قطعی غیر شرعی بلکہ ممنوع عمل ہے۔ اگر یہ وسیلہ کسی صورت مشروع ہوتا تو کتاب اللہ میں کہیں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ جب کہ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ۝ (أنعام:۳۸)

ترجمہ "ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کسی چیز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی۔"

یا پھر حدیث پاک میں کہیں نہ کہیں اس کا تذکرہ ہوتا۔ اس لئے کہ بقولِ حضرت ابو ہریرہ:

"حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی کہ' آپ نے ہمیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے۔ یہاں تک کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھنے کی ہیئت بھی بتا دی ہے۔"

(مُسلم' ۱/۱۵۴)

مذکورہ بالا وسیلہ کتاب و سُنت کے صریح خلاف اور بدعت ہے' جس سے پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے بعد اسلاف صالحین سخت بیزار ہیں۔

اِمامِ ابو حنیفہ یا ان کے صاحبین کا قول ہے کہ "دعا کرنے والے کے لئے یہ حرام ہے کہ یوں دعا کرے:" اے اللہ! میں فلاں کے حق کے واسطے سے' یا تیرے نبی اور رسول کے حق کے وسیلہ سے' یا بیت اللہ' یا مشعر حرام کے واسطے سے تجھ سے دعا کرتا ہوں۔" اس طرح دعا کرنا مکروہِ تحریمی ہے' اور اس کی سزا جہنم ہے"

حق کے وسیلہ سے دعا کرنا اس لئے' ممنوع ہے کہ کسی مخلوق کا اللہ پر کوئی حق نہیں۔ حق تو اللہ کا اس کی مخلوق پر ہے۔ اور جب مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں تو اس حق کے واسطے سے دعا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ ہاں' یہ خدا کی عنایت اور مہربانی ہے کہ وہ جسے چاہے گا اپنے لطف و کرم سے بخش دے گا۔ اس لئے اس کے فضل اور اس کے اسماء و صفات کا واسطہ دینا چاہئے' نہ کہ غیراللہ کے واسطے سے دعا کرنی چاہئے' چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمًا○ (نساء:۳۲)

ترجمہ "اور ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔"

غرض مذکورہ بالا ممنوع وسیلوں کے ذریعے دعا کرنا اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ اور جب دعا افضل ترین عبادت ہے' تو اس عبادت کی ادائیگی کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اُسوہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ اہل بدعت اور اہل شرک کے طریقہ پر نہیں۔ باری تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے غیر مشروع وسیلوں سے بے نیاز ہے۔ ہاں' اس کا وعدہ ہے کہ مشروع وسیلہ کے ساتھ اس سے دعا کی جائے' وہ اس کو ضرور سنے گا۔ مثلاً یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ بِاِيْمَانِيْ بِكَ' اَوْ نَبِيِّكَ' اَوْبِكِتَابِكَ' اَوْبِمَحَبَّتِيْ لَكَ' اَوْلِفُلاَنٍ نَبِيِّكَ' اَوْعَبْدِكَ اَنْ تَقْضِيَ حَاجَتِيْ اَوْتُفَرِّجَ كُرْبِيْ اَوْ تُخَلِّصَنِيْ مِنْ مِحَنِيْ ○ اَوْيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمَحَبَّتِيْ وَاتِّبَاعِيْ لِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَكْشِفَ ضُرِّيْ' اَوْتَقْضِيَ حَاجَتِيْ اَوْ تُعْطِيَنِيْ كَذَا اَوْ كَذَ

ا۔ (:)

ترجمہ "اے اللہ! میں تجھ پر' تیرے نبی پر' اور تیری کتابوں پر ایمان لایا۔ اب میں اسی ایمان کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ یا (یوں کہے) اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں تجھ سے' تیرے پیغمبر سے' یا تیرے بندے سے محبت کرتا ہوں' اب تو میری فلاں حاجت کو پوری فرما' یا مجھے غم سے نجات دے' یا مشکل سے رہائی

دے۔ یا یوں کہے' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں' تیرے نبی حضرت محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں' ان کی پیروی کرتا ہوں' اور انہیں کے وسیلہ سے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے تکلیف سے نجات دے' یا میری فلاں حاجت پوری فرما' یا فلاں چیز مجھے عنایت فرما۔"

یہ مشروع وسیلہ ہے جس سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور اس سے وسیلہ لینا مقبول ہے۔ اور ایمان و یقین پیدا ہونے پر خدا نے چاہا تو اِجابت و مقبولیت کی اہلیت نصیب ہوگی۔ نیز یہ جائز وسائل بندہ مومن کو ان وسائل سے بے نیاز کرتے ہیں جو کتاب و سُنت سے ثابت نہیں۔

ضروری تنبیہ۔ : آئندہ سطروں میں تین شبہات اور ان کے معقول جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔ یہ شبہات بالخصوص وسائل اور ان پر بحث کے دوران مسلمانوں کو درپیش ہوتے ہیں۔

۱۔ **نابینا کا واقعہ:** حدیث کا متن ــــ جس کی سند میں مضائقہ نہیں ــــ یہ ہے۔ ایک نابینا شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ اللہ سے میرے لئے عافیت کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تم چاہو تو دعا کروں لیکن بہتر ہے کہ صبر کرو۔ نابینا نے کہا دعا ہی فرمایئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتَقْضِیَ لِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ ○ (احمد:۱۳۸/۴)

ترجمہ "اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی رحمت حضرت محمد کے ذریعہ۔ اے محمد متوجہ کرتا ہوں آپ کو اپنے رب کی طرف' اپنی حاجت کے لئے کہ آپ پوری کرائیں۔ اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔"

راوی کہتے ہیں اس نے یہی کیا۔ اور شفایاب ہوا ــــ سوال:۔ اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے جب نابینا کو یہ دعا سکھائی کہ کہو **اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ**

وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ ـــ تو آج مشکلات اور پریشانیوں میں ہم کیوں نہ مقصد براری کے لئے ایسا ہی کہیں ـــ؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ وسیلہ لینا چند شرائط کے ساتھ ہوا ہے- اور یہ شرطیں بیحد ضروری ہیں- چنانچہ اس کا جزوِ اعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے- اور اب جب کہ آپ وفات پاگئے' آپ کا دعا کرنا' یا کسی کے لئے شفاعت چاہنا کسی صورت ممکن نہیں ہے- یہی وجہ ہے کہ آج اگر کوئی اُٹھ کر یہ دعا کرے کہ اے اللہ کے رسول میری حاجت براری کے لئے دعا کیجئے- تو یہ انتہائی بے معنی' لغو اور غلط ہوگا- اس لئے کہ حضور نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کسی کیلئے خدا سے دعا کرتے ہیں- لہٰذا آج یہ دعا کرنا (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ....) ـــ برخود غلط اور فریب ہوگا- اس لئے کہ اس سے پہلے حضور کی دعا کہاں پائی گئی ـــ؟ جو یوں کہا جائے کہ "اے محمد متوجہ کرتا ہوں آپ کو اپنے رب کی طرف اے اللہ میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما- فی الواقعہ اس طرح تو وہی کہہ سکتا ہے جو نابینا کی طرح حضور ﷺ کے سامنے موجود رہا ہو-

بنا بریں اس کیفیت کے ساتھ وسیلہ لینا نہ تو جائز ہوگا نہ مفید ثابت ہوگا- اس لئے کہ اس کا بڑا اور اہم رکن یعنی حضور ﷺ کی دعا کرنا نہیں پایا گیا-

ممنوع وسیلہ کے قائل کبھی اعداد و شمار کے ذریعہ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اتنے لوگوں نے فلاں بزرگ' فلاں خواجہ' یا فلاں درگاہ اور آستانے کے وسیلہ سے دعا کی اور ان کی مُرادیں پوری ہوئیں ـــ یہ جاہل اتنا نہیں جانتے کہ کسی کی مُراد اگر پوری ہوئی تو اس میں کسی بزرگ' یا درگاہ' یا آستانہ کا کیا دخل؟ مراد پوری کرنا' نہ کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے' اور اس نے قسمت میں لکھ دیا تھا کہ فلاں شخص کا فلاں کام' فلاں دن پورا ہوگا- اب یہ اس شخص کی ناعاقبت اندیشی ہے کہ اس نے غلط وسیلہ سے دعا کی- اگر وہ صحیح وسیلہ سے دعا کرتا تو اسے دوہرا فائدہ حاصل ہوتا-! اس کی دلی مُراد بھی پوری ہوتی اور اس کا صحیح وسیلہ لینا عبادت میں شمار ہوتا- جس پر اسے اجر ملتا' لیکن اس نے حرام وسیلہ اِختیار کیا' لہٰذا فعل بد کا گناہ تو اسے مل کے رہے گا-

کاش! مسلمانوں کو ممنوع وسیلہ کے گناہ' اس کی گندگی اور اس کے مہلک اثرات کا احساس ہوتا' اور بے جا وسیلہ لینے کی بجائے خدا کے سامنے اپنی حاجت پیش کرتے' جس کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے' اور خدا سے دعا کرے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسْئَلُكَ (حاجت کی جگہ اپنی ضرورت کا تصور کرے)۔

تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کو سنتا ہے' اور مقصد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ شکرانِ نعمت کے طور پر میں اپنی زندگی کا ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں ــــ "یہ اس وقت کا ذکر ہے جب میں اسی بحث کا مسودہ صاف کر رہا تھا۔ ان دنوں میں مراکش میں "دارِ بیضاء" میں قیام پذیر تھا۔ ختم رمضان کے دن تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ ان مبارک ایام میں عمرہ کی سعادت پاؤں۔ میں نے فوری طور پر ہوائی جہاز میں سیٹ ریزرو کرانی چاہی۔ بکنگ آفس سے جواب ملا کہ ریزرویشن ختم ہوچکا ہے۔ مجھے تشویش لاحق ہوئی کہ اگر فوری سیٹ نہ ملی تو رمضان میں عمرہ کی سعادت سے محروم رہوں گا۔ بہرکیف میں نے وضو کیا' دو رکعت نماز پڑھی اور حسب سابق دعا مانگی' اور اخیر میں یوں کہا' "خدایا فلاں دن' فلاں جہاز سے میرے لئے سفر کرنا آسان فرما' تاکہ رمضان کی مقدس ساعتوں میں عمرہ کی سعادت پاؤں۔ دعا مانگ کر میں دوبارہ کمپنی کے دفتر گیا۔ آفس پہنچ کر بخدا میں ابھی اپنی جگہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں سکا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ سیٹ ریزرو ہوچکی ہے۔ اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے دِلی مُراد بر آنے پر میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ یہ انعام اسی مشروع وسیلہ کی برکت تھی۔"

۲۔ **حضرت عباس سے دُعا استسقاء کی درخواست:** بخاری کی روایت کے مطابق اس حدیث کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا' جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے' تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے اِستسقاء کے لئے دعا کی درخواست کرتے اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیۡكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسۡقِیۡنَا' وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیۡكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسۡقِنَا قَالَ: فَیُسۡقَوۡنَ ○ (بخاری:۲/۳۲'۳۳)

ترجمہ: "اے اللہ! ہم اپنے نبی کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے' تو ہمیں سیراب کرتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کی دعا کے وسیلہ سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں' تو ہمیں بارش عطا فرما۔ تو بارش ہوا کرتی تھی۔"

اس حدیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور کی ذات سے وسیلہ لینے کا اقرار کر رہے ہیں۔ اس لئے آج ہم بھی کیوں نہ اس پر عمل کریں اور آپ کی ذات کے وسیلہ سے دعا کریں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ حضور سے وسیلہ لینے کا مطلب یہی ہے کہ صحابہ آپ سے بارش کے لئے دعا کی درخواست کرتے تھے آپ دُعا فرماتے تھے اور مقصد حاصل ہوتا تھا۔ ایسا بارہا ہوا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ درخواست گذار حضور کی ذات یا آپ کی وجاہت کا وسیلہ لے کر یوں کہتے تھے۔ (اے اللہ ہم اپنے نبی کی ذات یا ان کے جاہ کو وسیلہ بنا کر دعا کرتے تھے ــــ) نہ یہ ہوتا تھا کہ حضور موجود نہ ہوتے تھے۔ نہ دعا میں شرکت فرماتے تھے۔ اور اگر ذاتِ پاک کا وسیلہ لینا ہی مقصود ہوتا تھا تو حضرت عباس کی دعا کا وسیلہ لینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ حضرت عمر براہِ راست یوں کہتے کہ: اے اللہ تیرے نبی کی ذات یا ان کے جاہ کے وسیلہ سے ہم دعا کرتے ہیں ــــ ! حضرت عمر نے یہ اس لئے نہیں کیا کہ حضور کی ذات کا وسیلہ کوئی چیز نہیں۔ حقیقی وسیلہ آپ کی دعائیں تھیں۔ اور اب جب کہ آپ وفات پاگئے آپ دعائیں نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اِستسقاء اور دُعا کے لئے حضرت عباس کو مقرر کیا۔ اور ان سے دعا کی درخواست کی۔ چنانچہ خدا نے دعا سن لی۔ اور بارش آئی۔

اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ مشروع ہے۔ اور مسلمانوں میں اس پر عمل ہوتا ہے کہ لوگ جب اِستسقاء کے لئے نکلتے ہیں تو شہر کے مردِ صالح کو نماز و دُعا کے لئے آگے بڑھاتے ہیں۔ وہ ان کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا، نہ ایسا کرنا جائز ہے کہ کسی کو لانے کی بجائے کسی زندہ یا مُردہ کسی غائب یا حاضر کی ذات کے وسیلہ سے دعائیں کی جائیں۔ اور یوں کہا جائے کہ اے اللہ! ہم فلاں کی ذات یا اس کے جاہ کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ بیشک یہ جھوٹ باطل اور فریب ہے۔ غائب یا مُردہ کا وسیلہ اسلئے بھی بے سُود ہے کہ وہ نہ سن سکتے ہیں۔ نہ کسی کے حال کی کچھ خبر رکھ سکتے ہیں۔ اور جب دعا نہیں کر سکتے تو قبولیت یا عدمِ قبولیت کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ کی روایت

جب حضور ﷺ اسطرح دعا فرماتے تھے کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَبِحَقِّ مَمْشَایَ ○ (احمد ۲۱/۳؛ ابن ماجہ/۱۴))

ترجمہ "اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں' تجھ پر سائلین کے حق سے' اور میرے اس چلنے کے حق سے۔"

تو اُمت کیلئے بحق فلاں' اور بجاہِ فلاں کہہ کر دعا مانگنے میں کیا قباحت ہے؟ جواب یہ ہے کہ ان الفاظ پر مشتمل روایت ضعیف ہے۔ اور ضعیف روایتوں سے مسائل اخذ نہیں کئے جاتے۔ جن کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ لیکن بایں ہمہ اگر روایت بالفرض صحیح بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ بحق فلاں کا جواز اس سے نہیں نکلتا۔ اس کا سیدھا مطلب دعا کرنا ہے۔ حق تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ مجھ سے مانگو! میں تمہیں دونگا۔ باری تعالیٰ دعا کا حکم دیتا ہے۔ اور قبولیت کا وعدہ فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ○ (مومن:۶۰)

ترجمہ "اور تمہارے رب نے کہہ دیا ہے کہ تُم مجھ کو پکارو میں تمہاری سنوں گا۔"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بندہ مومن خدا سے دعا کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کا وعدہ ہے کہ وہ اس کی دعا کو اور پکار کو سنے گا۔ بنابریں حضور ﷺ گھر سے نماز کیلئے مسجد تشریف لاتے تو اسی قبولیت اور اجابت کی اُمید رکھتے ہوئے دعائیں فرماتے تھے۔ اور کہتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ وَ بِحَقِّ مَمْشَایَ ھٰذَا

ترجمہ "اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں سائلین کے حق سے اور میرے اس چلنے کے حق سے۔"

اس دعا کا ایک ایک لفظ بتاتا ہے کہ حضور ﷺ حق تعالیٰ کی صفت اِجابت اور صفت قبولیت کے ذریعہ دعا فرماتے ہیں۔ وہ صفت جس کے تحت حق تعالیٰ دعا کرنے والوں کی سنتا ہے۔ اطاعت گذاروں کو ان کا اجر مرحمت فرماتا ہے۔ اس کی بندگی کیلئے مسجد تک چل کر آنیوالوں کو نیک بدلہ عنایت فرماتا ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ یہ توجیہ حدیث فرض مان کر علی سبیل التنزل کی گئی- ورنہ بصورتِ دیگر اگر حدیث ضعیف ہو تو ہمیں اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں-اور یہ روایت اسی طرح موضوع اور باطل ہوگی جیسے وہ روایت ہے جس میں ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا: (اے میرے رب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے)

اسی قسم کی موضوع روایت حضرتِ فاطمہ بنت اسد کی حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کا انتقال ہوا' جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی پرورش کی تھی تو آپ ان کے پاس گئے' اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا: "یا اُمی! میری والدہ کے بعد اللہ آپ پر رحم فرمائے" اور جب ان کو قبر میں اُتارا تو فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَحَيٌّ لَّايَمُوْتُ' اِغْفِرْ لِاُمِّيْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ' وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَيْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ○ (حاکم' ابن حبان)

ترجمہ "اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کبھی مرے گا نہیں- اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور انہیں ان کی حجت کی تلقین فرما- اور ان کی قبر کو وسیع کر دے- اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کے حق کے واسطہ سے- تُو بے شک اَرحم الراحمین ہے-"

یہ روایتیں علماء سلف اور محدثین کے نزدیک فہم و دِرایت اُصولِ شریعت اور تعلیماتِ نبوی کی زد سے موضوع اور ناقابل حجت ہیں ــــ خلاصہ یہ کہ عقیدہ جیسی بنیادی چیز جو اِیمان کا جز ہے اور جس پر نجات کا مدار ہے' اس کے اثبات کے لئے قطعی اور یقینی دلائل کا ہونا ضروری ہے- منکر اور موضوع حدیثوں کو عقیدہ اور اِیمان کے لئے دلیل اور حجت بنانا کسی صورت جائز نہیں- اس لئے وسیلہ کی ان غلط شکلوں میں پڑنے کی بجائے ان پاک و صاف صورتوں کو اِختیار کرنا چاہئے جو حضور ﷺ سے صحت کے ساتھ منقول ہیں- وہی روایتیں ہمارے لئے کافی ہیں- اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حق و ناحق میں تمیز کی قوت عطا فرمائے' اور حق کو قبول

کرنے اور ناحق کو رد کرنے کی توفیق دے۔

شفاعت اور اس کی حقیقت:

وسیلہ کی طرح شفاعت کے لفظ سے بھی عوام میں بڑی گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ آج ہماری اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو غیر اللہ سے فریاد کرتے ہیں۔ ان سے شفاعت کی اُمید رکھتے ہیں' اور نیک عمل کرنے کی بجائے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم کچھ کریں' یا نہ کریں' فلاں بزرگ کے دامن سے لپٹ کر' یا ان کی شفاعت پا کر ہم جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ اَول تو وہ اس کو شرک اور گناہ نہیں سمجھتے۔ دوسرے جو لوگ انہیں سمجھاتے ہیں' اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں' یہ اُلٹے ان کی اِہانت کرتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم نہ غیر اللہ کو پکارتے ہیں' نہ ان سے فریاد کرتے ہیں۔ ہم تو صرف ان کی شفاعت چاہتے ہیں' اور بس!

عوام میں پھیلی ہوئی اس گمراہی اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اس موضوع کو قدرے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے' تاکہ لوگوں کو شفاعت کی حقیقت معلوم ہو۔

شفاعت کے معنٰی:

"شَفْعٌ شَفَاعَةٌ اور اِستِشْفَاعٌ تین الفاظ ہیں۔ لفظ شَفْعٌ ان کا مصدر ہے' جس کے معنی کسی چیز کو اس کے جیسے کے ساتھ ملانے اور جوڑنے کے ہیں۔ سفارش کے عمل میں سفارشی بھی حاجت مند کا شریک اور اس کا جوڑ بن جاتا ہے۔ اسی لئے سفارشی کو "شفیع" کہتے ہیں۔ "شفاعة" کے معنٰی ہیں: "کسی کم درجہ والے کی مدد کے لئے یا اس کے گناہوں کی معافی کے لئے کسی حاکم یا اقتدارِ اعلیٰ کے پاس سفارش کے لئے جانا۔"

سفارش کا حکم:

کسی مالدار' صاحب اقتدار' یا بادشاہِ وقت کے یہاں کسی حاجت مند کی سفارش کرنا کوئی برا کام نہیں۔ بلکہ نیک کام کے لئے سعی اور سفارش کرنی چاہئے کہ یہ بذاتِ خود ایک نیکی ہے۔ اَلبتہ برے کام میں سعی و سفارش نہ کرنی چاہئے' جیسا کہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهُ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ' وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ○
(نساء:۸۵)

ترجمہ "جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے تو اُس (کے ثواب) میں سے اس کو حصہ ملے گا- اور جو شخص بری بات کی سفارش کرے تو اُس (کے عذاب) میں سے اس کا حصہ ہوگا' اور اللہ ہر چیز کا نگران ہے۔"

اور اگر نیک کام کے لئے کسی نے سعی و سفارش کی' لیکن کام نہ ہوا تب بھی سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا- چنانچہ حضرتِ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس جب کوئی ضرورت مند آتا تو حضور ﷺ پاس بیٹھنے والوں سے فرماتے:

"(اس کی) سفارش کرو- تُم کو ثواب ملے گا- اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے جو چاہتا ہے وہی نکلواتا ہے" (اللؤلؤوالمرجان:۲۰۳'۲۰۲/۳)

سفارش کے جواز کی شرط یہ ہے کہ جب ضرورت مند کا حق ضائع ہو رہا ہو' یا ضائع ہونے کا اندیشہ ہو' یا کسی سے اِستفادہ چاہتا ہو' تو اس کے لئے اَلبتہ سفارش کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی کا حق مارنے یا برباد کرنے' یا خدا کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کے لئے سفارش کی گئی تو یہ سفارش باطل اور بے سُود ہوگی- چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ○ (مائدہ:۲)

ترجمہ "اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو' اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کرو' اور اللہ سے ڈرتے رہو- بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔"

نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب حد کا مقدمہ کسی شرعی عدالت کے سامنے پیش ہو (اور کوئی سفارش کو آئے) تو سفارشی اور جس کے لئے سفارش کی جائے' دونوں پر خدا کی لعنت ہو۔" (مؤطا:۵۰'۴۹)

قیاس کی خرابی:

عقیدۂ توحید اور ذاتِ الٰہی کی کماحقہٗ معرفت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے جاہل

مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انبیاء اور صالحین سفارش کرنے اور معافی دلانے کے منصب پر فائز ہیں- اور جس طرح اِنسانوں میں وزیر کی سفارش کے بغیر بادشاہ کے یہاں کوئی کام نہیں بنتا' اسی طرح اِن فلاں اور فلاں کے بغیر اللہ تعالیٰ نہ دعائیں سنتا ہے' نہ عبادت قبول کرتا ہے- اور جب اللہ اور بندوں کے درمیان سفارش کا واسطہ حائل ہے' تو کتنے مسلمان ہیں جو اس سفارش پر بھروسہ کرکے دُنیا ہی میں ان اَنبیاء اور صالحین سے گناہ کی بخشش اور سفارش چاہتے ہیں- چنانچہ اُٹھتے بیٹھتے خالق کی بجائے مخلوق کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں: "یارسول اللہ! میری سفارش کیجئے' میرے گناہ معاف کیجئے- جس نے مجھ پر ظلم کیا اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں ــــ" "اے شیخ فلاں! اے خواجہ فلاں! خدا کے پاس میری سفارش کیجئے' اے غوث پاک! میں خدا کے حضور میں تمہارا وسیلہ چاہتا ہوں' خدا سے دعا کرو کہ میرا فلاں کام بن جائے-" (خدا کی پناہ)

اس فاسد عقیدے کے اندر دو خرابیاں نمایاں ہیں- اَول غیر اللہ کو پکارنا' اور اس سے فریاد کرنا' جو گناہِ کبیرہ اور سب سے بڑا شرک ہے- دوسرے خالق و مخلوق کو ایک سطح پر رکھنا اور یہ سمجھنا کہ پیغمبروں' فرشتوں' پیروں اور فقیروں کی سفارش کے بغیر خدا کے یہاں بھی کوئی کام نہیں بن سکتا' جیسے دنیاوی بادشاہ لشکر و سپاہ کے بغیر نہ حکومت کرسکتا ہے' اور نہ ہی کوئی شخص وُزراء اور شاہی کارندوں کا وسیلہ لئے بغیر اس کے دربار میں باریاب ہوسکتا ہے-

ہم نے پیشتر عرض کیا تھا کہ یہ ذہنیت تمام تر جہالت کی پیداوار ہے- اہل جاہلیت بھی بتوں کی پرستش یہ سمجھ کر کرتے تھے کہ قیامت کے دن وہ اللہ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے- جبکہ اس کے بالمقابل اِسلام نے روزِ اَول سے ان دیواروں کو ہمیشہ گرایا ہے' جسے مذاہب عالم نے اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حائل کیا ہے- اور یہ اِمتیاز صرف دِین اِسلام کو حاصل ہے جس نے یہ اعلان کیا کہ باری تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں کسی وسیلہ کے بغیر سنتا ہے اور قبول بھی کرتا ہے- اس کو کسی سفارشی اور واسطہ کی حاجت نہیں- کوئی معمولی اِنسان بھی اس کو جب اور جہاں چاہے' یا اللہ! کہہ کر پکارے تو وہ اس کی بھی ضرور سنے گا- اس لئے کہ وہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے- چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○ (بقرہ:۱۸۶)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں قریب ہی ہوں- جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں' تو ان کو چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں' تاکہ سیدھا راستہ پائیں-"

نیز فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ○ (غافر:۶۰)

ترجمہ "اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو' میں تمہاری درخواست قبول کروں گا' بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں' وہ عنقریب ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے-"

ایک شبہ کا ازالہ:

اگر کوئی یہ کہے کہ تم ایک طرف اولیاء اور صالحین کی شفاعت کا انکار کرتے ہو' اور دوسرے طرف مومن کی دُعا کو وسیلہ مانتے ہو' اور اس کو جائز سمجھتے ہو- جب کہ دُعا بھی ایک قسم کی سفارش ہے- پھر ایک جائز اور ایک ناجائز کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سفارش اور دُعا میں زمین آسمان کا فرق ہے- ایک فرق تو یہ ہے کہ وسیلہ کی بحث میں تفصیل سے گزرا کہ دُعا کرنا اور دُعا کا وسیلہ لینا کتاب و سنت سے ثابت ہے- چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے:

وَالَّذِينَ جَآءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَااغْفِرْلَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ○ (حشر:۱۰)

ترجمہ "اور جو ان مہاجرین کے بعد آئے' دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے گناہ معاف فرما-"

حضرتِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عمرہ کی اجازت مانگی- آپ نے

اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

"میرے بھائی! اپنی دعا میں مجھے نہ بھولنا" ــ ایک دوسری روایت یوں ہے کہ "اے بھائی! اپنی دعا میں مجھے بھی شریک رکھنا" (ترمذی /۱۰۹)

اور یہ حقیقت ہے کہ دین کے بارے میں حضور ﷺ کا ہر قول و عمل' دستور اور قانون ہے- لہٰذا آپ نے اپنے اس ارشاد سے اُمت کو یہ تعلیم دی کہ وہ اسی طرح اپنے لئے اپنے مومن بھائیوں سے دعا کی درخواست کریں- تاکہ اہل ایمان کی دعائیں ایک دوسرے کے لئے وسیلہ بنیں- اور خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک دوسرے سے دعا کی درخواست کا رواج آج بھی بدستور موجود ہے-

دوسرا فرق یہ ہے کہ کسی مومن سے دعا کی درخواست اس کی زندگی میں کی جاتی ہے اور دعا کی درخواست کرنا ایسا ہے' جیسے روپے پیسے' یا کھانے پینے کی درخواست کی جاتی ہے- اور یہ بات نہ خلافِ عقل ہے' نہ شرعاً منع ہے- لیکن کسی مُردہ سے دُعا کی درخواست کرنا' اولیاء اور صالحین کو پکارنا' ان سے فریاد کرنا' ان سے سفارش اور شفاعت چاہنا نہ صرف حرام ہے بلکہ عقل کے خلاف بھی ہے' اور اس کا کرنے والا کافر مشرک ہے-

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک و بدعت سے محفوظ رکھے اور رُسوم و خرافات سے پاک رکھے-

آخرت کی شفاعت کا حکم:

اب تک یہ عرض کیا گیا کہ اہل بدعت وضلالت کی یہ خام خیالی اور جہالت ہے کہ وہ انبیاء اور صالحین کی شفاعت کو بہانہ بنا کر عمل سے فارغ ہوچکے ہیں' لیکن جاننا چاہئے کہ شفاعت کا یہ حکم دنیا سے متعلق ہے- رہی آخرت کی شفاعت تو اس میں شک نہیں کہ دنیا اور آخرت کی شفاعت میں زمین آسمان کا فرق ہے- چنانچہ اَدنیٰ درجہ کا مسلمان بھی جانتا ہے کہ حکم اور اقتدار اس روز صرف باری تعالیٰ کا ہوگا- اس لئے وہاں شفاعت صرف اللہ کے حکم سے ہوگی' اور خالص موحدوں کے لئے ہوگی' مشرکوں کو اس شفاعت سے ذرہ برابر فائدہ نہ ہوگا- چنانچہ اس روز کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

وَمَآ اَدْرٰكَ مَايَوْمُ الدِّيْنِ' ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَايَوْمُ الدِّيْنِ' يَوْمَ لَا تَمْلِكُ

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ○ (اِنفطار:۱۷تا۱۹)

ترجمہ "اور تم کو کچھ معلوم ہے کہ وہ روزِ جزا کیا ہے؟ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم کو کچھ معلوم ہے کہ وہ روزِ جزا کیا ہے؟ وہ ایسا دن ہے کہ اس دن کوئی شخص کسی کے معاملہ میں کچھ اِختیار نہیں رکھے گا' اور اس دن حکومت (تمام تر اللہ کی ہوگی۔"

قیامت کے روز تمام دنیاوی وسائل جیسے' خرید وفروخت' دوستانہ تعلقات اور سفارشات سب منقطع ہوں گے' اور کل اُمور صرف اللہ کی اجازت اور مرضی کے تابع ہوں گے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کی اجازت سے متعدد قسم کی شفاعت بھی ہوگی۔ لیکن اس کی صورت اور نوعیت دنیا سے مختلف ہوگی۔ آسانی اور سہولت کے لئے ہم آخرت سے متعلق اس شفاعت کو دو قسم میں تقسیم کرتے ہیں۔ (۱)منفی شفاعت 'جو بے سود اور لا حاصل ہوگی۔ (۲)مثبت شفاعت' جو مفید اور سُود مند ہوگی۔

منفی شفاعت کی صورتیں:

۱۔ اہل جاہلیت جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں' قیامت کے دن وہ اللہ کے یہاں اُن کی سفارش کریں گے۔ اسی طرح اہل بدعت اور ضلالت جو یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتے' نبی' رسول' اولیاء اور صالحین یا کسی اور کی شفاعت ان کو حاصل ہوگی۔ ان ہر دو شفاعتوں کا آخرت میں کوئی وجود نہ ہوگا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ' قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ' قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ○ (زمر:۴۳' ۴۴)

ترجمہ "کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنالئے ہیں۔ (ان سے) کہو کہ اگرچہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ کچھ سمجھتے ہوں (اور ان سے) کہہ دو کہ سفارش تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے۔"

نیز جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر فرضی معبودوں' دیوی دیوتاؤں اور شجر و حجر کو پوجتے ہیں' وہ کھلا ہوا کفر اور شرک کرتے ہیں۔ اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ○ (مدثر:۴۸)

ترجمہ "اور اگر بالفرض کوئی سفارش کرے گا' تو یہ ان کو کچھ نفع نہ دیگی۔"

باری تعالٰی فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ (بقرہ:۱۲۳)

ترجمہ "اور اُس دن سے ڈرو' جس دن کوئی شخص کسی کے کام نہ آئے گا' اور نہ کسی کے حق میں کوئی سفارش سنی جائے گی' اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا' اور نہ لوگوں کو کسی طرح کی مدد پہنچ سکے گی۔"

۲- اس روز اللہ تعالٰی کی عظمت و کبریائی کا یہ حال ہو گا کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کے لئے اس کے سامنے زبان کھولے۔

مَنْ ذَا الَّذِىْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ○ (بقرہ:۲۵۵)

ترجمہ "کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کرے۔"

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ○ (انبیاء:۲۸)

ترجمہ "اور وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے' مگر ہاں اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو۔"

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○ (نجم:۲۶)

ترجمہ "اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی' مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور سفارش پسند کرے۔"

۲- مثبت سفارش: اِس شفاعت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱)پیغمبر علیہ السلام کی سفارشات' (۲)آپ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء' اولیاء اور صالحین کی سفارشات۔

حضورِ اکرم ﷺ کو قیامت کے دن متعدد قسم کی سفارشات کا حق حاصل ہو گا۔ ان میں سب سے بڑی سفارش اس وقت ہوگی جب آپ ﷺ مقامِ محمود پر جلوہ گر ہوں گے' اور لوگوں کو میدانِ حشر میں کھڑے رہنے کی تکلیف سے بچائیں گے۔ یہ شفاعت عظمٰی' تنہا رسالتماب

ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ○ (اِسراء:۷۹)

ترجمہ "اور کچھ رات رہے تہجد کی نماز پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے مزید عمل ہے۔ اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تُم کو مقامِ محمود میں پہنچائے گا۔"

صحیحین میں اس سفارش کا ذکر بڑی تفصیل سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے کہا:

"حضور ﷺ کی خدمت میں ایک روز گوشت لایا گیا۔ حضورؐ کو چونکہ دست کا گوشت پسند تھا، اس لئے پورا دست پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر کھانا شروع کیا۔ پھر فرمایا: میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تُم کو علم ہے کس وجہ سے ایسا ہوگا (صورت یہ ہوگی کہ) خدائے تعالیٰ قیامت کے دن سب اگلے پچھلوں کو ایک ہموار میدان میں جمع کرے گا۔ منادی کی آواز سب کو سنائی دے گی اور ہر شخص کی نگاہ (یا خدائے تعالیٰ کی نظر) سب کے پار جائے گی۔ (یعنی میدان بالکل ہموار ہوگا) اُس وقت لوگوں کو ناقابل برداشت غم و اِضطراب ہوگا، اس لئے ایک دوسرے سے کہیں گے، کیا تُم کو نہیں معلوم کہ تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تُم کو نہیں معلوم کہ تمہارا غم و اضطراب کس حد تک پہنچ گیا ہے؟ لہٰذا ایسا کوئی شخص دیکھو جو تمہاری سفارش کر دے۔

مشورہ کے بعد طے ہوگا کہ چلو آدم علیہ السلام کے پاس چلیں۔ سب آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تمام اِنسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کو خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، اور اپنی رُوح آپ کے اندر پھونکی ہے، اور فرشتوں کو حکم دے کر آپ کو سجدہ کرایا ہے۔ پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں، اور ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے، آج میرا پروردگار اتنا غضبناک ہے کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا، اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ مجھے اُس نے درخت سے منع کر دیا تھا۔ مگر میں نے اس کی نافرمانی کی۔ (آہ) نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ آپ زمین میں خدا کے سب سے پہلے رسول ہیں۔ آپ کا نام خدا نے شکر گزار بندہ رکھا ہے۔ (آج) پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حال میں ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ

ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے' آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا' نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ میں نے اپنی قوم کے لئے بد دُعا کی تھی۔ (جس سے وہ تباہ ہوگئی) (آہ) نفسی! نفسی! تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ ــــ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاکر عرض کریں گے' آپ خدا کے نبی ہیں' اور زمین والوں میں سے خدا کے خلیل بھی ہیں۔ پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے' آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا' اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی خطا اور لغزش کو یاد کرکے فرمائیں گے' (آہ) نفسی! نفسی) تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ (اچھا) تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ــــ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاکر عرض کریں گے' آپ خدا کے رسول ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے (زبانی) پیغام اور ہمکلامی کے سبب آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز فرمایا۔ (آج) پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے' آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا' اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ میں نے بلا حکم ایک شخص کو قتل کر دیا تھا (آہ) نفسی! نفسی! تم لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ــــ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاکر عرض کریں گے۔ آپ رسول اللہ ہیں کلمۃ اللہ ہیں' روح اللہ ہیں۔ آپ نے (شیر خوارگی ہی میں) جبکہ آپ جھولے میں تھے' بات چیت (بطور معجزہ کے) کی ہے۔ آج پروردگار سے ہماری سفارش کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ چکی ہے؟ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے' آج میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ نہ اس سے قبل اتنا غضبناک ہوا' اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے قصور کا ذکر نہیں کریں گے' اور فرمائیں گے' (آہ) نفسی! نفسی! تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ تم محمد کے پاس جاؤ! ــــ لوگ میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے' محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ رسول خدا ہیں' خاتم الانبیاء ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے قصور معاف فرما دیئے ہیں۔ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ ہم کس حالت میں ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ ہماری تکلیف کس حد تک پہنچ گئی ہے؟ ــــ

میں جاکر عرش کے نیچے پہنچوں گا' اور پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر پڑوں گا' پھر خدائے تعالیٰ (میرے سینے میں) کشائش پیدا کرے گا' اور اپنی ایسی بہترین حمد و ثنا میرے دل میں اِلقاء کرے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے دل میں اِلقاء نہ کی گئی ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد فرمائے گا: ”محمد! سر

اُٹھاؤ' سوال کرو' پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو' قبول کی جائے گی۔" میں سر اُٹھا کر عرض کروں گا' یارب! اُمتی اُمتی! حکم ہوگا' تمہاری اُمت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں ہے' ان کو جنت کے دائیں طرف والے دروازہ سے داخل کرو۔" یہی نہیں' بلکہ جنت کے باقی دروازوں میں وہ اور لوگوں کے ساتھ شریک بھی رہیں گے۔ (حضور ﷺ نے) فرمایا: "قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں محمد کی جان ہے' جنت کے دروازہ کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور هجر کے درمیان یا مکہ اور بصریٰ کے درمیان فاصلہ ہے۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۱/۴۹' ۵۱)

● ـــ شفاعت کبریٰ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش پر آپ ﷺ کی اُمت کی ایک بڑی تعداد بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوگی۔

● ـــ علاوہ ازیں حضور ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی اُمت میں سے ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ جہنم سے نجات دے گا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"ہر نبی کی ایک دُعا خصوصی طور پر قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر پیغمبر نے اِس دُعا میں جلدی کرلی ہے۔ مگر میں نے قیامت کے روز اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے اس دُعا کو بچا رکھا ہے۔ میری اُمت میں سے جو شخص غیر مشرک مرے گا' خدا نے چاہا تو اس دُعا کا فائدہ اس کو پہنچے گا۔"

(اللؤلؤ والمرجان ۱/۵۱)

مثبت سفارشات کی دوسری قسم وہ ہے جو ملائکہ' حضور ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء علماء' شہداء اور صالحین کی طرف سے باری تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

فرشتوں کی شفاعت کا ثبوت یہ آیت ہے:

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ○ (نجم:۲۶)

ترجمہ: "اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی' مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور سفارش پسند کرے۔"

"وہ کسی کی سفارش نہیں کرسکتے۔ مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو۔ اور وہ اسکی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ (انبیاء:۲۹)

انبیاء' علماء اور شہداء کی سفارش کا ثبوت قرآن پاک کے عموم اور پیغمبر علیہ السلام کے خصوصی ارشادات سے ہوتا ہے- آیات یہ ہیں-

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ○ (مدثر:۴۸)

ترجمہ "تو اس حال میں سفارش کرنیوالوں کی سفارش ان کو کچھ نفع نہ دے گی-"

- لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ (مریم:۸۷)

ترجمہ "(اس دن) لوگ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے' مگر ہاں وہی جس نے (خدائے) رحمٰن سے عہد لیا ہو-"

مَنْ ذَاالَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ○ (بقرہ:۲۵۵)

ترجمہ "کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی سفارش کرسکے؟-"

اِن آیتوں کے سیاق و سباق سے انبیاء کرام' علماء اور شہداء کی شفاعت کا ثبوت ملتا ہے- جبکہ احادیث مقدسہ میں اِن سے متعلق پوری صراحت ملتی ہے- چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن انبیاء' علماء اور شہداء (خدا کے حکم سے) شفاعت کریں گے-" (ابن ماجہ:۳۷/)

شہداء سے متعلق آپ ﷺ نے قدرے تفصیل سے فرمایا:

"شہید اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا-" ابو داؤد: ۱۷/۲)

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک بھی اپنے پڑھنے والے کے حق میں شفاعت کرے گا- چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے رہو' اس لئے کہ قیامت کے روز یہ بھی اُن کی سفارش کرے گا جو اس کی تلاوت کرتے تھے-" (مسلم: ۱۹۷/۲)

لیکن جملہ سفارشات سے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سفارشات تب ہی مفید ہوں گی جبکہ:

۱- سفارش کرنے والے کو باری تعالیٰ کی طرف سے اجازت حاصل ہوگی- باری تعالیٰ

کی اجازت کے بغیر کوئی نبی اور رسول بھی سفارش نہیں کر سکیں گے- اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے-" (بقرہ:۲۵۵)

یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بارے میں خبر دی کہ آپ ﷺ قیامت کے روز خدا کے حضور میں پہلے سجدہ میں گر کر اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کریں گے' نہ کہ پہلے سے شفاعت کریں گے- چنانچہ سجدہ اور حمد وثناء کے بعد آپ ﷺ سے کہا جائے گا: "اپنا سر اُٹھاؤ اور کہو' سنا جائے گا- سوال کرو' دیا جائے گا' شفاعت کرو' قبول کی جائے گی-" (اللولو والمرجان ۵۱'۴۹/۱)

۲- جس شخص کے قول اور عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہو گا' اسی سے متعلق شفاعت قبول بھی ہو گی- چنانچہ فرمایا: "وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکیں گے' مگر ہاں' اس شخص کی جس سے اللہ راضی ہو-" (نجم:۲٦)

۳- مشرک اور کافر' جو شرک اور کفر کی حالت میں مرگئے' ان کے متعلق کسی قیمت پر شفاعت قابل سماعت نہ ہو گی- اس لئے کہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے- چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ (بینہ:٦)

ترجمہ "اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں' وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے- یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں-"

اس لئے بندے پر لازم ہے کہ کسی اور سے شفاعت کا طالب نہ ہو' صرف باری تعالیٰ سے اس کا طلبگار بنے- اس لئے کہ باری تعالیٰ جس سے راضی ہو گا' اور جس کی سفارش قبول فرمائے گا' شفاعت اسی کے لئے سُود مند ہو گی- باری تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ○ (زُمر:۴۴)

ترجمہ "(ان سے) کہدو کہ سفارش تو تمام تر اللہ کے اختیار میں ہے-"

جو شخص یہ چاہے کہ حضور ﷺ کی شفاعت اسے بھی نصیب ہو' اسے چاہئے کہ خدا سے یوں دُعائیں کرتا رہے:

● اَللّٰهُمَّ شَفِّعْ فِيَّ نَبِيَّكَ

(ترجمہ) "اے اللہ! اپنے پیغمبر کی شفاعت کی سعادت مجھے نصیب فرما-!"

● اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَفَاعَةَ نَبِيِّكَ

(ترجمہ) "خدایا! اپنے پیغمبر کی شفاعت مجھے بھی عنایت فرما-"

يَا رَبِّ اجْعَلْنِيْ مِمَّنْ تُشَفِّعُ فِيْهِمْ نَبِيَّكَ-

(ترجمہ) "خدایا! جن سعادت مندوں کو تیرے نبی کی شفاعت نصیب ہوگی- مجھے بھی اُن میں شامل فرما-!"

نیز یہ ضروری ہے کہ خدا سے دُعا کے ساتھ ساتھ اُن اعمال کی شدت سے پابندی کرے جن کے سبب شفاعت نصیب ہوگی- خصوصیت کے ساتھ اِن تین اعمال کا کرنا ضروری ہے:

۱- توحید ربوبیت' توحید الوہیت' اور اسماء و صفات کی توحید کا اقرار' شرک سے کامل پرہیز' اور جذبہ اخلاص کے ساتھ خدا کی عبادت اور بندگی-

اِس لئے کہ "حضرت ابوہریرہ ؓ نے آپ (ﷺ) سے عرض کیا' آپ کی شفاعت کی سعادت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خالص دل سے کہا ہو-" (بخاری:۱/۳۵)

۲- نمازوں کی پابندی اور کثرت

اس لئے کہ "ایک صحابی نے عرض کیا' حضور ﷺ! میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں- آپ ﷺ نے فرمایا: "سجدہ کی کثرت سے تُم میری مدد کرو' (تمہیں میری رفاقت نصیب ہوگی-" (مسلم: ۲/۵۲)

۳- دُرود شریف کی کثرت' اور حضور ﷺ کے لئے وسیلہ کی دُعا مانگنا-

حضرت عبداللہ ؓ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اُنہوں نے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"جب تُم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو تُم بھی ویسے ہی کہو' جیسے مؤذن کہتا ہے- اس کے بعد مجھ پر دُرود بھیجو' اس لئے کہ جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا' اللہ اس پر دس مرتبہ دُرود

بھیجے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو۔ اس لئے کہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ کا نام ہے' جو صرف ایک ہی بندے کو ملے گا۔ اور مجھے اُمید ہے کہ وہ ایک بندہ میں ہوں گا۔ پس جو شخص میرے لئے (اللہ سے وسیلہ مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔" (مُسلم: ۴/۲)

آثار اور تبرکات:

وسیلہ اور شفاعت کی طرح جس چیز نے مسلمانوں کے دِین و اِیمان کو تباہ اور ان کی سرگرم زندگی کو معطل کر رکھا ہے' عرفِ عام میں اسے بزرگوں کے آثار اور تبرکات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بعض اِسلامی اور مُسلم ملکوں کو چھوڑ کر جہاں علماء کرام کی کامیاب مساعی نے شرک و بدعت کی وبا پر قابو پالیا ہے۔ عالم اِسلام میں قدم قدم پر یہ حال ہے کہ تبرکات' بزرگوں کے آثار' مُوئے مبارک' جبہ مبارک کے نام سے درختوں' پتھروں' غاروں' مزاروں' بالوں اور کپڑوں کو پوجا جارہا ہے' اُن کا وسیلہ لیا جاتا ہے' اُن سے شفاعت کی اُمید کی جاتی ہے' خدا کی بجائے ان سے فریاد کی جاتی ہے' اور ان کا اس حد تک احترام کیا جاتا ہے کہ فرائض و واجبات بھی ان کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اب تک ہم نے وسیلہ اور شفاعت سے متعلق عوام میں پھیلے ہوئے غلط عقائد اور فاسد خیالات کی اصلاح کے لئے بساط بھر کوشش کی۔ آئندہ سطروں میں "تبرکات" کے نام سے اُمت کے اندر پھیلی ہوئی بدعات و خرافات کو مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے' تاکہ مسلمانوں کے اندر سے بدعقیدگی کا قلع قمع ہو' اور نیک اور صالح عقائد اس کی جگہ پیدا ہوں۔

لغوی معنیٰ:

تبرک کے معنیٰ ہیں۔ "کسی سے برکت حاصل کرنا۔ فال اور شگون لینا' افزائش اور نیک بختی چاہنا۔ لفظ "تَبَرُّکَ" کا مادہ "بُرُوْكٌ" ہے' جو بُرُوْكُ الْبَعِيْرِ" سے ماخوذ ہے۔ یعنی اُونٹ کا بیٹھنا' اُونٹ کسی جگہ جم کر اور ایک خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تبرکات کے اندر عزت اور برکت کی صفت نمایاں ہوتی ہے' اس لئے ان کو تبرک کہا جاتا ہے۔

شرعی معنیٰ:

بعض چیزوں کے اندر باری تعالیٰ دائمی طور پر خیروبرکت ودیعت فرماتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام برکت ہے۔ جیسے: ابتدائے آفرینش سے شام کے خطہ میں اللہ نے خیر[1] و برکت پیدا فرمائی، حضرتِ عیسیٰ مسیح[2] کو بابرکت، اور قرآن پاک[3] کو بڑی خوبیوں والا بنایا۔

قنوت کی دُعائے ماثورہ میں یہ الفاظ ہیں:

وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ۔ ○ (ترمذی)

ترجمہ: "اور جو نعمت تو نے مجھے دی ہے، اس میں برکت عطا فرما۔"

---

[1] چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ○ (أنبیاء:۷۱)

ترجمہ: "اور ابراہیم کو اور (انکے ساتھ انکے بھتیجے) لوط کو دشمنوں سے نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جس میں ہم نے لوگوں کیلئے برکتیں رکھی تھیں۔"

[2] وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ (مریم:۳۱، ۳۲)

ترجمہ: "اور اس نے مجھے بابرکت بنایا، خواہ میں کہیں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا (کہ) جب تک زندہ رہوں (یہ کام کرتا رہوں) اور اس نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا، اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔"

[3] كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ ○ (ص:۲۹)

ترجمہ: "یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا کہ....."

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ خیرو برکت طلب کرنا ایک مستحسن فعل ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں منجانب اللہ ہوتی ہیں۔ اور کون بندہ ایسا ہوگا' جو نعمت خداوندی کا محتاج نہیں؟

لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں بابرکت چیزیں کیا ہیں؟ اور ان سے برکت کیونکر لی جاسکتی ہے؟

● بابرکت چیزیں:

برکت اُن چیزوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ جنہیں شریعت نے بابرکت ٹھہرایا ہے' اور شارع نے ان سے برکت لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ جیسے: خانہ کعبہ' آب زمزم۔ جن کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

"زمزم مبارک ہے۔ سیر کر دینے والی غذا بھی ہے' اور شفا بخش دوا بھی۔" (مسلم: ۷/۱۵۲' ۱۵۴)

تین مسجدیں: (مسجد حرام' مسجد نبوی اور مسجد اَقصیٰ) جن کی طرف سفر کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ اُن تمام مسجدوں کی زیارت بھی مستحب اور باعث برکت ہے جنہیں خدا کی یاد اور اس کی بندگی کے لئے تعمیر کیا گیا۔ حجاز اور شام کی سرزمین تلاوت اور ذِکر کے حلقے علم کی مجلسیں' سفرو حضر میں صالحین کی رفاقت' اور ان سے دُعا کی درخواست۔ اِن سب میں اللہ تعالیٰ نے برکت ودیعت فرمائی ہے۔

● حصولِ برکت کی صورتیں:

○۔ خانہ کعبہ: اس کا حج و عمرہ اور طواف کرنا' حجر اسود اور رُکن یمانی کا بوسہ لینا' اس کے جوار میں بیٹھنا' دُعائیں کرنا۔

○۔ آبِ زمزم: اس کو پینا' سر پر بہانا' پی کر دُعا کرنا۔

○۔ تین مساجد: اِن کی زیارت کرنا' وہاں نمازیں ادا کرنا' اِعتکاف اور ذِکرو تلاوت کرنا۔

○۔ دیگر مساجد: اِن مسجدوں میں بار بار آنا جانا' نمازیں پڑھنا' تسبیح و تلاوت میں

مشغول ہونا' تعلیم کے حلقے آباد رکھنا۔

○- **آراضی مقدسہ:** حسن اَخلاق اور نیک کردار کے ساتھ ان کی سرزمین پر سکونت اِختیار کرنا' اور مر کر وہیں پیوند خاک ہونا۔

○- **مجالس صالحین:** اہل علم اور صاحب دل بزرگوں کی مجلسوں میں بیٹھنا' ان سے اِیمان و یقین' دعوت وارشاد' اور تقویٰ اور پرہیز گاری کی تعلیم لینا' ان کی پند و نصیحت سننا' اور اس پر عمل کرنا' ان سے دُعاؤں کی درخواست کرنا۔

حصولِ برکت کی یہ صورتیں مشروع ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ذیل کی ہدایات کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے:

۱- مشروع ہونے کے باوجود اِس عمل کی حیثیت مستحب کی سی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۲- حصولِ برکت کی نیت سے کسی مکروہ یا حرام فعل کا ارتکاب کسی صورت جائز نہیں' بلکہ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ نفع کے حصول سے زیادہ مضرت کو دفع کرنا اہم ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفہ' راشد' امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' جن کی پیروی ازرُوئے شرع ہر مسلمان پر لازم ہے۔ آپ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ عقیدہ توحید کی حفاظت کے لئے آپ نے مکہ کے راستے پر واقع حدیبیہ کے اُس درخت کو کٹوا دیا جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ آپ کی دُور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اگر یہ درخت موجود رہا تو لوگ نہ صرف برکت کے حصول کے لئے ہمیشہ اسے گھیرے رہیں گے' بلکہ جس طرح نوح کے زمانے سے آج تک ہر دور اور ہر ملک میں شجر و حجر کی پرستش کی گئی' وہ دن دُور نہیں کہ اس درخت کی بھی باقاعدہ پرستش ہوگی۔

۳- آج کل کے جاہلیت پسند مسلمانوں میں مزاروں کی زیارت' عرس' اور میلوں ٹھیلوں میں شرکت کا جو رُجحان عام ہے' اور جس کی بدولت درگاہیں تجارتی منڈیاں بنتی جارہی ہیں' مُردوں سے مُرادیں مانگی جاتی ہیں' اور درگاہوں کی چوکھٹ پر جانورون کے ریوڑ کے ریوڑ ذبح کئے جاتے ہیں' دیکھا جائے تو اس سب کی تہہ میں درحقیقت اسی تبرک' شفاعت اور وسیلہ کا نام نہاد عقیدہ کار فرما ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے عرض کیا' جس چیز پر شرک اور کفر کا سایہ ہوگا'

اِسلام میں اس کی حیثیت باطل اور مَرْدُود ہوگی۔

۴- ابھی ابھی گذرا کہ بزرگانِ دِین کی مجلسیں بھی بابرکت ہوتی ہیں' اور ان سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے مُراد وہ بزرگ ہیں جن کے اندر علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری کے اوصاف نمایاں ہیں۔ ورنہ جس کے اندر یہ اوصاف نہ ہوں گے' اس کی ذات نہ تو بابرکت ہوگی' نہ ہی بزرگ کہلانے کا وہ مستحق ہوگا۔

۵- جو شخص خود ولی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' اور لوگوں سے اس کا اعتراف کراتا ہے' اور اس ولایت کی آڑ میں محض دُنیاوی جاہ و منصب' مال و دولت' اور شخصی منفعت کا حصول چاہتا ہے۔ ایسا شخص ولی کامل نہیں' دَجال ہے۔ اس کی ہم نشینی اور اس کا احترام تو درکنار' اس سے کسی قسم کی برکت کی توقع رکھنا بھی حماقت اور گناہ ہے۔ اس لئے کہ ولایت کی ہوا بھی ایسوں کو چھو کر نہیں گذرتی۔

● وِلایت و کرامت:

وِلایت و کرامت منجملہ ان چیزوں سے ہے جن کا عقائد سے براہِ راست تعلق ہے۔ وِلایت اچھی اور بری دونوں قسم کی ہوتی ہے۔ آسانی اور سہولت کے لئے پہلی قسم کو "رحمانی ولایت" اور دوسری قسم کو "شیطانی ولایت" کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کرامت ایک اعزاز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور پرہیز گار بندوں کو نوازتا ہے' تو شعبدہ بازی' جادوگری اور کہانت سخت قسم کی ابتلاء اور آزمائش ہے۔ جو اس میں پڑتا ہے ناکام ہوتا ہے' اور اس کے لئے دائمی عذاب یقینی ہے۔

ولایت و کرامت اور ان کی اقسام سے ناواقفیت نے اُمت کے اندر فساد اور گمراہی کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ بنا بریں ہردو موضوع پر تفصیلی بحث ضروری ہے۔ یہ اس لئے بھی کہ پاکیزہ اعتقاد مومن کی سب سے بڑی دولت اور اُس کی کل پونجی ہے۔ جسے یہ دولت میسر ہوگی' وہ دُنیا اور آخرت میں سرخرو ہوگا' ورنہ ناکامی اس کا مقدر ہوگی۔

● وِلایت کیا ہے:

وَلِيَ' يَلِيْ' وَلْيًا' وَ وِلَايَةً کے معنٰی "قُرب و نزدیکی" ہیں۔ یہ قُرب مقام'

نسب' دین' اعتقاد' محبت اور نصرت غرض ہر اعتبار سے ہو سکتا ہے۔
وَالَی' مُوَالَاۃً کے معنی بھائی چارگی اور معاونت کے ہیں۔ اس کی ضد عداوت ہے یعنی دشمنی۔
تَوَلّی' تَوَلِّیَۃً کے معنی حفاظت' نگرانی اور حکومت کے ہیں۔ "وَلِیٌّ" کے معنی "دوست" کے ہیں۔ "عَدُوٌّ" اس کی ضد ہے۔ وِلایت کا شرعی معنی بھی یہی ہے۔ یعنی دوست' محبوب' محب' عزیز' محافظ' مددگار' اور حاکم۔ وِلایت کی نسبت باری تعالیٰ اور اس کے بندوں' ہر دو طرف ہوتی ہے۔ پہلی صورت میں ولایت کا مفہوم یہ ہوگا کہ باری تعالیٰ جس طرح بندوں کی جسمانی پرورش کرتا ہے' اسی طرح ان کی رُوحانی تربیت بھی فرماتا ہے۔ انہیں کفر اور گناہوں کی اندھیریوں سے نکال کر اِسلام اور نیکیوں کے اُجالے میں لاتا ہے' اور دِین دُنیا کی کامرانی کی راہیں ان پر کھولتا ہے۔ بندوں میں جو سعید رُوحیں ہوتی ہیں وہ اپنے پروردگار کی ان نعمتوں کی قدر کرتی ہیں' اور اِیمان و تقویٰ کی زندگی کو اپنا کر خدا کا تقرب اور اس کی وِلایت کو پالیتی ہیں۔ اس دولت کے حصول کے بعد بندہ کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہو جاتا ہے' اور وہ بندہ کا دوست اور مددگار بن جاتا ہے۔ اس کے برخلاف کافروں کا یہ حال ہے کہ شیطان ان کا مددگار ہوتا ہے۔ وہ ان کو کفر اور گناہوں کی اندھیریوں میں دھکیل دیتا ہے' اور اس کے نتیجہ میں دوزخ ان کا دائمی ٹھکانا قرار پاتا ہے۔
باری تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (بقرہ:۲۵۷)

ترجمہ "اللہ اِیمان والوں کا دوست (اور مددگار ہے) وہ اُنہیں (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر اِسلام کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں۔ وہ انہیں (ہدایت کی) روشنی سے نکال کر (گمراہی کی) تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔"

بندوں کی ولایت یہ ہے کہ جس طرح اس نے اپنی رحمتوں کی ان پر بارش برسائی' یہ اس پر ایمان لائیں۔ ضروری عقائد کی تصحیح کرکے فرائض و واجبات کی مکمل پابندی کریں۔ ہروقت اللہ کے ذکر اور اس کی خوشنودی کے حصول کی فکر میں منہمک رہیں۔ خدا کے دوست کے دوست' ان کے دوست' اور خدا کے دشمن' ان کے دشمن رہیں' اور ان کی پوری زندگی اس انداز سے گذرے کہ جب ان کی صورت پر نظر پڑے تو بس اللہ یاد آئے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ' اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ' لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ' ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (یونس: ۶۳ تا ۶۴)

ترجمہ "یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کچھ خوف ہوگا' اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں ــــ یہی بڑی کامیابی ہے۔"

● جامع صورتِ حال:

خدا اور بندگان خدا کے درمیان جامع ترین ــــ صورتِ حال یہ ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ جو مولائے کل اور لائق ستائش ہے۔ اور بندہ جو وفاشعار اور اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ یکساں طور پر اپنے رب کے لئے دوستی اور دشمنی کرے۔ باہم ربط' تعاون' جدائی اور عداوت صرف اس کے لئے کرے۔

ایمان اور تقویٰ بندوں کی ولایت کی شان ہے۔ اس لئے جس درجہ کا ایمان ہوگا' اسی مرتبہ کی ولایت نصیب ہوگی۔ بنا بریں معمولی درجہ کا ایمان جو ضروری عقائد کی درستی' اور بنیادی اعمال کی بجا آوری کا نام ہے' یہ جسے میسر ہو اسے ادنیٰ درجہ کی ولایت ملتی ہے' اور یہ ہر مومن کو حاصل ہونی چاہئے۔ اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہے تو اعلیٰ درجہ کی ولایت ملتی ہے۔ اس کو "وِلایت خاصہ" کہتے ہیں' اور جو اس سے موصوف ہو' اس کو "ولئ کامل" کہتے ہیں۔ اس ولایت کی خصوصیت ہے کہ یہ جسے حاصل ہوتی ہے اس کی زندگی اللہ کے لئے دوستی

اور اللہ کے لئے دشمنی کا نمونہ ہوتی ہے۔ عقائد' عبادات' سیرت و اخلاق' غرض' ہر موڑ پر اس کی زندگی خدا اور اس کے رسول کے فرمان کے تابع ہوتی ہے' اور یہی وِلایت اور خدا اور اس کے رسول سے محبت کا یہی وہ معیار ہے جس سے کھرے کھوٹے کی پرکھ ہوتی ہے چنانچہ جو شخص آنحضرت ﷺ کو اللہ کا رسول مانتا ہے' آپ سے محبت رکھتا ہے' اور دل و جان سے آپ کی پیروی کرتا ہے' تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے دعوٰی میں سچا ہے' اور جو ایسا نہیں وہ جھوٹا ہے۔

باری تعالٰی کا اِرشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ‘ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (آلِ عمران:۳۱)

ترجمہ "(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تُم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تُم سے محبت کرنے لگے گا' اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔"

خدا اور رسول کی پیروی' محبوبیت اور جسم و روح کی پاکیزگی کا مؤثر ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے جو شخص اِیمان اور عمل صالح کے بلند درجہ پر فائز ہوگا' اور شرک اور معصیت سے کلی پرہیز کرے گا خاصانِ خدا اور اَہل اللہ میں اس کا شمار ہوگا۔

● وِلایت کا فرق:

جیسا کہ عرض کیا گیا' ولی بمعنی دوست کا لفظ اللہ اور اس کے بندوں دونوں کے لئے یکساں مستعمل ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:اللہ اپنے خاص بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ یا یہ کہ مخصوص بندے اللہ کے دوست ہیں لیکن جس طرح صفات کی بحث میں گذرا کہ باری تعالٰی کی ہر صفت بندوں کی صفت سے مختلف ہوتی ہے' اسی طرح اس کی صفت ولایت بھی بندوں کی صفت کے مشابہ ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ حق تعالٰی اپنی ذات و صفات میں کسی کا محتاج نہیں' جب کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہی کائنات کی ساری چھوٹی بڑی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے۔

سورۂ اخلاص میں خالص اور کامل توحید کے ضمن میں جن چار صفات کا ذکر ہے' ان

میں ایک صفت "صمدیت" (یعنی شان بے نیازی) بھی ہے' جس کا مفہوم یہی ہے' اور اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے' جس میں ارشاد ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○ (اسراء:۱۱۱)

ترجمہ "اور کہہ دو کہ (لوگو) ہر طرح کی تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں شریک ہے' اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز اور ناتواں ہے' کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی بڑائیاں خوب بیان کرو۔"

اس کے بالمقابل بندے جملہ خلائق کی طرح ازل سے اپنے رب کے محتاج ہیں۔ ان کی زندگی اور زندگی کا ہر آرام اس کی رحمت کا صدقہ ہے۔ اس لئے کسی بندے کو باری تعالیٰ اگر دوست رکھتا ہے تو یہ بندے کا کمال اور احسان نہیں' کمال اس رب کا ہے جس نے دوستی کے لئے اس کو قبول کیا۔ رہی عبادت اور بندگی تو اس میں شک نہیں کہ بندہ اس کا محتاج ہے۔ خدا کو عبادت اور بندگی کی بھی حاجت نہیں۔ کوئی شخص اطاعت خداوندی میں ساری عمر کھپا دے اور اس فکر کے سوا اس کے دل میں تاحیات کوئی فکر نہ ہو' تب بھی اسے خدا کے سامنے اپنی بندگی جتلانے کا کوئی حق نہیں۔ ولایت کی بحث میں اس فرق کو ملحوظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔

● ولی:

ولایت کا مفہوم متعین ہو جانے کے بعد یہ جاننا آسان ہے کہ ولی کسے کہتے ہیں۔ ولی کی جمع "اولیاء" ہے۔ یہ لفظ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں اس سے مراد باری تعالیٰ کی احکم الحاکمین ذات ہے۔ جس سے زیادہ لائق ستائش اور قابل تعریف کوئی ذات نہیں۔ بصورتِ دیگر اس سے وہ ماتحت مراد ہے جس کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے۔ یعنی بندۂ مومن جو ضروری عقائد اور اعمال کی بجا آوری کے بعد باری تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس لئے کہ اس کا حافظ و ناصر خود باری تعالیٰ ہے جس نے اس کی اور سارے ہی نیک لوگوں کی کارسازی اور حفاظت کا وعدہ کیا ہے:

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ○ (اعراف
:۱۹۶)

"بلاشبہ میرا کارساز اللہ ہے' جس نے اس کتاب (یعنی قرآن) کو اُتارا ہے' اور وہ نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔"

ان اللہ والوں کا دنیا میں یہ حال ہوتا ہے کہ راہِ حق میں ان کو جو تکالیف پیش آتی ہیں' ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں' اور ان کو اپنے حق میں ترقی درجات کا سبب سمجھتے ہیں۔ حق و صداقت کے بڑے بڑے دشمنوں سے ٹکر لیتے ہوئے ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں ہوتی۔ ان کا اعتماد خالق کائنات کی نصرت پر ہوتا ہے' اس لئے بے تکلف پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ان کے لئے دنیوی زندگی میں خوشیاں اور خوش خبریاں ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت کے وعدے ہیں۔ اللہ کے ولیوں کے یہ فضائل ہیں' اور ہر دور اور ہر زمانے میں قرآنِ کریم کے اس آئینہ میں ان کے جمالِ جہاں آرا کا بخوبی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ' الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ' لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ' ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ○ (یونس:۶۲ تا ۶۴)

"یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں کے لئے نہ کچھ خوف ہوگا' اور نہ وہ غمگین ہوں گے(یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت (کی زندگی) میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔"

چونکہ خدا کے ان بندوں کا یہ شعار ہوتا ہے کہ جن سے خدا ناخوش ہوتا ہے' یہ ان کے دشمن بن جاتے ہیں اور جن سے خدا راضی ہوتا ہے. یہ ان کے دوست ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ ان کا ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ ان کا پیر بن جاتا ہے جس سے وہ چلتے ہیں۔ اور جب یہ اس کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں تو حق تعالیٰ ان کے ہاتھوں کو ہمیشہ شاد کام اور بامراد لوٹاتے ہیں۔

کرامت

کرامت کیا ہے؟:

اعزاز و اکرام اور عزت و شرافت کو "کرامت" کہتے ہیں- ولایت کی طرح کرامت کے بھی دو درجے ہیں-۱- کرامت عامہ- ۲- کرامت خاصہ-

۱- **کرامت عامہ:** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبھی اِنسانوں کو حسن صورت حسن قامت، قوتِ گویائی، عقل و تدبیر اور دولت احساس سے نوازا ہے- ظاہری اور باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں- ہر اِنسان اگر ان خوبیوں سے کام لے تو دنیوی اور اُخروی منفعت و مضرت کو سمجھ سکتا ہے- اچھے بُرے کے درمیان تفریق کرسکتا ہے- ترقی کے زینے طے کر سکتا ہے، اور جب بندہ ان خدا داد صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے تو دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر ان کو اپنے کام میں لگاتا ہے- خشکی میں جانوروں اور گاڑیوں پر، اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں سے سفر کرتا ہے- بے تکلف ہوا میں اُڑتا پھرتا ہے، انواع و اقسام کے لذیذ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیوی آسائش و رہائش کے اسباب سے مستفیض ہوتا ہے-

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي اٰدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً ۝ (اِسراء:۷۰)

ترجمہ "اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں، اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھا دیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر-"

۲- **کرامت خاصہ:** پہلی کرامت سے افضل ترین ہے- اس کرامت کے اہل وہ خوش نصیب افراد ہوتے ہیں جو اللہ پر اِیمان لا کر اس پر قائم رہتے ہیں- اخلاص اور صداقت کے ساتھ احکامِ الٰہی اور اس کے نواہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر عام مومنین کے زُمرہ

سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان اور اس کی راہ میں حائل ہونے والی ساری مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے زندگی بھر اس پر جمے رہنا اعلیٰ درجہ کی کرامت ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن جب کہ تمام لوگ تین جماعتوں میں بٹے ہوں گے۔ یہ حضرات مقربین سے کمتر لیکن عام مومنین سے بہت آگے عرشِ الٰہی کے داہنی طرف بلند مقام اور قربِ الٰہی سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ مَآ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ○ (واقعہ:۲۷)

ترجمہ "اور داہنی طرف والے (سبحان اللہ) داہنی طرف والے کیا ہی اچھے ہیں۔"

نیز فرمایا:

اَمَّآ اِنۡ کَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ ○ (واقعہ:۹۰'۹۱)

ترجمہ "اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو (کہا جائے گا) کہ تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام۔"

اصحاب یمین عمل کے لحاظ سے میانہ رو اور متوسط ہیں' نہ اعلیٰ درجہ کے اور نہ بہت خراب۔

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ ○ (فاطر:۳۲)

ترجمہ "پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ متوسط درجہ کے ہیں' اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔"

خدا کا وعدہ ہے کہ ان کے پاس رحمت کے فرشتے آکر انہیں تسلی اور جنت کی خوشخبری دیں گے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ' اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا

يَعْمَلُوْنَ ○ (احقاف:۱۳،۱۴)

ترجمہ "بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے' پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا' اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ جنت والے ہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اس کا بدلہ (ہوگا) جو وہ لوگ (دنیا میں) کرتے تھے۔"

ایمان واستقامت پر مبنی اعلیٰ اور سب سے مخصوص درجہ کی' کرامت وہ ہے جس میں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو بیش از بیش ایمان و تقویٰ سے نوازتا ہے۔

یہ ان کا گروہ ـــــ ہے جو صدقہ' خیرات' نوافل کی پابندی' جہاد و پاسبانی' روزہ' حج' اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں پیش پیش ہوتا ہے۔ اس گروہ کے افراد اعلیٰ درجہ کے متقی پرہیز گار اور مباحات کے استعمال میں بھی انتہائی محتاط ہوتے ہیں' اور اللہ کے فضل اور اس کی مدد سے بڑھ بڑھ کر نیکیاں کرتے ہیں قرآنِ پاک کی زبان میں یہی لوگ "سابقین اور مقربین" ہیں۔

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ' اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ' فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ○ (واقعہ:۱۰تا۱۴)

ترجمہ "اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں۔ یہی لوگ (اللہ کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے' اور پچھلے لوگوں میں تھوڑے سے ہوں گے۔"

نیز فرمایا:

فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ' ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○ (فاطر:۳۲)

ترجمہ "تو کچھ تو ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں' اور کچھ متوسط درجے کے ہیں' اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑی بزرگی ہے۔"

اسی برگزیدہ گروہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ نے اس حدیث قدسی میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کمر باندھی' میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ بندہ جتنا میرے فرائض ادا کرنے سے میری قربت حاصل کرلیتا ہے' اتنا کسی اور

عمل سے نہیں۔ پھر وہ ان فرائض کو پابندی سے ادا کرتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور دوں۔ اگر وہ پناہ چاہے تو میں اس کو پناہ دوں اور مجھ کو کسی چیز سے جس کا میں کرنے والا ہوں' اتنا تردد نہیں ہوتا' جتنا کہ نفس مومن (کے معاملے) میں ہوتا ہے۔ کہ وہ موت کو برا سمجھتا ہے' اور خود میں بھی اس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ لیکن موت تو بہرصورت آنے والی ہے۔" (بخاری: ۱۳۱/۲)

"لیکن موت تو بہرصورت آنے والی ہے۔" صرف یہ ٹکڑا بخاری میں درج نہیں ہے۔)

مقربین کا یہی وہ گروہ ہے جو ولایت اور کرامت خاصہ کے منصب پر فائز ہے۔ یہ اگرچہ پراگندہ بال اور مفلوک الحال دکھائی دیتے ہیں' لیکن اگر یہ خدا سے گڑگڑا کر دعا کریں کہ زمین پھٹ جائے یا فلاں پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو باری تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ محض اپنی شانِ کریمی سے ان کی سنے گا۔ خدا کے یہ وہ خاص الخاص بندے ہوتے ہیں جن کے دست حق پرست پر باری تعالیٰ خرقِ عادت واقعات کو ظاہر فرماتا ہے' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی چیزیں زیادہ ہوجاتی ہیں۔ زندگی سے مایوس بیمار کو شفا نصیب ہوتی ہے' گمشدہ شے دستیاب ہوتی ہے' اور مرگِ ناگہانی بھی قریب آکر وبے قدموں گذر جاتی ہے۔

● اولیاء کے مرتبے:

مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اولیاء کے چار مراتب ہیں۔

۱۔ اعلیٰ ۲۔ عالی ۳۔ وُسطیٰ ۴۔ ادنیٰ۔

۱۔ اعلیٰ: جیسا کہ عرض کیا گیا' گروہِ مقربین سے بالاتر ایک گروہ ہے جو درحقیقت صدیقین' شہداء اور صالحین سے زیادہ لائق و فائق اور سب کا پیش رَو ہے۔ یہ انبیاء اور مُرسلین کی جماعت ہے جو سب سے بلند و بالا اور افضل ترین ہے چونکہ یہ گروہ اس دنیا میں تشریف لا کر عالم سے ماوراء ایک اور عالم سے دنیا والوں کو روشناس کراتا ہے' اس لئے باری تعالیٰ ان کے ہاتھوں خارقِ عادت واقعات ظاہر فرماتا ہے جن سے اِنسانی فطرت مطمئن ہوتی ہے' اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوتی ہے۔

۲- عالی: ان سے فروتر ایک گروہ ان مقرب بندوں کا ہے جنہوں نے حضراتِ انبیاء کی پیروی کو اپنا شعار بنایا' اور زندگی کے کسی شعبے میں جادۂ مستقیم سے سرمُو تجاوز نہ کیا- اس گروہ میں چونکہ مختلف انبیاء اور مُرسلین کے پیرو کار شامل ہیں' اس لئے ایک خاص قسم کا فرقِ مراتب ان کے درمیان بھی قائم ہے- ۳- : وُسطیٰ اس گروہ میں وہ باسعادت بندے ہیں- جنہوں نے اِیمان لانے کے بعد تقویٰ کی راہ اِختیار کی- اور اس پر اٹل رہ گئے- یہ وہ خوش نصیب ہیں جنہیں بارگاہ الٰہی سے اصحابِ یمین -یعنی عرشِ الٰہی کے داہنی طرف والے) کا خطاب ملا ہے-

۴- : ادنیٰ: نیز سب سے ادنیٰ درجہ جیسا کہ قرآن پاک نے کہا ہے- ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (اپنے اوپر ظلم کرنے والوں) کا ہے- جو اگرچہ اِیمان رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں- اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں- جیسا کہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

"پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا- جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا- تو کچھ ان میں اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں- اور کچھ متوسط درجہ کے ہیں- اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں' آگے نکل جانے والے ہیں- یہی بڑی بزرگی ہے- (ان لوگوں کے لئے) ہیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہوں گے- وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے- وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا- اور (اس وقت) وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا- بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدر دان ہے- جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہیشہ کے گھر میں لایا- جہاں ہم کو نہ رنج پہنچے گا- اور نہ ہمیں تکان ہی ہوگی-"
(فاطر:۳۲'۳۵)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے درجہ بدرجہ لوگوں کے تین مراتب کا ذکر کیا ہے- اپنے آپ پر ظلم کرنے والے' میانہ رَو' اور نیکی میں پیش قدمی کرنے والے' اور یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ سب جنت میں جائیں گے جہاں ان کو سونے کے کنگن' موتی اور ریشم کا لباس پہنایا جائے گا- آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کم پرہیز گار اور ضعیف اِیمان والے بھی اللہ کے ولی ہیں- خواہ ان سے قصور یا حرام کام سرزد ہوا- لیکن سابقین اور میانہ رَو طبقہ سے ان کا درجہ کم ہوگا- اس لئے کہ وہ کم پرہیز گار اور کمزور ایمان والے ہیں- اولیاء اللہ کے فرقِ مراتب کے ساتھ ساتھ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ہر گروہ قدرے

مختلف ہوگا- پہلا گروہ دوسرے گروہ سے' اور دوسرا گروہ سب سے آخر والے گروہ سے تعداد میں کم ہوگا- اور اس کی وجہ ظاہر ہے-

● خلاصہ:

۱- وِلایت کے حصول' اور اولیاء اللہ کے گروہ میں شامل ہونے کیلئے اِیمان خالص اور عمل صالح کی جس قدر ضرورت ہے' خدا کے تمام حکموں کی بجا آوری اور نواہی سے پرہیز بھی اتنا ہی ضروری ہے-

۲- وِلایت کے مختلف مراتب ہیں- اس لئے جس کے دل میں جس قدر اِیمان و یقین اور رضائے الٰہی کی جستجو ہوگی' اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور مکروہات سے نفرت' اس کے احکام کی تعمیل اور تقویٰ و پرہیز گاری کی صفات نمایاں ہوں گی' اسی درجہ کا قرب انہیں حاصل ہوگا-

۳- خرقِ عادت کرامات جو اولیاء اللہ سے صادر ہوتی ہیں' ولایت کا دارومدار ان پر نہیں- نہ ہی شانِ نبوت اور منصب رسالت سے کسی معنی میں ان کا تصادم ہوتا ہے- یہی وجہ ہے کہ بیشتر بزرگانِ دِین یہ سمجھ کر اپنی کرامتوں کے چھپانے کو ترجیح دیتے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے کئے کا دنیا ہی میں انہیں بدلہ مل جائے- اور بعض اللہ والے تو ایسے بھی گذرے ہیں جو کرامتوں کو اپنے حق میں اس حد تک مضر سمجھتے تھے کہ ان کے ظہور پر خدا سے توبہ و اِستغفار کرتے تھے-

۴- انبیاء اور مُرسلین معصوم ہیں' لیکن اولیاء اور مقربین معصوم نہیں- اس لئے ان سے قصور سرزد ہوسکتا ہے- اتنا ضرور ہے کہ ان کا ضمیر اتنا روشن اور بیدار ہوتا ہے کہ انہیں فوراً تنبہ ہوتا ہے' اور وہ کسی معمولی سی بھی کوتاہی پر اس شدت سے توبہ کرتے ہیں کہ پچھلا گناہ دُھل جاتا ہے' اور پہلے سے کہیں زیادہ انہیں خدا کا تقرب حاصل ہوتا ہے-

۵- جیسا کہ عرض کیا گیا' اولیاء اللہ کے احوال مخفی ہوتے ہیں- اس لئے کسی متقی اور پرہیز گار صاحب اِیمان کو خدا کا ولی اور اس کا مقرب بندہ کہا جاسکتا ہے' اور اسی حیثیت سے

ان کا اِکرام کرنا چاہئے- اور انہیں اَذیت پہنچانے سے پرہیز کرنا چاہئے- نیز اس کے خلاف کرنے والے کی طرف اِلتفات بھی نہیں کرنا چاہئے- اس لئے کہ ابھی ابھی گذرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"(جس نے میرے دوست سے دشمنی پر کمرباندھی- الخ" بخاری)

۶- مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے ــــ جو حقیقت وِلایت سے ناآشنا' اور مُردہ پرستی اور کرامت پسندی میں شدت سے مبتلا ہے ــــ یہ طے کر رکھا ہے کہ کوئی زندہ مسلمان خواہ کتنا ہی متقی اور پرہیز گار کیوں نہ ہو' اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے گی' تا آنکہ اس کی کسی کرامت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرلے' یا یہ کہ وہ مَر کر منوں مٹی میں نہ مل جائے' اور اس کی قبر پر شاندار مقبرہ یا بلند و بالا قبہ نہ بن جائے- امت کی گمراہی کا یہ حال ہے کہ تلاشِ بسیار کے باوجود ایک زندہ ولی انہیں دستیاب نہیں- اور جو پوچھیں تو سینکڑوں ایسے ولیوں کی نشاندہی کرتے ہیں' جو مَر مَریں مزاروں اور شاندار قبوں میں آسودۂ خاک ہیں- اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کی سیرت اور مفصل تاریخ تو درکنار ان کا نام و پتہ بھی اُنہیں نہیں معلوم- نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ یہ قبر والے حقیقتہ" ولی تھے یا شیطان نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟

۷- مشرکین جو اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری کائنات کا پروردگار ہے باری تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ پھر یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ تُم ان کو اپنا سرپرست اور پروردگار بنائے بیٹھے ہو جو اپنی جان کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے؟!

قُلْ اَفَا تَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۝ (الرعد:١٦)

ترجمہ: "ان سے کہو کہ تُم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے' جو خود اپنے نفع اور نقصان کا بھی اِختیار نہیں رکھتے-"

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کوئی مرد یا عورت اللہ کے نیک بندوں نبیوں اور ولیوں کی پرستش نہ کرے' ان کی شفاعت اور سفارش پر بھروسہ کرکے عمل سے پہلو تہی نہ کرے'

مصائب دور کرنے اور حاجات کو پوری کرنے کے لئے ان سے فریاد نہ کرے' نہ ہی ان بدعات پر ٹوکنے والوں سے جھگڑا مول لے۔ اس لئے کہ غیراللہ کی پرستش شرک ہے' اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ خدا کی پناہ!

● **شیطانی گروہ اور ان سے دوستی:**

دُنیا میں حق و باطل اور خیر و شر کی طاقتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل رہی ہیں۔ قرآن پاک بتاتا ہے کہ جب کسی پیغمبر نے حق کی آواز بلند کی' سرکش جنوں اور انسانوں نے ایک محاذ بنایا اور پیغمبروں کے کاموں میں رَخنہ اندازی کی چنانچہ قیامت کے دن باری تعالیٰ فرمائے گا:

يَامَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ○ (اَنعام:۱۲۸)

"اے جنوں کی جماعت تُم نے (بہکا بہکا کر) اِنسانوں میں سے بہت سے لوگوں کو اپنا تابع بنالیا ــــ۔"

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ (انعام:۱۱۲)

"شیطان صفت اِنسان اور جن دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالا کرتے تھے۔"

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ (اَعراف:۳۰)

"ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنایا' اور پھر بھی سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں۔"

لیکن سوال یہ ہے جنوں اور اِنسانوں میں دُوری اور منافرت کے باوجود ان میں باہم دوستی کیونکر ہو جاتی ہے؟

جواب یہ ہے کہ جنس کا جنس سے اور یکساں طبائع کا ایک دوسرے سے میل ہوتا ہے' اسی طرح بدباطن اور فاسق و فاجر اِنسان جنہیں اللہ اور اس کے رسول کے حکموں کا پاس و لحاظ نہیں' وہ شیطان سیرت جنوں سے دوستی گانٹھ لیتے ہیں۔ اور اس طرح باہم مل کر اِنسان کو

گمراہ کرنے اور زمین پر فساد پھیلانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اور شیطان جو اس قسم کے مواقع کی تاک میں رہتا ہے' اپنے دوست اِنسانوں اور جنوں کی مدد اس طرح کرتا ہے کہ انہیں اَسرار اور پوشیدہ رازوں سے باخبر کرتا ہے' اَقصائے عالم کی جھوٹی سچی خبریں ان تک پہنچاتا ہے' اپنے مشن کی کامیابی کے لئے ان کے اشارے پر میاں بیوی. اور بھائی بھائی میں تفرقہ ڈالتا ہے۔ اجنبی. اجنبی میں یگانگت اور میل جول پیدا کردیتا ہے۔ کبھی ان کے سامنے ظاہر ہوکر اور کبھی پوشیدہ طور پر ان سے کلام کرتا ہے' اور کبھی ان کے ہاتھوں شعبدے اور کرتب دکھا کر سادہ لوح اِنسانوں کو ان کے پھندے میں گرفتار کراتا ہے' جو سادگی اور جہالت میں اس تمام بازیگری کو کرامت اور ان شیطانوں کو "ولی کامل" سمجھ بیٹھتے ہیں۔





اِسلامی عقیدہ کادوسرا رکن

فرشتوں پر اِیمان

اِسلامی عقائد کے اس رکن پر غور و فکر سے پیشترذیل کے تین حقائق کو ذہن نشین کرنا مفید ہوگا۔ کائنات دو قسم کی ہے:-۱- غیبی ۲- ظاہری

۱- غیبی: وہ خلائق جو نظروں سے اوجھل ہوں- عقل و شعور ان کو اس طرح مانتا ہو جیسے وہ اس کے سامنے موجود ہیں- جیسے کل کائنات ارضی و سماوی-

۲- ظاہری: غیبی کی ضد ہے- یعنی وہ خلائق جو اِنسانی نظروں کے سامنے اس کے مشاہدے میں ہو- یا آنکھ' ناک' کان یا دیگر حواس سے اس کا احساس ممکن ہو-

۲- زندگی کے روز مرہ حقائق کی روشنی میں ہر اِنسان غیب اور غیبی امور کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے- جس سے کسی صورت گلو خلاصی ممکن نہیں- البتہ اس سے وہی مستثنیٰ ہوسکتا ہے- جو حماقت اور جہالت پر اتر آئے- اِنسانی عزت و شرافت کو بالائے طاق رکھ دے- جانوروں کی حد تک گراوٹ کا شکار ہو جائے- یا کوئی فاضل اور بے حس و حرکت پرزہ بن جائے-

نیز اس لئے کہ ہر اِنسان ایک مادی وجود رکھتا ہے- اور یہ طے ہے کہ مادی وجود بیک وقت دو جگہ موجود نہیں رہ سکتا- اس لئے اس کی نظروں سے اوجھل مقامات کو شہود نہیں غیب سے تعبیر کیا جائے گا- اور ٹھوس ثبوت' اور صحیح اطلاعات فراہم ہونے کی صورت میں غیبی اور دور کے مقامات کی ایک ایک چیز اور اس کے احوال کو تسلیم کرنا ضروری ہو گا-

پھر اِنسانی حواس اور قویٰ ایک مقررہ اندازے اور حد تک احساس اور اِدراک کی

لیاقت رکھتے ہیں- اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے- چنانچہ کان تیز آواز کو سن سکتا ہے- آنکھ بڑی چیز کو دیکھ سکتی ہے لیکن ہلکی آوازوں اور حد سے زیادہ مہین چیزوں کے اِدراک سے کان اور آنکھ دونوں عاجز ہیں- ہاتھ بڑی اور ٹھوس شے کو چھو سکتا ہے- لیکن حد سے زیادہ باریک شے کا اسے احساس تک نہیں ہوتا- رہی عقل اِنسانی تو یہ اتنی عاجز اور درماندہ ہے کہ معقول اشیا کا اِدراک اور ان کا صحیح تصور بھی اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے-

بنابریں غیر مَرئی اور غیر محسوس (مگر یقینی) چیزوں کو ماننا اور ان کی تصدیق کرنا ناگزیر ہے- خواہ کسی صورت ان کا احساس نہ ہو- یا عقل میں ان کا تصور دشوار ہو- یہی حق و شرافت اور اِنسانیت و آدمیت کا تقاضہ ہے-

(۱)- اس حقیقت کا اس لئے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کتنے اِنسانوں کو دیکھا جاتا ہے جنہوں نے اپنے ملک سے باہر قدم بھی نہیں نکالا لیکن بیسیوں ملکوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر تسلیم کرتے ہیں-

(۲) عام آدمی تاحیات ہاتھی جیسا جانور نہ دیکھ کر بھی اس کے وجود کا قائل ہے-
(۳) زمین کی قوتِ کشش کوئی دیکھ نہیں سکتا لیکن پڑھا لکھا طبقہ آنکھیں بند کرکے اس پر اِیمان لاتا ہے- (۴) یہاں تک کہ وہ یتیم بچہ جس نے اپنے باپ کی صورت نہیں دیکھی اسے بھی یقین ہے کہ اس کا باپ تھا- اور وہ اس سے انکار بھی کیوں کر کرے گا- ان حقائق کی روشنی میں غیب پر اِیمان نہ لانا- یا اس عقیدہ کے خلاف زندگی گذارنے کا تہیہ کرنا' جہالت حماقت اور نہایت مضحکہ خیز حرکت ہوگی-

(۳) جیسا کہ عرض کیا گیا عقل اور حواس سے موجود اشیاء اور حقائق کا انکشاف ہوتا ہے- بدیہی نظریے اور پیچیدہ گتھیاں سلجھائی جاتی ہیں حواس کی مدد سے جملہ مادی حسی اور خوردنی اشیاء اور قابل سماعت امور کا اِدراک ہوتا ہے- عقل کے ذریعے سچائی کی برتری' اور جھوٹ کے بے فروغ ہونے کا یقین دل میں پیدا ہوتا ہے عقل کسی امر سے متعلق ناممکن اور محال ہونے کا فیصلہ کرتی ہے- جیسے جو شئے جہاں پائی گئی' دوسری جگہ اس کا وجود ممکن نہیں- کسی چیز سے متعلق لازم اور یقینی ہونے کا حکم عائد کرتی ہے- جیسے ہر جسم کے لئے اس کی جگہ کا ہونا- اور مصنوع کے لئے صانع کا ہونا ضروری ہے- کچھ چیزیں جائز الوجود اور ممکن ہوتی ہیں- جیسے بیمار

شفا یاب ہوسکتا ہے-اور نہیں بھی ہوسکتا- غائب اور لاپتہ لوٹ کر آسکتا ہے نہیں بھی آسکتا- قوتِ باصرہ کی مدد سے مَرئی چیزیں کا طول عرض اور ان کے دیگر اوصاف کا علم ہوتا ہے- کان سے آوازیں سنی جاتی ہیں- اور ان میں باہم فرق کیا جاتا ہے- خبریں سن کران کے مصداق اور مدعا کو سمجھا جاتا ہے-خوردنی چیزوں کو چکھ کر تلخ و شیریں' ترشی اور نمکینی کا علم ہوتا ہے ناک کے ذریعے سونگھ کر خوشبو اور بدبو میں امتیاز کیا جاتا ہے- ہاتھ سے چھو کر جسم اور اشیاء کا کھردرا پن اور چکناہٹ اسی طرح حرارت اور برودت کا احساس ہوتا ہے-

کسی فردِ بشر کے لئے' علوم و معارِف کے حصول کا بنیادی ذریعہ اس کی عقل اور اس کے یہی حواس ہیں- انہیں ذرائع سے آدمی نت نئ معلومات فراہم کرتا ہے- کسی چیز کو سمجھ کر اس سے متعلق مثبت یا منفی ہونے کا حکم عائد کرتا ہے- لازم' ناممکن یاممکن ہونے کا فیصلہ کرتا ہے- کسی چیز کو دیکھ کراس کے پست یا بلند قامت ہونے- یا سیاہ و سفید ہونے کا اعلان کرتا ہے- آواز سن کر آواز دینے والے کا تعین یا اس کی تشخیص کرتا ہے

غرض ظاہری اور غیبی کل امور کے اوراک کے لئے اِنسان کے اپنے وسائل' اس کی عقل اور اس کے یہی حواس ہیں البتہ سراسر غیبی اور او جھل چیزوں کو جاننے اور دل سے انہیں ماننے کے لئے ان کی سماعت یا ان کے آثار و نقوش کا مشاہدہ کافی ہوجاتا ہے- جن کی مدد سے اصل شی کا قطعی علم حاصل ہوتا ہے-

یہی وجہ ہے کہ جب کسی کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں مرگیا' یا کہیں چلاگیا- یا سفر سے واپس آگیا- اور واقعہ بھی یہی تھا کہ وہ شخص یاتو سامنے نہیں تھا- یا اتنی مسافت پر تھا کہ اس کی ردیت ممکن نہ تھی جس سے نہ اس کی موت و حیات کا پتہ چلتا تھا نہ ہی سفر کے لئے آنے جانے کی کچھ خبر ملتی تھی- ظاہر ہے اس صورت میں مخبرصادق اور معتمد آدمی کے خبر دینے سے ہی سننے والے کو صحیح اطلاع اور علم ہوسکتا تھا- کبھی اِنسان کا گذر کسی ایسی جگہ سے ہوتا ہے جہاں ندی نالے لبریز ہوتے ہیں- پہاڑی سلسلے اور وادیاں جل تھل اور شاداب ہوتی ہیں- یہ دیکھ کر اسے یقین ہوجاتا ہے کہ بارش ابھی ابھی رکی ہے- حالانکہ اس نے بچشم خود نہ بارش کا مشاہدہ کیا- نہ کسی نے اس کی اطلاع پہنچائی- لامحالہ یہ علم'سیلاب اور اس کے اثرات کو دیکھ کر حاصل ہوا- کبھی وہ ایسی جگہ سے گزرتا ہے- جہاں سے خوشبو آ رہی ہو- اسے بغیر دیکھے اور

سنے یہ احساس ہوتا ہے کہ قریب کوئی عطر فروش یا پھولوں سے لدا ہوا کوئی باغ ہے۔ اب یہ کہا جاسکتاہے کہ غیبی امور سے متعلق واقفیت بھی انسان کو بعینہ اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی معتبر کہنے والا اس کی اطلاع دیتا ہے۔ اور دل میں پختہ یقین پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی اشیاء کے آثار اور ان کے نقوش سے دل کے اندر کامل یقین پیدا ہوتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کا وجود عقل و قیاس کے عین مطابق ہے۔ اور ان کو تسلیم کرنا آسان ہے۔ نیز ہر چند کہ ملائکہ غیبی مخلوق ہیں۔ لیکن ثقہ راویوں کی سچی خبروں یا اثرات کے مشاہدے سے جہاں دیگر چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ فرشتوں سے متعلق بھی بخوبی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ:

کیا یہ امر واقعی نہیں کہ باہوش آدمی کسی باکپاز انسان کی زبانی کسی وقوعہ کی خبر سن کر خبر کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس کو سچ سمجھتا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سمجھ دار آدمی دور کی آواز تو سن کر آنکھوں سے دیکھے بغیر آواز دینے والے کے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ اور اس حد تک یقین کر بیٹھتا ہے گویا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے؟ ــــ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کوئی مرد دانا کمرے میں رکھی ہوئی کرسی کو دیکھ کر یہ یقین کرلیتا ہے کہ کسی نے بیٹھنے کے لئے یہاں یہ کرسی رکھ دی ہے۔ جب کہ کرسی رکھنے والے کو اس نے نہیں دیکھا؟ ــــ نیز کیا یہ صحیح نہیں کہ عقلمند اور سمجھ دار آدمی کسی کتاب کو دیکھ کر یہ یقین کرلیتا ہے کہ اس کا کوئی مصنف ہے یا کسی مطبع میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔ جب کہ اس نے نہ مصنف کو دیکھا۔ نہ مطبع سے کسی درجہ واقف ہے۔

دیکھا جائے تو اس درجہ یقین کا سرچشمہ یہی اخبار و روایات اور آثار و مشاہدات ہیں۔ اور غیب پر یقین بھی انہیں عقلی دلائل سے بخوبی ہوتا ہے= اس لئے ان حقائق کی روشنی میں فرشتوں کے موضوع پر ہم پوری' قوت اور طاقت کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ اور یہ ثابت کریں گے کہ فرشتوں کا نہ صرف وجود ہے۔ بلکہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہیں۔ اور کوئی باہوش آدمی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے خدا کا انکار کیا۔ ان کی عقلیں ماری گئیں۔ اور وہ شرفِ آدمیت سے گر کر قعر ندامت میں جا پڑے۔ ایسے لوگ اور چیزوں کی طرح فرشتوں کے

وجود اور ان کی حقیقت سے انکار کریں گے۔ لیکن یہ مانیں یا نہ مانیں۔ سچ سمجھیں یا جھٹلائیں۔ ایمان والوں کی نظر میں ان کا کوئی وزن نہیں۔

فرشتوں کے وجود اور ان کے ثبوت کی یہ ایک دلیل ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا۔ ہر باہوش آدمی محض اس دلیل کی مدد سے فرشتوں کے علاوہ کسی بھی غیبی امر کو بخوبی تسلیم کر سکتا ہے۔ اور جیسا کہ گذرا اس دلیل کے بنیادی عناصر یہی ہیں۔ (خدا اور خاصانِ خدا کے اقوال اور ان کی) روایات اور مشاہدات۔

منقول روایات:

فرشتوں کے وجود کی نمایاں دلیل باری تعالیٰ کے ارشادات ہیں جس نے اس مخلوق کو وجود بخشا۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ مخلوق کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اس کے خالق کا قول سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ○ (بقرہ:۳۰)

ترجمہ "اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو فرشتوں نے عرض کیا۔ اے پروردگار! کیا تو زمین میں ایسی ہستی کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے۔ اور خونریزی کرے۔ حالانکہ ہم (ہر وقت) تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کہتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔"

فرشتوں کا وجود ہے اس لئے ان سے خطاب کیا گیا۔ اس نام کی مخلوق نہ ہوتی تو کیوں انہیں مخاطب کیا جاتا؟

__ حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور ان کے مستحق خلافت ہونے کے فرشتے قائل ہوئے تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں فرشتوں کا سجدہ کرنا فرشتوں کے ساتھ ہی وجود آدم کی بھی دلیل ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (بقرہ:۳۴)

ترجمہ "اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب سجدہ میں گر پڑے۔ اس نے (حکم الہٰی) نہ مانا اور تکبر کیا۔ اور کافروں میں سے ہوگیا۔"

— ادنیٰ یا اعلیٰ کسی بھی مخلوق بالخصوص فرشتوں کی اس میں توہین ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں' نہ ہی اس کی بندگی کرنے میں کسی کو عار ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ○

(نساء:۱۷۲)

ترجمہ "مسیح ہرگز اس بات سے عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں' اور نہ مقرب فرشتے (اس سے عار رکھتے ہیں۔"

ظاہر ہے فرشتے نہ ہوتے تو انہیں بندگی کا حکم بھی نہ ہوتا' نہ ہی عار سمجھنے کا سوال پیدا ہوتا۔

● — اہل جاہلیت کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں! باری تعالیٰ نے ان کی اس خام خیالی کی تردید کی' اور بتایا کہ یہ مخلوق ان اوصاف سے بالاتر ہے — کیا یہ فرشتوں کے وجود کی دلیل نہیں؟

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا' اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ○

(زخرف:۱۹)

ترجمہ "اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں' عورتیں قرار دے رکھا ہے' کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟۔"

● — قرآنِ پاک برملا اس کا اِظہار کرتا ہے کہ شفاعت اور سفارش کی قبولیت مرضی مولیٰ پر منحصر ہے۔ اس کی مرضی نہ ہوگی تو مقرب فرشتوں کی سفارش بھی چنداں مفید نہ ہوگی — اس اِنتباہ سے بھی فرشتوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ ہوتے تو کسی کو ان کی سفارش کی توقع بھی نہ ہوتی' اور نہ باری تعالیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ کی جاتی' جب کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَاتُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○ (نجم:۲۶)

ترجمہ: "اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی' مگر بعد اس کے کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے' اور سفارش کو پسند کرے۔"

مذکورہ بالا آیات جن سے فرشتوں کا وجود' ان کی کثرت' ان کے اوصاف و کمالات' اور ان کے فرائض کا علم ہوتا ہے' ان آیات سے یہ یقین بھی دل میں پیدا ہوتا ہے کہ فرشتے خدا کی اہم ترین مخلوق ہیں۔

۲۔ انبیاءِ سابقین بالخصوص نبی آخرالزمان (ﷺ) کے اقوال و اِرشادات میں جابجا فرشتوں کی تخلیق' اور ان کے مختلف احوال کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"جس گھر میں کتا یا تصویر ہو' فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے۔"

(مسلم ۶/۱۵۷' بخاری ۴۰/ ۱۳۸"

"بنی نوع اِنسان کو جس چیز سے اَذیت پہنچتی ہے' فرشتوں کو بھی اس سے اَذیت ہوتی ہے۔"

(مسلم ۲/۸۰)

"باری تعالٰی کی طرف سے کچھ فرشتوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ زمین میں گشت کیا کرتے ہیں' اور درود و سلام پڑھنے والوں کا ہدیہ مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

(احمد' نسائی)

"جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو' فرشتے بھی آسمانوں میں آمین کہتے ہیں۔ اب اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

(مسلم ۲/ ۱۷' بخاری ۱/ ۱۸۷)

کبھی آپ یوں دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَ اِسْرَافِيْلَ ' فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ' اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ

تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (مسلم:۱۵۸/۲)

ترجمہ "اے اللہ! اے جبرائیل' میکائیل' اسرافیل کے پروردگار! اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے' اے پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے! جن امور کے بارے میں تیرے بندے جھگڑ رہے ہیں ان کے بارے میں تو ہی فیصلہ کرسکتا ہے- خدایا! محض اپنے فضل سے حق کے اس راستے کی طرف میری رہنمائی فرما- جس کے بارے میں تیرے بندوں میں اختلاف پڑا ہوا ہے- تو ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے-"

علاوہ ازیں حضورِ اکرم ﷺ نے ملک الموت اور اس کے معاوِن فرشتوں' قبر کے فرشتوں' نگرانی کرنے والے اور نیکی بدی کا اِندراج کرنے والے فرشتوں' جنت اور جہنم کے داروغہ فرشتوں کا متواتر اور مشہور حدیثوں میں ذکر فرمایا ہے-کیا کوئی اِنسان خصوصاً مسلمان ان آیات و احادیث کی موجودگی میں فرشتوں کا انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں-

● مشاہدات:

قرآنِ پاک جو بے شمار علوم و معارِف کا گنجینہ اور عبرت و نصیحت کا دفتر ہے' سوال یہ ہے کہ آیا یہ براہِ راست پیغمبر علیہ السلام پر نازل ہوا؟ — نہیں! بلکہ جہاں اس کی آیتیں اور سورتیں اپنے اندر بے شمار اِعجاز رکھتی ہیں' اس کا ایک اِعجاز یہ بھی ہے کہ ایک معتبر اور امانت دار فرشتہ یعنی جبریل باری تعالیٰ کی طرف سے اسے لے کر آپ کے پاس آتے تھے' اور بسا اوقات صحابہ ان کا مشاہدہ کرتے تھے- باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ' نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ' عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ' بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (شعراء:۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر) یہ قرآن پروردگارِ عالم کا نازل کیا ہوا ہے' اس کو تمہارے دل پر روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے کہ تُم ڈرانے والوں میں سے ہوجاؤ-"

موت! — ہاں' زندگی کی سب سے تلخ مگر ناگزیر حقیقت' جو ہرچند کہ کسی کو نظر نہیں آتی' لیکن کیا کوئی اس کی دست برد سے بچا ہے؟ یا کسی فردِ بشر کو اس سے انکار کی مجال ہے-

(موت سے کس کو رُستگاری ہے -آج ان کی ' کل اپنی باری ہے!)

آخر وہ کوئی تو ہے جو دبے قدموں آکر جیتے جاگتے اِنسانوں' اور تمام جانداروں کو یکلخت موت کی پُرہول وادی میں سلا دیتا ہے' اور پھر بھی کہیں نظر نہیں آتا! اور جو کوئی بندہ اپنے رب سے یہی سوال کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ:

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ○ (سجدہ:۱۱)

ترجمہ "(اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تُم پر مقرر کیا گیا ہے' تمہاری روحیں قبض کرلیتا ہے' پھر تُم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

پھر جبرئیل علیہ السلام اور موت کے فرشتے (حضرتِ عزرائیل) علیہ السلام جن کا شمار خدا کے عظیم فرشتوں میں ہوتا ہے ــ بارہا ایسا ہوا کہ انہیں کھلے بندوں نظروں سے دیکھا گیا۔ اور محسوس کیا گیا۔

چنانچہ بخاری اور مُسلم کی روایات شاہد ہیں کہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ مسجد میں بیسیوں مسلمان بیٹھے ہوئے تھے۔

"آپ ــ حضور ﷺ کے پاس پہنچے' حضور ﷺ تشریف فرما تھے' حضرتِ جبرئیل علیہ السلام بھی بیٹھ گئے زانو سے زانو ملا لئے۔ اور اپنے دونوں ہاتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو پر رکھ دیئے اسی حالت میں آپ سے متعدد سوالات کئے۔ اور حضور ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ چنانچہ آپ نے اِیمان ــ اِسلام ــ احسان ــ قیامت اور آثارِ قیامت ــ سے متعلق دریافت فرمایا ــ اس وقت جبرئیل علیہ السلام عام اِنسانی صورت میں جلوہ گر تھے" (ملخصاً: ــ بخاری اور مُسلم میں یہ روایت اجمالاً مذکور ہے۔ مسلم۱/۲۸' ۲۹' بخاری معناً: ۱۴۴/۶)

موت کے فرشتہ سے متعلق متعدد روایات موجود ہیں جن میں اس کی رُویت ثابت ہے۔ نیز یہ کہ فرشتہ بیماروں اور مریضوں کے قریب آکر ان کی روحیں قبض کرتا ہے۔ کتنے ایسے مریض ہیں جنھوں نے اس طرح اپنی سرگزشت سنائی۔ اور مرنے سے ذرا پہلے کیفیت بیان کی۔ پھر اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

فرشتوں پر اِیمان کی ضرورت:

قصہ کوتاہ ــــ! وُجودِ ملائکہ سے متعلق مزید دلائل ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔ اس لئے مزید دلائل پیش کرنے کی بجائے یہ بتا دینا مناسب ہے کہ ملائکہ پر ایمان لانا اِسلامی عقائد کا لازمی جزء ہے۔

حق تعالیٰ نے اِسلامی عقیدہ کو متعدد آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ منجملہ ان عقائد کے فرشتوں پر اِیمان کا عقیدہ بھی ان کے اندر شامل ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ○ (بقرہ:۱۷۷)

"نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو' بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر' اور قیامت کے دن پر' اور فرشتوں پر' اور اللہ کی سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اِیمان لائے۔"

نیز فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ○ (بقرہ:۲۵۸)

"(یہ) پیغمبر (محمدؐ) اس کتاب پر اِیمان رکھتے ہیں' جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی' اور (اسی طرح) اِیمان والے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں' اور اس کی کتابوں' اور اس کے پیغمبروں پر اِیمان رکھتے ہیں۔"

یہ بھی ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ○ (نساء:۱۳۶)

"اور جو شخص اللہ کا' اور اس کے فرشتوں' اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا' اور قیامت کے دن کا انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔"

حدیث جبرئیل! ـــ جو ابھی گذری ـــ اس کے آخر میں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"عمر! تم کو معلوم ہے سوال کرنے والا کون تھا؟ جب حضرتِ عمر نے عرض کیا' خدا اور خدا کے رسول ہی خوب واقف ہیں' تو آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل تھے تم کو دِین سکھانے آئے تھے۔"

الغرض ان آیات و احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے خداوند عالم کی عظیم الشان سلطنت کے غیبی کارکن ہیں' اور اس کے بے حد فرمانبردار خادم بھی' للذا ان کے وجود کو اسی حیثیت سے تسلیم کرنا' خداوند قدوس کی بیکراں غیبی قوتوں پر اِیمان لانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے ان فرشتوں پر اِیمان لانا بھی اِیمان کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص فرشتوں پر اِیمان نہ لائے' انہیں قوائے اِنسانی' یا کوئی افسانوی مخلوق تصور کرے' یا ان کی اس حیثیت کو تسلیم نہ کرے' جو قرآنِ پاک اور احادیث نبویہ میں پیش کی گئی ہے' تو اس کا شمار اِسلام کے دائرے میں نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اس لئے کہ فرشتوں کے وجود' یا ان کی اس حیثیت کو نہ ماننے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ ایسا شخص قرآن کو غلط سمجھتا ہے' اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی طرف (خدا کی پناہ!) جھوٹ کی نسبت کرتا ہے۔

● **ملائکہ کی تخلیق:**

تعریف: ملائکہ کا واحد **مَلَكٌ** جو اصل میں **مَلاكٌ**[1] ہے۔ لفظ **مَلَكٌ** ' **اَلُوْكٌ** سے ماخوذ ہے۔ یعنی پیغام پہنچانا۔ **مَلَآئِكُ** اور **مَلَآئِكَةٌ** اس کی جمع ہے۔

مادہ تخلیق: فرشتے باری تعالیٰ کی سب سے طاقتور اور معصوم مخلوق ہیں۔ ان کی تعداد صرف باری تعالیٰ کے علم میں ہے' جس نے ان کو پیدا کیا۔ اس کے سوا ان کی صحیح تعداد کوئی نہیں جان سکتا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا' ان کا بدن نور کا بنایا' اور ان کو اپنی قدرت اور ارادے سے کائنات کے انتظام و انصرام کے لئے مقرر فرمایا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور حکم کی تعمیل ہے۔ ان میں نافرمانی اور سرکشی کا مادہ پایا ہی نہیں جاتا۔ بعض کا کام یہ

---

[1] عربی زبان کے ایک قاعدے کی رُو سے ہمزہ کی حرکت ماقبل (لام ساکن) کو دے کر الف کو گرا دیا گیا' تاکہ ادائیگی میں سہولت ہو۔ اب یہ **مَلَكٌ** ہوگیا۔

ہے کہ وہ رات دن ذکر واذکار' دعا تسبیح اور یادِ الٰہی میں لگے رہتے ہیں- اور اس کام سے ذرہ برابر نہیں اُکتاتے- نہ ان میں کسی قسم کا فخر یا گھمنڈ پیدا ہوتا ہے-

ان کے مادہ تخلیق سے متعلق حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"فرشتے نور سے' جنات آگ کے شعلے سے' اور حضرتِ آدم علیہ السلام کو جیسا کہ ارشادِ باری ہے' (کھنکھناتی ہوئی) مٹی سے (جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوتی تھی) بنایا گیا-" (حجر:۲۶- مُسلم' ۸/۲۲۷)

فرشتوں کے مراتب:

بنی نوعِ اِنسان کی طرح فرشتوں میں بھی فرق مراتب پایا جاتا ہے- چنانچہ بعض فرشتوں کو دوسروں کی بہ نسبت خدائے تعالیٰ کا کہیں زیادہ تقرب حاصل ہے- چنانچہ ارشاد ہے:

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ وَلَا الْمَلٰئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ○

(نساء:۱۷۲)

ترجمہ "مسیح ہرگز اس بات سے عار نہیں سمجھتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں' اور نہ مقرب فرشتے (اس سے عار رکھتے ہیں)-"

بعض فرشتوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ قیامت کے دن وہ عرشِ الٰہی کو تھامے ہوں گے:

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ○ (حاقہ:۱۷)

ترجمہ "اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے-"

بعض مقرب ترین فرشتوں میں جبرائیل' میکائیل' اسرافیل' اور عزرائیل نامی فرشتے ہیں- ان میں سب سے زیادہ برگزیدہ حضرت جبرئیل ہیں' جن کا لقب "رُوح القدس" ہے-

فرشتوں کے کام:

جیسا کہ عرض کیا گیا' قدرت کے اس بہت بڑے کارخانے میں (جسمیں چاند' سورج' زمین' آسمان' سمندر اور پہاڑ مشین کے پرزوں کی طرح کام کررہے ہیں-) بے شمار فرشتے مختلف ڈیوٹیوں پر لگے ہوئے ہیں- کتاب و سُنت کی روشنی میں بعض بڑے فرشتوں کے نام اور ان کے

اہم کام ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- حضرتِ جبرئیل علیہ السلام: آپ کو روح القدس (پاکیزہ روح) بھی کہا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ نے ان کی قوت و امانت کی توصیف فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ' ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ (تکویر:۱۹تا۲۱)

ترجمہ "بے شک یہ قرآن ایک باعزت فرشتہ کا (لایا ہوا) کلام ہے۔ (وہ) قوت والا اور عرش والے کے پاس بڑے مرتبہ والا ہے۔ وہاں وہ سردار (اور) امانت دار ہے۔"

نبی اور رسول اور خدا کے دیگر برگزیدہ بندوں کا اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے' حضرتِ جبرئیل اس میں واسطہ ہوتے ہیں' اور آسمانی سفارت کو بندوں تک بلاکم وکاست پہنچانے کا عظیم المرتبت فریضہ انجام دیتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ' نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ' عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ' بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (شعراء:۱۹۲تا۱۹۴)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) یہ قرآن پروردگارِ عالم کا نازل کیا ہوا ہے' اس کو تمہارے دل پر روح الامین نے صاف عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم ڈرانے والوں میں سے ہو جاؤ۔"

واقعہ معراج کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اِنسانی تاریخ کے اس عظیم ترین سفر میں جو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام سے شروع ہوا' اور جس کی آخری منزل ملا اعلیٰ میں سدرۃ المنتہیٰ تھی' اس سفر کے بڑے حصہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی رفاقت کا شرف جس فرشتے کو حاصل ہوا' وہ یہی حضرتِ جبرئیل علیہ السلام تھے۔

۲- حضرتِ میکائیل علیہ السلام: بارش اور روزی پہنچانے کا کام آپ کے سپرد ہے۔

۳- حضرتِ اسرافیل علیہ السلام: قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔

۴- حضرتِ عزرائیل علیہ السلام: موت' یعنی روح قبض کرنے کا کام ان کے

سپرد ہے۔

۵۔ **فرشتہ موت کے معاونین:** ان کی دو قسم ہے' (۱) فرشتہ رحمت (۲) فرشتہ عذاب اور یہ دونوں قسم کے فرشتے فرشتہ اجل کے خصوصی معاونین ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ○

(انعام:٦١)

ترجمہ "یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔" (انعام:٦١)

٦۔ **حاملین عرش:** یہ تعداد میں چار ہیں۔ قیامت کے دن ان میں مزید چار کا اضافہ ہوگا اور ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ○ (غافر:٧)

ترجمہ "(دیکھو) جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں' اور جو اس کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں. وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور ایمان لانے والوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔"

وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ ○ (حاقہ:١٧)

ترجمہ "اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے۔"

٧۔ **رضوانِ جنت:** یہ جنت کے دربان ہیں۔ حور و غلمان اور جنت کے جملہ خدام فرشتوں کی نگرانی بھی انہیں کے ذمہ ہے۔

٨۔ **خدام جنت:** ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں چنانچہ ارشاد ہے:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ' سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ○ (رعد:٢٣'٢٤)

ترجمہ "اور رحمت کے فرشتے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو' کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ ایک جنتی کو اسی ہزار خدام[1] مرحمت ہوں گے۔ وہ بس جنتیوں کی خدمت کریں گے۔

۹۔ **فرشتہ دوزخ:** دوزخ کے انتظام کے لئے جو فرشتے مقرر ہیں۔ ان پر انیس داروغہ یا سردار ہیں' باری تعالیٰ کی طرف سے یہ دوزخیوں کو عذاب دینے پر مامور ہیں:

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ' وَمَا اَدْرٰكَ مَاسَقَرُ' لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ' عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ' وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ○ (مدثر:۲۶تا۳۱)

ترجمہ "میں عنقریب اسے دوزخ میں داخل کروں گا۔ اور تم کو کچھ خبر بھی ہے کہ دوزخ کیا چیز ہے؟ وہ آگ ہے جو نہ باقی رکھے گی' نہ چھوڑے گی'اور بدن کو جھلس کر سیاہ کردے گی اس پر اُنیس فرشتے مقرر ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کے نگہبان فرشتے ہی بنائے ہیں' اور ان کی گنتی کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کی ہے۔"

جہنم کے ان اُنیس داروغوں کے سب سے بڑے سردار کا نام "مالک" ہے دوزخیوں کی باہم چیخ وپکار نقل کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ' لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ' وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○ (زخرف:۷۷'۷۸)

ترجمہ "اور وہ (دوزخ کے داروغہ کو) پکاریں گے کہ اے مالک تیرا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کر دے۔ وہ جواب دے گا کہ بیشک تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ (لوگو) ہم نے دین حق تمہارے پاس پہنچایا' لیکن تم میں سے اکثر اس دین حق سے نفرت کرتے ہیں۔"

۱۰۔**کراماً کاتبین :** اِن برگزیدہ فرشتوں کا کام یہ ہے اِنسان جو کچھ کرتا رہے' یہ اس کو لکھتے رہیں۔ دائیں کاندھے پر نیکی کا اور بائیں کاندھے پر بدی کا اِندراج کرنے والے فرشتے مقرر ہیں' اور وہ ہر آدمی کے اعمال کی مسلسل نگرانی کرتے رہتے ہیں' اور ان کو لکھ لیتے ہیں۔

(۱) اس مفہوم کی روایت ترمذی میں ہے۔ البتہ اس کی سند میں کلام ہے۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ' كِرَامًا كَاتِبِيْنَ' يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ○
(انفطار:۹تا۱۲)

ترجمہ "(حالانکہ) تم پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں' جو باعزت ہیں' اور تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔"

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"نماز کے اندر بندہ چونکہ خدا سے مناجات کرتا ہے' اس لئے سامنے کی طرف یا دائیں جانب نہ تھوکے۔ بلکہ بائیں طرف قدموں کے نیچے تھوکے۔ اس لئے کہ دائیں طرف نیکی کا فرشتہ نیکیاں درج کرتا ہے۔"
(اللؤلؤوالمرجان: ۱/۱۱۱)

۱۱- **پہریدار فرشتے:** اس سے وہ فرشتے مراد ہیں جو اپنی اپنی ڈیوٹی پر دن رات اِنسانوں کی اور ان کے اعمال کی حفاظت و نگرانی کے لئے مقرر ہیں' اور بحکم الٰہی ان کو بہت سی آفتوں' اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ○ (رعد:۱۱)

ترجمہ "ہر شخص کے آگے اور پیچھے اللہ کے فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اللہ نے ہر اِنسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو دائیں بائیں' اور آگے پیچھے سے ان کی حفاظت کرتے ہیں' اور جب حکم الٰہی ہوتا ہے' حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔" (ابن کثیر: ۲/۵۰۳)

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں:

"خدا کے یہ فرشتے سوتے جاگتے' اٹھتے بیٹھتے' شریر اِنسانوں اور کیڑے مکوڑوں سے اِنسانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔" (ابن کثیر: ۲/۵۰۳)

۱۲- **فرشتہ تقدیر:** حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"خدائے تعالیٰ نے رحم پر جس فرشتہ کو مقرر کر رکھا ہے' وہ عرض کرتا ہے: پروردگار! نطفہ (بناؤں؟) پروردگار! بستہ خون (بناؤں؟) پروردگار! لوتھڑا (بناؤں؟)۔ اس کے بعد جب باری تعالیٰ

اس کی بناوٹ مکمل کرنی چاہتا ہے' تو فرشتہ عرض کرتا ہے: پروردگار! یہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ یہ نیک بخت ہے یا بدبخت؟ رزق کیا ہے؟ عمر کیا ہے؟ اسی طرح (یہ سب باتیں) ماں کے پیٹ کے اندر لکھ دی جاتی ہیں۔" (اللؤلؤوالمرجان: ۳/۲۰۸)

۱۳۔ پہاڑوں کا نگران: اس فرشتہ کے ذِمہ پہاڑوں کی نگرانی سپرد ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ارشاد ہو تو پہاڑوں کی چوٹیوں کو ملا کر اس گستاخوں کو چکنا چور کر دوں۔"

(اللؤلؤوالمرجان: ۲/۲۲۷'۲۲۸)

۱۴۔ گشت کرنے والے فرشتے: بعض فرشتوں کا کام یہ ہے کہ وہ زمین میں گشت کیا کرتے ہیں' اور جو کوئی دنیا کے کسی گوشے میں درودوسلام پڑھتا ہے اس کا ہدیہ دربارِ رسالت ﷺ میں پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

خداوند عالم کے کچھ فرشتے زمین میں گشت کیا کرتے ہیں' اور میری اُمت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔"

(ابن حبان' نسائی' بحوالہ فضل الصلوۃ علی النبی ﷺ صفحہ ۳۶)

۱۵۔ دعا کرنے والے فرشتے: کچھ فرشتوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ ایک مومن جب کسی دوسرے مومن کے لئے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: خدایا! قبول فرما!' اور دعا کرنے والے کو بھی وہی مرحمت فرما:

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مسلمانوں کی دعا اپنے بھائی کے لئے اس کے پس پشت قبول ہوتی ہے۔ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو وہ موکل فرشتہ جو اس کے سر کے پاس کھڑا ہوتا ہے' آمین کہتا ہے' اور کہتا ہے' تیرے لئے بھی اتنا ہی ہے۔" (مسلم: ۸/۸۶)

۱۶۔ روح لے کر چڑھنے والے فرشتے: حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"مومن کی روح جب نکلتی ہے تو دو فرشتے اس کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں' کیسی پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ خدا تجھ پر اور اس بدن پر رحمت نازل کرے جس کو تو آباد رکھتی تھی اس کے بعد پروردگار کے سامنے اس کو لے جایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' اس کو آخیر وقت تک کے واسطے۔ سدرۃ المنتہیٰ میں) لے جاؤ ... اور کافر کی

روح جس وقت نکلتی ہے' اور آسمان کی طرف جاتی ہے' تو آسمان والے کہتے ہیں۔ کیسی خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ اخیر وقت تک کے واسطے اس کو سجین میں لے جاؤ۔" (مسلم: ۸/۱۶۲)

۱۷۔ **منکر نکیر:** جب آدمی مرجاتا ہے تو دو فرشتے آکر اس سے ذیل کے تین سوال کرتے ہیں: ۱۔ تیرا رب کون ہے؟ ۲۔ تیرا دین کیا ہے؟ ۳۔ تیرے نبی کون ہیں؟

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب مُردے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے' اور اوپر سے مٹی ڈال کر لوگ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں' تو مردے کے پاس دو سیاہ فام نیلی آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ سوال کریں گے "اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟" مومن جواب دے گا "میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں ـــ" وہ دونوں کہیں گے' ہم جانتے تھے کہ تم یہی کہو گے۔ پھر اس کی قبر ہر طرف سے ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے' اور قیامت تک کے لئے اس کی قبر کو راحتوں اور روشنی سے بھر دیا جاتا ہے تب مُردہ کہے گا' مجھے میرے گھر والوں کے پاس جانے دو تاکہ میں ان کو اپنی سرگذشت سناؤں! وہ دونوں کہیں گے' جس طرح ایک دُلہن سوتی ہے' جسے اس کا خاوند ہی جگا سکتا ہے' اسی طرح تم بھی قیامت تک آرام کرو ـــ اور اگر مرنے والا منافق ہوتا ہے تو وہ ہر سوال پر شور مچاتا ہے' اور کہتا ہے' لوگ جو کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہا کرتا تھا۔ ہائے مجھے نہیں معلوم! فرشتے کہیں گے' ہمیں علم تھا کہ تو یہی کہے گا۔ پھر زمین سے کہا جائے گا' مل جا۔ زمین باہم مل جائے گی' اور اس کے سبب اس کی دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں پسلیاں دائیں میں پیوست ہو جائیں گی اور تا قیامت اسے یونہی عذاب ہوتا رہے گا۔"

(ترمذی: ۷۰' ابوداؤد: ۲/۵۴۰' ۵۴۱- ابن ماجہ: ۶۵ - احمد: ۳/ ۱۲۶' ۴/۲۸۸)

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ قرآن کریم کے ان الفاظ پر جب ہم غور کرتے ہیں جن میں فرشتوں اور ان کی کارکردگی کا ذکر ہے' جیسے:

"صَافَّات" (اپنے مقام پر صف بستہ کھڑے ہونے والے) "زَاجِرَاتٌ" (ڈانٹنے والے) "تَالِيَاتٌ" (ذکر کرنے والے) "نَازِعَاتٌ" (سختی سے جان نکالنے والے) "نَاشِطَات" (آسانی سے جان نکالنے والے) "مُقَسِّمَاتٌ" تقسیم کرنے والے) "مُدَبِّرَات" (انتظام کرنے والے۔

ان فرشتوں اور ان کے نوع بہ نوع کاموں کو دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے- کہ کائنات علوی اور کائنات سفلی غرض ہر جگہ کا نظم فرشتوں کے سپرد ہے- نیز حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"زمین اٹی ہوئی ہے' اور یہ ہونا ہی چاہئے- اس لئے کہ زمین میں چار انگشت کے برابر جگہ بھی باقی نہیں رہی ہے جہاں ایک نہ ایک فرشتہ زمین پر سر رکھے خدا کا سجدہ نہ کر رہا ہو-"

(احمد ۵/ ۱۷۳ ترمذی زہد/۹' ابن ماجہ' زہد /۱۹ حاکم' بتائید ذہبی)

● فرشتوں کی بعض صفات:

فرشتے اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے سراسر غیبی مخلوق ہیں عقل و نقل پر مشتمل دلائل سے ان کے وجود کا ثبوت ملتا ہے- ان پر ایمان لانا' ان کے کوائف اور ان کے کاموں کی تصدیق کرنا ضروری ہوتا ہے- عقلی اور نقلی ولائل سے مراد' جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا- سچی اور منقول روایات' اور ناطق آثار و مشاہدات ہیں- یہ صاف و صریح روایات (جو بلاشبہ شرعی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں ان) کی روشنی میں فرشتوں کے بے شمار اوصاف و خواص کا ہمیں علم ہوتا ہے- اس لئے بندۂ مومن کے اس عقیدے سے متعلقہ بحث کے ختم پر مزید تاکید اور وضاحت کے لئے ان کے معدودے چند اوصاف و خواص بیان کئے جاتے ہیں-

۱- حیاء: شرم و حیاء اس مخلوق کا امتیاز ہے- فرشتے اس کا اِظہار اسی طرح کرتے ہیں- جس طرح اِظہار کی اللہ نے انہیں توفیق بخشی ہے- خلیفہ راشد امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اندر حیاء کا بے پناہ مادہ تھا- آپ کے اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"میں ایسے شخص سے کیوں نہ شرم کروں جس سے فرشتے بھی شرماتے ہیں-"

(مسلم' ۷/ ۱۱۷)

۲- احساسِ اذیت: جن چیزوں سے اِنسانوں کو تکلیف ہوتی ہے' ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے- حضور ﷺ فرماتے ہیں:

"کوئی شخص پیاز' لسن' اور گندنا (ایک بدبو دار ترکاری) کھا کر ہماری مسجد میں نہ آئے- کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے' اس سے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے-"

(مسلم:۲/۹۰)

نیز فرمایا:

"جس گھر میں کتا یا تصویر ہو فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔" (اللؤلؤ: ۳/۳۹)

فرشتوں کا گھروں میں نہ جانا' ان مکروہ چیزوں سے انہیں کراہت اور اذیت پہنچنے کی دلیل ہے۔

۳- : فرشتے نور سے بنے ہوتے ہیں۔ اس لئے بشری حوائج جن سے ہر انسان دو چار ہوتا ہے' فرشتے ان سے مبرا ہیں۔ اور نہ وہ مرد ہوتے ہیں' نہ عورت' نہ کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں' نہ سوتے ہیں نہ ان کے اندر گناہ کی طاقت ہوتی ہے۔ اللہ کا ذکر ان کی غذا ہوتی ہے۔ اس کی بندگی ان کا مشغلہ ہے' اور اس کی حمد و ثنا ان کا ہر گھڑی کا وظیفہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ (انبیاء:۲۰)

ترجمہ "وہ رات دن اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کسی وقت موقوف نہیں کرتے۔"

۴- : اپنی لطافت' طاقت و قوت اور عبادت میں اِنہماک کے باوجود خدا کی اس برگزیدہ مخلوق کے اندر گھمنڈ اور تکبر نام کو نہیں۔ اسلئے یہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ' يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ' وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ (نحل:۴۹'۵۰)

ترجمہ "اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں' سب اسی کو سجدہ کرتے ہیں' اور فرشتے بھی' اور وہ ذرا تکبر نہیں کرتے' اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' جو ان کے اوپر (غالب) ہے۔ اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

نیز فرمایا:

وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (انبیاء:۲۸)

ترجمہ "اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے' مگر ہاں اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو'

اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔"

۵۔ خدا کی بندگی: خدا کی اِطاعت اور بندگی فرشتوں کی تخلیق کی اصل غرض ہے۔ اسی لئے لحہ بھر کے لئے وہ اس سے غافل نہیں ہوتے' نہ ہی کبھی خدا کی نافرمانی کرتے ہیں:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ ○ (تحریم:٦)

ترجمہ "اللہ نے ان کو جو حکم دیا اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

نیز فرمایا:

عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○

(انبیاء:٢٦'٢٧)

ترجمہ "وہ اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ اس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کرتے' اور اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔"

٦۔ خاصانِ خدا سے محبت: جس طرح بھی ممکن ہو بہرکیف! فرشتے محبت بھی کرتے ہیں اور اس کا اِظہار بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرماتے ہیں:

"جب باری تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل کو حکم ہوتا ہے' میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں' تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبرئیل اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرئیل آسمانوں پر پکار کر کہتے ہیں' "باری تعالیٰ فلاں بندے کو محبوب رکھتا ہے' لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔" اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آسمانوں میں اس بندے کی محبت عام ہو جاتی ہے' اور جو کوئی آسمانوں میں محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے' زمین والے بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔"

(اللولووالمرجان: ٣/ ٢٠٥'٢٠٦)

٧۔ دعا اور بددعا کرنا: فرشتے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں' اور نیک بندوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْئٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ (غافر:۷)

ترجمہ "(دیکھو) جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں' اور جو اس کے گرداگرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں وہ سب اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں' اور اس پر ایمان رکھتے ہیں' اور ایمان والوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں' کہ اے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے' تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے' اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

اور جن پر خدا کی لعنت برستی ہے' فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ' خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ (بقرہ:۱۶۱'۱۶۲)

ترجمہ "بے شک جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا اور انکار ہی کی حالت میں مرگئے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا' اور نہ انہیں کچھ مہلت دی جائے گی۔"

عظیم ترین مخلوق اور باہمی فرق

فرشتے خدا کی عظیم ترین مخلوق ہیں' اور درجہ بدرجہ ان کی تخلیق میں باری تعالیٰ نے نمایاں فرق بھی ملحوظ رکھا ہے' چنانچہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل کے چھ سو بازو ہیں' جب کہ بعض فرشتوں کے صرف دو بازو ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ' يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ' اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (فاطر:۱)

ترجمہ "ہر طرح تعریف اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ (اور)

فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جن کے دو دو تین تین اور چار چار پر ہیں- وہ پیدائش میں جس قدر چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے- بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے-"

امام ابوداؤد اس کے راوی ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"عرشِ الٰہی کو تھامنے والے ایک فرشتے سے حق تعالیٰ نے گفتگو کی مجھے اجازت دی- اس فرشتے کے دونوں پیر زمین کے نچلے حصے کو چھوتے ہیں اور عرشِ اعظم اس کے سر پر رکھا ہوا ہے- اس کی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اگر کوئی پرندہ پرواز کرے تو ستر ہزار سال کی مدت درکار ہوگی- وہ فرشتہ بھی یہی کہتا ہے- خدایا! میں ہر جگہ بس تیری حمد و ثنا کرتا ہوں"
(ابوداؤد)

حاکم اس کے راوی ہیں' اور امام ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ایک مرغ (نما فرشتے) سے بات چیت کا مجھے موقع دیا- اس کے پیر زمین میں اندر تک چلے گئے ہیں' اور وہ عرش کے نیچے گردن موڑے ہوئے کہتا ہے: "خدایا! پاک ہے تیری ذات! تو کتنا عظیم اور بزرگ و برتر ہے-" باری تعالیٰ کی طرف سے اس کو جواب ملتا ہے' "جھوٹی قسم کھانے والا یہ نہیں جانتا" [1]

---

[1] صاحب "الحبائک" نے اس کو ذکر کیا' اور اسے ابوداؤد کی روایت بتائی ہے' جب کہ میں نے ابوداؤد میں یہ روایت پائی' "(اللہ تعالیٰ) نے عرش کو تھامنے والے ایک فرشتے سے بات چیت کی مجھے اجازت بخشی اس کے کان کی لو سے اس کے مونڈھے تک کی مسافت سات سو سال ہے-"
(غالباً) مرغ سے مرغ نما فرشتہ مراد ہے- (ابوداؤد: ۲/ ۵۳۴)

جنات اور شیاطین

مومن کے عقیدے کا دوسرا رکن "فرشتوں پر ایمان" کی مناسبت سے جن اور شیاطین سے متعلق کچھ تفصیل ذکر کی جارہی ہے۔ ان پر اِیمان لانا مومن کے عقیدے کا جز ہے۔ جن اور شیاطین کا تعلق چونکہ غیب سے ہے' اس لئے غیب پر اِیمان کی تکمیل کے لئے ان کا ماننا بھی ضروری ہے۔ نیز ان کی حیثیت کو تسلیم کرنا اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرنا ہے اس لئے کہ قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی احادیث میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

ایمان کی بحث کی تکمیل سردست ہمارے پیش نظر نہ ہوتی تو اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا ہردو مخلوق کا علیٰحدہ ذکر چنداں ضروری نہ تھا۔ نیز اس لئے کہ:

۱۔ ہر ادنیٰ مسلمان — جو خدا پر' اس کی قدرتِ کاملہ پر' اس کے رسولوں پر' اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر اِیمان رکھتا ہے — وہ جنوں اور شیطانوں کے وجود کو بھی لامحالہ تسلیم کرتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن پاک نے ہردو کا نہایت صراحت کے ساتھ جگہ جگہ ذکر کیا ہے۔

۲۔ وجودِ ملائکہ کی بحث میں پیش کی گئی جملہ عقلی اور نقلی دلیلیں' جنوں اور شیطانوں کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کل کائنات دو قسم کی ہے۔ (۱) غیبی' (۲) ظاہری۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کبھی اِنسان کسی موقع پر یکہ و تنہا ایسی جگہ ہوتا ہے کہ اپنی آنکھ' ناک' یا کان غرض کسی طرح سے دور کی اشیاء کا احساس نہیں کرپاتا۔ لیکن اس کے باوجود زیادہ نہیں' کسی ایک مگر معتبر آدمی کی زبانی ان

کے متعلق سن کر یا ان کے آثار کو دیکھ کر انہیں تسلیم کر لیتا ہے۔ اور اس درجہ یقین کر لیتا ہے کہ اب اگر کوئی اس کے سامنے اس چیز کو جھٹلاتا ہے تو یہ اس سے الجھ پڑتا ہے' اور خود اس جھٹلانے والے کو جھٹلا دیتا ہے' یا اسے کم عقل' جاہل' یا ناقابل اِعتماد سمجھ لیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فرشتوں پر ایمان کے سلسلے کی ان دونوں دلیلوں کو مان لینے کے بعد — نیز اس لئے کہ فرشتے بھی غیبی مخلوق ہیں — کسی بندۂ مومن کے لئے جنوں اور شیطانوں کا وجود تسلیم کرنا کسی طرح دشوار نہیں' جب کہ فرشتوں جیسی غیبی مخلوق کے مقابلہ میں جن اور شیطان (اِنسانوں سے) زیادہ قریب ہیں۔

● جن اور شیطان موجود ہیں:

فرشتوں کے وجود پر جس طرح دلائل پیش کئے گئے' کتاب و سنّت کی روشنی میں جنوں اور شیطانوں کی موجودگی کا ثبوت بھی بکثرت ملتا ہے۔ ان میں سے چند کو ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

مشاہدات: ا۔ صرع: (آسیب زدگی) ایک تو وہ ہے جسے عرفِ عام میں "مرگی" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک زبردست اعصابی بیماری ہے۔ مرگی کا مرض معمولی بھی ہوتا ہے۔ جس میں دوا کارگر ہو جاتی ہے۔ لیکن بسا اوقات مرض لاعلاج ہو جاتا ہے۔ ہرچند کہ یہ بھی صرع ہے' لیکن — سرِدست "صرع" سے ہماری مراد عام اِنسانوں پر طاری ہونے والی وہ کیفیت ہے جو شیطانی اثرات اور ارواحِ خبیثہ کے تسلط کا نتیجہ ہوتی ہے' اور جس کو سحر اور آسیب کہتے ہیں — اگرچہ کہ طبِ جدید' اور میڈیکل سائنس نے بے انتہا ترقی کی' لیکن اس ناگہانی اُفتاد کا اس کے پاس بھی کوئی علاج نہیں ہے' اور کیسے ہو؟ جب کہ یہ کوئی مرض نہیں جس کی دوا یا علاج کیا جائے۔ دراصل یہ شیطانوں کی شرارت کا نتیجہ' اور ان کے وجود کا زبردست ثبوت ہے۔

۲۔ آسیبی اثرات بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن اور شیاطین جنہیں لپٹ جاتے ہیں' ان کی حرکات و سکنات پر حاوی ہو جاتے ہیں' انہیں دور دراز کی خبریں سناتے ہیں' اور ان کی زبان سے کلام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آسیب زدہ کبھی کوئی اجنبی یا ایسی نامانوس

زبان بولتا ہے جس سے وہ پہلے سے قطعی ناآشنا ہوتا ہے۔

۳۔ جن اور شیطان: جس طرح ناگہانی طور پر کسی سے چمٹ جاتے ہیں' اسی طرح دیکھتے دیکھتے اتر بھی جاتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرد خدا کی ڈانٹ ڈپٹ سے ڈر کر' یا خدا سے ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں اپنے شکار کو اپنی دست برد سے آزاد بھی کر دیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے ہمارے بعض ناظرین کے لئے یہ کوئی انھونی کہانی ہو! لیکن بیشتر واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور ان کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

۴۔ مشہور ہے: کہ بعض جنوں کی بعض اِنسانوں سے دوستی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ گاہے گاہے وہ ان سے ملتے ہیں اور ان سے بات چیت کرتے ہیں! — اس قسم کے واقعات بھی چونکہ بکثرت پیش آتے رہے ہیں' اس لئے بلاوجہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ جرائم جن کا اِنسان ارتکاب کرتا ہے۔ جیسے اغلام بازی' زناکاری' قتل و غارت گری چوری شراب نوشی' کفر و نافرمانی جھوٹ' بے وفائی' اور وعدہ خلافی' یہ تمام جرائم اِنسانی فطرت' آسمانی شریعت اور ملکی قوانین کے عین مخالف اور کھلم کھلا شیطانی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے کہ ان کاموں کو شیطان اِنسانی نظروں میں خوش نما بناتا ہے۔ انہیں آراستہ کرتا ہے۔ اور ان کا ارتکاب کرنے کے لئے اِنسان کو ورغلاتا ہے۔ ان کی روحوں کو فریب اور فتنہ و فساد میں مبتلا کرتا ہے۔ جب کہ اِنسان کی سعادت اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی روح کی — پاکیزگی پر ہے۔ اس لئے کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیطانی روحوں کو بگاڑ کے راستے پر بالکل اسی طرح ڈالتا ہے جیسے جراثیم اِنسانی بدن کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

مزید برآں کوئی معالج جب یہ کہتا ہے کہ فلاں جراثیم سے فلاں بیماری ہوتی ہے' اور فلاں دوا اور پرہیز سے اس کا ازالہ ہوتا ہے' تو ہر مریض نہ صرف اس کو تسلیم کرتا ہے' بلکہ فوراً عمل کے لئے خود کو تیار پاتا ہے۔ جب کہ نہ اس نے بذاتِ خود جراثیم کو کہیں دیکھا ہے' نہ ان کے نام و نشان سے کسی صورت بھی آشنا ہے۔ کیا یہ اس لئے نہیں کہ بیماری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تکلیف اور کمزوری اسے معالج کی ایک ایک بات پر اِعتماد کے لئے مجبور کرتی ہے؟ — اور جو کوئی یوں کہے کہ شیطان کے زیر اثر ہونے کی بنا پر تمہارا اندروں بگڑ چکا ہے' اسی لئے تمہارا دل جھوٹ پر مائل ہے' اور تمہارے اندر مکر و فریب' خود غرضی اور خدا

فراموشی جیسی برائیاں جڑ پکڑ رہی ہیں۔ اور اگر تم اس سے گلو خلاصی چاہتے ہو تو فلاں تدبیر تمہارے لئے ناگزیر ہے ___ سبحان اللہ! کیسی عجیب بات ہے کہ بیماری کے جراثیم کو دل وجان سے تسلیم کر لینے والا برائی کے جراثیم کا قائل نہیں! جب کہ دونوں کی صورت حال' اور ان کا طریق کار قطعی ایک جیسا ہے۔ اور یہ امر مُسلم ہے کہ اِنسان کو جس طرح جسمانی مرض لاحق ہوتا ہے' اسی طرح اس کی روح بھی اندرونی امراض کا شکار ہوتی ہے۔ اس لئے بلا تکلف کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مدتوں نیکی کرنے والا جو رفتہ رفتہ نیکی سے بیزار' اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تو دراصل یہی شیطان کے وجود اور اس کے اثرات کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

● روایات:

قرآن پاک اور مستند احادیث میں جابجا جنوں اور شیطانوں سے متعلق اجمالی اور تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ ذیل میں اس مضمون کی چند آیات ذکر کی جاتی ہیں:

● ارشاداتِ ربانی:

بعض آیات میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ بتایا گیا کہ خدا کی اس حیرت انگیز مخلوق کا مادۂ تخلیق کیا ہے؟ ___ ارشاد ہوتا ہے:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (رحمٰن: ۱۴'۱۵)

ترجمہ "اس نے اِنسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔"

کہیں بطورِ خاص یہ واضح کیا گیا کہ ان کی پیدائش اور تخلیق کا مقصد آخر کیا ہے؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ' مَآاُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ' اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

(ذاریات:۵۶تا۵۸)

ترجمہ "اور میں نے جنوں اور اِنسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں ان سے رزق کا طلبگار نہیں اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا وغیرہ) کھلائیں۔

بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا اور توانا ہے۔"

آدم کی تخلیق کے بعد فرشتوں نے خدا کے حکم سے آدم کو سجدہ کیا۔ شیطان نے نہیں کیا۔ تب سے شیطان نے اِنسانوں کے خلاف جنگ و جدل کا ایک محاذ کھول رکھا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک سے زائد موقعہ پر اس کی تاکید کی ہے کہ شیطان اور اس کی ذریت کو ہرگز ہرگز دوست نہ بنایا جائے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ' كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ' اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ ' وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۝ (کہف:۵۰)

ترجمہ "(اور وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا' تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

حضرت آدم کی تخلیق' ان کی صورت گری' فرشتوں کو انہیں سجدہ کا حکم' ابلیس کا انکار پھر باری تعالیٰ کی اس کو زجر و توبیخ' ابلیس کا گناہ سے بدتر عذر گناہ' رحمت خداوندی سے اس کی دوری اور مہجوری' پھر جنت سے اس کا نکالا جانا' اور اس کو اور اس کی ذریت کو دوزخ کے عذاب کی سزا' ان تمام جزئیات کو قرآن کریم نے نہایت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ' لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ' قَالَ مَامَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ' قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ' قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا ' فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ' قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ' قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ' قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ' ثُمَّ

لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۚ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۚ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۚ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○

(اعراف:۱۱ تا ۱۸)

ترجمہ "اور ہم نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہاری شکل و صورت بنائی' پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا' مگر ابلیس' کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (اللہ نے اس سے) پوچھا میں نے تجھ کو حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ سے روکا۔ اس نے کہا' میں اس سے بہتر ہوں۔ کیونکہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا' اور اس کو مٹی سے بنایا' (اس پر اللہ نے) فرمایا کہ بہشت سے اتر جا۔ تو اس لائق نہیں کہ یہاں رہ کر تکبر کرے۔ پس نکل جا بلاشبہ تو ذلیلوں میں سے ہے۔ (ابلیس نے) کہا کہ مجھے اس دن تک مہلت عطا فرما جس دن لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا (اچھا) تجھے مہلت دی جاتی ہے (ابلیس نے) کہا' چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا' (اس لئے) میں بھی تیرے سیدھے راستے پر بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لئے ضرور بیٹھوں گا' پھر ان کے آگے سے' اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) ان کے پاس آؤں گا' (اور جس طرف سے بن پڑے ان کو بہکاتا رہوں گا) اور تو اکثر بنی آدم کو شکر گذار نہ پائے گا۔ (اللہ نے) فرمایا' یہاں سے نکل جا' (تو) ذلیل اور راندہ ہوا بنی آدم سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں (ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔"

نیز یہ بھی بتایا کہ شیطان خصلت انسان اور جن ایک دوسرے کو دروغ گوئی' اور باطل کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔ پھر دونوں مل کر نسل آدم کو گمراہ کرتے اور انہیں فتنہ و شر میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ (انعام:۱۱۲)

ترجمہ "اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) اِنسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔"

اپنے برگزیدہ بندے اور پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنی نوازشوں کا باری تعالیٰ بطورِ خاص ذکر فرماتا ہے' جنہیں یہ امتیاز حاصل تھا کہ جن ان کے لئے عظیم الشان عمارتیں' بڑے بڑے لگن' اور بھاری بھاری دیگیں تیار کرتے تھے:

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ' وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ' يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَايَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ○ (سبا:۱۲'۱۳)

ترجمہ "اور جنوں میں بعض ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا' اس کو ہم دوزخ کے عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔ وہ (جن) سلیمان کے لئے وہ چیزیں بناتے تھے جو وہ چاہتے تھے۔ یعنی بڑی بڑی عمارتیں' اور مجسمے اور لگن (ایسے بڑے) جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہتی تھیں۔"

دوسری جگہ فرمایا:

وَالشَّيَاطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ' هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (ص:۳۷تا۳۹)

ترجمہ "اور جنات کو بھی ان کا تابع کر دیا' (یعنی) عمارتیں بنانے والے' اور غوطہ مارنے والے' اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے' (ہم نے کہا کہ) یہ ہماری بخشش ہے۔ (چاہو) تو احسان کرو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو۔ (تم سے) کچھ حساب نہیں۔"

نصیبین کے جنوں کا ایک گروہ بطن نخلہ (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) پر سے گذرا' جہاں اس وقت آنحضرت ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ فجر کی نماز ادا کر رہے تھے۔

جنوں کا یہ گروہ وہاں ٹھہر گیا۔ انہوں نے خاموش ہو کر بہت غور سے قرآن مجید سنا' اور اس سے بے حد متاثر ہوئے۔ پھر وہ اپنی قوم میں واپس ہوئے۔ ان کو اس واقعہ سے مطلع کیا اور اسلام کا پیغام سنایا۔ قرآن پاک ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ' فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ' قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ' يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ' يٰقَوْمَنَا اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (احقاف:۲۹ تا ۳۱)

ترجمہ "(اور وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے بہت سے جنوں کو تمہاری طرف متوجہ کیا' کہ وہ قرآن سننے لگے تھے۔ تو جب وہ وہاں حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب قرآن (کا پڑھنا) ختم ہو چکا' تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس ہو گئے' (کہ عذاب الٰہی سے) ان کو ڈرائیں وہ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی۔ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ (اور اپنے) حق اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو۔ اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔"

خود جنوں کی زبانی ان کی وحی الٰہی کی سماعت پھر اپنی قوم میں جا کر اس کی تفصیلی روداد سنانا' ان کے گوناگوں عقائد' احوال اور کارگذاریوں کی تفصیل قرآن پاک اس طرح پیش کرتا ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا○ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○

(جن:۱'۲)

ترجمہ "(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں میں سے ایک

جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے' اور ہم پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔"

سرکش جن اور شیطان وسوسہ ڈالنے اور گمراہ کرنے کی اپنی جبلت سے باز نہیں آتے۔ اس لئے باری تعالیٰ کا حکم ہے:

۱۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ' اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (اعراف:۲۰۰)

ترجمہ "اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو' تو اللہ کی پناہ مانگو۔ بلاشبہ وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔"

۲۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ' اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ' اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ' وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ○ (نحل:۹۸تا۱۰۰)

ترجمہ "(اور اے پیغمبر) جب تم قرآن پڑھنا چاہو تو شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر شیطان کا کچھ زور نہیں چلتا۔ اس کا زور تو انہیں لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں' اور اس کے (وسوسوں کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔"

۳۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ' مَلِكِ النَّاسِ' اِلٰهِ النَّاسِ' مِنْ شَرِّالْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ' الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ' مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ (سورۂ ناس)

ترجمہ "(اے پیغمبریوں) کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی لوگوں کے بادشاہ (اور) لوگوں کے معبود کی پناہ مانگتا ہوں۔ (اس) وسوسہ ڈالنے والے' (اور) پیچھے ہٹ جانے والے کی برائی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے۔"

فرموداتِ نبوی:

آیات کی طرح اس مضمون کی احادیث بھی بکثرت وارد ہیں' ــ چنانچہ ایک روایت وہ ہے جس میں ہر آدمی کے ساتھ ایک ہمزاد ہونے کا ذکر ہے' ــ ارشاد ہے:

"تم میں سے ہر ایک پر خدائے تعالیٰ نے اس کا ہمزاد جن موکل کر دیا ہے صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ پر بھی؟ فرمایا: مجھ پر بھی' مگر خدائے تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد کی' اس لئے وہ تابعدار ہوگیا ہے۔ اب سوائے نیکی کے اور کسی بات کا مجھے مشورہ نہیں دیتا۔" (مسلم ۱۳۹/۸)

اسی ساجھے داری کا نتیجہ ہے کہ اِنسان کے ہر کام میں شیطان بھی ٹانگ اڑاتا ہے' اور اپنا حصہ لے اڑتا ہے۔ لیکن بندۂ مومن کے مقابلہ میں اس کی ایک نہیں چلتی۔ اس لئے کہ اس کا دل اور اس کی زبان خدا کی یاد سے تر ہوتی ہے ــ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جب آدمی اپنے گھر میں آئے' اور گھر میں داخل ہوتے وقت نیز کھانا کھاتے وقت خدا کا نام لے لے' تو شیطان (اپنی ذُریات سے) کہتا ہے (آج اس گھر میں) تمہارے لئے نہ شب باشی کا مقام ہے' نہ شام کا کھانا اور اگر گھر میں داخل ہوتے وقت آدمی خدا کا نام نہیں لیتا' تو شیطان (اپنی ذُریات سے) کہتا ہے' (آج اس گھر میں) تم کو شب باشی کا مقام مل گیا' اور وہ آدمی کھانا کھاتے وقت بھی خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے۔ (آج یہاں) تم کو شب باشی کا مقام بھی مل گیا' اور رات کا کھانا بھی۔

(مسلم: ۱۰۸/۶)

کھانے پینے کے آداب میں یہ چیز داخل ہے کہ اِنسان خصوصاً مسلمان کھانا کھائے' یا پانی پئے تو بائیں ہاتھ کو ہرگز استعمال نہ کرے۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے اگر کوئی کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے' اور پئے تو دائیں ہاتھ سے پئے۔ کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔"

(مسلم ۱۰۹/۶' مالک ابوداؤد)

کھانا کھانے کے بعد' خاص طور پر رات کا کھانا کھانے کے بعد' ہاتھ دھوئے بغیر سو رہنا نہ صرف ادب کے خلاف ہے' بلکہ اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

"شیطان بہت زیادہ چوکنا اور حساس ہوتا ہے۔ اس سے بچتے رہا کرو۔ اور جو اس طرح رات بسر کرے کہ اس کے ہاتھ میں گوشت وغیرہ کی چکنائی کی بُو ہو' اور اس کی وجہ سے کسی جانور کا نشانہ بن جائے۔ (یعنی کوئی جانور اسے کاٹ کھائے) تو اسے اپنے سوا کسی کو برا بھلا نہ کہنا چاہئے۔"

("ترمذی: ۴۸/' ابوداؤد: ۳۰/۱' اِبن حبان")

ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس جنات کے ایک وفد نے آکر اپنے توشہ اور کھانے سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالٰی کا نام لیا گیا ہو' تمہارے ہاتھ میں پڑ کر اس طرح گوشت سے بھر جائے گی' جس طرح فربہ جانور کا گوشت ہو' اور ہر مینگنی اور لید تمہارے چوپایوں کے لئے ہے۔"

(بخاری: ۵۹/۷)

یہی وجہ ہے کہ گوبر اور ہڈی سے اِستنجاء جائز نہیں۔ اس لئے کہ آپ نے فرمایا:

"یہ تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے۔"

(ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

ایک رات نماز پڑھتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ اگلے روز آپ نے اس کی تفصیل سناتے ہوئے فرمایا:

"رات! ایک خبیث سرکش جن دھوکہ دے کر میری نماز تڑوانا چاہتا تھا۔ مگر خدا نے اس کو میرے قابو میں کر دیا۔ میرا ارادہ ہوا کہ مسجد کے کسی ستون سے اس کو باندھ دوں کہ صبح کو تم سب دیکھو' مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کا قول یاد آیا۔ (انہوں نے دعا کی تھی کہ) "اے پروردگار! میری بخشش فرما' اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔" (ص:۳۵) اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا اور خدا نے اس کو ناکام واپس کیا۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۹/۱)

روزمرہ کے آداب سکھاتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا:

"جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالٰی سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو' کیونکہ مرغ' فرشتہ کو دیکھ کر آواز دیتا ہے۔ اور گدھے کی آواز سنا کرو تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگا کرو کہ وہ شیطان کو دیکھ کر چلاتا ہے۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۲۳۳/۳)

جمائی کیا ہے؟ اور جب یہ آئے تو کیا کیا جائے؟ ارشاد ہوتا ہے:

"جمائی شیطان (کی طرف) سے ہے' لہٰذا جب کسی کو جمائی آئے تو اسے روک دے۔ اس لئے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۳۲۷/۳)

شیطان سب سے بڑا مکار اور فریبی ہے۔ اسی لئے وہ بندوں کو ان کے حسب مراتب گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے' اور بسا اوقات اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے متعدد مواقع پر شیطان اور اس کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا ہے' اور اس سے بچنے کی مؤثر تدابیر سے آگاہ فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا:

— "تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آکر کہتا ہے: اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ پوچھتا ہے' کہ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک (خیال کا سلسلہ) پہنچ جائے تو آدمی کو خدا کی پناہ مانگنی چاہئے' اور (سلسلہ خیال کو) ختم کر دینا چاہئے۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۳۶/۱)

نیز فرمایا:

"سرِشام — یا فرمایا: — جب رات ہو جائے تو اپنے بچوں کو باہر نہ نکلنے دو۔ اس لئے کہ شیطانوں کے جابجا پھیلنے کا یہی وقت ہوتا ہے۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۶/۳)

● جنوں اور شیطانوں پر یقین ضروری:

مذکورہ بالا عقلی و نقلی ہردو دلائل کی روشنی میں بندۂ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ دیگر خلائق کی طرح جنوں اور شیطانوں کی بھی ایک دنیا آباد ہے۔ جہاں وہ سرگرم کار ہیں' اور چونکہ ان کا وجود عقل و نقل سے ثابت ہے' اس لئے ان کا انکار کرنا صریح کفر' اور کتاب و سُنت کو نہ ماننا' اور ان کو جھٹلانا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر عقیدہ رکھنے والا اس

قسم کی بیجا جسارت نہیں کر سکتا جو اسے دائرۂ اِسلام سے نکال باہر کرے۔

● سرسری جائزہ:

جن اور شیطان' تاریک دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر لوگ ان سے متعلق طرح طرح کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ خصوصاً جو لوگ قرآنِ پاک اور احادیث نبوی کی روشنی سے محروم ہیں' انہیں اور بھی نہیں معلوم کہ ان کی اصلیت اور خصوصیت کیا ہے؟ اس لئے ان کے بارے میں چند حقائق ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

● مادۂ تخلیق:

ا۔ جان: سب سے بڑا جن اسے "بابائے جن" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ سے پیدا کیا۔ قرآن پاک کی ایک صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ اِنسانوں سے پہلے اس کی پیدائش عمل میں آئی۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ' وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ○ (حجر:۲۶'۲۷)

● "اور بلاشبہ ہم نے اِنسانوں کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا' جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوئی تھی۔ اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی آگ سے پیدا کیا۔"

البتہ یہ امر واضح نہ ہوسکا کہ آدم اور اولادِ آدم کی طرح جنوں کی پیدائش بھی عمل میں آئی؟ کہ اولین جن آگ سے پیدا ہوا' پھر تو الدوتناسل کے ذریعہ اس کی نسل بڑھی' یا کوئی دوسری صورت اِختیار کی گئی؟ اصل بھید تو صرف اللہ کے علم میں ہے' ہاں اغلب یہ ہے کہ پہلی صورت عمل میں لائی گئی۔

۲۔ نام کی وجہ: یہ مخلوق اِنسانوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ "جَنَّ" کے معنی "ڈھانپنا اور پوشیدہ کرنا ہیں۔ لہٰذا اس مادہ سے جو لفظ آتا ہے۔ سب میں پوشیدگی کا معنی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ "جُنَّةٌ" ڈھال' اور اس خود کو کہتے ہیں جسے سپاہی میدانِ جنگ میں سر پر اوڑھے ہوتا ہے۔ "جَنَّةٌ" گھنے باغ کو کہتے ہیں' جو زمین کو ڈھانکے ہوتا ہے۔ دارِ آخرت کے باغوں کو بھی "جنت" کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اسے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے' تاکہ

غیب پر ایمان کا منشا پورا ہو۔ "جَنِینٌ" اس بچہ کو کہتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں ہو' وغیرہ۔

شریر اور سرکش جنوں کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ○ (اعراف:۲۷)

"(دیکھو) وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے۔"

۳۔ کھانے پینے کی حاجت: جانوروں اور پودوں کی طرح جنوں کو بھی کھانے پینے کی حاجت ہوتی ہے' جیسا کہ پہلے گذرا کہ:

"جنات کے ایک وفد نے آکر اپنے توشے اور کھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا' ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو' تمہارے ہاتھ میں پڑ کر اسی طرح گوشت سے بھر جائے گی' جس طرح فربہ جانور کا گوشت ہو۔" (بخاری ۷/۵۹)

نیز آپ نے گوبر اور ہڈی کو اِستنجا' میں برتنے سے منع فرمایا' اس لئے کہ:

"یہ تمہارے بھائی جنوں کا توشہ ہے!" (ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

کھانے پینے میں بائیں ہاتھ کو استعمال کرنے سے منع کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔"

(مسلم ۶/۱۰۹' مالک' ابوداؤد)

صحیحین کی ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر عام خلائق کی طرح اس مخلوق کی اُفتادِ طبع بھی ایسے نہج پر بنا رکھی ہے جس کی بنا پر انہیں بھی بھوک پیاس لاحق ہوتی ہے' اور کھانے پینے کی ضرورت پڑتی ہے۔

۴۔ توالد و تناسل: عام حیوانات اور اِنسانوں کی طرح — اس میں شک نہیں کہ — جنوں اور شیطانوں میں بھی نسل کی افزائش ہوتی ہے' اور اسی طرح ہوتی ہے جس طرح کل جانداروں میں ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ تکبر اور اس کے برے انجام سے خبردار کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ (کہف:۵۰)

ترجمہ "تو کیا تُم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو' حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' اور یہ ظالموں کے لئے برا بدل ہے۔"

اس فقرے میں ابلیس اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ جب کہ اسی آیت کی ابتداء میں ہردو کا ذِکر بہ صراحت موجود ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓ اِلَّآ اِبْلِیْسَ' کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ' اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗ ــ ○ (کہف:۵۰)

ترجمہ "اور (وہ وقت یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا' تو اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کی' تو کیا تُم اس کو اور اس کی اولاد کو ـــ ۔"

نیز مُسلم کی روایت میں ابھی گذرا کہ جو بندۂ خدا کا نام لئے بغیر گھر میں چلا آئے اور کھاپی لے تو ـــ

"شیطان کہتا ہے (آج یہاں) تُم کو رات گذارنے کا مقام بھی مل گیا اور شام کا کھانا بھی۔" (مسلم:۱۰۸/۶)

اسی لئے حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تُم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جماع کی نیت سے آئے تو یہ دعا پڑھے۔ اگر ان کے ملاپ سے کوئی اولاد نصیب ہوئی تو ہمیشہ شیطان سے محفوظ رہے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّیْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا ○

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۰/۲)

ترجمہ "اللہ کے نام سے' اے اللہ! ہم کو شیطان سے بچا' اور شیطان کو ہماری اولاد سے دور رکھ۔"

۵۔ جن اور شیطان دو ہیں یا ایک: جاننا چاہئے کہ جن اور شیطان کے درمیان نمایاں فرق ہے۔ اس فرق کو ذہن نشین کرنے کے لئے علماء نے روحانی مخلوق کی چار قسمیں کی ہیں۔

(۱) فرشتے (۲) اِنسان (۳) جن (۴) شیطان

۱۔ فرشتے: ان سے مراد وہ مستقل نورانی مخلوق ہے' جسے اللہ نے مخصوص اوصاف و کمالات کے ساتھ پیدا فرمایا' اور بے شمار انتظامی اختیارات عطا فرمائے۔ اس برگزیدہ غیبی مخلوق کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ پچھلے صفحات پر کیا جاچکا ہے۔

۳۔ جن: آگ سے پیدا کی گئی اس مخلوق کی دو قسمیں ہیں: (۱) جن (۲) شیطان وہ جو نیک بھی ہیں اور بد بھی' جن کہلاتے ہیں۔ یہ اِنسانوں کی طرح اچھے برے' فرمانبردار' اور نافرمان' اِیمان والے اور بے اِیمان دونوں قسم کے ہوتے ہیں' چنانچہ سورہ جن کی تفصیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۴۔ شیطان: وہ جو بد ہی بد ہیں' اور ہر قسم کے خیر سے دور رہتے ہیں "شَیَطٌ" کے معنٰی جلنے کے بھی آتے ہیں۔ چونکہ یہ آگ سے بنے ہیں' اور آگ میں جائیں گے' اسی لئے ان کو "شیطان" کہا جاتا ہے۔ "ابلیس" اسی گروہ کا سرغنہ اور ان کا پیش رو ہے' جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

اِلَّآ اِبْلِیْسَ' کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ○ (کہف:۵۰)

ترجمہ "مگر ابلیس! (نے سجدہ نہ کیا) وہ جنوں میں سے تھا' تو اس نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی۔"

آگ' ابلیس کا مادۂ تخلیق ہے۔ اسی لئے اس کے اندر بغض' حسد' کینہ' غصہ اور بیجا فخر و غرور زیادہ ہے' اور یہی اوصاف آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکنے کا سبب بنے۔ نیز ان کے اندر بدی سے رغبت اور ہر قسم کے خیر سے دوری پیدا ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابلیس اور اس کی پوری نسل برائی کرتی رہی' اور دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتی رہی ـــ کیونکہ مثل مشہور ہے: "سانپ کا بچہ سنپولیہ" اور "بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا" ہوتا ہے۔ بھیڑیا بکری کے بچوں کے درمیان پرورش پا کر اپنی سرشت فراموش نہیں کر سکتا نہ ہی سانپ کے بچے کو دودھ پلانے والا اس کے زہر سے خود کو بچا سکتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا' سرکشی اور شرارت شیطان کا شیوہ ہے' اس لئے ہر شریر اور سرکش جن' اِنسان اور حیوان کو "شیطان" کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ سرکش کو "مارد" اور حد درجہ شرارتی کو "عفریت" کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک نے یہ صراحت کی ہے کہ شیطان جن میں سے بھی ہوتے ہیں' اور انسانوں میں سے بھی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ (انعام:۱۱۲)

"(ہم نے) شیطان سیرت انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا ہے وہ دھوکہ دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔"

قرآن پاک جنوں کی زبانی ان کا یہ اعتراف بھی نقل کرتا ہے کہ وہ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ○ (جن:۱۱)

"اور یہ کہ ہم میں کچھ نیک ہیں' اور کچھ اور طرح کے ہیں۔"

جب کہ جن و انس ہردو مخلوق کو محض بندگی الٰہی کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ' مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ' اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○

(ذاریات:۵۶ تا ۵۸)

"اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔ میں ان سے رزق کا طالب نہیں ہوں۔ اور نہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ ہی سب کو رزق پہنچانے والا' قوت والا اور توانا ہے۔"

اس ارشاد و ہدایت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن اور انسان کسی حد تک اصلاح پذیر ہوئے' لیکن شیطانوں نے کوئی اثر نہیں لیا' بلکہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ' وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ○ (بقرہ:۲۶۸)

"شیطان تم کو مفلسی اور تنگ دستی سے ڈراتا ہے' اور تم کو بری بات (یعنی بخل) کی

ترغیب دیتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل (وکرم) کا وعدہ کرتا ہے۔"

اور شیطان کا حال سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو گمراہ کرتا ہے' اور انہیں سیدھا دوزخ میں پہنچا دیتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ○

(حج:۳'۴)

ترجمہ "(اور دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر جانے بوجھے جھگڑتے ہیں' اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں' جس کے بارے میں یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کا دوست ہوگا' وہ ضرور اس کو گمراہی میں ڈال دے گا اور دوزخ کے عذاب کا راستہ دکھائے گا۔"

جنوں کی یہ صنف عرفِ عام میں "شیطان اور ابلیس" کہلاتی ہے' یہ مخلوق اپنی کرتوتوں کی وجہ سے رحمت الٰہی سے دور اور فضل خداوندی سے مہجور ہے ___ حق تعالیٰ ہمیں اور تمام اِنسانوں کو شیطانِ لعین کے مکرو فریب سے مامون و محفوظ رکھے ___ آمین!

۶۔ کیا جن اور شیطان اپنا روپ بدل سکتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ جنوں اور شیطانوں کو حق تعالیٰ نے یہ صلاحیت بھی دے رکھی ہے۔ چنانچہ یہ مخلوق موقع محل کے لحاظ سے اپنی منشاء کے مطابق طرح طرح کے بہروپ بدل سکتی ہے۔ ذیل کی روایات اور عقلی دلائل سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

ا۔ دارُالندوہ میں شیطان کی شرکت: قریش نے جب یہ دیکھا کہ اِسلام اور پیغمبر اِسلام کے خلاف ان کی تمام کوششیں بیکار ہو رہی ہیں' اور اِسلام گھٹنے کی بجائے بڑھتا جا رہا ہے' تو اس سنگین صورت حال سے نمٹنے کے لئے مکہ کی قدیم انجمن میں جس کو دَارُالنَّدْوَہْ کہا جاتا ہے' قریش کے چھوٹے بڑے سرداروں کا عام اجتماع ہوا۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے کہا "محمد" کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا' اونٹ پر بٹھا کر ملک سے باہر کر دیا جائے۔! ابھی یہ مشورے ہو رہے تھے کہ

شیطان ایک نجدی رئیس کے بھیس میں آموجود ہوا۔ اور اس کی تائید اور حمایت سے اس بدترین تجویز پر اتفاق کیا گیا کہ "ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے' اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔" (خدا کی پناہ)

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۱۷۵' ۱۷۶۔ ابن ہشام: ۲/ ۱۰۳تا۱۰۵)

تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مشہور ہے' جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ مدینہ منورہ کا سانپ نما جن: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(ابو سائب!) دیکھو' یہ کوٹھری ہے۔ اس میں ہماری طرح کا ایک نوجوان رہتا تھا' جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ ہم اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق کھودنے کے لئے گئے۔ وہ نوجوان حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر دوپہر کو اپنے گھر چلا آتا تھا۔ اتفاق سے ایک روز جو اجازت مانگی' تو حضور نے فرمایا: اپنے ہتھیار ساتھ لے لو۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں بنو قریظہ تم پر حملہ نہ کردیں۔ نوجوان ہتھیار لے کر چلا آیا۔ آکر دیکھا کہ اس کی بیوی دونوں کواڑوں کے درمیان کھڑی ہے۔ اس کو غیرت آئی بیوی کو مارنے کے لئے نیزہ لے کر جھکا ــــ تو بیوی نے کہا: نیزہ روکو' پہلے گھر میں جا کر دیکھو' میرے باہر نکلنے کا سبب کیا ہے؟ نوجوان اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک بڑا سانپ لیٹا ہوا بستر پر بیٹھا ہے۔ جوان نیزہ لے کر سانپ کی طرف بڑھا' اور اس کو نیزہ میں پرو لیا۔ پھر باہر آکر نیزہ کو احاطہ کے اندر گاڑ دیا۔ سانپ تڑپنے لگا۔ (ادھر نوجوان بھی تڑپنے لگا) اور معلوم نہیں کس کی موت پہلے آئی' سانپ کی یا جوان کی؟! ــــ " (مسلم: ۷/ ۴۰)

۳۔ صدقہ کی کھجوروں کی چوری: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"مجھے رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی کھجوروں کی نگہبانی پر مقرر کیا تھا۔ ایک شخص آکر اس میں سے لپ بھر کھجوریں لے کر جانے لگا۔ (وہ شیطان تھا) میں نے اسے پکڑ لیا' اور چاہا کہ اچھی طرح قابو میں کر لوں۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں پھر نہ آؤں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اسے دوبارہ اور سہ بارہ پکڑا۔ تیسری بار میں نے کہا: اب میں تجھے رسول اللہ (ﷺ) کے پاس ضرور لے چلوں گا۔ اس نے کہا: میں تنگدست اور بال بچوں والا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو۔ اس کے عوض میں تمہیں قرآن پاک کی آیت بتاتا ہوں' وہ "آیۃ الکرسی" ہے۔ تم اپنے گھر میں اسے پڑھو۔ اس کی وجہ سے تمہارے پاس نہ شیطان آئے گا' اور نہ اس کے سوا کوئی اور ــــ

حضرت ابوہریرہ نے اسے چھوڑ دیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئے' تو حضور نے پوچھا: تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ حضرت ابوہریرہ نے رات کا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس نے یہ سچ کہا تھا' حالانکہ وہ جھوٹا ہے۔ دراصل وہ شیطان تھا۔!" (بخاری ۱۲۵/۴)

● تنبیہ:

پہلے عرض کیا گیا ہے' کہ جن اور شیطان' اپنی اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لیکن شکل بدلنے کی کیفیت اور اس کے طریق کار سے متعلق ہمیں کوئی صراحت نہ مل سکی۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیئے ہوں۔ جن کا ورد کرتے ہی ان کی صورتیں حسب منشا بدل جاتی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ رعایت چند مخصوص شکلوں تک محدود ہو۔ اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان حضورِ اکرم ﷺ کی صورت ہرگز ہرگز اختیار نہیں کرسکتا چنانچہ حضرت انس کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم نے ﷺ نے فرمایا:

"جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا' اس نے مجھ کو بے شک دیکھ لیا' اس لئے کہ شیطان میرا ہم شکل نہیں بنتا۔" (بخاری: ۴۲/۹ مسلم: ۵۴/۷)

۷۔ جنوں کا مسکن: جن زیادہ تر کوڑا کرکٹ کی جگہوں' ویرانوں' اور گھنے باغوں میں بسیرا لیتے ہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"پاخانے جنوں اور شیطانوں کے اڈے ہوتے ہیں۔ اس لئے جب تم پاخانہ کو جاؤ تو کہو۔"

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ○ (ابوداؤد)

ترجمہ "میں پلیدی اور ناپاکیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔"

اسی خوبو کا نتیجہ ہے کہ جھوٹے' بدکار' اور بدچلن لوگوں ہی کی شیطانوں سے دوستی ہوتی ہے وہ ان کی باتوں پر کان لگاتے ہیں' اور ان کے حوالے سے جھوٹی باتیں عام لوگوں کو بتاتے ہیں۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ' تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ○ (شعراء: ۲۲۱ تا ۲۲۳)

ترجمہ "(اے پیغمبر! لوگوں سے کہو) کیا تم کو بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ (یاد رکھو) ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں جو سنی سنائی بات (اس کے کان میں) لا کر ڈالتے ہیں'

اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔"

۸۔ **چوری سے ملا اعلی کی خبریں سننا:** (حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت سے) پہلے، جن خبریں معلوم کرنے کے لئے آسمان کی طرف جاتے تھے۔ جیسے فرشتے چاپا کرتے ہیں، اور گھات میں بیٹھ کر فرشتوں کی زبانی کچھ خبریں سن آتے تھے۔ پھر زمین پر آکر کاہنوں اور غیبی خبریں دینے والے اپنے دوست نجومیوں کو یہ اطلاعات فراہم کرتے تھے۔ وہ ان میں اپنی طرف سے کچھ ملا کر متعلقہ افراد کو وہ باتیں بتا دیا کرتے تھے، اور اس طرح ان پر اپنی غیب دانی کی دھونس جماتے تھے ـــ!

قرآن مجید اس حقیقت کو انہیں جنوں کی زبانی بلا کم وکاست بیان کرتا ہے۔ جنوں کی یہ جماعت کہتی ہے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًاوَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا وَاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَبِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۝

(جن:۸ تا ۱۰)

ترجمہ: "اور یہ کہ ہم نے آسمانوں کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا، اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لئے شعلہ تیار پائے گا۔ اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں اس سے زمین والوں کے حق میں برائی مقصود ہے۔ یا ان کے پروردگار نے ان کے حق میں بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔"

حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"اللہ کی جانب سے جو حکم ہوتا ہے ایک آسمان کے فرشتے، دوسرے آسمان کے فرشتوں کو وہ حکم بتا دیتے ہیں۔ (بالآخر دنیا کے آسمان تک خبر آتی ہے) اس وقت شیطان اس خبر کو خفیہ طور پر سن کر لے بھاگتے ہیں، اور اپنے دوست کاہنوں سے جا کر کہہ دیتے ہیں، اور اس میں سو جھوٹ اور ملا دیتے ہیں۔" (بخاری ۱۳۵/۴)

۹۔ **اِنسان جنوں سے افضل:** ان گوناگوں اوصاف کے باوجود جن، خواہ کتنے ہی

نیک ہوں' ان کا درجہ اِنسانوں سے بڑھا ہوا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوقات میں سے بہتوں پر اِنسان کو فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:۷۰)

ترجمہ "اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی' اور خشکی اور تری میں ان کو سواری دی۔ اور پاکیزہ چیزیں انہیں کھانے کو دیں' اور جتنی چیزیں ہم نے پیدا کیں' ان میں سے اکثر پر انہیں فضیلت دی۔"

فضیلت اور بزرگی کا یہ تمغہ جو نوع اِنسان کو نصیب ہوا' کسی آسمانی کتاب یا کسی نبی کی زبانی یہ نہیں سنا گیا کہ اِنسانوں کے سوا کسی اور مخلوق کو بھی یہ شرف حاصل ہوا ــــ! نیز جنوں میں کمتری کے احساس کا یوں بھی پتہ چلتا ہے کہ اِسلام سے پیشتر جب کسی قافلے کا گذر یا پڑاؤ کسی خوفناک وادی میں ہوتا تو قافلے والے کہا کرتے تھے کہ "اس وادی کا جو جن سردار ہے' ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں۔" ان کچی باتوں کی وجہ سے جن الٹے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے' اور ان کے اندر بے انتہا غرور آگیا تھا۔ حالانکہ یہ محض جہالت کا نتیجہ تھا۔

قرآن پاک نے اس حقیقت کو واشگاف کیا' اور ان خیالات کو دنیا والوں کے دل سے نکال کر انہیں خدا کی خالص وحدانیت کا سبق سکھایا:

وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ (جن:٦)

ترجمہ "اور یہ کہ بعض بنی آدم' بعض جنات کی پناہ لیتے تھے' جس سے ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔"

علاوہ ازیں ماضی میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جہالت پرستوں کی پکار' یا ان کی آہ وزاری اور فریاد پر جنوں نے لبیک کہا' ان کے حکموں کی تعمیل کی' اور ان کی چھوٹی بڑی ضرورتوں کو بخوشی پورا کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اِنسانوں کے مقابلہ میں ابتداء سے یہ مخلوق

عجز و درماندگی کا شکار رہی ہے۔ بالخصوص جن اِنسانوں نے اپنے عمل سے اپنی خدا داد فضیلت کو باقی رکھا' ہر حال میں صرف خدا کی بندگی کرتے رہے' اس کی شانِ ربوبیت اور اس کے اسماء و صفات میں کہیں توحید کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیا' ان کا درجہ نہ صرف جنوں بلکہ جملہ خلائق کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے' رہے وہ اِنسان جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس فضیلت کو خاک میں ملایا' اور خدا کے حکموں سے بغاوت کی۔ ان اِنسان نما شیطانوں' اور کافروں اور مشرکوں سے نکوکار اور صاحب اِیمان جن کہیں افضل اور برگزیدہ ہیں۔

● کیا نیک جن جنت میں جائیں گے؟

گذشتہ صفحات پر قدرے تفصیل سے بتایا گیا کہ جن اور ابلیس میں نمایاں فرق ہے۔ چنانچہ ابلیس اور اس کی ذُریت علیحدہ ہے' اور اِنسانوں کی طرح جنوں کی نسل مستقل ایک مخلوق ہے۔ البتہ جنوں میں اچھے برے' نیک اور بد' صاحب ایمان اور بے اِیمان دونوں ہوتے ہیں۔ اسی لئے اِنسانوں کی طرح جس جن کا خاتمہ اِیمان پر ہوگا' تقویٰ' پرہیزگاری' اور نیک اعمال سے اس کی زندگی معمور ہوگی۔ جنت اس کا ٹھکانا ہوگا' اور جنت کی ابدی راحتیں اس کی منتظر ہوں گے۔ ذیل کی آیتیں اس کا ثبوت ہیں:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ○ (بروج:۱۱)

ترجمہ "بے شک جو لوگ اِیمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان کے لئے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی — یہ بڑی کامیابی ہے۔"

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○ (انبیاء:۹۴)

ترجمہ "تو جو نیک کام کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو' اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی' اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔"

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (مائدہ:۹)

ترجمہ "جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کے لئے مغفرت ہے اور بڑا ثواب ہے۔"

ان آیات کے عموم (لفظ: من) اور ان کے مشروط انداز سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی شرطوں کو پوری کرنے والا خواہ اِنسان ہو' یا جن۔ اس کی کوشش اکارت نہ جائے گی۔ اس کی محنت کا پھل اسے مل کر رہے گا۔ اس سے زیادہ صراحت سورۂ "الرحمٰن" کی اس آیت سے ہوتی ہے جس کے پس منظر میں ابتداء سے جنوں اور اِنسانوں کو بطورِ خاص خطاب کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (رحمٰن:۴۶)

ترجمہ "اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں۔"

کیا جن اِنسانوں کو ستاتے ہیں؟

تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے اور عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جنات خصوصاً سرکش جن اِنسانوں کو ستاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس کسی پر ان کا بس چل جاتا ہے' یہ اس بری طرح اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اس امر کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بطورِ خاص ذکر ہے کہ "اس نے ہر اِنسان کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو خدا کے حکم سے بہت ساری آفتوں اور بلاؤں سے اسے محفوظ رکھتے ہیں۔" (رعد:۱۱) اور اگر قدرت کا یہ مخفی نظام نہ ہوتا تو اس میں شک نہیں کہ اِنسانی آبادی کا بڑا حصہ جہاں روزمرہ حوادث کا شکار ہوتا ہے' ان چھپی ہوئی آفتوں سے ان کی اموات کا تناسب کہیں زیادہ ہوتا' اس لئے بھی کہ دیگر حوادث سے یوں بھی حفاظت ممکن ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی احتیاطی تدبیر کے ذریعہ ان سے بچا جاسکتا ہے' لیکن سرکش جنوں اور شیطانوں کی شکل میں درپیش یہ خطرہ چونکہ اندھا اور بہرہ ہوتا ہے' اس پر مستزاد یہ کہ یہ مخلوق آگ کے لطیف جوہر سے بنی ہے' اس لئے نہ صرف نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔ بلکہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چشم زدن میں لمبی سے لمبی مسافت طے کرسکتی ہے' اس لئے اِنسان

ان سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ آدمی نادانستگی میں گرم پانی ایک طرف ڈال دیتا ہے۔ یہ پانی کسی جن کے سر پر پڑ جاتا ہے' کبھی پیشاب کے چھینٹے ان پر اُڑ جاتے ہیں' کبھی بھول کر انسان کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے جہاں پہلے سے یہ بسیرا کئے ہوتے ہیں اور اس طرح یہ آپے سے باہر ہو کر لڑنے مرنے اور ستانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اور یہ تو ہوتا ہے کہ جس طرح ایک اِنسان دوسرے اِنسان کو بلاوجہ ستاتا ہے' اور محض اپنی بدباطنی اور شرارت کی وجہ سے کمزوروں پر اپنی طاقت کا جھوٹا مظاہرہ کرتا ہے۔ جنات' جو اِنسانوں سے کہیں زیادہ سرکشی اور شرارت پر آمادہ ہوتے ہیں' وہ بلا کسی وجہ کے بھی دوسروں کو ستاتے ہیں' اور ان کی ہلاکت کے درپے ہوتے ہیں۔

جنات کی ایذا رسانی کے واقعات بے شمار ہیں' اور عوام و خواص کا بڑا طبقہ اس کا قائل ہے' اس لئے مزید ثبوت کی بجائے ہم صرف دو واقعات اس موقع پر درج کرتے ہیں۔

ا۔ پہلا واقعہ اس انصاری نوجوان کا ہے جسے مدینہ منورہ میں ایک جن نے سانپ بن کر ڈس لیا تھا' اور جن کی موت اتنی سرعت سے ہوئی تھی کہ بقولِ راوی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ: معلوم نہیں کس کی موت پہلے آئی' سانپ کی یا نوجوان کی؟!" (مسلم ۷/۴۰)

۲۔ دوسرا واقعہ جس کو میں پیش کرنا چاہتا ہوں' اس کا تعلق جگ بیتی سے نہیں ـــ آپ بیتی سے ہے۔ یہ میری اپنی عزیز بہن "سعدیہ" کا دردناک سانحہ ہے بچپن میں اس المیہ کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' اور تب سے دل پر اس صدمہ کا داغ اٹھایا ہے:

"قصہ یوں ہے کہ ایک روز ہم چھوٹے چھوٹے بچے کھجور کی خشک لکڑیوں کا گٹھا بنا کر ایک رسی کی مدد سے مکان کی چھت پر اسے چڑھا رہے تھے۔ میری بہن سعدیہ جو عمر میں مجھ سے کچھ ہی بڑی تھی' چھت پر تھی اور اوپر سے رسی کھینچ کر لکڑیاں ایک طرف رکھتی جاتی تھی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ جب سعدیہ نے رسی کھینچی تو گٹھا بھاری ہونے کی وجہ سے اس سے کھینچا نہ جاسکا۔ چنانچہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور گٹھا نیچے گر گیا۔ سوءِ اتفاق کہ گٹھا جہاں پر گرا' وہاں کوئی جن برا جمان تھا' اور یہ گٹھا ٹھیک اس کے اوپر گرا جس سے اس کو تکلیف ہوئی لیکن اس خبیث نے نادانستگی کی اس اذیت کا بدلہ اس طرح لینا شروع کیا کہ رات جب بہن محو خواب ہوتی' یہ آکر نیند میں اس کا گلہ دباتا' اور بے چاری بہن انتہائی کرب کے عالم میں ذبح کی گئی بکری کی طرح تڑپ اٹھتی اور زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑتی' اور جب تک ادھ موئی نہ ہو جاتی' یہ ظالم اسے نہ چھوڑتا' اور ہفتہ میں کئی کئی دن یہی کرتا۔ ایک روز بہن کی زبانی اس ملعون نے

اس کا اظہار بھی کیا کہ فلاں فلاں دن کی اذیت کا وہ اس طرح بدلہ لے رہا ہے ۔۔۔ بہن سعدیہ اس ایک روز کی معمولی خطا کی پاداش میں دس سال کے طویل عرصہ تک یہ کربناک اذیت سہتی رہی' اور ہفتہ عشرہ میں کئی کئی دن ایسا ہوتا کہ موت اس کے قریب آکر لوٹ جاتی ۔۔۔ آخر ایک روز اس جن نے اس کا گلا اس زور سے دبایا کہ اس کا سانس اکھڑ گیا۔ اس نے آخری بار زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑیں' اور پھر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اللہ تعالیٰ بال بال اس کی مغفرت فرمائے' اور اپنی رحمت کے سائے میں اسے جگہ دے۔ آمین!"

یہ کوئی افسانہ نہیں' ہمارے اپنے سروں پر پڑی ہوئی اُفتاد ہے۔ اس کی صداقت کی اس سے بڑی نشانی اور کیا ہوگی کہ ہماری ان آنکھوں نے اسے ہوتا ہوا دیکھا ہے!

فائدہ:

اس بحث کے ختم پر سات ایسی تدابیر ذکر کی جاتی ہیں' ان میں سے ہر تدبیر بجائے خود ایک حفاظتی قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور بندۂ مومن انہیں بروئے کار لا کر جنوں' شیطانوں' اور ان کے بد اثرات سے اپنا بچاؤ آپ کر سکتا ہے۔

۱۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ ۔ کا پڑھنا: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ (حم السجدہ:۳۶)

ترجمہ "اور اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ بلاشبہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔"

صحیحین کی روایت ہے' راوی حضرت سلیمان بن صرد کہتے ہیں کہ:

۔ ("میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اور دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ کی رگیں پھول گئیں) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا' میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ شخص اسے کہہ دے تو اس کا غصہ جاتا رہے وہ یہ ہے۔"

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

(بخاری:۸/ ۳۴'۳۵ مسلم ۸/۳۱:)

ترجمہ "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔"

۲۔ معوذتین کا پڑھنا: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ابن عابس ! (رضی اللہ عنہ) کیا میں تمہیں وہ بے نظیر کلمات نہ بتاؤں جن کے ذریعہ پناہ ڈھونڈنے والے زیادہ بہتر طریقے پر اپنے رب کی پناہ ڈھونڈ سکتے ہیں؟ میں نے عرض کیا' کیوں نہیں' اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: وہ یہ سورتیں ہیں' قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ــ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ــ الخ" اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔ (نسائی: ۸/۲۲۰' ۲۲۱

۳۔ آیۃ الکرسی: اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ○ (بقرہ:۲۵۵)

حضرت ابوہریرہ کی صحیح مسلم والی روایت پہلے گذری' جس میں ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے شیطان کو پکڑا تو:

"اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو' اس کے عوض میں تمہیں قرآن پاک کی ایک آیت بتاتا ہوں۔ جو کوئی اسے پڑھے گا اس کی وجہ سے اس کے پاس نہ شیطان آئے گا' نہ کوئی اور ــ اس کی اس بات کو سن کر حضور نے فرمایا تھا۔ اس نے یہ سچ کہا تھا' حالانکہ وہ جھوٹا تھا" (بخاری ۳/ ۱۳۵)

۴۔ سورۂ بقرہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم لوگ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے' اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔" (مسلم: ۱۸۸/۲)

۵۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ ــ کُلِّ شَیْیٍ ءٍ قَدِیْرٌ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص دن میں سو مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ' لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْیٍ ءٍ قَدِیْرٌ۔ پڑھتا ہے' اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے' دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں' سو خطائیں معاف کی جاتی ہیں' اور صبح سے شام تک یہ کلمات اس کے لئے شیطان سے بچنے کا ذریعہ رہتے ہیں۔ اور کوئی شخص اس کے فعل سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ ہاں جو آدمی اس سے زیادہ پڑھتا ہے (اس کا عمل اس سے بڑھ کر ہوتا ہے)" (مسلم: ۱۸۸/۲

۶۔ ذکر الٰہی: حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحیٰی علیہ السلام نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے تم لوگوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی کا ذکر کرو' اس کی یاد اپنے دلوں میں قائم رکھو۔ اس لئے کہ اس کی

یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سے ہے جو تیز بھاگا' اور دشمن بھی اس کے پیچھے تیز دوڑے۔ آخر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ ملا' اور اس نے اس میں پناہ لے کر اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچالی۔ اسی طرح بندۂ مومن شیطان سے' اللہ کے ذکر کی پناہ میں آکر بچ سکتا ہے۔" (ترمذی: ادب' ۷۸/)

۷۔ **غصہ کے وقت وضو کرنا:** آدمی غصہ میں ہو تو شیطان کسی نازیبا حرکت یا تلخ کلامی پر اسے اُکساتا ہے' اور بسا اوقات اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت میں آدمی کو فوراً وضو کرلینا چاہئے۔ اس لئے کہ:

"غصہ شیطان کا خاصہ ہے' اور شیطان آگ سے بنا ہے' اور پانی سے آگ بجھ جاتی ہے' اس لئے تم میں سے جس کسی کو غصہ آجائے' اسے چاہئے کہ فوراً وضو کرلے" (ابوداؤد: ۵۵۰/۲۔ احمد: ۲۲۶/۴)

اِسلامی عقیدے کا تیسرا رکن

اللہ کی کتابوں پر ایمان

● **تعریف:**

کِتَابٌ. جمع کُتُبٌ: لکھا ہوا لکھنا۔ (پہلے معنیٰ میں فعال کے وزن پر مفعول' دوسرے معنیٰ میں مصدر)

کسی کتاب کے اجزائے ترکیبی' مختلف حروف اور ان سے مل کر بنے ہوئے وہ الفاظ ہیں جن کی مدد سے مربوط فقروں اور مسلسل عبارتوں پر مشتمل مخصوص موضوع کی کوئی کتاب تیار ہوتی ہے۔

خدا کی کتابوں سے مراد اس کے احکام اور فرمودات کے وہ مجموعے ہیں جو ہر زمانے کے نبی اور رسول پر نازل ہوئے' اور اکٹھا ترتیب پا کر آسمانی کتابوں کے نام سے دنیا کے سامنے آتے رہے' یا یکجا نہ ہوئے اور متفرق صحیفے کی شکل میں مشہور ہوئے۔ صحیفوں کی مثال جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفے' اور کتابوں سے مراد توراۃ' زبور' انجیل اور قرآن کریم ہے۔

● **اہمیت و حقیقت:**

آسمانی کتابوں پر اِیمان کا مفہوم یہ ہے کہ اِسلام جس طرح تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ ان تمام چھوٹی بڑی کتابوں پر اِیمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے' جو سارے جہان کے اِنسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً اتاری گئیں۔ جو

درست اور مستحکم مضامین کی حامل' پاک اوراق میں درج ہوا کرتی تھیں۔

اتنا ضرور ہے کہ ان کتابوں میں جن کے نام بتا دیئے گئے' ان پر بندۂ مومن صراحت کے ساتھ اِیمان لاتا ہے' اور جن کے نام نہیں بتائے گئے' ان پر اجمالی اِیمان رکھتا ہے۔

● بعض آسمانی کتابیں:

اِنسانی تاریخ کو یہ اعتراف ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں کے مضامین اور ان کے حقائق کا صحیح سراغ کہیں مل سکتا ہے تو صرف قرآنِ کریم میں مل سکتا ہے' اس لئے کہ ــــ قرآنِ کریم آج تک انہیں لفظوں میں محفوظ ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج سے سینکڑوں سال پہلے تیئیس سال کی مدت میں نازل ہوا' یہ بھی تنہا اسی کی خصوصیت ہے کہ حکومتی اور عوامی ہر دو سطح پر اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ امراء اور سلاطین اسے اپنی مملکت کا دستور بناتے ہیں اور مسلم عوام خواہ کہیں آباد ہوں' اپنی زندگی کو اس کے رنگ میں ڈھالنا باعث سعادت اور باعث نجات سمجھتے ہیں۔ روزِ اول سے آج تک ہزاروں لاکھوں خوش نصیب مرد عورت' بوڑھے بچے لفظ بلفظ اس کو یاد کرتے ہیں اور نسل در نسل یہ سلسلہ یوں ہی دراز ہے۔ دور کیوں جایئے۔ اس دعوے کی صداقت' اور مولائے کریم کے کرم کا اس سے اندازہ کیجئے کہ نہ صرف یہ بے نوا رَاقم السطور' بلکہ اس کی پشتہاپشت اس نعمت عظمیٰ سے مالا مال ہے۔ چنانچہ یہ احقر اس کے والد بزرگوار' اس کے دادا اور پڑدادا سب ہی حافظ قرآن تھے۔ (رَحمھم اللہ)

آج جو قرآن دنیا کے سامنے موجود ہے' اس کا ایک ایک لفظ اس مصحف کی نقل ہے' جو پیغمبرِ اِسلام کے زمانے میں لکھا اور پڑھا جاتا تھا' اور یہ جو سینکڑوں ہزاروں نہیں' بلکہ لاکھوں افراد اس کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے کمربستہ ہیں ـــ (کہ کاتب اس کے رسم الخط کی' قاری اس کے تلفظ اور طرزِ اَدا کی' اور حافظ اس کے الفاظ اور عبارت کی ایسی حفاظت کرتے ہیں کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا) تو درحقیقت یہ اس کی حفاظت کے قدرتی نظام کی ایک کڑی ہے۔ اس لئے کہ اس کے اتارنے والے نے اس کی نگہداشت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ قیامت تک یہ قرآن پاک اسی طرح اپنی اصلی حالت پر باقی رہے گا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ○ (حجر:۹)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے' اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِلَمَّا جَآءَ هُمْ وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ (حم السجدہ:۴۱'۴۲)

ترجمہ "بلاشبہ جو لوگ اس (مجموعہ) نصیحت (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آیا۔ بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی بارفعت کتاب ہے۔ جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والا (اور) خوبیوں والا ہے۔"

چند قدیم آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تفصیل قرآنِ پاک اس طرح پیش کرتا ہے:

تورات:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ○ (فرقان:۳۵)

ترجمہ "اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کے ساتھ کیا۔"

"کتاب" سے مراد یہاں تورات ہے جب کہ دوسری آیت میں صراحت کے ساتھ وارد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ○ (مائدہ:۴۳'۴۴)

ترجمہ "اور یہ لوگ کس طرح تم سے فیصلہ کراتے ہیں جب کہ خود ان کے پاس تورات

موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے' پھر اس کے بعد بھی وہ اللہ کے حکم سے پھرے جاتے ہیں اور (سچ تو یہ ہے کہ) یہ ایمان نہیں رکھتے بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ انبیاء (بنی اسرائیل) جو اللہ کے فرمانبردار تھے' اس کے مطابق یہودیوں کو حکم دیتے رہے۔ اور مشائخ اور علماء بھی' کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے۔ اور وہ اس کی صداقت پر گواہ تھے۔"

زبور:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○

(اسراء:۵۵)

"اور یقیناً ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی ہے' اور ہم نے داؤد کو زبور عنایت کی۔"

انجیل:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ○ (حدید:۲۷)

"پھر ان کے پیچھے انہیں کے قدموں پر (اور) پیغمبر بھیجے' اور ان کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا' اور ان کو انجیل عنایت کی۔"

بعض صحیفے:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى○ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى○ (اعلیٰ:۱۹)

"یقیناً یہ (مضمون) اگلی کتابوں میں (بھی) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔"

مذکورہ بالا آیات میں تین آسمانی کتابوں اور دو صحیفوں کا ذکر ہے ذیل میں ان کے بعض مضامین کا اقتباس دیا جاتا ہے۔ تورات میں مذکور ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ۔ ○
(مائدہ:۴۵)

ترجمہ "اور ہم نے یہودیوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے میں جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ ۔ ۔"

ان آیات میں جان کے بدلے میں جان اور عضو کے بدلے عضو کاٹے جانے کا ذکر ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ○ (فتح:۲۹)

ترجمہ "محمد' اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو (صحابہ) ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں سخت ہیں' اور آپس میں (ایک دوسرے پر) مہربان ہیں۔ (اے مخاطب) تو ان کو دیکھتا ہے کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ سجدہ کے اثر سے ان کے چہروں پر نشان نمایاں ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ ان کی حالت مثل کھیتی کے ہے جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو مضبوط کیا' پھر وہ اور موٹی ہوگئی' پھر اپنے تنے پر سیدھی ہوگئی' کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کا دل جلائے۔"

اس آیت میں باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تربیت سے جو اوصاف صحابہ میں پیدا ہوئے' اور جو قرآن پاک میں وارد ہیں' ٹھیک یہی اوصاف تورات میں' اور یہی اوصاف انجیل میں مذکور ہوئے۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰىٓ ۙ اَلَّا تَزِرُ

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى، وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى، وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى، ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ○ (نجم:۳۶تا ۴۱)

ترجمہ "کیا اس کو ان مضامین کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں اور جو ابراہیم (کے صحیفوں میں ہیں) جو (اللہ کے) وفادار رہے (وہ) یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ اِنسان کو وہی ملے گا جس کی وہ کوشش کرے' اور اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی' پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

قرآن کریم' حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کی چند ہدایات کا ذکر کرتا ہے ـــ ان صحیفوں میں درج تھا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مجرم کے گناہ کوئی دوسرا اپنے سر لے لے' اور مجرم بری ہوجائے' نہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کے نیک اعمال دوسرا لے اُڑے۔ اس لئے ہر شخص کو اپنے اعمال پر نظر رکھنی چاہئے' اور یہ سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ اس نے عمل کیا ہے وہی سب اس کے آگے رکھ دیا جائے گا' اور ہر کسی کے اچھے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

ان کتابوں اور صحیفوں کو ذکر کرنے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ بندۂ مومن ان کتابوں پر اسی تفصیل سے اِیمان رکھتا ہے' جس طرح ان کا ذکر مفصل طور پر ہوا' اور جن کتابوں کا ذکر قرآن پاک نے سرسری طور پر کیا' بندۂ مومن بھی اجمالی طور پر ان پر اِیمان لاتا ہے' اور ان کی تفصیل کو خدا کے حوالے کرتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ○ (حدید:۲۵)

ترجمہ "بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو' تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ○

(بقرہ:۲۱۳)

ترجمہ "سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے ایمان والوں کو (رضائے الہٰی کی) خوشخبری دینے والے' اور کافروں کو (عذاب الہٰی سے) ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل کیں' تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے تھے وہ کتاب ان میں فیصلہ کردے۔"

مختصر یہ کہ جس قدر نبی اور رسول آئے' کسی تفصیل میں پڑے بغیر بندۂ مومن ان سب پر ایمان لانا اہم دینی فرض سمجھتا ہے۔ اس کا طریقہ وہ نہیں جسے یہود و نصاریٰ نے اپنا رکھا ہے کہ رسولوں اور کتابوں میں سے کسی کو مانتے ہیں' اور کسی کو نہیں مانتے ــــ خاص طور پر یہود جو برائے نام حضرت ابراہیم، موسیٰ اور داؤد علیہم السلام کو مانتے ہیں' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ اسی طرح یہود اور نصاریٰ دونوں آنحضرت ﷺ کو نہیں مانتے۔ نیز یہ دونوں تحریف شدہ توریت اور انجیل کو تو مانتے ہیں لیکن قرآن کریم کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کرتے ہیں' جب کہ یہ آج بھی محفوظ اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو باطل کو تسلیم کریں' اور حق سے گریز کریں' خدا جانتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کا یہی حال ہے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان کیوں؟:

ایک ایسا شخص جو خدا کے وجود کا قائل ہو' جس کی عقل اس کے غیبی نظام کو کورانہ تقلید سے یا آنکھ بند کرکے نہیں' علم و تحقیق اور مشاہدے کی روشنی میں اس درجہ تسلیم کرتی ہو کہ الحاد و بے دینی کے بگولے' اور شک اور تذبذب کی تیز آندھیاں اس کے آگے ہیچ ہوں۔ اس کے سامنے آسمانی کتابوں ہی کو نہیں' اسلام کے کسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کتاب کے آغاز سے ہر دو دلائل پیش کرنے کی جو روش ہم نے اپنا رکھی ہے' اسے باقی رکھتے ہوئے آئندہ سطروں میں ہم منقول روایات اور عینی مشاہدے پر مشتمل ٹھوس دلیلیں پیش کرنے جارہے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں دلائل ہماری نظر میں اس لئے قابل لحاظ ہیں کہ ہر زمانہ کا دانشمند طبقہ' خصوصاً موجودہ ترقی یافتہ دور کا' اگر تردید نہیں کرسکتا تو صرف ان افکار نظریات کی تردید نہیں کرسکتا جن کی بنیاد سابقہ دلائل پر استوار

ہو۔ ورنہ اِنسانی خیالات اور اس کے نقطہ نظر کی تبدیلی روز مرہ کا مشاہدہ بن چکی ہے۔

● (محفوظ ترین روایت:)

چونکہ آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کو چھوڑ کر جو آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے' گذرے زمانے کے تمام آثار' اور آسمانی صحیفوں کی شکل میں جو عہد کہن کے سارے زرین نقوش ایک ایک کرکے فنا ہوچکے ہیں' اس لئے کتب سماویہ کی تائید' اور اس آخری آسمانی کتاب قرآنِ کریم کی صداقت و سچائی کے لئے سب سے پہلے ہم خود اسی قرآن کو پیش کرتے ہیں' جو ایک طرف اپنے بھیجنے والے کی قدرت و سطوت' علم و حکمت جاہ و حشمت اور شان و شوکت کا آئینہ دار ہے۔ تو دوسری طرف کلامِ ربانی' شفقت و انعامِ خداوندی' آئین جہاں بانی' اور دستورِ خدا شناسی کی اپنی مثال آپ ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آسمانی کتابوں جیسے' تورات' انجیل' زبور اور آسمانی صحیفوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا بہترین ترجمان اور ان کے حقائق و معارف کا قابل اِعتماد ماخذ اور امین ہے ـــ اور یہ بتاتا ہے کہ انبیاءِ سابقین پر اور بھی کتابیں نازل ہوئیں۔ لیکن سُوءِ اتفاق سے آج وہ لوگوں کے سامنے موجود نہیں ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن کریم اپنے اور قدیم آسمانی کتابوں کے بارے میں جس صراحت اور قوت کے ساتھ واضح اعلان کرتا ہے کیا اس کتاب کے علاوہ کوئی کتاب یا دوسرا کوئی ذریعہ ہے جو اتنی خوبی اور صفائی سے اس موضوع پر کچھ کہہ سکے؟

عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم کا حامل ہر فردِ بشر ـــ جس کا ضمیر بیدار اور شعور زندہ ہے' جو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا اس سے کیا چاہتا ہے؟ وہ کن باتوں سے خوش' اور کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے؟ ان افراد ـــ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و معبودِ حقیقی' دین اِسلام کو اپنا دستور' حضرت محمد ﷺ کو اپنا ہادی اور قرآن کریم کو اپنا رہنما بنائیں' اور اپنی پوری زندگی کے لئے اس سے ہدایات حاصل کریں۔ اس لئے کہ فصاحت و بلاغت' معانی و مطالب' علوم و معارف اور اپنی تمام تر خصوصیات میں منفرد یہی ایک کتاب ایسی ہے' جس نے صدیوں پہلے دنیا والوں کو یہ چیلنج دیا کہ اگر تمہیں اپنی طلاقت

لسانی اور زباندانی پر بڑا ناز ہے تو اس جیسی کوئی کتاب لا کر دکھا دو' خود نہ کر سکو تو اپنی ساتھ جنوں کو بھی شریک کر لو کتاب نہیں تو اس جیسی ایک آیت ہی لے آؤ۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (اسراء:۸۸)

ترجمہ "(اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ اگر تمام اِنسان اور جن جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام بنا لائیں تو ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکیں گے' اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار کیوں نہ ہو۔"

ایک طرف اس کتاب کی ان چند خوبیوں کو سامنے رکھا جائے' اور دوسری طرف حضرت محمد ﷺ کی سیرت کے اس پہلو پر غور کیا جائے کہ آپ ابتداء سے ناخواندہ اور اُمّی تھے۔ کسی مکتب میں کسی استاذ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تھا۔ اپنی حیات طیبہ کے ابتدائی چالیس سال میں آپ نے زبان و بیان کی نہ کوئی مشق بہم پہنچائی تھی۔ نہ کسی قسم کے وحی والهام کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ٹھیک چالیس سال گذرتے ہی اور مقام نبوت پر سرفراز ہونے کے فوری بعد آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے ہدایت کا وہ سرچشمہ پھوٹا جس نے سننے والوں کو حیران اور ششدر کر دیا۔ دوسرے آپ نے خدا کے کلام کو بندگانِ خدا تک اس احتیاط سے پہنچایا کہ نہ ایک لفظ گھٹایا' نہ بڑھایا' نہ اپنی کسی خواہش یا فکر و احساس کو اس میں شامل کیا۔

قرآن کریم جو ایک طرف باری تعالیٰ کے وجود' اس کی وحدانیت' اس کے علم و حکمت' رافت و رحمت اور طاقت و شوکت کی گواہی دیتا ہے اور دوسری طرف حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ کے فضل و کمال نیز دیگر آسمانی کتابوں کے برحق ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی یہ شہادتیں' اور خود اس کی محفوظیت ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جو ہر قسم کے شک شبہ سے بالاتر ہے۔ اس لئے کہ اِنسانی تاریخ میں دوسری ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاسکتی جو اس قدر قطعی اور یقینی ہو۔ جو کوئی اس کی صحت میں شک کرتا ہے' وہ تاریخی حقائق اور روزمرہ کے مشاہدات کا انکار کرتا ہے اور گویا اس کا قائل ہے کہ بات[1] ہے' بولنے والا نہیں' علم[2] ہے' علم والا کوئی نہیں' دنیا والوں کو نبوت[3] اور رسالت[4] کی شکل میں

ان کے بتانے والے کا آخری پیغام تو ملا' لیکن درمیان سے رابطہ کی وہ کڑیاں غائب ہیں جنہیں نبی اور رسول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دلالت[۵] (دُھواں) ہے۔ دلیل (آگ) کا کوسوں پتہ نہیں، اثر[۶] ہے مؤثر کوئی نہیں ـــ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے حقائق کا انکار کرنا علم کی خدمت کرنا ہے؟ یہ علم کی خدمت نہیں' اپنی جہالت اور حماقت کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

● عینی مشاہدے:

آسمانی کتابوں اور ان پر اِیمان لانے کے ثبوت میں ہم کون کون سی دلیلیں پیش کریں؟ ـــ اس لئے کہ مردِ دانا اور ہوشیار کے لئے بدیہی اور واضح امور پر دلیل پیش کرنا سب سے کٹھن اور دشوار گذار کام ہے۔

کوئی شخص بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر زمین' آسمان' چاند اور سورج کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے دلیل پر دلیل دے رہا ہو۔ پیاسے کے لئے پانی' بیمار کے لئے دوا' اور بھوکے کے لئے غذا کی حاجت اور ضرورت پر پرجوش تقریر کر رہا ہو' کیا اس بھرے مجمع میں اس شخص کی حالت قابلِ رحم نہ ہوگی؟ ـــ سوچنا چاہئے کہ آج جب کہ صدیاں بیت گئیں' نہ جانے کتنی خوش نصیب ہستیاں اور سعید روحیں آسمانی کتابوں کو پڑھ کر' دل میں ان کا یقین جما کر' اور ان پر عمل پیرا ہو کر اوجِ کمال کو پہنچ چکی ہیں' ایک ہم ہیں کہ ان کتابوں کی حقانیت اور صداقت کو ابھی ثابت کرنے جارہے ہیں خدا ہم پر رحم کرے! ناظرین کی نگاہوں میں ہماری حالت کیا اس پہلے شخص سے زیادہ قابلِ رحم نہ ہوگی؟! وَاللّٰهُ الْمُستَعانُ۔

ہرچند کہ یہ دعویٰ اپنے ثبوت کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہیں' لیکن اس کے باوجود ذیل میں وہ دلیلیں پیش کی جاتی ہیں جن سے زیادہ سچی اور حقیقت پر مبنی دلیلیں اِنسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلاً ○ (نساء:۱۲۲)

ترجمہ: "اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔؟"

حضورِ اکرم ﷺ کی رسالت' اور آپ پر قرآن پاک کے نزول کا ایک مقصد اِنسانوں کے جھگڑوں اور قضیوں کو چکانا بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۝

(نساء:۱۰۵)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تم کو دکھا دیا' اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔"

انبیاء اور رسول جو زمین کی کان کے نمک اور نازشِ خلائق ہیں' ان پر اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ اس نے انہیں وحی سے سرفراز فرمایا' کتاب و حکمت کی تعلیم دی' اور دین معرفت کی وہ باتیں سکھائیں جو وہ پہلے سے نہیں جانتے تھے:

وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (نساء:۱۱۳)

ترجمہ "اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی' اور تم کو وہ باتیں سکھا دی ہیں جو تم پہلے سے نہیں جانتے تھے' اور تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔"

مومن کی سب سے بڑی دولت عقیدۂ توحید ہے۔ انبیاء کی تشریف آوری اور آسمانی کتابوں کا بنیادی موضوع عقیدۂ توحید کے گرد گھومتا ہے' اور یہی نبوتِ محمدی (عَلٰی صاحِبِها اَلْفُ تَحِيَّةٍ) کا مقصد اور نزولِ قرآن کی بنیادی غرض ہے:

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ (آلِ عمران:۱تا۴)

ترجمہ "الم' اللہ (ایسا ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ (اور سب کا) تھامنے والا ہے۔ اس نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے' اور اس نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کی اور اسی نے (حق و باطل میں) تمیز کرنے والی چیز نازل کی۔"

توحید کے اسی پیغام کو لے کر از اول تا آخر تمام انبیاء اپنی اپنی اُمتوں کے پاس آئے' اس لئے کہ اِسلامی زندگی کی اِبتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اسی پیغام کو حضرت داؤد علیہ السلام زبور

کی شکل میں' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی شکل میں لائے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ' وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ' رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ' وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (نساء:۱۶۳تا۱۶۵)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی' اور جس طرح ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اِسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی بھیجی تھی۔ اور داؤد کو ہم نے زبور عنایت کی۔ اور ہم نے بعض رسول تو ایسے بھیجے جن کے حالات ہم اس سے پہلے تم سے بیان کر چکے ہیں' اور بہت سے پیغمبر ایسے بھی ہیں جن کے حالات تم سے نہیں بیان کئے' اور موسیٰ سے تو اللہ نے کلام کیا' ان سب پیغمبروں کو اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر اس لئے بھیجا تھا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اور اللہ سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔"

آسمانی کتابوں کی صداقت کے لئے سردست ہم اسی قدر دلائل پر اکتفا کرتے ہیں مزید کا طالب اپنے ذوق کے مطابق قرآن پاک میں آپ تلاش کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک اہم موضوع ہے اور قرآن پاک نے جابجا اس کو شرح و بسط کے ساتھ اس قوت سے پیش کیا ہے کہ ان کتابوں اور ان کے لانے والوں کے بارے میں ادنیٰ شک شبہ بھی دلوں میں باقی نہ رہے اور دل بے ساختہ انہیں ماننے' اور ان کی تعلیمات' ان کے آداب اور ان کے اخلاق پر عمل پیرا ہونے کے لئے خود کو آمادہ اور تیار پائے۔

آسمانی کتابوں پر یقین کرنا ایمان کا اہم رکن اور اس کی وجہ:

اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا دین کا اہم رکن' اور عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے کہ قرآن کریم ہر عقیدے کو بار بار دہرا کر یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان سب کو تسلیم کرنا اطاعت ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار کرنا بدترین قسم کی معصیت ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ' وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ○ (نساء:۱۳۶)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ- اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔"

جملہ کتب سماویہ پر عموماً' اور قرآنِ کریم پر خصوصاً ایمان لانا فرض ہے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے تنہا یہی ایک آیت کافی ہے- ساتھ ہی آیت یہ تعلیم بھی دیتی ہے کہ دل و دماغ کے کسی گوشہ میں ان کی تکذیب یا ان سے متعلق کسی قسم کا باطل عقیدہ چھپا رہا' تو پھر ایمان کی خیر نہیں!

اللہ پر ایمان' اسلامی عقائد کی روح ہے تو اس کی کتابوں پر ایمان لانا اس کی شاخ' اور اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کو تسلیم کئے بغیر ایمانیات کا گوشہ تشنہ ہی رہ جاتا ہے کتاب و سنت سے اس کی بخوبی تائید ہوتی ہے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ـــ ○

(بقرہ:۱۷۷)

ترجمہ "نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو' بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر' اور قیامت کے دن پر' اور فرشتوں پر' اور اللہ کی سب کتابوں

پر' اور پیغمبروں پر ایمان لائے۔"

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ○ (بقرہ:۲۸۵)

ترجمہ "(یہ) پیغمبر (محمد) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں' جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی' اور (اسی طرح) ایمان والے بھی۔ یہ سب کے سب اللہ پر اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں۔"

مشہور روایت "حدیث جبرئیل" میں حضرت جبرئیل کے اس سوال پر کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا:

"ایمان یہ ہے کہ تم خدا پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اور اس کے پیغمبروں پر یقین رکھو' اور ہر طرح کی (اچھی بری) تقدیر کو دل سے مانو۔"

(مسلم عن عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب: ۱۰/ ۲۸'۲۹)

آسمانی کتابوں کی شکل میں یکجا خدائی قانون کے لئے ازروئے عقل یہ امر اشد ضروری تھا کہ وہ: ۱۔ مرتب اور منضبط ہو نیز اس لئے کہ: ۲۔ ہر نبی اور رسول اپنی اپنی قوم کے سامنے اسے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے' تاکہ قوم کو اسے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرے' اور: ۳۔ جب نبی اپنا فرضِ منصبی پورا کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہی دستور قوموں اور ملکوں کے لئے سرچشمہ ہدایت بنے' عوام و خواص اس پر ایمان لائیں' دل سے اسے تسلیم کریں' اور ان پر عمل کریں تاآنکہ اگلے نبی کی بعثت' اور ان کے ساتھ نئی کتاب کی آمد کا وقت آئے اور پچھلی شریعت منسوخ ہو جائے' جیسا کہ انجیل نے آکر تورات کے بعض احکام کو منسوخ کیا' اور سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن کریم نے انجیل تورات اور دیگر تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کیا۔

اس کے برعکس اگر آسمانی دستور کتابی شکل میں مرتب نہ ہوتا تو نہ صرف دین میں انتشار ہوتا بلکہ لوگوں کے لئے حجت' اور ایک طرح کا عذر ہوتا کہ "ہم کو کچھ خبر نہیں ہوئی' کسی نے ہم کو نیکی کی دعوت' اور برائی سے بچنے کی تلقین نہیں کی ورنہ ہم نافرمانی نہ کرتے۔"

اس قسم کے عذرِ لنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلاَّ يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ، وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْمًا ○ (نساء:۱۶۵)

ترجمہ "ان سب پیغمبروں کو اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر اس لئے بھیجا تھا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

تین باتیں:

- احکامِ الٰہی کو کتابی شکل میں اپنی اپنی قوم کے سامنے پیش کرنا ہر نبی کے لئے وقت کی اہم ضرورت تھی۔
- قانونِ الٰہی کی حفاظت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر بھی یہ امر ضروری تھا۔
- بندگانِ خدا پر' خدا کی حجت تمام کرنے کے لئے بھی عقلاً یہ ضروری تھا کہ احکامِ الٰہی کتابی شکل میں مدوّن ہوں۔

یہ وہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر جہاں آسمانی کتابوں کا نہ صرف وجود ثابت ہوتا ہے' بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بندے صدقِ دل سے ان پر ایمان لائیں' اور ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں' تاکہ دنیا اور آخرت کی سعادت انہیں نصیب ہو۔

قرآنِ کریم کا مقام آسمانی کتابوں میں:

قرآنِ کریم' اس کے اَسرار و رُموز' اس کے حقائق و معارف' اور اس کی قانونی نزاکتوں کے ماہر جملہ محققین اور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ پچھلی تمام آسمانی کتابوں میں قرآنِ پاک تنہا وہ کتاب ہے جو بے شمار نمایاں اوصاف اور منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ ان میں پانچ اوصاف ــــ جو زیادہ اہم ہیں' اور جن کی وجہ سے سابقہ تمام کتابیں یکسر منسوخ اور ان کے اکثر احکام و مسائل تحلیل کئے گئے ــــ ذیل میں درج ہیں۔

۱۔ سابقہ آسمانی کتابوں کے ماہرین اور ان کے ماننے والے یہ اعتراف کرتے ہیں کہ لفظ اور معنٰی کے اعتبار سے یہ وہی نہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ اس لئے کہ ان میں ردو بدل کیا گیا ہے۔

۲۔ مذہبی کتابوں کے نام سے موجود تمام کتابوں اور ان کی تعلیمات کا جائزہ لینے کے

بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص قوم یا محدود زمانے کے لئے مخصوص تھیں- جیسے:تورات' زبور' اور انجیل صرف بنی اسرائیل کی اصلاح اور ہدایت کے لئے بھیجی گئیں- اس کے برعکس قرآن پاک ہی وہ کتاب ہے جس کا دعوٰی ہے کہ وہ ہر زمانے کے لئے اور تمام اِنسانوں کی رہنمائی اور اصلاح کے لئے ہے- قرآن پاک کا یہ دعوٰی عملی طور پر اس وقت صحیح ثابت ہوتا ہے جب پیغمبر علیہ السلام کو یہ حکم ہوتا ہے کہ ہرچند کہ ہم نے تورات اور انجیل کو نازل کیا' لیکن اسی حق و صداقت کے ساتھ ہم نے "الکتاب" یعنی قرآن کو پیغمبر آخرالزمان ﷺ پر نازل کیا ہے- اسی لئے کل تک جو لوگ کسی بھی کتاب کو مانتے تھے' اب تُم ان لوگوں کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اب اللہ نے نازل کیا ہے- چنانچہ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ[1] بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ[2] وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ○ (مائدہ:۴۸)

ترجمہ "اور اے (پیغمبر!) ہم نے تُم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ (بھی) ہے تو (اے پیغمبر!) جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تُم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو' اور جو حق بات تمہارے پاس آچکی ہے اس کو چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو-"

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ○ (نساء:۱۰۵)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) ہم نے تُم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تُم کو دکھادیا

ف1 "اَل" یہاں کمال کا معنٰی دے رہا ہے- یعنی "الکتاب" کہی جانے کی مستحق صرف یہی کتاب ہے جس کے بارے میں حق تعالٰی نے دین کو مکمل کیا- سابقہ کتابوں کو یہ مقام اور یہ منصب حاصل نہیں تھا- "بِالْحَقِّ" یعنی جو حق ہو اور حق کی تائید کرے-

ف2 "اَل" جنس اور عموم کا ہے- یعنی جملہ کتابیں- عموم کی وجہ سے تورات' زبور' اور انجیل وغیرہ جملہ آسمانی کتابیں اس میں شامل ہیں-

ہے' اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔"

قرآن کریم کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ سابقہ آسمانی کتابوں کا محافظ اور ان کے مضامین کا امین اور گواہ ہے۔ جن مضامین کو یہ درست بتائے گا وہ درست' اور جنہیں یہ غلط قرار دے وہ غلط ہوں گے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ○ (مائدہ:۴۸)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے' اور ان کی محافظ (بھی) ہے۔"

اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اِنسان کسی دور میں' خواہ کہیں آباد ہو' دستورِ خداوندی کا مخاطب ہے' اور اس کی بجا آوری اس پر فرض ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ○ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ "(اے محمد!) تم کہہ دو کہ لوگو' میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔"

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ○ (سبا:۲۸)

ترجمہ "اور (اے محمد!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

جب کہ سابقہ آسمانی کتابیں مخصوص زمانے اور علاقے کے لئے ہوتی تھیں' اور ان میں عمومی شان نہیں پائی جاتی تھی۔

یہ شرف صرف اسی کتاب کو حاصل ہے رب دو جہاں تاقیامت خود اس کتاب کا محافظ اور نگراں ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (حجر:۹)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے' اور یقیناً ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔"

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ (فصلت:۴۱'۴۲)

ترجمہ "بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے' اور نہ پیچھے سے' یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو حکمت والا (اور) خوبیوں والا ہے۔"

اس کی حفاظت کا الٰہی نظام یہ ہے کہ حفاظ کا گروہ اسے اپنے سینے میں محفوظ کرتا ہے' اور کاتب اس کے الفاظ و حروف کو اس طرح قلمبند کرتا ہے کہ کسی کی مجال نہیں جو ایک حرف کہیں کم یا زیادہ کردے' جب کہ سابقہ آسمانی کتابیں نہ صرف تحریف اور رود بدل سے دو چار ہوئیں' بلکہ بخت نصر کے ساتھ جنگ میں تورات اس طرح لاپتہ ہوئی کہ اس کے ماننے والے ایک زمانہ تک اس سے محروم رہے' اور طویل عرصہ کے بعد کہیں دستیاب ہوئی۔ اور یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیسے ہاتھ آئی' اور جو ملی وہ تورات کا اصل نسخہ تھا یا کوئی دوسرا مجموعہ تھا۔ لیکن اس کو کیا کہا جائے کہ اس بازیافت کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ مادہ اور معدہ پرستوں نے اسے دوبارہ غائب کردیا' اور تحریف کے بعد جو نسخہ دنیا والوں کے سامنے آیا اس میں کلامِ الٰہی اور کلامِ انسانی کو اس درجہ خلط ملط کیا گیا کہ امتیاز مشکل ہوگیا۔ بطورِ مثال انجیل کو پیش کیا جاسکتا ہے' جو ابتداء میں ایک تھی' لیکن آج اس کے پانچ نسخے پائے جاتے ہیں۔ ع[1]

قرآنِ کریم کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ انسانی معاملات کی درستی اور دنیا اور آخرت کی فلاح و کامرانی کے لئے جامع نسخہ ہدایت صرف اسی ایک کتاب میں درج ہے' بشرطیکہ اسے ٹھیک ٹھیک مانا جائے' اور اس پر عمل کیا جائے۔

چنانچہ ارشاد ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۚ قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ

ع[1] وہ یہ ہیں: متی' مرقس' لوقا' یوحنا' اور برنابا کی انجیل۔ ان میں آخر الذکر نسخہ زیادہ صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ انجیل کا یہ نسخہ چوتھی صدی عیسوی سے سترھویں صدی تک دنیا والوں کی نظروں سے اوجھل رہا ہے۔

وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ○ (مائدہ:۱۵'۱۶)

ترجمہ "اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آگئے ہیں کہ تم کتاب الٰہی میں سے جو کچھ چھپاتے تھے وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں صاف صاف بتا دیتے ہیں' اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں- بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے- جو لوگ اللہ کی رضا کے طلبگار ہوتے ہیں' ان کو اللہ کتاب کے ذریعہ سلامتی کے راستے دکھاتا ہے' اور اپنے حکم سے ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے' اور ان کو سیدھے راستے پر چلاتا ہے-"

قرآنی ہدایات اور اس کے فیوض و برکات کا روشن مرقع:

نوعِ اِنسانی کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جو بیش قیمت خزانہ قرآن پاک کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے آج اس کا دسواں حصہ بھی کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں- ذیل میں ترتیب وار اس کی چند صفات درج ہیں:

۱- ہر قسم کی بھلائی اور خیر سے ہمکنار کرتی ہے- ہمہ قسم کی سربلندی اور فضل و کمال کے حصول میں مدد دیتی ہے- دنیا اور آخرت کی سعادت اور کامرانی کی طرف دعوت دیتی ہے- ارشاد ہوتا ہے:

الٓمّٓ' ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ (بقرہ:۱تا۲)

ترجمہ "الم' یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں' یہ پرہیزگاروں کو (کامیابی کی) راہ بتانے والی ہے-"

۲- سراسر رحمت' سراپا مہربانی' مجسم شفقت و رافت جو مومن و کافر' اِنسان و حیوان' جنات اور چھوٹی بڑی کل خلائق زندہ و مردہ غرض ساری کائنات کے لئے ہر لحہ اور ہر گھڑی جاری و ساری ہے- اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ فرماتا ہے:

الٓمّٓ' تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ' هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○ (لقمان:۱تا۳)

ترجمہ: "الم' یہ حکمت سے بھری ہوئی کتاب کی آیتیں ہیں جو نیک کام کرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (ہیں)۔"

۳- شِفَاء: جملہ عوارض اور امراض جن کا تعلق فکر و نظر' اور رُوح و ضمیر سے ہو' یا وہ اندھیریاں جو کفر و شرک' ذہنی خلجان اور حیرت و اضطراب کی وجہ سے طاری ہوں' یا باطنی بیماریاں جیسے حرص و حسد' تکبر اور ہذیان' عجز و درماندگی' اور ظلم و زیادتی ان سب کا تشفی بخش علاج اس کے اندر موجود ہے۔ حق تعالٰی کا ارشاد ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (اسراء:۸۲)

ترجمہ: "اور ہم قرآن کے ذریعہ سے وہ چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں۔"

۴- ایک روشن نور جس سے باطل کی تاریکیاں کافور ہوتی ہیں' دلوں کا زنگ دھل جاتا ہے' جہالت کا میل اور باطن کی کمزوریاں زائل ہو کر اشیاء کے حقائق اور کائنات کے اسرار واشگاف ہوتے ہیں:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۝ (نساء:۱۷۴)

ترجمہ: "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل آچکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور (قرآن) بھیجا ہے۔"

۵- موعظت اور نصیحت: یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں کے ذریعہ قرآن کریم ہر بری بات سے روکتا ہے۔ اور اچھی باتوں کی ترغیب دیتا ہے:

يٰاَيُّهَاالنَّاسُ قَدْ جَآءَ تْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ۝ (یونس:۵۷)

ترجمہ: "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسی کتاب آچکی ہے جو نصیحت ہے' اور دلوں کی تمام بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔"

۶- دنیوی خیر و برکت اور اخروی سعادت کی ضامن ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (نحل:۸۹)

"اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے- اور جو مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے-"

۷- ذاتِ برحق کی طرف سے خود سراپا حق و صداقت کا حامل' اور حق و صداقت کا حامی اور نگراں- سچائی اور راستی خواہ کہیں ہو قرآنِ پاک اس کی تائید کرتا اور اسے برقرار رکھتا ہے:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ○ (اسراء:۱۰۵)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے اس قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے-"

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ○ (مائدہ:۴۸)

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے-"

یعنی قرآن کریم خود راست اور درست ہے' اور راستی کی تائید کرتا ہے-

۸- ذکر الٰہی جس سے دل زندہ' اور اس کی تلاوت سے روح تروتازہ ہو' جسے اپنانے سے نفس کا تزکیہ ہو' درجے بلند ہوں' خدا کی ہم نشینی نصیب ہو' اور صالحین میں اس کا شمار ہو:

صٓ' وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ ○ (صٓ:۱)

"صٓ (اے محمد!) قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے بھرا ہوا ہے-"

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ○ (زخرف:۴۴)

"اور بے شک یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور (لوگو!) تم سے عنقریب پرسش ہوگی-"

۹- خیر جاری: جن و اِنس اور کائنات کی چھوٹی بڑی کل خلائق قرآن پاک کے سرچشمہ خیرو برکت سے' اس کے نزول کے وقت سے تاقیامت مستفید ہوتی رہی ہے- ہاں جس نے

اپنے کان بند ہی کر لئے' وہ اِنسان ہو یا جن' از خود رانده اور بے بہرہ ہوا- وہ آپ اپنی حرماں نصیبی اور محرومی کا باعث ہے- اس چشمہ آفتاب کا کیا قصور؟

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا ○ (نحل:٣٠)

ترجمہ "اور جب پرہیز گاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا' تو وہ کہتے ہیں' بڑی خیر (اور برکت) نازل کی-"

١٠- تفصیل و وضاحت: وہ تمام اہم اور بنیادی امور جن کی اِنسان کو ضرورت ہے اور جن کے حصول پر دنیا اور آخرت کی سعادت موقوف ہے قرآنِ پاک بطورِ خاص انہیں بیان کرتا ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (نحل:٨٩)

ترجمہ "اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے- اور جو مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے-"

١١- روح' جس کے بغیر زندگی نہیں- قرآن بھی وہ حکم الٰہی ہے' جس کے دم سے سچی اور پاکیزہ زندگی کی رونق ہے- خواہ کوئی اِنسان ہو' اس کے تن بدن میں جب تک قرآن حکیم کی روح سرایت نہ کی ہوگی' اس کا جسم مردہ ہوگا' اس کا وجود بے سود' اور اس کی مادی زندگی بے معنی ہوگی:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَاكُنْتَ تَدْرِيْ مَاالْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (شوریٰ:٥٢)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف وحی (یعنی قرآن) بھیجا- تم کو یہ خبر نہ تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے' اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (کا انتہائی کمال) کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنا دیا ہے- اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں- اور اس میں شک نہیں کہ تم سیدھا راستہ

دکھاتے ہو۔"

قرآنی ہدایات سے اِستفادے کی شرطیں:

قرآن حکیم کے نور سے تابندہ یہ مرقع جو در حقیقت اِنسان کی رہنمائی کا ضامن اور دنیا اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے بجا طور پر کافی ہے' اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ اس سرچشمہ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے حسب ذیل چار شرطیں بے حد ضروری ہیں:

(۱) ایمان' (۲) اِسلام' (۳) احسان' (۴) تقویٰ

نیز یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جس کے اندر' جس درجہ میں یہ اوصاف نمایاں ہوں گے' اسی درجہ اس کو فائدہ ہوگا' ورنہ یہ کتاب اس کے لئے بند ہوگی۔

شرائط اور ان کی مختصر وضاحت:

۱۔ اِیمان: یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ پر کامل اِیمان لائے' قرآن پاک کی ہدایات اور اس کے ارشاداتِ عالیہ کو خصوصی طور پر اس طرح دل سے تسلیم کرے جس سے اس کی معرفت کا حصول' اور اس (سے مزید) کی جستجو اس کے اندر پیدا ہو۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ اس کے مطالعہ اور تحقیق کا التزام رکھے' اور اس میں درج عقائد کو اپنائے' اور اس کے بتائے ہوئے آداب' اخلاق اور طریقے کی کامل پیروی کرے۔

۲۔ اِسلام: یہ ہے کہ آدمی دل وجان سے احکامِ خداوندی کی پیروی کرے۔ چھوٹی بڑی اپنی ہر چیز کو فرمانِ الٰہی کے تابع سمجھے' اور خود کو اس طرح اللہ کے حوالہ کردے کہ اس کی فکر اور اس کے احساس کا محور اللہ اور صرف اللہ ہو۔ اِس درجہ خود سپردگی کے بعد اس کی زندگی اس نہج پر گذرے گی کہ اس کے عقیدے اور اس کے کردار و گفتار میں اللہ کی پسند اور اس کی رضا کی طلب نمایاں ہوگی' اور وہ عقائد اور اقوال و اعمال جو خدا کو ناپسندیدہ ہیں' ان سے یہ بالکلیہ پرہیز کرے گا۔

۳- اِحسان: یہ ہے کہ اِیمان لانے اور اِسلام کو اپنانے میں حد درجہ عمدگی اور نکو کاری اس کے پیش نظر ہو- اوامر کی بجا آوری ہو یا نواہی سے پرہیز' فوری تعمیل ہو یا تاخیر' اطاعت ہو یا قصور سرزد ہو' ہر حال میں یہی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے- بالفاظِ دیگر رضاءِ الٰہی اور اس کی خوشنودی کے کاموں میں جہاں یہ تصور رہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے' اور اسے دیکھ رہا ہے' اس کے کاموں میں اخلاص اور عمدگی پیدا ہوگی- اور اگر ایسے کاموں میں مبتلا ہو جن سے خدا ناراض ہوتا ہے تو یہ تصور اسے گناہوں سے متنفر کرے گا' اور پھر وہ بالکلیہ ان سے پرہیز کرے گا-

۴- تقویٰ: یہ ہے کہ خدا سے ڈرتے ہوئے کفر اور شرک سے کلی پرہیز کرے' فرائض و واجبات' اور مستحبات میں بھی سستی اور غفلت سے احتراز کرے- بالخصوص حرام اور سخت ناپسندیدہ کاموں سے بچتا رہے-

خلاصہ: یہ کہ مذکورہ بالا اوصاف اور خصائل کا جو شخص حامل ہوگا' اس میں شک نہیں کہ اسے قرآن پاک کے فیوض و برکات اور اس کی ہدایات سے کامل استفادہ کی توفیق نصیب ہوگی- یہ کلامِ الٰہی اس کی آنکھوں کے لئے نور اور اس کے دل کا سرور ہوگا- اس کی شفاء سے اس کا سینہ معمور ہوگا- دل و زبان پر اسی کا ذکر جاری ہوگا- اس کی گفتار اور اس کے ارادوں میں بس اسی کی جھلک ہوگی اس کے فیصلے کتابِ الٰہی کے آئینہ دار ہوں گے- اور یہ آسمانی کتاب اس کے لئے زندگی میں مژدۂ جانفزا اور آخرت میں بشارت اور خوشخبری کا پیش خیمہ ہوگی-

لیکن اگر بدقسمتی سے کسی نے ان اوصاف کو پیدا نہ کیا' تو قرآن پاک کا سرچشمہ اگرچہ جاری رہے گا' لیکن استفادے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے یہ اس سے محروم ہوگا- اور اس کی مثال اس مریض کی سی ہوگی جس کے لئے معالج نے بہتر سے بہتر دوا تجویز کی' اور اس کے سامنے رکھ بھی دی' لیکن مریض نے ضد کی' اور دوا لینے کی زحمت تک گوارا نہ کی' اور جب صورتِ حال یہ ہو کہ دوا سامنے ہو اور بیمار اسے استعمال نہ کرے' اور رنج و کرب میں تڑپتا

رہے' تا آنکہ کوئی زبردستی دوا اس کے حلق میں اُنڈیل دے' اور یہ شفا پاجائے' یا دوا رکھی رہ جائے اور ادھر اس کی تکلیف سوا ہوتی جائے' یا اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرجائے۔ ظاہر ہے ان تمام صورتوں میں یہاں قصور معالج. یا اس کی تجویز کردہ دوا کا نہیں ہوگا' بلکہ سارا قصور خود مریض کا ہوگا' جس نے دوا ہوتے ہوئے اسے استعمال نہ کیا' اور حال یہ بنا رکھا کہ ؎

كَالْعِيْسِ فِي الْبَيْدَاءِ يَقْتُلُهَا الظَّمَأُ ۔۔۔ وَالْمَاءُ فَوْقَ ظُهُوْرِهَا مَحْمُوْل

بیابان میں پیاس کے مارے بے چین ہو رہا ہے ۔۔۔ اور پانی ہے کہ اس کی کمر سے بندھا ہوا ہے

  

عقائد کی روشنی میں

چاروں آسمانی کتابوں پر ایک نظر

۱۔ قرآن کریم۔ ۲۔ تورات۔ ۳۔ زبور۔ ۴۔ انجیل۔

بندۂ مومن جہاں ان کتابوں پر اِیمان لاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ وہ غیر معروف کتابوں کو اجمالی طور سے' اور مشہور و معروف کتابوں کو نام بنام تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا اِیمان ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسٰی علیہما السلام پر چند صحیفے نازل ہوئے۔ نیز تورات، زبور' انجیل اور قرآن بالترتیب حضرت موسیٰ' حضرت داؤد' حضرت عیسٰی اور حضرت محمد علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام پر نازل ہوئیں۔

وہ یہ بھی اِیمان رکھتا ہے کہ قرآن پاک کلامِ الٰہی اور خدا کی بھیجی ہوئی مکمل ترین کتاب ہے۔ اور چونکہ یہ سب سے آخر میں نازل ہوئی' اس لئے باری تعالیٰ نے پچھلی تمام کتابوں کو اس کے ذریعہ منسوخ کیا۔ اور دستور بھی یہی ہے کہ بعد والی کتاب اپنے سے پہلی کتابوں کو منسوخ کرتی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی شکل میں دنیا والوں کو جو پیغام ملا' وہ کسی گروہ یا جماعت کے لئے مخصوص نہیں۔ نہ ہی اس کی آواز کسی زمین یا زمان کے ساتھ محدود ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ابدی اور آفاقی ہے چنانچہ کالے ہوں یا گورے سرخ ہوں یا زرد' غرض کل نوعِ اِنسانی اس کی مخاطب ہے۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تورات' انجیل' اور زبور جو اس سے پہلے نازل ہوئیں اہل کتاب کی بے توجہی اور غفلت کا اس درجہ نشانہ بنیں کہ ان پیغمبروں سے ان کی صحیح نسبت باقی نہ رہی' جن پر یہ نازل ہوئیں۔ اس لئے کہ ان میں زبردست تبدیلی اور تحریف سے کام لیا گیا۔ تاآنکہ ان کے ماہرین کو بھی ان حقائق کا اعتراف کرنا پڑا کہ آسمانی کتابوں کی اصل حقیقت اور ان کی روح ان کتابچوں سے نکل چکی ہے۔ اب ان کے اندر ہدایت کا نور اور شفاء و

رحمت ہے' نہ عبرت و نصیحت اور پند و موعظت کا یہ کوئی دفتر ہے- افسوس ہوتا ہے کہ خود اہل کتاب پر ان کا کوئی اثر نہیں- چہ جائیکہ غیروں کے لئے ان میں کسی قسم کی کوئی کشش باقی ہو-

ان اصلاحی اوصاف اور رشد و ہدایت سے ان کتابوں کے تہی دامن ہو جانے کے بعد ــــ خدا کی اپنے بندوں پر رحمت کا تقاضہ ہوا کہ ــــ قدیم عہد نبوت کی یاد تازہ کرنے اور وحی الٰہی کے ذریعہ بندگانِ خدا کو خدا سے جوڑنے کے لئے نبی آخر الزماں مبعوث ہوں جن کی صالحین نے بشارت دی' اور زمانہ جن کا صدیوں سے منتظر تھا- پھر جس طرح اس نبی کو ختم المرسلین ہونے کا شرف حاصل ہوا' اس کی کتاب بھی اس شرف کی حامل ہوئی کہ اس سے سابقہ تمام کتابیں منسوخ ہوں' اس کی ہدایت عام ہو' اور رنگ' نسل' ملت اور قومیت کے امتیاز کے بغیر عرب و عجم' سیاہ و سپید' سرخ و زرد' ادنیٰ و اعلیٰ کوئی بھی اس سے محروم نہ ہو- نہ ہی زمین و زمان کے فاصلے اس کی راہ میں کسی طرح حائل ہوں-

بنابریں خدا کی اس آخری کتاب کا یہ امتیاز بھی رہا کہ ایک طرف وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی موید اور ان کی حامی ہے- تو دوسری طرف ان کی نگراں اور محافظ بھی ہے- اس عظیم المرتبت کتابِ الٰہی کے عالی مقام حامل کو بارگاہِ ایزدی سے یہ بھی حکم ملا کہ کل خلائق اور رُوئے زمین پر آباد تمام اِنسانوں کو کسی تفریق کے بغیر پہنچا دیا جائے کہ:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ ○

(مائدہ:۴۸)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچائی کے ساتھ کتاب نازل کی ہے' جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے- تو (اے پیغمبر!) جو حکم اللہ نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو' اور جو حق بات تمہارے پاس آچکی ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو-"

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ○

(نساء:۱۰۵)

ترجمہ "(اے پیغمبر ہم نے تُم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ نے تُم کو دکھا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔"

معلوم ہوا کہ اس آخری کتابِ الٰہی نے سابقہ کتابوں کو' اور خدا کے آخری دین "اِسلام" نے سابقہ تمام مذاہب کو منسوخ کر دیا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ ○ (آلِ عمران:١٩)

ترجمہ "بے شک دِین (حق) اللہ کے نزدیک اِسلام ہے۔"

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (آلِ عمران:٨٥)

ترجمہ "اور جو شخص اِسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے تو اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا' اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔"

نیز حضورِ اکرم ﷺ نے سابقہ ہر دو نسخے کی طرف بلیغ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر (میرے بھائی) موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا (پیغمبر علیہ السلام نے یہ اس وقت کہا تھا جب حضرت عمرؓ کسی اہلِ کتاب سے اس کی کتاب لے کر آئے تھے' اور آپ کے سامنے اسے پڑھنا چاہا تھا' آپ نے غصہ کے ساتھ فرمایا تھا') میں صاف ستھری اور پاکیزہ شریعت لے کر آیا ہوں۔ (اس کی رات اس کے دن کی طرح روشن ہے' اس کے ہوتے ہوئے) تُم اہلِ کتاب سے ایسی کوئی بات مت پوچھو کہ وہ سچ کہیں تو بھی تُم انہیں جھٹلا دو' یا وہ جھوٹ کہیں تب بھی تُم انہیں مان لو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ـــ" (احمد بزار' ابن ابی شیبہ)

بنابریں حق تو وہی ہے' جو پیغمبر اِسلام ﷺ نے بڑی صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت ہی نہیں' بہ نفس نفیس حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو نبی آخرالزماں کی پیروی ان کے لئے ناگزیر ہوتی' اور کیوں نہ ہو جب کہ باری تعالیٰ واضح طور پر فرماتا ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ [1] قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ

[1] اِصْرٌ: عہد و میثاق (ابن جریر)

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (آلِ عمران:۸۱٬۸۲)

ترجمہ "اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب کہ اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ (جب) میں تم کو کتاب اور حکمت دوں' پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو ضرور اس پر ایمان لانا' اور اس کی مدد کرنا اللہ نے پوچھا کہ کیا تم نے (اس بات کا) اقرار کرلیا' اور اس اقرار پر میرے عہد کو قبول کر لیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا' ہاں ہم نے اقرار کر لیا' اللہ نے فرمایا' تم گواہ رہو' میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں تو اس کے بعد جو لوگ (عہد سے) پھر جائیں تو وہی نافرمان ہیں۔"





اِسلامی عقیدے کا چوتھا رکن

اللہ کے رسولوں پر اِیمان

مقدمات:

۱- امکان وحی: وحی کیا ہے؟

وحی (اوحی' یوحی' ایحاءً کا) حاصل مصدر ہے جس کے معنی ہیں' سرعت کے ساتھ پوشیدہ اشارہ کرنا۔

معلوم ہوا کہ بہ سرعت اشارۂ خفی کو وحی کہتے ہیں۔ خواہ یہ آگاہی اور اشارہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ' نزدیک سے ہو یا دور سے' اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے اندر آواز اور حروف ہوں یا نہ ہوں' یا وحی برابر کی طرف ہو' یا فروتر کی جانب ہو۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ○ (نحل:۶۸'۶۹)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور لوگ جو اونچی اونچی ٹٹیاں باندھتے ہیں' ان میں چھتے بنائے۔ پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوسے' اور اپنے رب کے مقرر کئے ہوئے طریقے پر پوری فرمانبرداری کے ساتھ چلتی رہے۔"

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِی الْيَمِّ ــ ○ (قصص:۷)

ترجمہ "اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ ان کو دودھ پلاؤ' پھر جب تم کو ان کے بارے میں کچھ خوف ہو تو ان کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دینا ــ ۔"

ظاہر ہے کہاں باری تعالیٰ کی ذات گرامی' کہاں ایک ادنیٰ مکھی! نیز مکھی پر نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا' نہ اللہ تعالیٰ نے حروف و صوت سے اسے خطاب فرمایا' نہ کسی قسم کا قرب پایا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کاموں کی تعلیم فرمادی جو اس کے مقاصد سے متعلق اور اس کی قوت و اِستعداد کے اندر ہیں۔ مثال کے طور پر اسی مکھی کے لئے چھتہ وغیرہ بنانا۔ چنانچہ مکھی نے اس کو سمجھا' اور اس پر عمل پیرا ہوئی۔

● ــ دوسری آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے مدعا کو سمجھا' اور بجا طور پر اسے انجام دیا۔ یہاں بھی نہ کلام تھا' نہ کسی قسم کی نزدیکی یا دوری۔ نہ وحی کرنے والے اور جس کی طرف وحی کی گئی' ان کے درمیان کسی قسم کی برابری تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس معنیٰ میں وحی کا پایا جانا ممکن ہے۔ اور اس کا کسی درجہ انکار درست نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس بات کو ہم علیٰ سبیل التنزل کہتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ہمارے مقابلہ میں ایسے لوگ ہیں' جو اس حقیقت کا اعتراف کرنے کی بجائے الٹا اس میں شک کرتے ہیں۔ ورنہ وحی نہ صرف کھلی ہوئی حقیقت ہے بلکہ ایسی حقیقت ہے جو بارہا آشکارا ہوئی' تاآنکہ اس کی تکمیل ہوئی' اور یہ اس وقت سے دراز ہے جب دنیا کے اولین اِنسان حضرت آدم علیہ السلام نے اس دھرتی پر قدم رکھا۔ اور اس ویرانے کو آباد کیا ــ اور کیا یہ امر حیرت انگیز نہیں کہ کل تک جن کا ذہن وحی اور اس کی حقیقت کے اِدراک سے درماندگی کا جھوٹا مظاہرہ کر رہا تھا' خود ان کے سامنے موجودہ سائنسی ترقیات نے تار برقی' ریڈیو' ٹیلکس اور وائرلیس کی شکل میں ایک سے بڑھ کر ایک ایسے نمونے پیش کر دیئے جن کے بعد بلاشبہ وہ یہ عذر نہیں کرسکتے کہ وحی اور اس کی حقیقت کو سمجھنے سے آج بھی وہ اسی طرح عاجز اور درماندہ

ہیں' جیسے وہ کل تک خود کو عاجز سمجھتے تھے۔

دورِ جدید کے علم و تحقیق نے کسی شک وشبہ کے بغیر یہ ثابت کر دیا کہ وحی کا مذکورہ بالا معنٰی اور اس کا مصداق جانوروں اور کیڑے مکوڑوں تک میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کیا نہیں دیکھا جاتا کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق جیسے: تتلی کا تتلی کے ساتھ' اور چیونٹی کا چیونٹی سے آپس میں مخفی لیکن گہرا تعلق ہوتا ہے' جس کے آگے فاصلے سمٹ جاتے اور وسائل ماند پڑ جاتے ہیں۔ نہ وہاں آواز ہوتی ہے' نہ ہی کسی قسم کی یکسانیت اور مشابہت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

بنابریں یہ کہنا آسان ہے کہ وحی کا وجود ممکن ہے۔ اور اس کا انکار کرنا' آنکھوں سے دیکھی اور ہاتھوں کے ذریعہ چھوئی جانے والی چیزوں کا انکار کرنا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وحی کی اقسام اور طریق وحی میں تنوع ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ وحی الٰہی' اس کی کیفیت اور اس کی شکلیں جدا گانہ اور مختلف ہو سکتی ہیں' جن کا ذکر ہم آئندہ کریں گے:

● وحی الٰہی اور اس کی شکلیں:

تعریف: وَحیٌ: باری تعالیٰ کا سچا اور پاکیزہ کلام اور اس کے وہ راست احکام ہیں' جو مخصوص طریقے سے اس کے برگزیدہ بندوں تک' یا جس کے پاس وہ چاہتا ہے' اس تک پہنچتے ہیں۔ وحی جو ایک حقیقت اور خدا کا کلام ہے' اس کا سب سے قابل قدر اور سچا نمونہ اس کا وہ پیغام ہے جو اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے اِنسانوں خصوصاً مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ سورتوں اور آیتوں پر مشتمل قرآن مجید کے نام سے موسوم یہ کلام آج بھی ٹھیک اسی شکل پر باقی ہے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ پر آج سے صدیوں پہلے تیئیس سال کی مدت میں نازل ہوتا رہا۔ اس کے نزول کے وقت سے دشمنانِ اِسلام نے لاکھ چاہا کہ اس کے حقائق کو گھٹا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں' اور یہ ثابت نہ ہونے دیں کہ یہ خدا کا کلام ہے جو وحی کے طریقہ پر حضور اکرم ﷺ کے اوپر نازل ہوا' جب کہ قرآن پاک اس کی صراحت کر رہا ہے کہ:

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ○ (نمل:٦)

● "اور (اے پیغمبر!) تم کو قرآن پاک خدائے علیم و خبیر کی طرف سے عطا کیا جا رہا ہے۔"

دشمنوں نے اس کی کوشش کی کہ قرآن کی حقیقت کو بدل کر اس کی بجائے اسے جادوگری، شعر شاعری، اور پرانے فسانے جیسے جھوٹے ناموں سے مشہور کریں، تاکہ اس کی اہمیت کم ہو، لیکن وہ خود حقائق کا زیادہ دنوں تک انکار نہ کرسکے اور پھر وہ وقت آیا جب انہوں نے حقائق کو تسلیم کیا اور یہ اعتراف کیا کہ بلاشبہ یہ خدا کا پیغام اور اس کی وحی ہے، جو سب سے افضل و کامل ترین اِنسان اور سالارِ انبیاء حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس حقیقت کے دل میں اتر جانے کے بعد اس کتاب پر ان کا ایمان مضبوط ہوا. اس کی ہدایات کو انھوں نے مان کر اس پر عمل کیا .اور دنیا اور آخرت کی بھلائی اور کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جو وحی کسی بندے کے پاس بھیجتا ہے، اس کے تین طریقے ہیں جن کو باری تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (شوریٰ:۵۱)

ترجمہ: "اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر (تین طریق سے یا تو) الہام (کے ذریعہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے پیغام پہنچائے، بلاشبہ وہ (بڑا) عالی شان (اور) بڑی حکمت والا ہے۔"

وحی کے! تین مراتب کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ وحی کا ایک مرتبہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نفوس کے باطن کی بطورِ خاص تربیت فرماتا ہے۔ طبائع کی کدورت سے پاک، خواہشات کی قید سے آزاد، اور نفسانیت کے تقاضوں سے برتر ہونے کے بعد فطری طور پر ان کی توجہ عالم علوی کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ پھر ان کی طبائع اتنی پاکیزہ اور آراستہ ہوجاتی ہیں کہ ان میں کلام الٰہی کا اِلقاء کیا جاتا ہے۔ یہ صورت انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے، اور اس درجہ میں علومِ الٰہی کو رسول کے ذہن پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں ان علوم کو اس طرح نقش کیا جاتا ہے کہ خود انہیں بھی کامل یقین ہوتا ہے کہ یہ خدا کا کلام اور اس کا مخصوص پیغام ہے۔ پیغمبر بھی اس کلام کو اس طرح پہچان کر اس پر یقین کرتے ہیں، جیسے آدمی اپنے قریبی عزیز یا شناسا کی آواز کو جانتا پہنچانتا ہے، اور جب بھی یہ

کلام اس کے کان میں پڑتا ہے' دوسرے کلام سے اس کی حیثیت نمایاں اور ممتاز ہو جاتی ہے۔

۴۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیغمبر پاس یا دور سے خداوند قدوس کی آواز سنتا ہے' لیکن دیدار نہیں ہوتا۔ بلکہ پردے کے پیچھے سے آواز سنتا ہے۔ جیسی آواز بھی اس کے لائق ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اِسراء اور معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ملا اعلیٰ میں اسی طرح کلامِ الٰہی کو سنا تھا۔ اس کلام کے ذریعہ حق تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر پانچوں نمازیں فرض کی تھیں' جسے مسلمان روز مرہ ادا کرتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے خدا کا دیدار نہیں کیا چنانچہ اس بارے میں جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاہُ ○ عـه[1] (مسلم: ۱/۱۱۱)

ترجمہ "(وہ) نور ہے میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں۔"

رہا باری تعالیٰ کا وہ ارشاد جو سورۂ نجم میں وارد ہے کہ:

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی' عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی' اِذْيَغْشَى السِّدْرَةَ مَايَغْشٰی' مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی' لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی○ (نجم: ۱۳ تا ۱۸)

ترجمہ "اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنتُ المَاْوٰی ہے جب اس سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ ان کی نگاہ نہ تو بہکی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی انہوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

تو ــــ وَلَقَدْ رَاٰہُ میں "ہٗ" کا مرجع باری تعالیٰ کی ذات نہیں۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔

ــــ پس پردہ کلام کی سعادت بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ وادیٔ سیناء' میں کوہ طور کے قریب حق تعالیٰ نے آپ کو آواز دی' آپ پر وحی نازل فرمائی' اور اپنا رسول بنا کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ وحی کے دوران

عـه[1] صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں اِسراء کی روایت موجود ہے۔ (اللؤلؤ والمرجان: ۱/۳۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام براہِ راست اور بخوبی آواز سن رہے تھے۔ لیکن دیدار کا شرف حاصل نہ تھا۔ البتہ چاہتے تھے کہ یہ سعادت بھی نصیب ہوتی! چنانچہ جب باری تعالیٰ سے اپنی دلی خواہش کا اس طرح اِظہار فرمایا کہ:

رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ○ (اَعراف:۱۴۳)

ترجمہ "پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو دکھا دے کہ میں ایک نظر تجھ کو دیکھ لوں۔"

تو اِرشاد ہوا کہ:

لَنْ تَرٰىنِیْ ○ (اعراف:۱۴۳)

ترجمہ "تم مجھ کو ہرگز دیکھ نہیں سکو گے۔"

پھر اِتمامِ حجت کے طور پر یہ بھی فرمادیا کہ سامنے پہاڑ کو دیکھو' جس پر میری تجلی پڑ رہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نظر اٹھا کر پہاڑ کی طرف دیکھا تو وہ ریزہ ریزہ ہو چکا تھا' اور اس نظر بھر کر دیکھنے سے خود آپ کا یہ حال ہوا کہ فروغِ تجلی سے آپ کے حواس برقرار نہ رہ سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش میں آنے کے بعد آپ نے یوں عرض کیا:

سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (اَعراف:۱۴۳)

ترجمہ "(اے پروردگار!) تیری ذات پاک ہے' میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں' اور میں سب سے پہلے اِیمان لانے والا ہوں۔"

۴۔ وحی کی تیسری صورت یہ ہے کہ باری تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعہ اپنے برگزیدہ بندوں پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے پاس وحی لانے کا کام حضرت جبرئیل علیہ السلام انجام دیتے تھے۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ اِسراء اور معراج ؎۱ کے موقعہ

؎۱ اِسراء اور معراج کا واقعہ جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آیا' قرآن پاک اور احادیث کی رو سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں سورۂ اِسراء کے اندر باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ○ (اِسراء:۱)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

پر آپ کو پیغمبر علیہ السلام کی رفاقت نصیب ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام تا حیات حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے رہے' تاآنکہ آپ کی وفات ہوئی۔ وحی کے زمانہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کبھی اپنے اصلی روپ میں تشریف لاتے تھے' کبھی مکمل اِنسانی شکل میں آتے۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پورے آدمی بن کر ظاہر ہوئے۔ حضرت مریم نے جب ان سے (خدائے) رحمان کی پناہ مانگی تو آپ نے فرمایا تھا:

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ترجمہ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد) کو رات کے وقت مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا' جس کے اطراف ہم نے برکتیں رکھی ہیں' تاکہ ہم اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھلا دیں۔"

اس آیت میں اِسراء کی صراحت موجود ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں واقع مسجد حرام سے راتوں رات مسجد اقصیٰ جو بیت مقدس (فلسطین) میں واقع ہے' وہاں لے جایا گیا۔ اسراء کے بعد آیت کے اگلے ٹکڑے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلا دیں) میں معراج کا ذکر ہے۔ ہر دو واقعہ کا ایک آیت میں یکجا ذکر کرنے سے یہ بھی دکھانا مقصود ہے کہ دونوں واقعے ایک ساتھ ایک سفر میں پیش آئے۔ صحیح احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ رہا سورۂ نجم کا یہ ارشاد کہ:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى' عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى' اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى' مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى' لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ (نجم:۱۳-۱۸)

ترجمہ "اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنت الماویٰ ہے جب اس سدرۃ المنتہیٰ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ ان کی نگاہ نہ تو بہکی' اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی (قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

ان آیات میں معراج کی صراحت موجود ہے اور یہ بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے جہاں جنت الماویٰ ہے ــــ واقعہ اسراء' معراج ملا اعلیٰ اور وہاں کے جن عجائب کا ذکر قرآن پاک میں اجمالی طور پر وارد ہے' احادیث میں ان کی تفصیل ملتی ہے کتب صحاح اور مسانید میں بھی شرح وبسط سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ چونکہ بندۂ مومن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ (مریم:۱۹)

ترجمہ "میں تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور یہاں آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔"

"حضرت مریم علیہا السلام نے تعجب سے کہا:○ (آیت:۲۰)

أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ○ (مریم:۱۹-۲۰)

ترجمہ "بھلا میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں' اور نہ میں بدکار ہوں' فرشتہ نے کہا کہ اسی طرح ہوگا' تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ بات میرے لئے آسان ہے' اور (ہم اسی طرح پیدا کریں گے) تاکہ اسے لوگوں کے لئے اپنی طرف سے (قدرت کی) ایک نشانی اور باعث رحمت بنادیں' اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پاچکا ہے۔"

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

کے عقیدے کی بنیاد تمام تر کتاب و سنت کی تصدیق پر مبنی ہے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول سے صحیح وارد ہے' مسلمان انہیں بلاکم و کاست تسلیم کرتا ہے اور کسی قسم کا شک شبہ نہیں کرتا۔ اس لئے اِسراء اور معراج کے واقعہ پر بھی وہ ایمان لاتا ہے' اور کیوں نہ ہو جب کہ ہر دو واقعہ کتاب و سنت کی رو سے ثابت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ اسراء اور معراج کی سعادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو روح اور جسم کے ساتھ خواب میں نہیں' بلکہ بیداری کی حالت میں حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ بعثت کے گیارھویں سال وقوع پذیر ہوا۔ آج جو لوگ اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ معراج روحانی تھی' نہ کہ جسمانی۔ یا یہ خواب میں ہوئی' بیداری میں نہیں۔ ہمیں ان کی طرف التفات کرنے' اور ان فضول بحثوں میں پڑنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ ان کے دماغی فتور کا نتیجہ ہے' نیز اس کے بھی خلاف ہے جس کی قرآن پاک صراحت کرتا ہے جب کہ اسلاف صالحین نے ہمیشہ سے اس کی تائید کی ہے۔ اور جو لوگ کتاب و سنت سے ہٹ کر سوچتے ہیں اسلاف نے ان سے کھل کر بیزاری کا اظہار کیا ہے۔

کبھی آپ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کی شکل میں تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک اعرابی کی شکل میں مسجد نبوی میں تشریف لائے، اور حضور اکرم ﷺ کے سامنے زانو بہ زانو ہو کر بیٹھ گئے، اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی رانوں پر رکھ دیئے، اور آپ ﷺ سے مختلف سوالات کرنے لگے۔ آپ ہر سوال کا جواب دیتے جاتے تھے، اور ہر جواب پر جبرئیل کہتے "آپ نے سچ فرمایا" صحابہ رضی اللہ عنہم کو بڑی حیرت تھی کہ سوال بھی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ سچ کہا تھوڑی دیر کے بعد وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، "اس شخص کو واپس لاؤ" لوگوں نے نکل کر اس کی تلاش کی، لیکن کچھ نظر نہ آیا حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ جبرئیل" تھے، تمہیں دین کی تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔ (مسلم: ۱/ ۲۸، ۲۹)

وحی کی حاجت اور ضرورت:

جنت ارضی کی بے شمار ضروریات میں سے وحی، انسانی وجود کے لئے اشد ضروری ہے۔ انسان کے لئے اس دنیا میں جس قدر حیات مقدر ہے، اس کی یہ زندگی سخت ترین مجاہدے اور کٹھنائیوں کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے، جب وہ اس دنیا کو خیرباد کہہ کر عالم جاودانی کو سدھارتا ہے۔ لہٰذا دنیا کے اس طویل سفر میں یہ ضروری ہوا کہ اس کے پیدا کرنے والے کی طرف سے اسے کچھ ہدایات حاصل ہوں، جن کی روشنی میں وہ زندگی کے دن گذار سکے، اور ظاہر ہے کہ وحی کے بغیر ان ہدایات کا حصول دشوار تر اور ناممکن ہے۔ وحی کی حاجت اور ضرورت کی ایک وجہ یہ ہے۔

وحی کی ضرورت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ انسان روح اور مادہ سے بنا ہوا ہے۔ یہ دنیا جس میں وہ آباد ہے اس کی بھی دو قسم ہے۔ عالم علوی، عالم سفلی، انسانی زندگی کی بھی دو قسم ہے۔ دنیا کی زندگی جو فانی اور محدود ہے اور مقررہ وقت کے بعد یہ ختم ہو جانے والی ہے۔ دوسری آخرت کی زندگی جو بے شک غیر فانی اور لامحدود ہے۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کے مابین ایک عالم اور ہے جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس کا آغاز مرنے کے بعد سے شروع ہو کر اٹھائے جانے تک دراز ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ چونکہ انسان روحانی مخلوق ہے، لہٰذا روح اور اس

کے حقائق سے واقفیت کے لئے وحی کا ہونا ضروری ہوا- تاکہ اسے روح کی حقیقت' اس کی صفات' اس کے احوال' روح کی پستی اور بلندی' اور اس کی سعادت و شقاوت کے حقیقی اسباب سے واقفیت حاصل ہو- دوسری طرف اِنسان- جسمانی وجود بھی رکھتا ہے- جسم کی حفاظت' اس کی بقاء و تحفظ اور اس کی اصلاح و درستی کے لئے بھی کچھ ضابطوں کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے' جو ظاہر ہے کہ وحی کے بغیر ممکن نہیں- عالم سفلی اور ناسوت کی زندگی کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کے بعد آنے والی' عالم علوی اور لاہوت کی زندگی سے اس کا ربط ہو' وہاں کے حالات و کوائف سے مکمل واقفیت ہو' اور وحی کے بغیر یہ واقفیت بھی اس لئے ممکن نہیں کہ اِنسان کے مادی وسائل کا اس عالم سے کوئی رابطہ موجود نہیں ہے ـــ چونکہ حیات کی بھی دو قسم ہے دنیوی اور آخروی- اس لئے یہ ضروری ہے کہ آنے والی زندگی سے اِنسان کا ربط ہو' اور اس کے بارے میں مکمل واقفیت اسے حاصل ہو- یہاں یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ اِنسان اپنی عقل اور اپنے حواس سے دوسری دنیا کے کوائف کو کسی طرح معلوم نہیں کر سکتا- تاآنکہ وحی کا سررشتہ اس کے ہاتھ نہ آئے-

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کے لئے وحی کا ہونا کتنا ضروری ہے- بنابریں ہماری نظر میں تا حد امکان وحی انسانی زندگی کی ضروریات میں داخل ہے- لہٰذا اس کا انکار کرنا یا اسے جھٹلانا نہ صرف عقل کی نارسائی کا نتیجہ ہے' بلکہ اس سے فکری دیوالیہ پن . اور فطرت میں کجی کا شدید احساس ہوتا ہے- یوں بھی کسی موجود یا ممکن شئے کو ناممکن اور برخود غلط ٹھہرانا یا اس کا انکار کرنا نہ مناسب ہے . نہ عقل کی رُو سے درست ہے-

(ج) نبوت:

تعریف: اس کے اصل ماخذ کے بارے میں دو قول ہیں- بعض کہتے ہیں کہ یہ نَبَا' یَنْبُو نُبُوَّةٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنٰی دوسروں سے دور اور آگے نکل جانے کے ہیں نَبَا السَّیْفُ بھی اسی سے ماخوذ ہے' جس کے معنٰی ہیں: ''مضروب سے تلوار کا اُچٹ جانا'' اور بعض کہتے ہیں کہ اَنْبَاَ یُنْبِئُ اِنْبَاءً سے ماخوذ ہے' جس کے معنی ہیں ''کسی واقعہ کی خبر دینا'' اس مادے کی رعایت کرتے ہوئے یہ لفظ ہمزہ کے ساتھ ''نُبُوْءَةٌ'' لکھا جاتا ہے نیز امام نافعؒ سے ورشؒ

نے اس لفظ کی قرات اسی ہمزہ کے ساتھ نقل کی ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۝ (انعام:۸۹)

ترجمہ "اور ہم نے انہیں 'کتاب' اور شریعت' اور نبوت عطا فرمائی تھی۔"

جب کہ امام عاصمؒ سے حضرت حفصؒ نے واؤ مشدد کی قرات نقل کی ہے۔ البتہ ہمزہ کو واؤ سے بدل کر' اور واؤ کو واؤ میں ملا کر پڑھنے کا جو قاعدہ نحویوں کے یہاں "اعلال" کے نام سے مشہور ہے' اس کی رو سے ہمزہ کی قرات کی بجائے واؤ کی قرات بھی درست ہے۔ اسی معنٰی کی مناسبت سے شریعت کی اصطلاح میں نبوت کی تعریف یہ ہے کہ باری تعالیٰ عام اِنسانوں میں بلند مرتبہ اور عالی مقام اِنسان کو اس منصب کے لئے منتخب فرماتا ہے' اور اپنی مرضی کے موافق اس کی اور عام اِنسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اس کے اوپر وحی نازل فرماتا ہے۔

انبیاء: نبی کی جمع ہے۔ نافع کی قرات بروایت وَرشؒ پورے قرآن پاک یا اس کے اکثر مقامات میں یہ لفظ ہمزہ ہی کے ساتھ وارد ہے۔ یہ اختلاف دراصل اسی مادۂ اشتقاق کے فرق کا نتیجہ ہے' جو اوپر گذرا ہے۔

نبی: نسل آدم کے وہ باسعادت مرد ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنا پیغام پہنچاتا ہے۔ اگر انہیں حکم ہوتا ہے کہ وہ اس پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں تو انہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا تو انہیں نبی کہا جاتا ہے' رسول نہیں۔ اس تعریف سے نبی اور رسول کے درمیان فرق نمایاں ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ رسول وحی کا پیغام بر اور اس کا مبلغ ہوتا ہے۔ جب کہ نبی پر وحی نازل ہوتی ہے' لیکن یہ وحی اس کی ذات تک محدود ہوتی ہے۔ عام اِنسانوں تک اسے پھیلانے کا حکم نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے' لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایسے نبی' جو رسول نہ ہوں ان کی مثال حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگردِ خاص اور خادم ہیں۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے انہیں مقامِ نبوت پر سرفراز فرمایا' اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل میں آپ ہی ان کے جانشین ہوئے انہیں کی سرکردگی میں بیت مقدس کی جنگ لڑی گئی' اور اللہ نے انہیں کامیابی بخشی۔

بیک وقت نبی اور رسول ہونے کا شرف ہمارے پیغمبر نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے۔ آپ اللہ کے نبی بھی ہیں' اور سارے عالم کے اِنسانوں کے لئے رسول بنا کر بھی بھیجے گئے اسی طرح وہ تمام ہستیاں جن کا ذکر قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ درج ہے نبوت اور رسالت کے اسی عالی مقام منصب پر فائز ہیں۔ جیسا کہ اس بحث کے اختتام پر تفصیل سے ان کا ذکر آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

(د) نبوت کے اوصاف اور تقاضے:

جاننا چاہئے کہ نبوت کسبی نہیں بلکہ تمام تر وہبی اور خداداد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی بندگی اور عبادت کے لئے گوشہ نشین ہوجائے' اور نفس کی خواہشات' دنیاوی علائق' اور ہر قسم کی لذتوں سے قطعی پرہیز کرے' تب بھی اس کے اندر نبوت کی نہ کوئی اہلیت پیدا ہوگی' نہ ہی اس بلند مقام پر وہ فائز ہوگا' خواہ عبادت اور ریاضت میں وہ کتنا ہی مبالغہ کیوں نہ کرے۔ اس لئے کہ نبوت خدا کا زبردست عطیہ اور اس کا بیش بہا انعام ہے' جو ایسے با سعادت اور خوش نصیب افراد کو ملتا ہے جو ازل سے مخصوص صلاحیت اور لیاقت کے حامل ہوتے ہیں' اور اس اہم مقام کے لئے باری تعالیٰ بطورِ خاص ان کی تربیت فرماتا ہے' اور انہیں ہر قسم کے ذہنی خلجان' جسمانی نقائص' فکری اضطراب اور ہر قسم کی کدورت اور کجی سے پاک و صاف رکھتا ہے' اور ان کے اندر بے پناہ عقل و شعور اور ہمہ قسم کے ظاہری اور باطنی کمالات اور اس مقام پر فائز ہونے کے جملہ اوصاف سے مزین فرماتا ہے۔

وحی الٰہی قبول کرنے کی لیاقت اور نبوت کے بعض اعلیٰ محاسن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ مثالیت: اس سے ہماری مراد وہ بشری کمالات اور اِنسانیت کی معراج ہے جس سے ہر نبی اور رسول متصف ہوتا ہے' اور کسی غیر نبی کے لئے اس مقام پر فائز ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ نسبی شرافت: موروثی اثرات جس کی بحث اس سے پہلے گذری' اور یہ بھی گذرا کہ خلق و تکوین کے بعض فطری اصولوں کی طرح اس اصول سے بھی انکار نہیں کیا

جاسکتا- چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ بیشتر اوصاف و خواص اور خاندانی اثرات نسل در نسل باپ سے بیٹے کے اندر منتقل ہوا کرتے ہیں- بنابریں انبیاء کرام کا ایک اہم امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے خاندان اور ایسی قوم میں مبعوث ہوتے ہیں جو موجودہ تمام خاندانوں میں اشرف اور تمام قوموں سے اعلیٰ و برتر ہوا کرتی ہے یہ بھی جاننا چاہئے کہ اشرف سے ہماری مراد ایسی قوم ہے جو پاکیزہ اور بلند و برتر اخلاق کی حامل ہو جس کے اندر مروت اور شرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہو' اور جس کے اندر پاکیزہ قدریں نمایاں ہوں' اور دوسری طرف ہر قسم کی کجی' بے راہ روی اخلاقی پستی اور عیبوں سے ان کا دامن پاک ہو' اور ایسے تمام کاموں سے دور ہوں جو عقل سلیم اور فطرتِ مستقیم کے خلاف ہوں-

۳- زمانے کا تقاضا: وقتی عوامل یا زمانے کے تقاضے سے ہماری مُراد وہ اسباب و محرکات ہیں' جن کے رونما ہونے پر کسی زمانے میں نبی موعود کی نبوت یا آنے والے رسول کی رسالت کی ضرورت بڑھ جاتی ہے' اور احتیاج تیز سے تیز تر ہوجاتا ہے- چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاشرے اور سماج میں سخت بگاڑ اور فتنہ و فساد رونما ہونے کی وجہ سے اخلاقی قدروں کا فقدان اور روحانیت اور شرافت کا زبردست خلاء سا محسوس ہوتا ہے- اس وقت زمانہ پوری شدت سے کسی ایسے مصلح کا منتظر ہوتا ہے جو ان قدروں کو بحال کرے اور اِنسانیت کی قدرو قیمت کو پھر سے زندہ اور برقرار رکھے-

تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسی قسم کا خلا اس وقت طاری تھا جس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے برادرِ عزیز حضرت ہارون علیہ السلام کی بعثت ہوئی' اور جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے- اور اسی طرح کا خلا اس وقت بھی درپیش تھا جس کو پر کرنے کے لئے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت عمل میں آئی-

غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ بالا اولو العزم انبیاء اور رُسل کی بعثت سے پہلے کس قسم کے حالات درپیش تھے' اور کتنی شدت سے ان کا یہ تقاضا تھا کہ اس خلا کو پر کرنے اور اس تعطل کو رفع کرنے کے لئے نبی اور رسول مبعوث ہوں' تاکہ خدا کی زمین فتنہ و شر کی آماجگاہ نہ بنے اور خلق خدا چین کا سانس لے- اس وقت موجود قومیں اور تمام اِنسان بھی یہی چاہتے تھے

کہ ان کا نجات دہندہ آئے اور انہیں موجودہ مشکلات سے نجات دلائے۔ بالآخر فرعونی دربار سے وابستہ ایک طبقہ نے کھل کر فرعون کے سامنے یہ اعلان کر دیا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ کے پیدا ہونے کا دن آ گیا ہے جس کے ہاتھوں میں تیری حکومت اور سلطنت کو زوال ہو گا۔

یہ درست ہے کہ اس کے کہنے والے فرعون کے کاہن اور نجومی تھے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ فرعون کے مظالم اور اس کی رعونت نے ملک کے ہر طبقہ میں اس شعور کو بیدار کر دیا تھا کہ ظلم کی یہ ٹہنی سدا ہری نہ رہے گی' اور کوئی ایسا مصلح ضرور آئے گا جو اس طلسم کو توڑ کر رکھ دے گا' اور ملک کو امن و آشتی سے ہمکنار کر کے عام خوشحالی سے بھر دے گا' جیسا کہ وہ آج فرعونی تکبر' اس کے مظالم اس کی انتہا پسندی اور ہر قسم کے ظلم وجور سے بھری ہوئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے حالات بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اس زمانے کے بیشتر اہل کتاب کو نبی آخرالزماں کی بعثت اور آپ کی آمد کا شدت سے اِنتظار تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ صراحت کے ساتھ اس کا ظہار کرتے تھے' اور آپ کی آمد سے متعلق پیشین گوئی کرتے تھے۔ اور جس وقت آپ کی بعثت ہوئی تو سچے اہل کتاب کو ذرہ برابر تردّد نہیں ہوا' اور انہوں نے بڑھ کر آپ ؐ کی نبوت کو تسلیم کیا اور آپ پر اِیمان لائے چنانچہ عیسائیوں میں سے نجاشی شاہِ حبشہ کو اور علماءِ یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہما) کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ عیسائی راہبوں اور یہود کے اَحبار کی بڑی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ یہ وہ نفوسِ قدسی تھے جن کی نظریں اس ہمہ گیر فساد پر مرکوز تھیں جو پوری دنیا اور بالخصوص جزیرہ نما عرب اور روم و ایران کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھا' اور یہ وہ علاقے تھے جو اس وقت آباد کل روئے زمین کی بجا طور پر نمائندگی کرتے تھے مـ۱ـہ

مـ۱ـہ یہ آیت بطورِ شہادت پیش کرنے کے لئے کافی ہے جس میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۝ (اَعراف:۵٦)

ترجمہ "اور (دیکھو) زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔"

قرآن پاک شاہد عدل ہے کہ حضور ﷺ سے پہلے دنیا فتنہ و شر اور ہر قسم کی برائیوں کی آماجگاہ تھی' اور حضور کی بعثت کے ذریعہ حق تعالیٰ نے اس شر و فساد کو رفع کیا۔

خلاصہ: یہ کہ عام بگاڑ اور ملک میں پھیلا ہوا فتنہ و فساد اس کا متقاضی ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ کسی مصلح اور رہنما کو مبعوث فرمائے' جو بگاڑ کو دور کرے اور خدا کی زمین کو پاک صاف کرے' اور بندگانِ خدا کو آرام پہنچائے۔ عام خلقت رحمت خداوندی کی طلب گار اس لئے بھی ہوتی ہے کہ اِنسانی فطرت خیر کو اسی طرح چاہتی ہے' جیسے پیاسا پانی کو چاہتا ہے۔ یہ طلب اس وقت سوا ہو جاتی ہے جب زمانہ شر و فساد کا ہو' اور ہر طرف فتنہ کا دور دورہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اِنسانیت آج پھر سسک رہی ہے۔ سارا عالم فتنہ و شر کی لپیٹ میں آچکا ہے' اور حالات کچھ ایسے درپیش ہیں گویا زمانہ پھر کسی مصلح کا منتظر ہے جو دنیا والوں کو مادے اور معدے کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف' اور جھوٹے ادیان کی تنگنائے سے اِسلام کی کشادگی کی طرف لے جائے ــــ آج نئے سرے سے نبوت یا رسالت کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ خدا کا پیغام آج بھی ہمارے سامنے موجود ہے۔ البتہ اگر کمی ہے تو ایسے عبقری اور مردِ غیب کی جو کتابِ ہدایت کا ترجمان اور حق و صداقت کا پیکر ہو' اور اسی کی روشنی اقوام عالم اور بنی نوعِ اِنسان کو دعوت دیتا اور ان کی رہنمائی کرتا ہو' تاکہ دنیا ہلاکت سے نجات پائے اور ابدی سعادت سے ہمکنار ہو۔

حضور اکرم ﷺ کی نبوت' دنیا کی ضرورت اور اسے تسلیم کرکے اس پر کماحقہ' عملدر آمد عالم اِنسانی کا قبلہ مقصود ہے۔ آج تک اس میں نہ کوئی رد و بدل یا تغیر ہوا ہے اور نہ قیامت تک ہوگا' بلکہ اس کا چشمہ صافی یوں ہی پاک و شفاف رہ کر سدا جاری رہے گا۔ البتہ کون کہہ سکتا ہے کہ باری تعالیٰ کس ملک یا خطے میں کسی صاحب دل بندۂ مومن کو کھڑا کر دے' اور وہ کارِ نبوت کو لے کر آگے بڑھے' اور کتاب و سُنت کا سچا داعی اور اَسلافِ صالحین کا مکمل نمونہ بن کر زمین کو پاکیزگی اور عدل و مساوات سے بھر دے' جب کہ آج وہ ظلم و جور اور ناپاکی سے آلودہ ہو چکی ہے۔

(ھ)۔ **انبیاء کی صفات:** خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے والے اور حاملین نبوت مکارمِ اخلاق کے جامع اور بلند ترین اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے ضروری اور ان کے مقام کے شایان ہے۔ ان میں سے چند

صفات حسب ذیل ہیں:

۱- **صداقت:** یہ ہے کہ نبی کی نیت' اس کا ارادہ' اس کا قول اور اس کا عمل' غرض ان سے صادر ہونے والی ہر چیز پاکیزہ ہوتی ہے' اور ان سے کسی قسم کا کذب' نفاق' سستی' لاپرواہی اور خیانت کا احتمال تک نہیں ہوتا- ہر نبی کا پیرو اس حقیقت کو جاننا اور اسے بخوبی تسلیم کرتا ہے-

۲- **امانت:** صداقت کی طرح نبی کے قول و عمل' ان کے فیصلے' وحی کے نقل کرنے بیان کرنے' دعوت دینے' غرض ظاہری و باطنی' پوشیدہ اور علانیہ ان کے ہر ہر کام میں امانتداری اور دیانت ان کا نصب العین ہوتی ہے- کسی قسم کی بدعہدی' خیانت اور بے وفائی ان سے نہ کبھی ظاہر ہوتی ہے' اور نہ کبھی اس کا کسی درجہ میں امکان ہوتا ہے- یہ اس لئے کہ خیانت اور بدعہدی مقامِ نبوت کی ضد اور اس کے منافی ہے-

۳- **تبلیغ:** نبی خدا کا پیغام بلاکم و کاست بندوں تک پہنچاتا ہے- اس میں کسی قسم کی کمی زیادتی' یا حک و اضافہ' یا ترمیم و تغیر نہیں کرتا- کتمان علم' یا اِخفاءِ نبوت کسی نبی کے لئے محال اور ناممکن ہے- اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی منصب پر فائز ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں- اور اگر بالفرض کوئی نبی کتمان سے کام لے گا (والعیاذ باللہ) تو نبوت باقی نہ رہے گی' ختم ہو جائے گی-

۴- **فطانت:** اس سے مراد محض ذہانت اور فہم و دانائی ہی نہیں' بلکہ اس سے مراد بالغ نظری' شعور کی پختگی' اعلیٰ درجہ کی ذہنی صفائی' صدقِ احساس' بے مثال قوتِ اقدام اور برجستگی سے ہے- چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے اسی طرف اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں:

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ اٰيَاتٌ مُّبِيِّنَةٌ كَانَتْ بَدِ يْهَتُهٗ تَاْتِيْكَ بِالْخَبَرِ

ترجمہ "اگر آپ (کی ذات گرامی) میں (دوسری) کھلی ہوئی نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ کی (ایک) بدیہہ گوئی بیشتر علوم کے حصول کے لئے کافی ہے-"

بہرکیف فطانت اور ذکاوت' وحی کی قبولیت اور اس کی کامل حفاظت کی مخصوص صلاحیتوں میں سے ایک ہے۔ اس کے برعکس کمزور حسی' اور فکری کوتاہی نہ مقام و منصب نبوت کے مناسب ہے' نہ اس کے ہونے پر بندہ حق تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف پاسکتا ہے ــــ نیز اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ تاقیامت آنے والے تمام اِنسانوں کے لئے نبی اور رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں' اور ہر دور اور ہر زمانے کے اِنسان آپ کی نبوت اور رسالت کے محتاج ہیں' اس لئے آپ کی سیرتِ مقدسہ بیان کرتے ہیں ہوئے نبوت و رسالت کے چند مزید اوصاف ذکر کیے جائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

رسول تاریخ کی روشنی میں

شریعت کی زبان میں "رسول" کی تعریف یہ بتائی گئی کہ: رسول آدمی ہوتے ہیں- اللہ تعالیٰ انہیں دستور عطا فرماتا ہے' اور اس کی تبلیغ کا حکم دیتا ہے- نیز یہ کہ وحی الٰہی پانے پر انہیں "نبی" کہا جاتا ہے' اور اس کی تبلیغ کا حکم ملنے پر انہیں "رسول" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے-

رسولوں کی تاریخ کے سلسلے میں ایک جامع بات ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ:

تاریخ خواہ کتنی ہی احتیاط سے اور کیسی ہی دیانتداری کے ساتھ قلمبند کی جائے' اس میں شک نہیں کہ اس کے لکھنے والے بہرکیف اِنسان ہوتے ہیں- اس لئے وہ ان بندگانِ مولیٰ صفات نفوسِ قدسیہ کی سیرت نگاری' اور ان کے اس کمال کو من و عن بیان کرنے سے قاصر ہیں' جو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص انہیں عطا فرمایا- نیز وہ جملہ انبیاء اور مرسلین کے نام اور ان کے کام کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے' جب کہ ان پاکیزہ نفوس سے کوئی قوم اور امت خالی نہیں رہی- چنانچہ ابتدائے آفرینش سے لے کر نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا- جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ (فاطر:۲۴)

ترجمہ "اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو-"

یہی وجہ ہے کہ آج ایسا کوئی اہم تاریخی ماخذ کہیں نظر نہیں آتا جس پر اس سلسلہ میں اِعتماد کیا جائے' اور جس طرح انبیاء و مرسلین کامل ترین اِنسان ہیں' ان کی عظیم المرتبت سیرت اور سوانح بھی کسی ایسی تاریخ میں یکجا ہو' جو انہیں کی طرح سچی' مکمل اور مستند ہو- ہاں' ایسی کوئی کتاب ہو سکتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ تنہا وہ کتابِ الٰہی ہے جس پر کلی اِعتماد کیا جا سکتا

ہے' جس کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں ہو سکتی' اور نہ جس کے ہوتے ہوئے کسی اور ماخذ اور مرجع کی حاجت باقی رہ جاتی ہے- اور خود اس ہستی سے بڑھ کر ماخذ بھلا اور کون ہو سکتا ہے؟ جس نے عام اِنسانوں میں سے انہیں انتخاب فرمایا' اور خود انہیں نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا- بنابریں موضوع کی مناسبت سے حسب سابق ہم قرآن کریم کی جستہ جستہ آیات پیش کرتے ہیں- بالخصوص وہ آیتیں جن میں پیغمبروں کا ذکر اور کسی حد تک سہی ان کا شمار مذکور ہے- یا ان کے نام اور زمانے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' یا اُولوالعزم پیغمبر' ان کے علاقے' ان کی قوموں' اور ان کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کئے گئے ہیں-

رسولوں کی تعداد:

اس میں شک نہیں کہ خدا نے خاصی بڑی تعداد میں رسولوں کو مبعوث فرمایا- چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۝ (نحل:۳۶)

ترجمہ "(اور یہ واقعہ ہے کہ) ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر (اس بات کے سمجھانے کے لئے بھیجا کہ لوگو!) اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے بچو-"

نیز فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلاَّ خَلاَ فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر:۲۴)

ترجمہ "اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو-"

البتہ وحی الٰہی' یا کوئی ایسی صحیح اور مستند حدیث نہیں پائی جاتی جس میں بلا کم و کاست کل رسولوں کی تعداد بتائی گئی ہو' اس لئے اس سلسلہ میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا- مسند احمد میں ایسی ایک روایت ضرور پائی جاتی ہے جس میں انبیاء اور مرسلین کی تعداد کسی حد تک صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے• یہ روایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے- البتہ جیسا کہ محدثین سے نقل ہے' اس کی سند قوی نہیں- اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"(راوی کہتے ہیں:) میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے نبی کون ہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا "حضرت آدم علیہ السلام ہیں" میں نے کہا' کیا آپ نبی تھے؟ آپ نے فرمایا "ہاں وہ نبی تھے۔ خدا نے ان سے کلام فرمایا" میں نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول! جملہ رسولوں کی تعداد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تین سو پندرہ کی کثیر تعداد۔ دوسری روایت میں ہے: "جملہ انبیاء کی تعداد کیا ہے؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں تین سو پندرہ کی کثیر تعداد رسولوں پر مشتمل ہے"
(احمد: ۱۷۸/۵' ۱۷۹' ۲۶۶)

اس مرفوع روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ حق تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور ان پر وحی نازل فرمائی۔ نیز اس روایت میں انبیاء اور رسولوں کی تعداد بھی درج ہے ہرچند کہ اس کی سند ضعیف ہے' لیکن کیا بعید کہ روایت صحیح ہو' اس لئے کہ اس کے الفاظ سے نبوت کا عکس اور اس کی روح جھلکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ علماءِ اِسلام کے سامنے اس روایت کا کوئی بدل موجود نہیں' اس لئے انہوں نے اس کے مفہوم کے مطابق یہ حکم عائد کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔ نیز یہ کہ انبیاء کی مجموعی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے' ان میں تین سو پندرہ کی معتد بہ تعداد وہ ہے جو رسول ہیں' اور یہ کوئی باعث ملامت حکم نہیں۔ اس لئے اس قول کے اپنانے میں چنداں ضرر نہیں۔ اور اس روایت کا درجہ بنی اسرائیل کی مخصوص روایات کی طرح ہے جنہیں اس حد تک بیان کرنے کی اجازت ہے کہ صریح اِسلامی روایات اور معتقدات کے خلاف نہ ہوں' نہ ان سے ان کا تصادم لازم[1] آئے

---

[1] یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ اس روایت کا قرآن پاک کی اس آیت سے کوئی تعارض ہوتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ○

(مومن:۷۸)

ترجمہ "اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے تُم سے بیان کئے' اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے۔"

تعارض اس لئے نہیں ہوتا کہ بعض پیغمبروں کے نام' ان کی قوموں کے نام اور ان کے حالات و واقعات نہیں بتائے گئے۔ رہا وہ اجمالی ذکر جو اوپر ہوا' اس سے آیت کے مفہوم میں کوئی تعارض نہیں آتا۔

پیغمبروں کا زمانہ:

پیغمبروں کی تاریخ کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے' جب کہ آپ کو زمین میں آباد کیا گیا- پھر آپ کی بکثرت اولاد ہوئی' اور یہی وہ زمانہ تھا جب کہ وحی کی حاجت ہوئی- اس لئے کہ اِنسانیت اور آدمیت کی تکمیل' اس کی عزت و شرافت' اس کا تزکیہ اور دنیا اور آخرت میں سعادت کا حصول وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا-

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ کی صلبی اولاد میں سے کسی کے بارے میں نبی یا رسول ہونے کا یقینی طور پر علم نہ ہو سکا- البتہ شیث علیہ السلام کا نام اس ضمن میں لیا جاتا ہے- آپ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے تھے- خدا نے آپ پر متعدد صحیفے نازل فرمائے' جو آپ کے نام سے مشہور ہوئے- حضرت شیث علیہ السلام کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام نبی ہوئے- آپ کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے- روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے- پھر نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے- قرآنِ پاک کی صراحت کے مطابق سب سے پہلے رسول آپ ہی ہیں' جیسا کہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ○

(نساء:۱۶۳)

ترجمہ "(اے پیغمبرا) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے- جس طرح نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی-"

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود حضرت صالح' حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسمٰعیل' حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب' حضرت یوسف' حضرت شعیب' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت الیاس' حضرت ایوب' حضرت یسع' حضرت ذوالکفل' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحیٰ' حضرت عیسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے- اور سب سے آخر میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے- نبیوں کے زمانے کی یہ ترتیب بڑی حد تک درست ہے- اور اگر حضرت یونس' حضرت ایوب' حضرت ذوالکفل اور حضرت یسع علیہم السلام کے زمانے کی ترتیب میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ ہوتی تو کسی

اور ترتیب کی بہ نسبت یہ ترتیب زیادہ مناسب ہوتی۔

بہرکیف' اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مذکورہ بالا معلومات اس قبیل کی ہیں کہ ان کے ہونے سے خاص نفع' یا نہ ہونے سے کوئی خاص نقصان نہیں۔ اس لئے کہ ہم جملہ پیغمبروں پر ایمان لانے کے پابند ہیں۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم سب کا احترام کریں۔ ان کی پیروی کریں ہمیں اس سے بھی بحث نہیں کہ ان کی بعثت کس زمانے یا ملک میں ہوئی۔ ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں' اور ان کے طریقے پر عمل کریں۔

● پیغمبروں کے علاقے:

بیشتر پیغمبروں کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے' ان کی بعثت مشرقِ اوسط میں ہوئی' وہیں اس عالی مقام منصب پر وہ فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنی قوموں میں سکونت اختیار کی' اپنا پیغام پہنچایا' وہیں وفات پائی اور پیوند خاک ہوئے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔ وہاں سے آپ نے کنعان کی طرف ہجرت فرمائی۔ آگے چل کر آپ کی آمد و رفت حجاز' شام اور ارض عاد کے درمیان ہوتی رہی۔ تاآنکہ آپ کی وفات ہوئی ـــ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ملک شام میں پیدا ہوئے' لیکن ناحیات مکہ مکرمہ میں آباد رہے' وہیں آپ مبعوث ہوئے اور عرب قبائل میں دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے ہوئے وہیں وفات پائی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام ارضِ عاد میں رہے۔ آپ کے فرزند حضرت یعقوب علیہ السلام بھی یہیں رہے۔ البتہ آخر زمانے میں آپ نے مصر ہجرت فرمائی اور اپنی اولاد کے ساتھ وہیں رہے' اور غالباً یہیں پر آپ کا انتقال ہوا ـــ آپ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نبی ہوئے۔ آپ نے مصر میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی ـــ آپ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام پیغمبر بنائے گئے۔ آپ کا وطن مصر تھا۔ آگے چل کر انہوں نے سیناء کے علاقے میں رہائش اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی۔ آپ کے بعد حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام مبعوث ہوئے بیت المقدس آپ کا وطن تھا۔ بنی اسرائیل کے بیشتر انبیاء بیت المقدس میں مبعوث ہوئے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ بیت لحم میں پیدا ہوئے' بیت مقدس میں سکونت اختیار کی اور وہیں سے آسمان پر اٹھائے گئے۔

سب سے آخری نبی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آپ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے وہیں سکونت اختیار کی' پھر حجاز کے شہر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہاں دس سال رہ کر انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر مبارک یہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں اقرب یہی ہے کہ آپ مشرق قریب اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیانی علاقے میں مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام عرب میں مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام حضرموت اور ثمر کے درمیانی علاقے میں' حضرت صالح علیہ السلام شمال میں حجاز اور شام کے بیچ میں' اور حضرت شعیب علیہ السلام جزیرہ کے مغرب اور شرق اردن کے جنوب میں مدین نامی علاقہ میں مبعوث ہوئے حضرت لوط علیہ السلام اپنے عم محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ارضِ بابل (عراق) سے ہجرت میں شریک رہے اللہ نے آپ کو ان بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا جو بعد میں عذابِ الٰہی سے الٹ دی گئیں — یہ بستیاں پانچ شہروں پر مشتمل تھیں۔ سب سے بڑے شہر کا نام سدوم' اور دوسرے کا نام عمورہ تھا۔ بستی والوں کی بداعمالی کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کیا' اور لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھا' پھر یہ لوگ ارضِ شام کی طرف نکل گئے اور وہیں آباد ہوئے۔

● **اُولوالعزم پیغمبر:**

ان پیغمبروں سے واقفیت بھی اِسلامی عقائد کا ایک اہم جز ہے جنہیں اولوالعزم پیغمبر کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۝ (اَحقاف:۳۵)

"پس (اے پیغمبر!) تم صبر کرو' جس طرح بلند ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں۔"

اس آیت کا تقاضہ ہے کہ بندہ مومن ان اولوالعزم ہستیوں سے کما حقہ' واقف ہو۔ سورہ اَحزاب میں ان برگزیدہ پیغمبروں کے اسماء اور ان کی تعداد کا اجمالی ذکر موجود ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ

مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ـ ○ (اَحزاب:۷)

ترجمہ "اور (اس وقت کو یاد کرو) جب کہ ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تم سے بھی اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے بھی ـ ـ"

اس آیت میں "مِنكَ" سے حضورِ اکرم ﷺ مراد ہیں- خطاب اور شرف کی وجہ سے آپ کی ذات گرامی مقدم ہے- آپ کے علاوہ آیت میں مزید چار پیغمبروں کا ذکر ہے:

۱- حضرت نوح علیہ السلام ۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام ۳- حضرت موسیٰ علیہ السلام ۴- حضرت عیسیٰ علیہ السلام-

یہ ترتیب زمانے اور فضیلت کے لحاظ سے ہے- چنانچہ اول حضرت نوح علیہ السلام اور سب سے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان سب پر درود و سلام ہو-

پیغمبروں پر اِیمان لانا واجب ہے:

گذشتہ صفحات پر وحی' اس کا امکان اس کے مخصوص طریقے اس کی ضرورت اور حاجت' اسی طرح نبوت' اس کی اہلیت' انبیاء کے اوصاف اور ان کی اجمالی تاریخ درج کی گئی- حالیہ بحث کی تکمیل کے لئے مذکورہ بالا عنوان کے تحت اس امر کا اِظہار ضروری ہے کہ پیغمبروں پر اجمالی اور تفصیلی اِیمان بندۂ مومن کے عقیدے کا لازمی جز ہے جس کے بغیر عقیدہ درست اور مکمل نہ ہوگا-

رسولوں پر اجمالی اِیمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن پیغمبروں کے متعلق جتنا کچھ فرمایا' بندۂ مومن انہیں من و عن تسلیم کرے اور جن سے متعلق کسی قسم کا ذکر نہیں فرمایا' کسی تفصیل میں پڑے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لائے- تفصیلی اِیمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ بطریق وحی جن پیغمبروں کی جس قدر تفصیل وارد ہے اس کے مطابق انہیں تسلیم کرے- جن کا محض نام وحی الٰہی میں مذکور ہے ان کے ناموں کے ساتھ ان پر اِیمان لائے- یہ نہیں کرنا چاہئے کہ کسی پیغمبر کو مانے اور کسی کو نہ مانے- اس لئے کہ جملہ انبیاء اور رسولوں کا سلسلہ باہم اس طرح مربوط ہے کہ ایک کا انکار سب کا انکار شمار ہوگا-

پہلے عرض کیا گیا کہ قرآن پاک نے جملہ پچیس پیغمبروں کا ذکر کیا ہے- ان میں سے

اٹھارہ پیغمبر وہ ہیں جن کا ذکر سورۂ انعام کی اس آیت میں موجود ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ ــ ○ (انعام:۸۳تا۸۶)

ترجمہ "اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو عطا کی ــ"

باقی سات پیغمبروں کا تذکرہ قرآن پاک کی متعدد سورتوں میں وارد ہے' وہ یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام' (آلِ عمران:۳۳) حضرت ادریس علیہ السلام (مریم:۵۶) حضرت ہود علیہ السلام (ہود:۵۰) حضرت صالح علیہ السلام (اعراف:۷۳) حضرت شعیب علیہ السلام (اعراف:۸۵) حضرت ذوالکفل علیہ السلام (انبیاء:۸۵) حضرت محمد ﷺ (احزاب:۴۰)۔

خدا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اہم فریضہ ہے۔ مسلمانوں کو ان پر ایمان لانے کے لئے کسی دلیل یا ثبوت کی حاجت نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالٰی نے انہیں نبی یا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ان سے متعلق اجمالی یا تفصیلی خبر دی' اور انہیں دل سے ماننے اور زبان سے ان کی نبوت اور رسالت کے اقرار کی تلقین فرمائی۔ خدا پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باری تعالٰی کے جملہ اوامر اور احکام کو بھی بندہ بلا کم و کاست تسلیم کرے۔ اسی ایمان کا ایک تقاضہ یہ بھی ہے کہ بندہ باری تعالٰی کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں پر' کتابوں پر' رسولوں پر' قیامت کے دن پر' جزا و سزا پر اور قضا و قدر پر بھی ایمان لائے' اور غیب سے تعلق رکھنے والے ان تمام امور کو اسی طرح تسلیم کرلے جس طرح باری تعالٰی نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ بندۂ مومن کے لئے اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود باری تعالٰی نے ان کو بیان فرمایا اور اپنے پیغمبروں کے ذریعے انہیں تسلیم کرنے پر زور دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ○ (نساء:۱۳۶)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے' اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں' سب پر ایمان لاؤ۔"

نیز فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ○ (بقرۃ :۲۸۵)

ترجمہ "(یہ) پیغمبر (محمد ﷺ) اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی' اور (اسی طرح) ایمان والے بھی- یہ سب کے سب اللہ پر' اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں' (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے-"

یہی وجہ ہے کہ مومن جملہ پیغمبروں پر ایمان لاتا ہے اور ان میں باہم کسی نبی یا رسول کے مابین تفریق نہیں کرتا' جب کہ یہود و نصاریٰ نے اس قسم کی جسارت کی- چنانچہ یہودیوں نے بنی اسرائیل کے نبیوں کو تسلیم کیا' لیکن حضرت عیسیٰ اور حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت سے انکار کر دیا- خود نصاریٰ کا یہ حال ہے کہ وہ تمام نبیوں کو مانتے ہیں لیکن نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں- حق تعالیٰ نے ان تمام لوگوں پر کفر کی صریح فردِ جرم عائد کی ہے جو اس قسم کی شنیع حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں- چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ' وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا' اُولٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا' وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ○

(نساء:۱۵۰'۱۵۱)

ترجمہ "بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور (ایمان کے اعتبار سے) اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم (ان میں سے) بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے- اور چاہتے ہیں کہ کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالیں' ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں' اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے-"

اس میں شک نہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کیا' اس لئے بندۂ مومن کے لئے یہ امرِ ناگزیر ہے کہ وہ سابقہ تمام انبیاء اور رسل پر ایمان لائے' انہیں معصوم تسلیم کرے' انہیں کامل جان کر دل سے ان کی عظمت اور احترام کرے- پھر

چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہیں اور آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کیا' اس مناسبت سے ذیل میں صرف نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کسی قدر تفصیل سے پیش کی جاتی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ:

نامِ نامی اور سلسلہ' نسب: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب' بن ہاشم' بن عبدمناف' بن قصی' بن کلاب' بن کعب' بن مرہ' بن لوی' بن غالب' بن فہر' بن مالک' بن نضر' بن کنانہ' بن خزیمہ' بن مدرکہ' بن الیاس' بن مضر' بن معد' بن عدنان' — آپ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

ولادت اور بچپن: ۱۲ ربیع الاول سنہ افیل مطابق اگست سنہ ۵۷۰ء کو پیر کے دن فجر کے وقت' سردارِ مکہ عبدالمطلب کی بیوہ بہو' حضرت آمنہ بنت وہب (بن زہرہ' بن عبدمناف' بن قصی' بن کلاب) کے بطن سے مکہ مکرمہ کے دار ابویوسف میں وہ نیر رسالت پیدا ہوا جس کے نور سے سارا عالم جگمگا اٹھا۔ آپ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ والد ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی پرورش حضرت عبدالمطلب نے کی۔ عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو والدہ ماجدہ حضرت آمنہ انتقال کر گئیں۔ پھر آپ نے اپنے والد ماجد کی باندی اُمِ ایمن کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی۔ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے آپ کی پرورش کی۔

ازواج اور اولاد:

عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ کی شادی قریش کی انتہائی شریف خاتون حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے ہوئی آپ کے بطن سے دو فرزند حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ پیدا ہوئے[1] اور بچپن ہی میں وفات پاگئے۔ صاحبزادیاں چار تھیں۔ حضرت فاطمہ زہراء' حضرت زینب' حضرت رُقیہ' حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہن رواج کے مطابق بچپن میں آپ بکریاں چراتے تھے۔ چنانچہ خود آپ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] اصحابِ سیر نے مزید ایک فرزند حضرت طیب کا ذکر کیا ہے۔ اس صورت میں جملہ فرزند تین ہوئے (واللہ اعلم)

"خدا کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا' خدا کے رسول! کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ نے فرمایا:ہاں میں بھی چند قیراط (کی معمولی اجرت) پر مکہ والوں کی بکریاں چراتا تھا۔"

(بخاری: ۳/ ۱۰۹' ۱۱۰)

اس عرصہ میں ایک بار اپنے عم محترم حضرت ابوطالب کے ساتھ تجارت کے لئے شام گئے۔ اِزدواج کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اسبابِ تجارت کو بھی لے کر شام گئے۔ جس میں انہیں بے اندازہ نفع ہوا۔

حضورِ اکرم ﷺ کا یہ زمانہ بھی مثالی زمانہ تھا۔ آپ بلند ترین اخلاق پر فائز' اور پاکیزہ خصلتوں سے مالا مال تھے۔ آپ کی ایک ایک ادا پیاری اور ہر ہر عادت نرالی تھی۔ اس وقت بھی جب آپ نبی نہیں تھے' آپ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی جس میں آپ کے ہم عمر بچے اور بڑے ملوث تھے۔ آپ نے کبھی بت کو سجدہ نہیں کیا' شراب کو ہاتھ تک نہیں لگایا' کسی قسم کی برائی یا جوئے کے قریب نہ گئے' تیر یا پانسہ سے چیزوں کی کسی طرح کی تقسیم میں کبھی حصہ نہ لیا' نہ کسی کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ٹھیس پہنچائی۔ آپ کی ذات ایسی ستودہ صفات تھی کہ اغیار بھی آپ کے حسن اخلاق سے متاثر اور آپ کی پاکیزہ سیرت کے مداح تھے۔ چنانچہ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ قریش نے آپ کو صادق اور امین کا لقب دیا۔ جب کہ آپ سے پہلے اس علاقے میں یہ خطاب کسی کو نہیں ملا۔ آپ ظاہر و باطن' کردار و گفتار' سامنے اور پیٹھ پیچھے غرض ہر طرح۔ ہر لحاظ سے صادق و امین اور پاکباز تھے۔

یہ وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر قریش نے مجبور ہو کر انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو امین کے قابل فخر لقب سے یاد کیا۔ خود باری تعالیٰ نے نبوت کے آغاز ہی میں آپ کے متعلق حلفیہ شہادت دی اور آپ کو صاحب خلق عظیم قرار دیا۔ اس شہادتِ حق سے بڑھ کر بھلا کوئی اور شہادت کیونکر ہو سکتی ہے؟ چنانچہ ارشاد ہے:

نٓ وَالْقَلَمِ' وَمَا يَسْطُرُوْنَ' مَآاَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ' وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ' وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (قلم:۱تا۴)

ترجمہ "ن' قسم ہے قلم کی' اور اس کی جو (اس سے فرشتے) لکھتے ہیں کہ (اے پیغمبر!) تم

اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو' اور تمہیں ایسا اجر ملنے والا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا' اور بے شک تم اخلاق کے اعلیٰ معیار پر ہو۔"

نوازشِ اِلٰہی:

نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی حضورِ اکرم ﷺ جن اوصافِ حمیدہ سے متصف رہے' اور جو مشہور و معروف ہیں' یہ اوصاف ماں باپ کی تربیت کا نتیجہ نہیں' نہ اس میں کسی استاذ یا اتالیق کی توجہ کو دخل ہے' بلکہ یہ تمام تر حق تعالیٰ کی رحمت اور اس کی عنایت خاص کا ثمرہ ہیں' جس نے آپ کو وجود بخشا' اور بطورِ خاص آپ کی اس طرح تعلیم و تربیت فرمائی کہ آپ نے بندگانِ خدا کو خدا کا پیغام پہنچایا' خدا کا دین اور اس کی بتائی ہوئی شریعت کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔ نفس کی کدورت اور روح کی آلودگی سے انہیں محفوظ رکھا۔ آپ کا منصب عظیم ترین منصب تھا' اور حق یہ ہے کہ آپ نے اس کا حق ادا فرمادیا۔ آپ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے کامل ترین اور مثالی اِنسان تھے۔ حق تعالیٰ کی آپ پر بے پناہ نوازش تھی' جس کے سبب آپ کا دامن نبوت سے پہلے زمانہ طفولیت اور عہد شباب میں بھی کسی طرح داغدار نہ ہوا۔

آپ پر خداوند عالم کی اس خصوصی نوازش کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں' جب کہ مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ امام بیہقی نے محمد بن اسحاق سے اور انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ سے سنا فرماتے تھے:

اہل جاہلیت جو کرتے ہیں' میرے دل میں کبھی اس کا خیال تک نہیں گذرا' البتہ دو بار میرے دل میں (ایک) خیال آیا۔ لیکن دونوں مرتبہ حق تعالیٰ نے مجھے صاف بچالیا۔ ایک رات میں نے بکریاں چراتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا: میری بکریوں پر نظر رکھو' دوسروں کی طرح میں بھی مکہ جا کر قصہ گوئی کی مجلس میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی نے حامی بھرلی۔ میں بستی میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے جو گھر پڑتا تھا وہاں پہنچ کر میں نے دف اور بانسری بجانے کی کچھ آواز سنی میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: ""فلاں لڑکے اور لڑکی کی شادی ہے میں ایک طرف بیٹھ کر دیکھنے لگا' لیکن خدا نے میرے کانوں پر نیند کے پردے ڈال دیئے' (اور مجھے سلا دیا) خدا کی قسم! میں سوتا رہا' تاآنکہ) سورج کی تمازت نے مجھے بیدار کیا۔ جب میں اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا رات تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا' میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر میں نے ساری سرگذشت سنادی — (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ سنایا۔ اس میں بھی ایسا ہی ہوا جیسا کہ پہلی بار پیش آیا۔) پھر آپ نے فرمایا:

بخدا پھر میں نے دل میں بھی نہیں سوچا' نہ پلٹ کر کسی ایسی جگہ تک گیا جہاں پہلی مرتبہ گیا تھا' یہاں تک کہ حق تعالٰی نے مجھے بارِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔[1]

۲- "(خانہ کعبہ کی تعمیر جدید کے موقع پر) حضور اکرم ﷺ بھی دوسروں کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ اس وقت آپ کے جسم مبارک پر ایک تہہ تھی۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بھتیجے! بہتر ہوتا کہ تہہ مونڈھے پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے۔ کہتے ہیں کہ' جونہی حضرت عباس نے تہہ اتار کر مونڈھے پر رکھی' حضور ﷺ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس واقعہ کے علاوہ کبھی آپ برہنہ نہیں ہوئے۔[2]

نبوت اور بعثت:

جب آپ نے عمر مبارک کی چالیس منزلیں طے کر لیں تو جیسا کہ حق تعالٰی کی سنت متوارثہ ہے' آپ نبوت سے سرفراز ہوئے' آپ غارِ حرا میں تھے کہ اچانک وحی آگئی۔ اس سے پہلے حضور کو تنہائی پسند ہونے لگی تھی' اور کم و بیش ماہِ رمضان کا عرصہ آپ نے اس غار میں بسر فرمایا۔ آپ غار میں تھے کہ اچانک فرشتے نے آکر کہا: پڑھو۔ آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں - فرشتے نے آپ کو تین بار زور سے دبایا۔ پھر کہا: پڑھو! آپ نے فرمایا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چوتھی بار کہا: پڑھو!:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ' خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ' اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ' عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ○ (علق:۱تا۴)

[redacted] "(اے محمد!) اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو' جس نے (سارے عالم کو) پیدا کیا' اور جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ (اے محمد) پڑھو' اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا' اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

---

[1] علامہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بے حد غریب ہے (۲/۲۸۸)

[2] اللؤلؤ والمرجان: (۱/۷۲) بخاری (۱/۱۷) مسلم (۱/ ۱۸۴)

قوس کی عبارت حدیث کا ٹکڑا نہیں ہے ——

اس کے بعد حضور ﷺ زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے مگر کاندھے کانپ رہے تھے' اور فرمایا: "مجھے اپنی جان کا خوف ہوگیا ہے۔" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی ڈھارس بندھائی اور اطمینان دلایا اور عرض کیا: "ہرگز نہیں خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ آپ کنبہ پروری کرتے ہیں' کمزوروں کا بار اٹھاتے ہیں' ناداروں کو سہارا دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں' اور مصائب دور کرنے میں لوگوں کی واقعی مدد کرتے ہیں۔" — اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد کے پاس لے گئیں۔ ورقہ جاہلیت کے زمانے میں عیسائی ہوگئے تھے۔ عبرانی تحریر لکھا کرتے تھے' اور جتنا خدا چاہتا' انجیل کو عربی زبان میں (منتقل) کرتے تھے۔ بہت بوڑھے ہوگئے تھے' آنکھیں بھی جاتی رہیں تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چچا! اپنے بھتیجے کی بات تو سنئے! ورقہ نے کہا: کہو بھتیجے کیا بات ہے؟ حضورِ اقدس ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان فرمایا۔ ورقہ نے سن کر کہا' یہ جبرئیل تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا تھا۔ کاش! میں آپ کے ایامِ نبوت میں طاقتور جوان ہوتا' کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کو آپ کی قوم نکالے گی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: ہاں جو شخص آپ کی طرح (نبوت لے کر) آیا ہے' اس سے دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر مجھے آپ کا وہ زمانہ ملا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا — لیکن ورقہ زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے اور وفات پا گئے' اور وحی (ایک عرصہ کے لئے) رک گئی۔

(بخاری ۹۵/۱ مسلم: ۹۷/۱' ۹۸ اللؤلؤ والمرجان: ۳۲/۱)

وحی کی بندش کے زمانے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصل شکل میں نمودار ہوئے' اور اُفق کے دوسرے کنارے تک چھا گئے۔ (ان کے چھ سو بازو تھے' پھر وہ قریب تر ہوتے گئے' یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر[1] اللہ نے ان کے ذریعہ وحی بھیجی) سورۂ مدثر کی حسب ذیل ابتدائی آیتیں اسی وقت نازل ہوئیں۔

[1] یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے۔ البتہ قوس کی عبارت اس میں نہیں۔ (اللؤلؤ والمرجان ۳۴/۱) مسلم: ۱/ ۹۸' ۹۹) (بخاری: ۶/۱)

يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ (مدثر:۱تا۵)

ترجمہ: "اے (محمد) کپڑا اوڑھنے والے' اٹھو اور (لوگوں کو عذاب سے) ڈراؤ' اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرو' اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو' اور ناپاکی سے دور رہو۔"

ان آیات کے ساتھ حضور ﷺ منصب رسالت پر فائز ہوئے۔

دعوت کا آغاز:

حضرت محمد ﷺ نے جو اب خدا کے رسول تھے' دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا' اور لوگوں کو اللہ پر' اس کے رسولوں پر' اس کی کتابوں پر' اور مرنے کے بعد اس کے سامنے پیش ہونے پر ایمان لانے اور صرف حق تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنے کی طرف دعوت دی' لیکن قوم نے آپ کو اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو طرح طرح سے ستایا' انہیں ڈرایا اور دھمکایا' اور ہر قسم کا بے جا دباؤ ڈالا۔ جس کے نتیجے میں بعض صحابہ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ پھر جب مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت ملی تو بیشتر صحابہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ قریش نے رسالت مآب ﷺ' آپ کے معزز خاندان اور بنو ہاشم میں سے جنہوں نے اسلام قبول کیا' ان سب کو شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رکھا' اور ایسا سخت محاصرہ کیا کہ خدا کی پناہ! حسرت اور بے بسی کا وہ عالم کہ بسا اوقات بھوک پیاس کی شدت میں درختوں کے پتے چبانے پڑے۔

اس عرصہ (سنہ ۱۰ نبوی) میں وفا شعار زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ ایک اور صدمہ یہ ہوا کہ شفیق چچا حضرت ابو طالب دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے حضور ﷺ کی حمایت میں ساری مصیبتیں جھیلیں اور دشمنوں کے ہر مکر و فریب کا کامیاب دفاع کیا۔ اس لئے تاریخ میں یہ سال "عام الحزن" کے نام سے موسوم ہے' یعنی غم کا سال۔

سنہ ۱۰ نبوی کے ختم اور سنہ ۱۱ نبوی کے آغاز میں حضور ﷺ نے معراج کی سعادت پائی۔ آپ کو ملا اعلیٰ کی سیر کرائی گئی۔ آپ سدرۃ المنتہیٰ تک گئے' جس کے قریب ہی جنت کے باغ کا سلسلہ شروع ہے۔ پھر اور آگے بڑھ کر اس مقام تک پہنچے جہاں سے آپ نے قلم چلنے کی آواز سنی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو پکارا' اور مناجات کا شرف بخشا۔ آپ پر اور آپ کی امت پر پانچ

اوقات کی نمازیں فرض کیں۔

اَوس اور خزرج مدینہ منورہ کے دو قبیلے تھے۔ ان کے بعض افراد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی' اور (منی میں) عقبہ کے مقام پر سب نے حضور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ "یثرب والے ان مسلمانوں کے ساتھ پورا تعاون کریں گے جو ہجرت کرکے یثرب پہنچیں گے' اور ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کریں گے' جس طرح وہ اپنی جان اور اپنے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے بدلے میں حق تعالیٰ انہیں جنت سے نوازے گا۔" یہ معاہدہ "بیعت عقبہ اولیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔ آگے چل کر اسی مقام پر ایک اور معاہدہ ہوا جو "بیعت عقبہ ثانیہ" کے نام سے موسوم ہے۔

پھر جب وادی مکہ کے نونہال ایک ایک کرکے گلشن مدینہ میں منتقل ہوچکے تو باغبانِ اِسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت سے پہلے اس بستی کا نام "یثرب" تھا پھر "مدینۃ النبیؐ" اور "مدینہ منورہ" کہلایا۔ یہی وہ پرنور بستی ہے جہاں سب سے پہلے دیوانی اور فوجداری قوانین پر مشتمل اِسلامی شریعت کا دستور نافذ ہوا' اور اسی بستی کو اِسلامی ریاست کا صدر مقام بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ چنانچہ اسی سرزمین سے وہ نورانی قافلہ چلا' جس نے ہاتھوں میں حق و صداقت اور عدل و مساوات کا جھنڈا لے کر ربع مسکون کو اپنے زیر نگیں کیا' اور اس کے ایک جیالے فرزند حضرت ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ' نے کسریٰ شاہِ ایران کے دربار میں اپنے آنے کی غرض ان الفاظ میں بیان فرمائی:

"ہم اس لئے آئے ہیں تاکہ خدا کے بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدا کی بندگی کی طرف' کفر کی تاریکی سے نکال کر اِسلام کی روشنی میں' اور جھوٹے خداؤں کے ظلم وجور سے بچا کر اِسلام کے عادلانہ نظام کی طرف لے جائیں۔"

اور پھر رفتہ رفتہ اِسلام پھیلتا رہا' اور حضورِ اکرم ﷺ ابھی بقید حیات تھے کہ سارا جزیرہ نمائے عرب حلقہ بگوشِ اِسلام ہوگیا' اور پورے خطہ پر اِسلامی دستور کی گرفت مضبوط تر ہوتی گئی۔ تاآنکہ اس آیت کا نزول ہوا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ○ (مائدہ:۳)

ترجمہ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا' اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں' اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔"

پھر حضورِ اکرم ﷺ کا وصال ہوا- یہ پیر کا دن تھا- ربیع الاول کی بارہ تاریخ تھی- اور ہجرتِ نبوی! جو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز ہے' اس کو وقوع پذیر ہوئے ابھی دس سال اور کچھ اوپر دو ماہ ہوئے تھے- اس میں شک نہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ اس وقت واصل بحق ہوئے جب آپ نے خیر کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جس کی نشاندہی نہ کر دی ہو- اسی طرح شر کے کسی پہلو کو بھی باقی نہ رکھا جس کو کھول کھول کر بیان نہ کر دیا ہو-

خداوندا! اپنے محبوب پر اس وقت تک صلوۃ و سلام نازل فرماتا وقتیکہ آپ کی زیارت اور شفاعت ہمیں نصیب نہ ہو-!

مذکورہ بالا سطروں میں رسالت محمدی ﷺ کے تعلق سے بطورِ تبرک ہم نے سیرتِ مقدسہ کے کچھ گوشے پیش کئے' تاکہ اس سوانحی خاکہ سے نبوتِ محمدی ﷺ کی حقانیت اور اس کی ہمہ گیری اور آفاقیت پر گفتگو کی راہ ہموار ہو سکے' اور یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے کہ دنیا اور آخرت میں انسان کی سعادت اور اس کی نجات' نبوتِ محمدی ﷺ کے تسلیم کرنے پر موقوف ہے-

نبوت کی صفات:

پہلے گذرا کہ زمانے کے تقاضے' کمال اور نسبی شرافت' نبوت کے لازمی اوصاف ہیں- دیکھنا چاہئے کہ نبی عربی ﷺ کی سیرتِ مقدسہ نبوت کے مذکورہ بالا معیار پر کہاں تک اترتی ہے- مثال کے طور پر زمانے کے تقاضے کو لیجئے!

بعثت سے پہلے کی دو بڑی طاقتوں' پارس اور روم کا قریب سے جائزہ لینے والے مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ وقت کی یہ بڑی طاقتیں ہمہ گیر فساد اور زبردست انتشار کی لپیٹ میں تھیں' جس سے ان کا دین' اخلاق اور نظامِ حکومت سب کچھ بگڑ چکا تھا- اس بگاڑ نے رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبوں اور ان کی ماتحت چھوٹی بڑی سب ریاستوں کو متاثر کیا' اور انہیں اپنے شکنجہ میں کس لیا- ترقی یافتہ رومی اور ایرانی تہذیبوں کا یہ حال تھا- لیکن باقی ماندہ ملکوں کا

حال اس سے بدتر اور وہاں کی صورتحال تشویشناک حد تک نازک ہو چکی تھی' ان کی فضاؤں پر' اور ان کی زندگی کے ہر شعبے میں تاریکی دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب کا حال حد سے زیادہ خراب تھا' جہاں بتوں کی پرستش عام تھی' شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی' لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا' کاہنوں اور معبد کے پجاریوں نے نبیوں کا تقدس حاصل کر لیا تھا۔ قبائلی سردار مجازی خدا بنے بیٹھے تھے' اور ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ قانون کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ جنہیں ملتا تھا اور خوب ملتا تھا' انہیں اپنی جیب سے کسی کو کچھ دینا ضروری نہیں تھا۔ دوسرے ملکوں کا حال بھی کم تباہ کن نہ تھا۔ غرض پوری دنیا شر و فساد میں ڈوبی ہوئی تھی' اور گھٹا ٹوپ اندھیرا بڑھتا جارہا تھا ــــ ان حالات کا تقاضا تھا' اور تقاضا ہی نہیں بلکہ حالات چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ اس بگاڑ کو وہی رفع کر سکتا ہے جو نبوت اور رسالت کے عالی مقام منصب پر فائز ہوگا' جس کے ہاتھوں حق تعالیٰ ہمہ گیر اصلاحات کرے گا' اور جو کل روئے زمین اور ان میں بسنے والی خلائق کی کایا پلٹ دے گا۔

اور یہ حقیقت تھی' اس لئے کہ عوام شدت سے نبی موعود اور خدا کے رسول کے منتظر تھے۔ چنانچہ جزیرہ نما عرب میں سب سے زیادہ اس کی گونج تھی۔ اس سے زیادہ اہل کتاب میں یہ چرچا تھا کہ نبی آخر زماں ان میں ہوگا۔ عرب کے صحرا اور وادیوں میں گفتگو کا یہی ایک موضوع تھا' اور بے شمار پیشین گوئیوں اور قیافوں سے عام اندازہ ہو چلا تھا کہ نبی آخر زماں اور رسول مبعوث ہونے کا شرف اس بار عربوں میں رہے گا۔ آفتابِ نبوت' فاران (مکہ مکرمہ) کی چوٹیوں سے طلوع ہوگا۔ اس کی شعاعیں کھجوروں اور گھنے سائے والی سرزمین یثرب (مدینہ منورہ) سے پھیلیں گی' اور ہجرت کر کے نبی آخر زماں اسی مقام کو اپنا وطن بنائیں گے۔

اہل کتاب جو پہلے کہیں اور آباد تھے' بعض حوادث اور آفتوں سے تنگ آکر ان کے متعدد قبیلوں نے ارضِ حجاز کو اپنا مسکن بنا لیا تھا' اور یثرب اور اس کے اطراف میں آباد ہو چکے تھے۔ ان کے اندر بھی نبی موعود کی آمد کا بڑا چرچا تھا' تاآنکہ اپنے پڑوسی عربوں سے بڑائی کے طور پر یہ لوگ اکثر کہا کرتے تھے کہ "وہ نبی ہم میں سے ہوگا' جس کا ایک زمانہ منتظر ہے' اور ایک وقت آئے گا کہ اس کی قیادت میں ہم تم سے جنگ کریں گے۔"

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد لگ بھگ چار سو سال کا عرصہ جو ہر چند کہ

پیغمبروں سے خالی لیکن آنے والے نبی کا زمانہ شدت سے منتظر تھا۔ اس مدت میں پیشین گوئیوں' جھوٹی نبوت کے دعووں اور نبی موعود کے تذکروں کا لامتناہی سلسلہ تھا جو بڑی تیزی سے جاری تھا۔ اور یہ کسی ایک خطے یا ملک پر موقوف نہیں' بلکہ سارے عالم میں اس کی گونج سنائی دیتی تھی کہ وہ نبیِ انسانی تاریخ کا دھارا بدل دے گا۔ اس کے ہاتھوں عالمگیر انقلاب رونما ہو گا۔ فتنہ و فساد کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹ جائے گا' اور خدا کی زمین اور اس میں آباد کل خلائق کے لئے اس کی آمد نئے دور کا آغاز ثابت ہوگی۔ لیکن دیکھیں تو سہی کہ ـــ! یہ نبی موعود آخر کون ہو گا؟ اور آدم کا کونسا فرزند اس سعادت عظمیٰ کا اہل ثابت ہو گا ـــ!؟

سبحان اللہ! قسامِ ازل نے اس نعمت عظمیٰ کو حضرت عبداللہ کے جگر گوشے حضرت محمد ﷺ کے لئے مخصوص کر دیا تھا' جو بجا طور پر حضرت ابراہیم خلیل (علیہ السلام) کی دعا کا مصداق تھے۔ آپ نے دعا فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرۃ:۱۲۹)

"اے ہمارے پروردگار: اس بستی کے رہنے والوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیج جو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دے اور ان کے نفسوں کو پاک کرے۔ بیشک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔"

اسی طرح آپ اس خوش خبری کا بھی مصداق تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ○ (صف:٦)

"اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں' اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے۔ (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں' اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہو گا' ان کی بشارت سناتا ہوں۔"

یہ نبی اُمی حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی جنہوں نے دنیا والوں کو پیغام دیا تھا!

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ (اعراف:۱۵)

"لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔"

دنیا والوں کو اس عظیم المرتبت پیغامبر کی آمد مبارک ہو ــــ دنیائے انسانیت اور کل خلائق کو آپ کی سربراہی اور قیادت مبارک ہو ــــ مبارک ہو وہ ذاتِ اقدس جو مجسم رحمت الٰہی ہے!

وقتی عوامل اور تقاضوں کا مختصر جائزہ لینے کے بعد ــــ ! آیئے' اب ہم رسالت مآب ﷺ کی شخصیت اور آپ کے بے نظیر سراپا پر ایک نظر ڈالتے چلیں ــــ وہ بے مثال ذات گرامی جسے حق تعالیٰ نے عالم انسانی کی سیادت اور قیادت کے لئے منتخب کیا' جنہیں اس لائق بنایا کہ آسمانی پیغام ان پر نازل ہو۔ اور وہ رہتی دنیا تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے رسول بن کر مبعوث ہوں۔ آپ کا سراپا ہمارے سامنے دو حیثیت سے پیش ہو گا (۱) صوری اور جسمانی ہیئت (۲) روحانی اور اخلاقی کیفیت۔

اصحابِ سیر اور آپ کے شمائل و خصائل بیان کرنے والے جملہ محققین بیک زبان اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ آپ زیبا اور خوبرو' میانہ قامت اور خوش وضع۔ حد درجہ متناسب الاعضاء اور سڈول' اور انتہائی مکمل اور کامل ترین انسان تھے۔ جن بچی اور باسعادت ہستیوں نے جمالِ جہاں آرا کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اپنے تاثرات اور مشاہدات کو الفاظ کا روپ دیا' ذیل میں ان کے الفاظ من و عن پیش کئے جاتے ہیں:

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ متوسط قامت تھے' دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے فراخی تھی' سر کے بال بہت اور کانوں کی لو تک دراز تھے' سرخ جوڑا پہنتے تو حضور پر اس وقت جو حسن ہوتا اس سے بہتر میری نظر سے کوئی چیز نہیں گذری۔"

(متفق علیہ' اللؤلؤ والمرجان: ۱۰۷/۳' مسلم: ۸۳/۷' بخاری: ۲۲۸/۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کا رنگ (سنہرا) چمکدار تھا' اور پسینہ موتی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ جب حضور چلتے تو سیدھے' اعتدال کے ساتھ چلتے تھے۔ میں نے کوئی دیبا اور ریشم' آپ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا' اور نہ حضور پاک کی خوشبو سے عمدہ کوئی عنبر اور مشک سونگھا۔"

(مسلم: ۷/ ۱۸)

آخر میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے ــــ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بڑی تفصیل سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ ان اوصافِ جمیلہ سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں' تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں' اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرکے انہیں اپنی اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔ ماموں جان نے حضورِ اکرم ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق فرمایا:

آپ خود اپنی ذاتِ والا صفات کے اعتبار سے بھی ذی شان تھے' اور دوسروں کی نظر میں بھی بڑی شان و رتبہ والے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر کی طرح چمکتا تھا' آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا۔ لیکن لانبے قد والے سے پست تھا' سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ بال کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو رہنے دیتے' ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ جس زمانے میں حضور ﷺ کے بال زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے متجاوز ہوجاتے۔ آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار تھا' اور پیشانی کشادہ۔ آپ ﷺ کے ابروخمدار' باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے' جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ اِن دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھرجاتی تھی۔ آپ ﷺ کی ناک بلندی مائل تھی' اور اس پہ ایک چمک اور نور تھا' ابتداء میں دیکھنے والا آپ ﷺ کو بڑی ناک والا سمجھتا' لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوجاتا کہ حسن اور چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے' ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں تھی۔ آپ ﷺ کی داڑھی بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ آنکھوں کی پتلیاں نہایت سیاہ تھیں۔ رُخسارِ مبارک ہموار' ہلکے تھے' گوشت لٹکے ہوئے نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا۔ آپ ﷺ کے دندانِ مبارک باریک آبدار تھے' اور ان میں سے سامنے کے دانتوں پر ذرا ذرا فصل بھی تھا۔ سینے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ آپ کی گردن ایسی خوبصورت تھی' جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے' اور رنگ میں صاف چاندی جیسی خوبصورتی تھی۔ آپ ﷺ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے' اور گٹھے ہوئے بدن کے ساتھ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا' لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا۔ جوڑوں کی

ہڈیاں قوی اور بڑی تھیں- کپڑا اُتارنے کی حالت میں آپ ﷺ کا بدن روشن اور چمکدار نظر آتا تھا- ناف اور سینہ کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک دھار تھی- اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ بالوں سے خالی تھا- البتہ دونوں بازو' کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے- آپ ﷺ کی کلائیاں دراز تھیں اور ہتھیلیاں فراخ- نیز دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز اور پُر گوشت تھے- پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لانبی تھیں- آپ ﷺ کے تلوے قدرے گہرے تھے' اور قدم ہموار تھے کہ پانی ان کے صاف ستھرے پن اور ان کی ملاحت کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا' فوراً ڈھل جاتا تھا- جب آپ ﷺ چلتے تو قوت کے ساتھ قدم اُٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے- قدم زمین پر آہستہ سے پڑتا تھا' زور سے نہیں- آپ ﷺ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے' چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے- جب آپ ﷺ چلتے تو ایسا لگتا- جیسے پستی میں اُتر رہے ہیں- جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے- آپ ﷺ کی نظریں نیچی رہتیں- آپ ﷺ کی نگاہیں بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی- یعنی غایت شرم کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے' چلنے میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگے کر دیتے تھے' اور آپ ﷺ پیچھے رہ جاتے- جس سے ملتے ابتداء سلام سے فرماتے تھے-" (محمد المثل الکامل: ۱۰/۱۱)

یہ اُس ذاتِ والا صفات کی جسمانی ساخت اور ہیئت تھی' جو تمام تر عطیہ' اور انعامِ الٰہی ہے- سچ ہے! اللہ اگر توفیق نہ دے اِنسان کے بس کی بات نہیں-

اِس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ سرور عالم ﷺ کو دست قدرت نے حسن صورت کا وہ خزانہ دیا جو کسی اور کو عطا نہیں ہوا- آپ ﷺ شکل و صورت اور خدوخال کے لحاظ سے عالی مرتبت' لاثانی اور بے مثال تھے- نہ آپ ﷺ جیسا کوئی پیدا ہوا اور نہ ہو گا' اور نہ آپ ﷺ کا ہم پلہ اور مساوی کوئی ہو سکتا ہے-!

حسن صورت کے بعد حسن سیرت اور اخلاقی' روحانی اور باطنی کیفیات کی اعلیٰ مثال ملاحظہ ہو- کامل وضاحت کے لئے کمال اور مثالیت کے ایک ایک نمونے کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے- ساتھ ہی اس بات کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے کہ سیرتِ مقدسہ اور شمائل اور خصائل نبوی ﷺ

کا احاطہ کرنے کے لئے نوکِ زبان اور زبانِ قلم یکسر عاجز اور درماندہ ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی دُور اندیشی اور کامل عقل کی سینکڑوں مثالوں میں سے ذیل میں صرف چار مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دو مثالیں نبوت سے پہلے کی ہیں' دوسری دو مثالوں کا تعلق نبوت کے بعد سے ہے:

۱۔ حلف الفضول میں شرکت اور یہ فرمان کہ: "حلف الفضول میں میں شریک تھا جو عبداللہ بن جدعان کے گھر میں لیا گیا۔ اس حلف میں شرکت کی بجائے اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں تو میں حلف میں شرکت کو ترجیح دوں گا۔ اور اگر آج بھی اس جیسے حلف میں شرکت کی دعوت دی جائے تو میں شریک ہونے کے لئے تیار ہوں۔"

(سیرت ابن ہشام: ۱/ ۱۴۳' حلف نامہ کا تذکرہ۔ مسند احمد: ۱/ ۱۹۰' ۱۹۳'
طبقات ابن سعد: جلد اول' قسم اول' صفہ ۸۲)

اس حلف نامہ کی بنیادی دفعات میں مظلوم کی امداد' اس کی پشت پناہی اور دستگیری تھی' تاوقتیکہ ظالم اس کا حق ادا کردے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے محض حق کی تائید و اعانت' اور حق کا بول بالا کرنے کے لئے اس حلف میں شرکت فرمائی۔ بلاشبہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ:

"اس حلف میں شرکت کی بجائے اگر مجھے سرخ اونٹ دیئے جائیں تو میں حلف میں شرکت کو ترجیح دوں گا۔"

آپ ﷺ کی پختہ بصیرت' کمالِ دانش' اور اعلیٰ درجہ کی قوتِ فیصلہ کا روشن ثبوت ہے۔

۲۔ نیز یہ فیصلہ کہ "حجرِ اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھا جائے' اور قریش کے ہر قبیلہ کا سردار چادر کا کونہ تھام لے۔" اور جب پتھر چادر میں رکھا ہوا کعبہ کی دیوار تک پہنچا تو آپ ﷺ کا اسے اپنے مقدس ہاتھوں سے اُٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دینا اعلیٰ درجہ کی دُور اندیشی اور فطانت کی بین نشانی ہے جس کے ذریعہ وقت کے سب سے بڑے تصادم اور خونریزی کا انسداد ہوا' اور ایک زبردست فتنہ سر اُٹھانے سے پہلے فرد ہوگیا۔

ذیل کی دو مثالیں زمانہ نبوت سے تعلق رکھتی ہیں:

۱۔ الرّحمٰن الرّحیم اور "رسول اللہ" کے الفاظ لکھنے سے دست

برداری:

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب قریش کا آپ ﷺ سے معاہدہ ہوا' اور معاہدہ کی شرائط ضبط تحریر میں لائی جانے لگیں تو کاتب تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ لکھیں:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو نے ٹوک دیا اور کہا ٹھہر جاؤ۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" معلوم نہیں کیا چیز ہے؟ "باسمک اللّٰھُمَّ" لکھو' جس کو ہم بھی جانتے ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے اس کو منظور کر لیا۔ اسکے بعد حضور نے فرمایا "لکھو' یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معاہدہ کیا ہے۔" قریش کے نمائندے نے پھر کہا' ٹھہر جاؤ! اگر ہم کو یقین ہوتا کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ کے پیرو ہی نہ بن جاتے آپ سے جنگ کیوں کرتے؟ لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھو۔ حضور نے فرمایا: "اچھا یہی لکھ دو[1]۔"

یہ بھی یاد رہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے قریش کی طرف سے لا دی گئی مذکورہ شرائط کو اس وقت گوارا کیا جب کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے جوشیلے صحابہ موجود تھے' اور وہ اس اقدام کو دین میں ذلت سمجھتے تھے اور کسی طرح اس کے لئے آمادہ نہ تھے[2]۔ لیکن اس قدر آسان شرائط پر مصالحت نے ثابت کر دیا کہ اوروں کی نظریں کوتاہ تھیں اور آپ انتہائی دور اندیش' بالغ نظر اور زبردست قوتِ فیصلہ کے مالک تھے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آگے چل کر اس صلح نامہ کو تاریخ میں زبردست مقام حاصل ہوا اور دانش مندی' سیاسی حکمت عملی اور ملکی تدابیر کے لئے یہ واقعہ ضرب المثل کی صورت اختیار کر گیا۔

۲۔ : فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ فاتحانہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں سرداران قریش بد ترین مجرم کی طرح کھڑے اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننے کے لئے منتظر تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطاب کر کے فرمایا: "اے سرداران قریش! آج تم مجھ سے کس برتاؤ کی اُمید رکھتے ہو؟" انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: آپ ہمارے

---

[1] لفظ "محمد رسول اللہ" مٹانے کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے۔ (اللؤلؤ والمرجان: ۲/ ۲۳۴) جب کہ مسلم میں مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت قریب قریب اسی طرح درج ہے۔ (۱۷۵/۶)

[2] متفق علیہ (اللؤلؤ والمرجان: ۲/ ۲۲۴) بخاری: ۳/۲۲۸'۲۲۹)' مسلم ۵/ ۱۷۳تا۱۷۵)

شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ ہم آپ سے حسن سلوک کے اُمیدوار ہیں۔ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: "جاؤ تم سب آزاد ہو" (سیرت ابن ہشام: ۴/۴۱)

حضورِ اکرم ﷺ کا یہ موقف نامور عالمی شخصیتوں کی تاریخ کا سب سے نمایاں اور شاندار موقف تھا' جو بجا طور پر آپ کی بے نظیر ہوشمندی اور حکمت و تدبیر کا بہترین نمونہ اور نہایت اعلیٰ مثال ہے۔

شجاعت:

دانش مندی اور حسن تدبیر کی طرح حضور اکرم ﷺ کے اندر شجاعت اور دلیری کا وصف بھی لاثانی اور بے مثال تھا۔ آپ بہادری میں فرد تھے' اور دیگر اوصاف کی طرح آپ کی بے نظیر شجاعت بھی بطورِ مثال پیش کی جاتی ہے۔ اس موقع پر حضرت علی بن ابی طالب' حضرت زبیر بن عوام اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم جیسے یکتائے زمانہ دلاورانِ اِسلام کی شہادت ہماری لئے کافی ہے۔ جن میں سے ہر ایک مردِ میدان اور نہایت جانباز تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی اور زور کارن پڑتا' تو ہم جنگ کی تیزی سے بچنے کے لئے حضورِ اکرم ﷺ کی آڑ تلاش کیا کرتے تھے[1]۔ حنین کے معرکہ میں اِسلامی لشکر کے قدم اکھڑ گئے' اور قریب تھا کہ یہ لشکر بدترین شکست سے دو چار ہوتا' لیکن ایسے وقت میں حضورِ اکرم ﷺ ثابت قدم رہے' اور اپنی جگہ ڈٹے رہے۔ آپ کی اس شجاعت نے بھاگنے والوں کے قدم جما دیئے۔ ان کی ڈھارس بندھی اور پھر انہوں نے متحد ہو کر اس طرح جنگ کی کہ دشمن کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو فتح ہوئی' اور دشمن کے بے شمار سپاہی پکڑے اور قید کئے گئے۔ اسی جیسا واقعہ غزوۂ احد میں پیش آیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں آپ کی اسی بے نظیر شجاعت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ۝ (نساء:۸۴)

---

[1] امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت براء نے نقل کیا ہے' فرماتے ہیں' "جب جنگ کے شعلے بھڑکتے تو ہم حضور کی پناہ میں خود کو محفوظ پاتے تھے۔" (۵/۱۶۸)

ترجمہ "تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ تم پر اپنی ذات کے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں۔"

کیا یہ بے نظیر شجاعت اور جوانمردی کی علامت نہیں کہ تن تنہا ایک فرد کو جنگ کا حکم دیا جارہا ہے' اور جنگ بھی کن لوگوں سے؟ روئے زمین کے کل کفار اور مشرکین سے! یہ اس لئے کہ تاریخ شاہد ہے کہ آیت کے نزول کے وقت حضورِ اکرم ﷺ کے مٹھی بھر وفاشعار صحابہ کے علاوہ زمین کا ہر متنفس کافر اور بچہ بچہ اِسلام اور پیغمبرِ اِسلام کا جانی دشمن تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو ذاتِ واحد اس عظیم جنگ کی یکہ و تنہا مکلف ہو' بلاشبہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے زیادہ بہادر اور دلیر کوئی نہ ہوگا۔ یہ ذاتِ گرامی حضورِ اکرم ﷺ کی برگزیدہ ہستی ہے۔

● سیاسی حکمت عملی:

حضورِ اکرم ﷺ کی بیدار مغز سیاست جس کا تعلق خواہ صلح سے ہو یا جنگ سے' یا اس کا تعلق شہری مسائل سے ہو یا فوجی اُمور سے' اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ صلاحیت بھی نمایاں طور پر ضرب المثل ہے' اور کوئی خواہ کتنا ہی بہادر اور دلیر ہو' اس میں شک نہیں کہ اس تک رسائی کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ ذیل کی معدودے چند مثالوں سے آپ ﷺ کی اس بے نظیر فضیلت اور کاملیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

● — مشرکین مکہ کی شدید ایذارسانی کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی جانب ہجرت کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کو بخوبی احساس تھا کہ اس وقت مقابلہ اور تصادم قطعی نامناسب ہے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ والئ حبشہ اصحمہ نجاشی رحمتہ اللہ علیہ انتہائی شریف النفس اور خدا ترس حکمراں ہیں' وہ ضرور ان تارکین وطن و فوذ کی پذیرائی کریں گے' ان کے ساتھ حسن تدبیر سے پیش آئیں گے۔ (اور ایسا ہی ہوا) اس لئے یہ کہنے میں باک نہیں کہ بارگاہِ نبوت سے صادر شدہ ہجرت کی یہ اجازت آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت کی قابلِ قدر اور لائق فخر علامت ہے۔

(حبشہ کی ہجرت کا تذکرہ ملاحظہ ہو: ۶۲/۵' ۶۴۔ البدایہ والنہایہ: ۶۶/۳ سیرت ابن ہشام: ۳۳۰/۱)

● — اسی قسم کی شدید ایذا رسانی کے دنوں میں رسالت مآب ﷺ نے دار ارقم کو

اِسلامی دعوت و تبلیغ کا زبردست مرکز بنایا' اور وہاں رہتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت اور ان کے جملہ اُمور کی ذاتی طور پر نگرانی فرمائی- یہ تعلیم و تربیت اور بروقت کارروائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی بلوغ نظری اور حسن تدبیر کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے-

● بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ: مدینہ منورہ کے چند خوش نصیب مردوں اور عورتوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ جو مسلمان مدینہ منورہ ہجرت کرکے آئیں گے ہم ان کی حفاظت اور حمایت کریں گے' اور اپنا سب کچھ اُن پر قربان کریں گے- اس معاہدہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم فرمایا' اور آخر میں خود بھی ہجرت فرمائی- پھر زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ مدینہ منورہ امن و سلامتی کا گہوارہ اور خلافت اِسلامیہ کا پایہ تخت قرار پایا- اس سرزمین سے فتوحات کا سلسلہ جاری ہوا' اور سارے عالم کی ہدایت کے فیصلے یہیں سے صادر ہوئے-

(تذکرۂ بیعت عقبہ کے لئے ملاحظہ ہو' بخاری: ۶۹/۵' ۷۰- ابن ہشام: ۴۷/۲' البدایہ والنہایہ: ۱۴۷/۳' ۱۵۸)

● مدینہ منورہ کے تین یہودی قبائل سے معاہدہ: اس معاہدے نے اِسلامی دعوت و تبلیغ کے کاموں کی رفتار تیز کی' اور جس وقت اِسلامی قافلہ نحیف و ناتواں اور دشمنوں کے نرغے میں چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکمت و تدبیر نے امن و سکون کی فضا بحال کی اور صلح و آشتی کو بڑھاوا دیا-

● انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارگی: اس مواخات اور بھائی چارے نے تارکین وطن مسلمانوں اور باشندگانِ مدینہ کے درمیان وہ اٹوٹ رشتہ قائم کیا جس کی وجہ سے یہ باسعادت ہستیاں اس طرح ایک جان دو قالب ہوگئیں کہ اگر ایک کو تکلیف ہوتی تو پوری بستی اس کی ٹیس اور کسک محسوس کرتی' اور ان کی آنکھوں سے نیند اُڑ جاتی- تاریخ شاہد ہے کہ اس درجہ کی بھائی چارگی اور باہمی محبت کی نظیر رُوئے زمین پر کہیں اور کبھی بھی نہیں دیکھی جاسکی- یہ محض اللہ کا فضل تھا' اور اس حکمت و تدبیر کا ثمرہ بھی' جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کا مظہر تھا-

● حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: اس نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس

سال تھی، اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ابھی پورے پچیس سال بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس اِزدواج کے علاوہ سرورِ عالم ﷺ نے متعدد بیواؤں سے نکاح فرمایا۔ یہ سب بڑی عمر کی خواتین تھیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، جنہوں نے اپنی عمر کا نواں سال بھی ابھی پورا نہیں کیا تھا۔

اِن تمام ازدواج کے پیچھے غایت درجہ کی دُوراندیشی، گہری حکمت عملی، قوتِ فیصلہ اور کامل حسن تدبیر کارفرما ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے بعد ہی اِسلامی دعوت و تبلیغ ازحد طاقت، قوت اور شان و شوکت سے آگے بڑھی اور اقصائے عالم میں پھیلتی چلی گئی، اور اگر ان تدابیر کا یہ الہٰی نظام نہ ہوتا تو اِسلام کو یہ ثبات، شکوہ اور ارتقاء نصیب بھی نہ ہوتا۔

● متعدد غزوات اور سرایا: عہد نبوی کی جنگی سرگرمیوں کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد یہ احساس تیز ہوتا ہے کہ بارگاہِ ایزدی سے آپ ﷺ کو جنگی مہارت اور بے مثال مدبرانہ قیادت کا تحفہ عطا ہوا تھا، اور آپ کی یہ وہ صلاحیت تھی جس کا اعتراف دوست دشمن ہر ایک نے کیا۔ اس بے مثال اور لاثانی عسکری صلاحیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اس دس سالہ مقدس جنگ نے جزیرہ نمائے عرب کو اِسلام کی آغوش میں پہنچا دیا، ہر طرف اِسلام کا نور فروزاں ہوا۔ اور عجیب بات یہ کہ اس مقدس جہاد اور جنگ کی چکی میں جو دس سال تک چلتی رہی، اور جس کے نتیجے میں ایک بڑے خطے میں اِسلام کی اِشاعت ہوئی، اس جنگ میں شہداء اور مقتولین کی تخمینی تعداد ڈھائی ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی۔

● شفقت و مہربانی: حضورِ اکرم ﷺ کا قلب اطہر شفقت و محبت کے بے پناہ جذبات سے لبریز تھا۔ اس محبت کی نظیر نوعِ اِنسانی میں تلاشِ بسیار کے باوجود کبھی نہ ملے گی، اور ہمیں کامل یقین ہے کہ آپ ﷺ کی رأفت و رحمت کے جستہ جستہ مظاہر اور نمونے ثبوت کے طور پر تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہوگی اور نہ ہم ان کا احاطہ کرسکیں گے، اس لئے ہم وہی کہیں گے جو حق تعالیٰ نے فرمادیا، اور اس سے بڑھ کر بھلا کون کہہ سکتا ہے؟:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (توبہ:۱۱۸)

"(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے رسول آئے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں۔ تمہارا رنج و تکلیف میں پڑنا ان پر بہت گراں گذرتا ہے' وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند رہتے ہیں۔ (خاص کر) مسلمانوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔"

لیکن باایں ہمہ رسالتماب ﷺ کی رافت و رحمت کے بعض نمونے بطورِ مثال پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ حضرت اِبراہیم بن ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا خدمت اقدس ﷺ میں پیش کئے گئے۔ وہ بیمار تھے' اور نزع کا عالم تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں چمٹالیا' آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"آنکھیں اشک آلود ہیں' دل غمگین ہے اور ہم وہی بات کہتے ہیں جو خدائے تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ خدا کی قسم۔ اِبراہیم ہم کو تمہارا غم ہے۔"

(متفق علیہ' الولو والمرجان: ۳/۱۰۳)

۲۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت فرمائی' جو مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک مقام پر ہے۔ آپ ﷺ قبر پر کھڑے رہے اور دیر تک روتے رہے۔ لوٹنے لگے تو فرمایا:

"میں نے اپنی والدہ کی مغفرت کے لئے اپنے رب سے درخواست کی' لیکن اجازت نہیں ملی۔ میں نے دوبارہ ان کی قبر کی زیارت کے لئے درخواست کی جو منظور ہوئی۔" (مسلم: ۳/۶۵)

۳۔ خیبر میں واقع بنو ابی حقیق کا قلعہ فتح ہوا تو صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا ایک اور لڑکی کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی معیت میں خدمت اقدس میں لائی جارہی تھیں۔ راستہ میں ان کا گذر ان کی قوم کے مقتول یہودیوں پر ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آنے والی لڑکی نے یہ منظر دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنا منہ پیٹ لیا' اور سر پر خاک ڈالنے لگی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے یہ ماجرا دیکھا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"بلال! کیا تمہارے اندر سے رحم کا مادہ سلب ہوگیا ہے جو تم دو عورتوں کو ان کی قوم کے مقتولوں کے قریب سے یوں لے کر گذر رہے ہو۔"

(البدایہ والنہایہ: ۴/۱۱۷)

اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ رافت و رحمت نوعِ اِنسانی ہی کے ساتھ

مخصوص نہیں تھی' بلکہ ان سے آگے بڑھ کر جانوروں پر بھی آپ ﷺ اسی طرح شفیق اور مہربان تھے- چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ہر ترو تازہ جگر والے (یعنی جاندار) کے معاملہ میں ثواب ملے گا-"
(اللؤلؤ والمرجان: ۷۳/۳)

نیز فرمایا:

"ایک عورت پر بلی کے معاملہ میں عذاب ہوا- یہ عورت بلی کو نہ کھانے پینے کو دیتی تھی' نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی- یہ اس کو اسی طرح بند رکھتی تھی' یہاں تک کہ بلی مرگئی-"
(اللؤلؤ والمرجان: ۷۴/۳- مسلم: ۳۵/۸- یہ مسلم کے الفاظ ہیں)

شفقت کی جگہ شفقت اور مہربانی کی تلقین کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"ایک بار کسی عورت نے گرمی کے دن میں ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے زبان نکالے کنویں کے آس پاس گھوم رہا ہے- اس عورت نے اپنے موزہ میں کتے کے لئے پانی نکالا- (حق تعالیٰ کی طرف سے) اس کی مغفرت ہوگئی-" (متفق علیہ' اللؤلؤ والمرجان: ۷۵/۳)

● **مجسم سخاوت:** حضورِ اکرم ﷺ کی سخاوت اور فیاضی بیان نہیں کی جاسکتی- اور اس ذاتِ گرامی کی سخاوت کو کیونکر بیان کیا جاسکتا ہے- جس سے جب بھی کوئی چیز طلب کی گئی اور وہ اس کے پاس موجود رہی' اس نے دینے سے انکار نہیں کیا:

"ایک مرتبہ حجرہ سے باہر تشریف لائے' اس وقت سب سے بہترین جوڑا زیب تن تھا- ایک صحابی نے دیکھا- دل میں آیا کہ اپنے پہننے کے لئے طلب کروں گا' تاکہ آپ ﷺ کا پیرہن نصیب ہو' اور آپ ﷺ کا اُتارا ہوا کپڑا پہننے کی سعادت حاصل ہو- اس خیال کا آنا تھا کہ حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جوڑا مجھے عنایت فرمایئے' حضورِ اکرم ﷺ حجرہ میں تشریف لے گئے' وہ جوڑا اُتارا اور انہیں مرحمت فرما دیا-" (متفق علیہ' اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲)

"ایک شخص آیا' حضور ﷺ نے اس کو دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں دے دیں- وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: قوم والو! مسلمان ہو جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ (معلوم ہوتا ہے) ان کو افلاس کا خوف ہی نہیں ہے-" (مسلم: ۷۳/۷)

"جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اُونٹ سفر میں تھک گیا- حضورِ اکرم ﷺ نے اس اُونٹ کو سو درہم کے

عوض خرید لیا- (بعد میں) جب انہوں نے قیمت طلب کی تو آپ ﷺ نے قیمت اور وہ اُونٹ انہیں مرحمت فرما دیا-"

(متفق علیہ' اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲)

اللہ اکبر! اس مجسم سخاوت کی فیاضی اور سخاوت کو کوئی کہاں تک بیان کر سکتا ہے؟ اس لئے سچ تو یہ ہے کہ دیگر اوصاف کی طرح آپ ﷺ کا یہ وصف بھی نہایت اعلیٰ اور بیمثال ہے-

عدل و مساوات: حضورِ اکرم ﷺ کے مثالی عدل و انصاف کا مظاہرہ متعدد مواقع پر ہوا ہے- ذیل میں اس قسم کی محض دو نادر مثالوں کو پیش کیا جاتا ہے' جن کا صدور آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے نہیں ہوا-

۱- جب ایک مخزومی عورت نے چوری کی اور قریش کے اصرار پر حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حضورِ اکرم ﷺ سے کچھ عرض کیا' تو یہ سنتے ہی حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا- آپ ﷺ نے فرمایا:

"اُسامہ! کیا تم خدائے تعالیٰ کی قائم کردہ سزا میں سفارش کرتے ہو؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے' اگر فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹا جاتا-"

(اللؤلؤ والمرجان: ۱۸۵/۲' ۱۸۶)

۲- بدر کے موقع پر حضورِ اکرم ﷺ کے دست مبارک میں (نوک اور پر کے بغیر) ایک تیر تھا' جس کے ذریعے آپ ﷺ صفوں کو درست فرما رہے تھے- اس اثناء میں آپ ﷺ کا گذر بنو عدی بن نجار کے حلیف سواد بن غزیہ کے قریب سے ہوا- صحابی مذکور صف سے قدرے آگے نکل آئے تھے- آپ ﷺ نے تیر سے ان کے پیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"سواد! (صف میں) ٹھیک سے کھڑے رہو- حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا' اللہ کے رسول ﷺ (آپ کے اس عمل) نے مجھے تکلیف پہنچائی- حق تعالیٰ نے آپ کو حق اور انصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے- لہٰذا آپ مجھے بدلہ دیجئے- حضورِ اکرم ﷺ نے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: (اچھا تو) بدلہ لے لو-"

(البدایہ: والنہایہ: ۲۷۱/۳) سیرت ابن ہشام: ۳۱۰/۲)

عفوو درگذر: اس میں شک نہیں کہ شمائل و فضائل نبوی ﷺ کا شمار حد درجہ دشوار اور بعید از امکان ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

انما مثلوا صفاتک للناس: کما مثل النجوم للمساء

آپکےاوصافلوگوں کیلئے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں — جیسے تاروں کا وجود رات کی آمد کیلئے ضرب المثل ہے

لہٰذا جس طرح ہم نے بیشتر فضائل نبوی ﷺ کے سلسلے میں اختصار سے کام لیا ہے' آپ ﷺ کے عفو و درگذر کو بھی مختصر بیان کرتے ہیں:

۱- یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ حضورِ اکرم ﷺ ایک غزوے میں شریک تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آرام کی غرض سے ایک وادی میں درختوں کے سایے میں جا بجا لیٹ گئے۔ حضورِ اکرم ﷺ بھی ایک درخت کے سایے میں لیٹ گئے اور تلوار درخت کی ایک شاخ سے لٹکا دی اور سوگئے۔ ایک دیہاتی مشرک موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے تلوار سونت کر حملہ کا ارادہ کیا اور (بڑے گھمنڈ سے) کہا' محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بتا اب تجھ کو کون بچا سکتا ہے؟ حضورِ اکرم ﷺ نے سر اُٹھا کر فرمایا: "اللہ!" وہ شخص ہکا بکا رہ گیا اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ حضور ﷺ نے تلوار اُٹھالی اور فرمایا:

"بتا' تجھ کو کون بچائے گا؟ دیہاتی نے لرز کر کہا' (آپ کے سوا) کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا اور لوٹ گئے۔"

(متفق علیہ۔ اللؤلؤ والمرجان: ۱۶۲/۱ مذکورہ الفاظ بخاری کے الفاظ کے قریب ہیں۔ ۱۳۶/۵' ۱۴۷)

حضورِ اکرم ﷺ نے قابو پاکر جس طرح معاف فرمایا' دریا دلی اور عفو و درگذر کی اس صفت پر آپ ﷺ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔

۲۔ ایک مرتبہ حضورِ اکرم ﷺ نے لوگوں میں اموال تقسیم کیا' ایک بدوی آیا اس نے آپ ﷺ کی چادر کا سرا پکڑ کر کھینچا۔ اور کہا اس تقسیم میں خدا کی خوشنودی کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ حضورِ اکرم ﷺ کو غصہ آیا۔ آپ ﷺ نے محض اسی قدر فرمایا:

اللہ اور اس کا رسول انصاف نہ کرے گا تو کون کرے گا' خدا موسیٰ علیہ السلام پر رحمت نازل

فرمائے۔ آپ بھی کہیں زیادہ ستائے گئے' لیکن آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔
(متفق علیہ۔ اللؤلؤ والمرجان: ۲۲۹/۱' ۲۳۰)

"ایک اعرابی مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوا' اتفاق سے پیشاب کی حاجت لاحق ہوئی۔ مسجد کے ایک طرف ہو کر وہ پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹا اور جھڑکیاں دیں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اس کو رہنے دو۔ (پیشاب) نہ روکو۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھوڑ دیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو حضورِ اکرم ﷺ نے ایک ڈول پانی کا منگا کر اس پر بہادیا۔ (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت اور بردباری نے اعرابی کو جیسے زبان دیدی۔) اس اعرابی نے کہا' خدایا! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور کو شامل نہ فرما۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نے بڑی وسعت والے کو تنگ (نظر) سمجھ لیا۔"
(اللؤلؤ والمرجان: ۶۴/۱۔ خدایا مجھ پر ــــ تا ختم ابوداؤد: ۹۱/۱)

حضورِ اکرم ﷺ کے فضل و کمال اور آپ ﷺ کی اعلیٰ مثالیت کے یہ چند نمونے ہیں۔ نبوت کے تین اوصاف میں سے اب تک دو اوصاف بیان کئے گئے ــــ رہا تیسرا وصف یعنی نسبی شرافت اور خاندانی نجابت' تو ان کا جائزہ لینے کے لئے آپ ﷺ کی اصل پاک اور ذاتِ اقدس پر ایک نظر ڈالنا کافی ہوگا۔ ہم نہایت صفائی سے عرض کریں گے کہ جو کوئی حضورِ اکرم ﷺ کے سلسلہ نسب پر غور کرے گا اسے بخوبی احساس ہوگا کہ آپ ﷺ کا سلسلہ' نسب نہایت اعلیٰ و اشرف ــــ اور آپ کی ذاتِ گرامی انتہائی پاکیزہ اور پاکباز خانوادے سے منسلک ہے۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ روئے زمین پر پہلے یا بعد میں ایسا کوئی فرد نہیں گزرا جس کا نسب اس قدر پاکیزہ' صاف ستھرا' واضح اور ممتاز رہا ہو۔ یہ اس لئے کہ تمام قبائل میں تنہا قریش وہ قبیلہ ہے جو کسی دلیل اور حجت کے بغیر تمام قبیلوں سے افضل ہے۔ رہے بنو ہاشم تو قبیلہ' قریش میں ان کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز رہی ہے۔ اور جیسا کہ عظیم رومی حکمراں ہرقل نے کہا تھا' "پیغمبر اپنی قوم میں سب سے زیادہ شریف النسب ہی ہوتے ہیں۔" (بخاری: ۷/۱)

حضورِ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے فرمایا:

"خدائے تعالیٰ نے اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو برگزیدگی عطا فرمائی' اور کنانہ میں سے قریش کو بزرگی عطا فرمائی' اور قریش میں سے بنوہاشم کو چن لیا' اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب

فرمایا۔"

(مسلم: ۷/۵۸، ترمذی: ۲۹۱۔ آخر الذکر کی روایت مکمل ہے)

یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی خوب سے خوب تر تھی۔ بہرکیف! نبوت اور رسالت کے یہ وہ محاسن اور اوصافِ حسنہ ہیں جو رسالت مآب ﷺ میں ایک ایک کرکے اس طرح جمع تھے جس سے زیادہ اور نمایاں کبھی کسی میں یکجا نہیں دیکھے گئے۔ اس لئے از روئے عقل کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کی نبوت کی نفی کی جائے؟ یا رسالت سے سرے سے انکار کر دیا جائے؟ (خدا کی پناہ) ہرگز نہیں۔ اس قسم کی جسارت وہی کرسکتا ہے جو جاہل' متعصب' کٹر' منکر اور بد طینت ہو۔ البتہ جہاں تک عقل و خرد کا تعلق ہے ہم آئندہ صفحات پر کچھ معقول و منقول دلائل ذکر کریں گے' جس سے نبوتِ محمد ﷺ کی مزید تائید و حمایت ہوتی ہے' جن کی روشنی میں آپ پر آپ کی لائی ہوئی ہدایات' اور نیکی کے کل امور پر' ایمان لانا ناگزیر اور ازبس ضروری ہوجاتا ہے۔ آپ اور آپ کے دین کی پیروی ضروری قرار پاتی ہے' اور دلوں میں یہ یقین جاگ اٹھتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی اور ملا اعلیٰ میں انبیاءِ کرام' صدیقین' شہداء اور صالحین ـــ جن پر حق تعالیٰ نے بطریق خاص انعام فرمایا ان ـــ کے ساتھ ساتھ ہم نشینی کا شرف بس آپ کے طریقے کو ماننے اور اس پر چلنے کی صورت میں مل سکتا ہے۔

● نبوتِ محمد ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے دلائل:

عقل و نقل پر مشتمل یہ علامات اور نشانیاں جو رسالت مآب ﷺ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں' ان کے سامنے آجانے کے بعد آپ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر بھی مزید تاکید کے لئے کچھ اور دلائل پیش کئے جاتے ہیں' تاکہ ہر کس دنا کس کے لئے آپ پر ایمان لانا ناگزیر ہو' اور سرکش اور گمراہوں کے سوا ہر ایک کے لئے آپ پر ایمان لانے کے سوا کوئی دوسری صورت نہ ہو۔

ان دلائل میں سے چند یہ ہیں۔

(الف) پچھلی آسمانی کتابوں کی شہادت

اور انبیاء سابقین کی پیشین گوئیاں:

یوحنا کی انجیل میں ہے۔

ا۔ "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ اور میں (باپ سے) درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار (فارقلیط) بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔"

(ب ۱۴ فقرہ ۱۵' ۱۶)

فارقلیط اس (عبرانی) لفظ کے معنی احمد یا محمد کے ہیں' اور ابد تک رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی شریعت' ان کی کتاب' اور ان کا طریقہ ابدی ہوگا' اس لئے کہ حق تعالے اس کا محافظ ہوگا تاقیامت یہ انمول جواہر تابندہ رہیں گے' اور اسی کے دم سے جنت ارضی کی رونق بھی استوار رہے گی۔ ابد تک تمہارے ساتھ رہنے کا مفہوم دراصل یہی ہے۔

۲۔ "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو مددگار (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"

(ب ۱۶' ف ۷۰)

فارقلیط سے مُراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان پر اٹھائے نہ جاتے تو حضور کی بعثت عمل میں نہ آتی۔ اس لئے کہ آپ کی بعثت ایسی حالت میں ہوئی جب پیغمبروں کا آنا ایک عرصہ سے موقوف تھا' جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَاجَآءَ نَامِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ' فَقَدْ جَآءَ كُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (مائدہ:۱۹)

ترجمہ "اے اہل کتاب! ایسی حالت کہ پیغمبروں کا آنا ایک عرصہ سے موقوف تھا' ہمارے پیغمبر (محمد) تمہارے پاس آچکے ہیں جو ہمارے احکام تم سے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔

تاکہ تُم یہ نہ کہو کہ ہمارے طرف کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (پیغمبر) نہیں آیا تو اب تمہارے پاس خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (پیغمبر) آچکے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

۳۔ "لیکن فارقلیط یعنی روح القدس جسے (باپ) میرے نام سے بھیجے گا' وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" (ب ۱۴' ف ۲۶)

فارقلیط اور روح القدس حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جنہیں حق تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور روئے زمین پر بسنے والے تمام اِنسانوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (نساء:۱۷)

ترجمہ: "اے لوگو! یہ رسول (یعنی محمد) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں تو ان پر اِیمان لاؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور (دیکھو) اگر تُم کفر کرو گے تو یاد رکھو کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ جاننے والا -اور) حکمت والا ہے۔"

آیت شریفہ میں "اَلرَّسُوْل" (اسم) معرفہ کے طور پر لایا گیا۔ اس طریق استعمال سے جہاں حضور کی تعظیم و تکریم مقصود ہے' وہیں ایک غرض یہ بھی ہے کہ یہ (آل) تخصیص (یعنی مشہور و معروف) کا معنیٰ دینے کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی وہی رسول جن کی طرف تورات و انجیل میں اشارہ کیا گیا' اور آپ کی آمد کی خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ اس قسم کے تین نمونے ابھی ذکر کئے گئے مزید ایک مثال آئندہ آرہی ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف یہود و نصاریٰ کے پاک طینت اور نیک نہاد علماء[1] اور ماہرین نے کیا ہے۔

تورات میں وارد ہے:

---

[1] تورات و انجیل کے مذکورہ بالا فقرے "العقيدة الاسلامية وأسسها" سے نقل کئے گئے اور تورات و انجیل سے دوبارہ مراجعت کی گئی۔

"آیا رب سینا سے، طلوع ہوا ساعیر سے اعلان کیا کوہِ فاران سے، ہزاروں قدسیوں کے ساتھ۔
(تورات، سفر تثنیہ، باب نمبر۳۳)

تورات کا یہ فقرہ حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کی ناقابل تردید شہادت پیش کرتا ہے۔ اس لئے کہ اس فقرہ کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور سینا میں آپ کو پیغام سے سرفراز فرمایا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت عطا فرمایا، اور قدس کے ایک پہاڑ "ساعیر" پر آپ کو وحی سے نوازا۔ پھر آپ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ کو کلمہ طیبہ "لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی دعوت کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کوہِ فاران (اور قریبی پہاڑیوں پہاڑ جیسے: کوہِ ابو قبیس، کوہِ حرا) سے نمودار فرمایا:

(ب) اہلِ کتاب علماء کی شہادت:

سورۂ شعراء میں ہے:

اَوَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ○ (۱۹۷)

"کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں۔"

آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کو تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ جب علماءِ بنی اسرائیل حضورِ اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت کے قائل ہیں، اور اس کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کا انکار کرو؟ سورۂ بقرہ میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ (۱۴۶، ۱۴۷)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بیشک ان میں سے کچھ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ حق بات وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے، تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔"

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اہل کتاب جنہیں تورات اور انجیل نامی کتابیں دی گئیں، حضور کی نبوت کو بخوبی جانتے ہیں' اور آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ پھر بھی ان کی بڑی اکثریت وہ ہے جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر معرفت اور جانکاری کے باوجود ان کے دل بند ہیں اور ایمان ان کے اندر داخل نہیں ہوسکا۔

اس واقعہ پر علماء اور احبارِ یہود کے ایک ممتاز عالم حضرت عبداللہ بن سلام کی شہادت پیش کی جاتی ہے جو یقیناً دوسری شہادتوں سے یکسر بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے:

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حضور ﷺ کے مدینہ میں آنے کی خبر جب عبداللہ کو پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے کہا کہ میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں ان کو سوا نبی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ انہوں نے کہا کہ قیامت کی پہلی علامتیں کیا ہیں؟ اور سب[۲] سے پہلی غذا کیا ہے" جو اہل جنت کھائیں گے اور[۳] کس وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کس وجہ سے اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟ تو رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ یہ باتیں جبریل علیہ السلام نے ابھی بتائی ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا جبریل تو سب فرشتوں میں یہود کے دشمن ہیں۔ پھر رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی علامتوں میں اول[۱] یہ ہے کہ ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی' اور[۲] اول غذا جو اہل جنت کھائیں گے تو وہ مچھلی کی کلیجی کا زائد گوشت ہے' اور[۳] بچہ کی مشابہت (تو اس کا سبب یہ ہے کہ) مرد جب عورت سے ہم بستری کرتا ہے اور اس کو پہلے انزال ہوجاتا ہے۔ تو بچہ اس کے مشابہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر عورت کو پہلے انزال ہو جاتا ہے تو بچہ اس کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ یہود بڑے بہتان لگانے والے ہیں۔ اگر وہ میرے اِسلام سے واقف ہوجائیں' اور ـ آپ ان سے میری بابت کچھ پوچھیں تو وہ آپ کے سامنے مجھ پر بہتان لگا دیں گے۔ آخر یہود آئے' اور عبداللہ گھر میں چھپ گئے پھر رسولِ خدا ﷺ نے یہود سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تُم میں کیسے شخص ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میں سب سے جانکار اور سب سے زیادہ جانکار کے بیٹے ہیں اور سب سے بہتر کے بیٹے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا بتاؤ اگر عبداللہ اِسلام لے آئیں (تو کیسا ہوگا) یہود نے کہا: خدا اس سے محفوظ رکھے۔ پھر عبداللہ باہر نکل آئے اور کہا: اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ

اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ: یہود کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے خراب اور ہم میں سب سے خراب کے بیٹے ہیں' اور ان کی برائی کرنے لگے۔"

(بخاری ۴/۱۶۰)

کتاب و سنت کی شہادتوں کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام کی مذکورہ بالا شہادت نبوت کے اہم ترین دلائل میں سے ہے۔ بنابریں ہم نے دیگر علماءِ یہود کی شہادت کو چنداں ضروری نہیں سمجھا۔ علیٰ ہذا علماءِ نصاریٰ کی شہادتیں بھی بے شمار ہیں۔ جن کی گنجائش ان اوراق میں مشکل ہے۔ اس لئے اس قسم کی محض ایک شہادت کو ہم پیش کرتے ہیں۔ قرآنِ پاک نے خود اس کو اہمیت دیتے ہوئے اپنے صفحات پر اس کو جگہ دی ہے۔ یہ شہادت حضرت اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ کی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ' ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ' وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ' وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ' فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (مائدہ:۸۲تا۸۵)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) تُم دیکھو گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں' اور مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں عالم اور عابد اور زاہد ہیں۔ اور یہ (بات بھی ہے کہ) وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب یہ (عیسائی) اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو (ہمارے) پیغمبر (محمد) پر نازل ہوا ہے تو تُم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو

جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے۔ (وہ) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہم ایمان لے آئے۔ تو ہم کو بھی انہیں لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو (تیری سچائی کی) گواہی دینے والے ہیں۔ اور (وہ کہتے ہیں کہ) ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں۔ اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔"

تاریخ و سیر اور تفسیر کے ماہرین بیک زبان اس کے قائل ہیں کہ یہ آیتیں اصحمہ نجاشی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے صاحب ایمان ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان کا یہ قول کہ:

"ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں۔ اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔"

یہ اعتراف' دین اسلام پیغمبر اسلام' قرآن پاک اور امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف تحیہ) کے حق میں زبردست شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں حضرت اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مکتوب پیش کیا جاتا ہے جو نامہ مبارک کے جواب میں انہوں نے اپنی راجدھانی سے تحریر کیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
محمد رسول اللہ کے نام' اصحم بن ابحر کی جانب سے۔
اے اللہ کے نبی! سلام علیک' ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!
"لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وہی معبود حقیقی ہے جس نے مجھے اسلام کا راستہ دکھایا۔ اے اللہ کے رسول! ﷺ آپ کا نامہ مبارک مجھ تک پہنچا جس میں آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا' آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم! جس قدر آپ نے ذکر فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت اس سے ذرہ برابر بڑھی ہوئی نہیں ہے۔ آپ نے جو پیغام ہمیں دیا ہے۔ ہم نے اسے بخوبی سمجھ لیا ہے۔ آپ کے عم زاد (حضرت جعفر رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو ہم نے اپنے خواص میں شامل کر لیا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ آپ کی صداقت ثابت ہے۔ میں (بتوسط) آپ کے عم زاد (حضرت جعفر رضی

اللہ عنہ) کے ہاتھوں آپ سے بیعت کرتا ہوں' اور ان کے ہاتھوں اللہ رب العالمین پر ایمان لاتا ہوں۔ اے اللہ کے نبی میں "اریحا بن اصحم بن ابحر" کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ میں اپنے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا۔ اے اللہ کے رسول اگر میرے لئے ممکن ہوتا تو میں آپ کے پاس حاضر ہوتا[1]

(البدایہ والنہایہ:۳/۳۴)

(ج) اربوں مسلمانوں کی شہادت:

اربوں کھربوں مسلمان جو حضور ﷺ کی نبوت اور رسالت کی دل سے شہادت دیتے ہیں اور صدقِ دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق اور ہدایت سے معمور آپ کی لائی ہوئی ہر چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی حمایت میں سینہ سپر ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان میں علماء' ماہرین' اہل دانش' صلحاء' اور حق کہنے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہے' جن کا شمار حد امکان اور بیان سے باہر ہے ان کی یہ شہادت بلاشبہ بے حد عظیم' زبردست اور عقل و ضمیر کو مطمئن کرنے والی ہے بالخصوص مومن کا دل اور اس کی آنکھیں آپ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کے لئے ان شہادتوں سے ٹھنڈک اور سرور محسوس کرتی ہیں۔

(د) حق تعالیٰ اور فرشتوں کی شہادت:

اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی شہادت تمام شہادتوں سے بڑھ کر ہے' جو اور شہادتوں سے بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (نساء:۱۶۶)

ترجمہ: "(اے پیغمبر اگر یہ لوگ تمہاری سچائی سے انکار کریں تو کریں) لیکن اللہ نے جو کچھ

---

[1] ابوداؤد میں ہے کہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ وہی ہیں جن کی حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نے بشارت دی ہے۔ (۱۸۹/۹)

تُم پر نازل کیا ہے اس کی نسبت گواہی دیتا ہے کہ اس نے ان کو اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں' اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔"

اور اگر دلوں میں کجی' طبیعت میں انقباض' اور باطن میں رعونت اور سرکشی' اور آنکھوں پر جہالت کا پردہ نہ پڑا ہو (جب کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر افراد ان میں مبتلا ہیں) تو رسالت محمدی ﷺ کے لئے حق تعالیٰ کی شہادت کے بعد کسی اور شہادت کو ذکر کرنا قطعی لا حاصل ہے' لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا' متذکرہ شہادتوں کے بعد حق تعالیٰ کی شہادتوں کو محض اس لئے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حجت تمام ہو اور جس کسی کے معمولی عقل و دانش بھی ہوگی وہ کبھی اس سے انکار نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی شہادت کی دو قسم ہے: (۱) قولی شہادت (۲) معجزاتی شہادت

۱۔ **قولی شہادت:** حق تعالیٰ کے وہ ارشادات جو وحی' رسالت بعثت اور حضورِ اکرم ﷺ کی تائید و نصرت کے لئے کتاب اللہ میں درج ہیں۔

۲۔ **معجزاتی شہادت:** وہ خارقِ عادت واقعات جو حضور ﷺ کے ذریعہ منجانب اللہ ظہور پذیر ہوئے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ ہر معجزہ زبانِ حال سے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کو نقل کرتا ہے کہ میرے بندے اور میرے نبی و رسول نے میرے بارے میں سچ کہا ہے کہ میں نے اس کو اپنا نبی اور رسول بنایا۔

قولی شہادتیں حسب ذیل ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۝ (فتح:۲۹)

ترجمہ: "محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۝ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ: "اے لوگو! میں تُم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔"

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ (بقرہ:۱۱۹)

ترجمہ: "(اے محمد) بیشک ہم نے تُم کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۝

(نساء:۱۶۳)

ترجمہ "(اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو نوح کے بعد ہوئے وحی بھیجی تھی۔"

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ (احزاب:۴۵'۴۶)

ترجمہ "اے پیغمبر! بلا شبہ ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔"

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۝ (مائدہ:۶۷)

ترجمہ "اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو (سمجھا جائے گا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔"

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۝ (نساء:۱۷۰)

ترجمہ "اے لوگو! یہ رسول (یعنی محمد) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں۔"

معجزاتی شہادت:

قرآن کریم وحی کے طریقے پر جس طرح منجانب اللہ نازل ہوتا رہا یہ اپنی ذات سے عالم اِنسانی کا زبردست معجزہ ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر یہ ناممکن سمجھا جاتا ہے کہ ایک اُمی جس نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا' کسی استاذ مربی یا اتالیق کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا' یہ ممکن نہیں کہ اس درجہ اُمی اور اَن پڑھ کی زبان سے علوم و معارف جاری ہوں خود اس کو ان سے مناسبت کلی اور ان پر کامل عبور ہو۔ تنہا یہی امر ناممکن ہے. چہ جائیکہ اس کی زبان پر وہ امور جاری ہوں جو آپ کے کسی معاصر اور تاقیامت آنے والے کسی اِنسان کو بھی حاصل نہیں

ہوئے۔

درحقیقت قرآن کریم وہ عظیم المرتبت کتاب ہے جس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔ جس کے اندر ایک طرف زبردست تشریعی اور آئینی صلاحیت ہے تو دوسری طرف بے شمار علوم الٰہیہ کا بے نظیر مرقع اور علمی حقائق کا ناپیدا کنار دفتر ہے۔ جیسے ہر چیز کے جوڑ جوڑ ہونے کا نظام[1] تکوینی آئین[2] آغازِ تخلیق' ازمنہ سابقہ' اور پراچین زمانے کے عجیب و غریب واقعات ـــ وغیرہ علاوہ ازیں اس کتاب نے بیشتر غیبی امور کی اس انداز سے خبردی ہے جس کا وقوع کسی کمی[3] یا زیادتی کے بغیر حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ ایسی زبردست کتاب جسے ایک اُمی پیش کرے۔ ساتھ ہی یہ عمومی چیلنج کرے کہ کل روئے زمین پر بسنے والے! کیا جن کیا اِنسان! اس جیسی کوئی کتاب لے ائیں۔ یہ نہ ہو تو اس کی جیسی دس سورتیں لے آئیں یہ بھی نہ ہو تو ایک سورہ ہی بنا لائیں۔ اور اس پر یہ حال ہے کہ کل خلائق اس چیلنج کے سامنے عاجز اور درماندہ[1] ہوں۔ گردن نیچی کئے' چپ سادھے خاموش رہیں۔ بلاشبہ یہ قرآن کا سب سے بڑا اعجاز حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ اور آپ کی نبوت اور رسالت کی تصدیق کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ خود سرورِ عالم ﷺ کے اس ارشاد سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

---

[1] سورۂ یٰسین کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (یٰسین:۳۶)

ترجمہ "پاک ہے وہ جس نے سب چیزوں کے جوڑے بنائے نباتات کے بھی' اور خود آدمیوں کے بھی اور ان چیزوں کے بھی جن کو لوگ نہیں جانتے۔"

[2] جیسے بارش کا عمل جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ○ (روم:۴۸)

ترجمہ "وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں۔ پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے۔ آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے بارش نکلنے

لگتی ہے۔"

۳ جیسے یہ اطلاع کہ رومیوں کی ایران سے جنگ کا خاتمہ ہوگا۔ رومی غالب ہونگے جب کہ وہ پہلے مغلوب ہو چکے تھے۔ ارشاد ہے:

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ○ (روم:۱تا۳)

ترجمہ "قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہوگئے۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔"

۴ ارشاد ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَایَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ○ (اِسراء:۸۸)

ترجمہ "(اے پیغمبر) ان سے کہہ دو کہ اگر تمام انسان اور جن جمع ہو کر اس بات پر آمادہ ہوں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام بنا لائیں تو ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔"

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ ○ (ہود:۱۳)

ترجمہ "(اے پیغمبر) تم کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی اسی طرح کی (دس ہی) سورتیں بنا لاؤ۔"

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ○ (یونس:۳۸)

ترجمہ "(اے پیغمبر) تم کہہ دو کہ تم بھی اس جیسی ایک سورۃ بنا لاؤ۔"

"جس نبی کو جو معجزات عطا کئے گئے اس کی بقدر آدمی ان پر ایمان لائے۔ مگر مجھے جو چیز دی گئی۔ وہ وحی ہے' جو خدا نے مجھے بھیجی ہے۔ اس لئے مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد زیادہ ہوگی۔

(متفق علیہ' الفاظ مسلم کے ہیں۔ اللؤلؤ والمرجان ۱/۳۰ مسلم:۱/۹۲' بخاری:۶/۲۲۴)

اس معجزہ کا یہ چیلنج تا قیامت اسی طرح قائم اور باقی رہے گا جس کا ذکر اس ایک آیت میں بتمام و کمال موجود ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ' فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ○ (بقرہ:۲۳'۲۴)

ترجمہ "اور اگر تم خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل کی ہے اپنے بندۂ خاص پر' تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک ٹکڑا' جو اس کا ہم پلہ ہو۔ اور بلالو اپنے حمائتیوں کو جو خدا سے الگ (تجویز کر کر رکھے) ہیں۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکے اور قیامت تک بھی ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار ہوئی رکھی ہے کافروں کے واسطے۔"

باری تعالٰی کے ارشاد "ہرگز ایسا نہ کر سکو گے" کا مفہوم یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اُمی صفت ہو کر' قرآنِ پاک کی کسی سورہ کی نظیر لانا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اور یہ چیلنج اس وصف کے ساتھ آج بھی بدستور موجود ہے۔ چنانچہ آج صدیاں بیت گئیں' چودہ سو سال کا طویل عرصہ گذر گیا۔ لیکن اس امر کا موہوم سا امکان بھی نہیں کہ کوئی ناخواندہ اور اَن پڑھ ایسا بھی اٹھے گا جو قرآنِ پاک کی کسی سورہ کی نظیر اور اس کا نمونہ پیش کر سکے گا۔ اور جب حق تعالٰی کا فیصلہ ہے کہ "ہرگز ایسا نہ کر سکو گے" تو اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ یہ امر حد درجہ بعید ہی نہیں' خارج از امکان بھی ہے۔

۲۔ ــــ انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنا' حدیبیہ کے موقع پر اس معجزہ کا ظہور ہوا۔ اور کم و بیش چودہ سو افراد پر مشتمل مردوزن کے لشکر نے اس پانی سے اپنی پیاس بجھائی

(بخاری ۴/۲۳۴' ۵/۱۵۶' ۲۵۷)

۳۔ غزوۂ خندق کے موقع پر تھوڑے کھانے کا زیادہ ہونا۔ چنانچہ روایتوں میں ہے کہ ایک صاع (کم و بیش ۲٬۱۷ کلو گرام) جو اور بکری کا چھوٹا سا بچہ ایک ایسے لشکر کے لئے کافی ہوا جس کی مجموعی تعداد ایک ہزار یا اس سے زائد تھی۔

متفق علیہ۔ اللؤلؤ و المرجان ۳/۲۰٬۲۱

۴۔ — کھجور کے تنے کا آپ کے لئے رونا اور سسکیاں لینا۔ جسے سینکڑوں پاکباز بندگانِ خدا نے دیکھا اور سنا' اور رونا اس وقت موقوف ہوا جب کہ رسالت مآب ﷺ نے قریب آکر اسے سہلایا' اور جس طرح ماں اپنے بچہ کو تھپکیاں دیتی ہے۔ حضور ﷺ نے تھپکیاں دیں تب وہ خاموش ہوا۔ (اس مفہوم کی روایت بخاری میں ہے ۲/۱۱)

۵۔ — آنکھ کا لوٹا دینا' اُحد کے موقع پر ضربِ شدید کی وجہ سے حضرت قتادہ کی آنکھ ڈھلک کر رخسار پر لٹک آئی تھی' آپ نے آنکھ کو اس کی جگہ رکھ کر دست مبارک اس کے اوپر پھیر دیا جس کی وجہ سے آنکھ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ (سیرت ابن ہشام ۳/۳۳)

۶۔ — دسترخوان پر موجود کھانے کا تسبیح پڑھنا' صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت نے کثیر تعداد میں اس کا مشاہدہ کیا۔ (بخاری ۴/۲۳۵)

۷۔ — چاند کا دو ٹکڑے ہونا' ثبوت کی تصدیق کے لئے قریش نے اس کا مطالبہ کیا' چنانچہ آپ کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہوئے اور جبل ابو قبیس پر آکر گرے' اہالیانِ مکہ نے اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا۔ اور حیرت زدہ رہ گئے۔ قرآنِ پاک نے اس معجزہ کو اپنے الفاظ میں ذکر کرکے اسے زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔

(قمر:۱' اس معجزہ کی روایت صحیحین میں موجود ہے۔ اللؤلؤ والمرجان ۳/۲۸۰)

۸۔ — درختوں اور پتھروں کا! حضور ﷺ کو سلام کرنا' کثیر تعداد میں لوگوں نے ہر دو معجزے کو بارہا دیکھا اور سنا ہے۔

۹۔ — اِسراء اور معراج کا واقعہ! حضور ﷺ کا راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ جانا' وہاں سے ساتویں آسمان تک پہنچنا۔ جہاں سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ اور جس کے قریب سے جنت کے باغات کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی وہاں تک رسائی ہوئی جہاں آپ نے قلم چلنے کی' آواز سنی۔ حق تعالیٰ نے آپ کو پکارا۔ اور آپ پر اور آپ کی امت پر پنج وقتہ نمازیں فرض فرمائیں۔

(اس سلسلے کی آیات و روایات گذشتہ صفحات پر باحوالہ درج ہیں۔

۱۰۔ — مستقبل سے متعلق بکثرت پیشین گوئیاں کرنا۔ اور ان کا ہو بہو سچ ثابت[1] ہونا۔

اس قسم کی روایات بکثرت ہیں۔ ہم ان میں سے صرف ایک پیشین گوئی ذکر کرتے ہیں جو انتہائی عجیب و غریب ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے "میری امت میں آگے چل کر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کجاوے نمازین پر بیٹھے ہوں گے۔ اور ان پر سے اتر کر مسجدوں کے دروازوں پر آئیں گے ان کی عورتیں کپڑے پہنے ہوں گی پھر بھی ننگی ہوں گی۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے لچکدار کوہان کی طرح' بڑے بڑے ہوں گے۔ تم ان پر لعنت بھیجو' وہ قابل لعنت ہیں۔"

(احمد' طبرانی' بحوالہ' الفتح الربانی ۱۷/۳۰۱'۳۰۲)

یہ عجیب و غریب سواریاں آخر کیا ہوں گی؟ جن کا ذکر احادیث میں ہے۔ اور جن پر آئندہ لوگ سواری کریں گے۔ جن کی ہیئت کذائی یہ ہوگی کہ ان پر گھوڑوں کی زین سی ہوگی لیکن وہ گھوڑے نہ ہوں گے' اونٹوں کے کجاوں کی سی صورت ہوگی لیکن یہ اونٹوں پر دھرے ہوئے نہ ہوں گے — ؟ درحقیقت یہ سواریاں یہی موٹریں ہیں جن کی ایجاد انیسویں صدی میں ہوئی۔ لیکن کیا قدیم زمانے کا اِنسان اس قسم کی کسی سواری کا تصور کر سکتا تھا۔ جو چند گھنٹوں میں ہزاروں میل کا سفر طے کرتی ہوں جن پر سواریاں بھی ہوں اور ان کے اسباب بھی لدے ہوں — ؟ ہرگز نہیں۔

یہ حضور ﷺ کا اعجاز تھا جو آپ نے اس انداز میں اس پیشین گوئی کو ذکر فرمایا جسے اس زمانے کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔ البتہ صاحب اِیمان بندوں کو اِنتظار تھا کہ ایک نہ ایک دن یہ

---

[1] مثلاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے متعلق آپ کا یہ ارشاد کہ: میرا یہ بیٹا سید ہے۔ حق تعالیٰ اس کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو (بڑی) جماعتوں کے درمیان مصالحت فرمائے گا۔ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مسجد کے لئے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا (تمہیں باغی فرقہ قتل کرے گا۔) یہ پیشین گوئی بھی پوری ہوئی۔ اور آپ کو حضرت علی و معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی جنگ میں شامیوں نے قتل کیا۔ حضور کا یہ ارشاد مسلم میں درج ہے۔ (۸/ ۱۸۶)

پیشین گوئی پوری ہوگی۔ پھر صدیاں بیت گئیں۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی گئی' تاآنکہ تیرہویں صدی ہجری آئی' اور اس صدی میں حضور ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ چنانچہ آج دیکھا جاسکتا ہے کہ زین اور کجاوہ نما سواریوں پر لوگ سوار ہوتے ہیں اور مسجدوں کے دروازوں پر اترتے ہیں۔ نیز جس زمانے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کیا اس زمانے میں کوئی (منی اسکرٹ) سے آشنا تھا۔ اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا تھا کہ مسلمان عورت' مسلمان مردوں کے درمیان اپنا پیٹ اور پشت سے گھٹنے تک کو چھوڑ کر ران سمیت پورا بدن ننگا کئے گھومتی ہوگی؟ اور کیا بیسویں صدی سے قبل کی عورتوں کو یہ احساس تھا کہ سروں کو تراش خراش کر ان میں مصنوعی بال جوڑ کر ایسا بھی بنایا جاسکتا ہے جیسے دبلے اونٹوں کے کوہان ہوتے ہیں۔ کیا پہلے کوئی یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ مسلمان عورت بھی ایسا کرے گی۔ اور اپنی یہ ہیئت بنا کر سڑکوں اور شاہراؤں پر کھلے بندوں نکلے گی ___ ؟ ہرگز نہیں۔ لیکن پیغمبرِ اسلام ﷺ نے یکسر مخفی دور از کار' اور نامعلوم چیزوں سے متعلق بھی جو کچھ فرمایا آج ان میں سے ایک ایک ہمارے سامنے موجود ہے۔ یہ اور اس جیسی بے شمار حقائق پر مبنی پیش گوئیاں اس کی شاہد عدل ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَالْمُؤْمِنِیْنَ بِهٖ النَّاهِجِیْنَ نَهْجَهٗ وَالْمُسْتَقِیْمِیْنَ عَلٰی صِرَاطِكَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○

ترجمہ "اے اللہ! بیش از بیش رحمتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر' آپ کے آل و اصحاب پر' آپ پر ایمان لانے والوں پر' آپ کا طریقہ اختیار کرنے والوں پر' اور تا قیامت آنے والے ان تمام مسلمانوں پر جو آپ کے سیدھے راستے پر ثابت قدم اور اٹل ہیں۔"

● ختم نبوت:

رسولوں پر ایمان کی بحث میں تکملہ کے طور پر دو اہم امور کا ذکر کرنا مناسب ہوگا ۱۔ کامل نبوت' ۲۔ نبی خاتم ___ پہلی چیز سے متعلق ہم عرض کریں گے کہ: نبی آخر الزماں ﷺ کو سب سے آخر میں نبوت سے سرفراز کئے جانے کے بعد حق تعالیٰ نے نبوت کے دروازے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اس لئے اب کسی زمانے میں کسی فردِ بشر کے لئے نبوت کی حرص یا

خواہش کرنا روا نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی اس کا امکان ہے کہ آپ کے بعد یہ منصب کسی کو عطا ہوگا۔ اور اگر کوئی اس حقیقت سے انجان بن کر یا دوسرے کو گمراہ کرنے کے لئے اس سے تجاہل برتنے کی کوشش کرتا ہے اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ کذاب ہے اور حق تعالیٰ سے متعلق کذب بیانی اور بہتان سے کام لے رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کے بندوں کو بھی جھٹلاتا ہے۔ اور زیادہ دن نہیں گذریں گے کہ اس قسم کے جھوٹے اور دغاباز ذلیل و خوار ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے۔ اور لوگ ان پر لعنت کریں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس قماش کے کذاب اور دجال صفت مدعی ہمیشہ اپنے انجام کو پہنچے ہیں۔ چنانچہ ماضی میں مسیلمہ کذاب کا یہی حشر ہوا۔ اور ابھی کل کی بات ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بن غلام مرتضیٰ قادیانی (کافر و باطل قادیانیت کا سرغنہ) بھی اسی طرح اپنے انجام کو پہنچا (ان سب پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔) اور یہ ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے حضور ﷺ پر نبوت اور رسالت کے ختم ہونے کا انتہائی صاف اور واضح اعلان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (احزاب:۴۰)

ترجمہ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

بنابریں حضورِ اکرم ﷺ کی رسالت پر اِیمان لانا اور اس کے مطابق عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ جس کے بغیر قیامت کے عذاب سے نجات، اور جنت کی ابدی راحتوں سے لطف اندوز ہونا قطعی ممکن نہیں ہے۔ اور جو بندہ آپ کی رسالت پر اِیمان نہیں لائے گا۔ اور آپ کے بتائے ہوئے ہر طریقہ پر اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق عمل نہیں کرے گا قیامت کے دن سراسر خسارے اور نقصان میں ہوگا۔ پھر وہ لاکھ خدا پر اِیمان لائے اور تمام نبیوں کو تسلیم کرے اس کا یہ اِیمان اس کو ذرہ برابر فائدہ نہیں دے گا۔ یہ محض اس لئے کہ حضورِ اکرم ﷺ کے لائے ہوئے آخری پیغام اور رسالت پر اس کا اِیمان درست نہیں۔ جب کہ حق تعالیٰ نے اسی کے اندر یہ خاصیت پیدا فرمائی ہے کہ اس پر عمل درآمد سے نفس کا تزکیہ اور روح و ضمیر

کی صفائی ہوتی ہے۔

اب اگر کوئی اس کو ماننے اور برتے بغیر کسی اور ذریعہ سے نفس کا تزکیہ چاہے تو یہ سعادت ہرگز اس کو حاصل نہ ہو سکے گی۔ اور نفس کا تزکیہ وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ آتش دوزخ سے حفاظت ہوتی ہے۔ اور بندہ نیکیوں کے ساتھ کامیاب و بامراد ہو کر جنت میں اپنا مقام پاتا ہے۔ جب کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (شمس:۹،۱۰)

ترجمہ "بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ شخص ناکام رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔"

دوسری چیز سے متعلق عرض ہے کہ:

ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ قطعی اور سب سے آخری نبی ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے دو ٹوک الفاظ میں فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ (أحزاب:۴۰)

ترجمہ "محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

اس لئے ہر فردِ بشر کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا اور دل سے اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ حق و ہدایت کی پیروی کا یہی ایک راستہ ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہر دو امور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۝ (تغابن:۸)

ترجمہ "تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا۔"

دوسری جگہ مزید وضاحت کے ساتھ یہ بتایا کہ حق تعالیٰ کی خصوصی نوازش یعنی جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات بس انہی کے لئے مخصوص ہے جو آپ کی ذات پر ایمان لائیں

اور آپ کی لائی ہوئی تعلیمات کی کامل پیروی کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَرَحْمَتِی وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (اعراف:۱۵۶'۱۵۷)

ترجمہ "اور جو میری رحمت ہے وہ سب پر چھائی ہوئی ہے بس میں ان لوگوں کے لئے اس کو لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو نبی امی ہیں۔ جن کے اوصاف کو اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ نبی امی انہیں نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور پھندے تھے ان سب کو ان سے اتار دیتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی' ان کی مدد کی۔ اور جو نور (ہدایت یعنی قرآن) ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اس کی پیروی کی تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔"

کمالِ آدمیت اور دنیا و آخرت کی سعادتوں کے لائق ہونے کے لئے حضورِ اکرم پر ایمان اور آپ کی کامل پیروی از بس ضروری ہے۔ ارشاد ہے:

فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَکَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ "تو تم اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ کہ وہ بھی اللہ پر اور ان کے تمام کلمات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

قرآنی آیات کی طرح حضورِ اکرم ﷺ سے منقول روایات بھی بکثرت ہیں۔ جن سے ختم نبوت اور حضور کے خاتم النبیین ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ صحیحین کی ایک روایت میں نبی آخرالزماں ﷺ فرماتے ہیں:

”میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان تعمیر کیا۔ اور اس کو نہایت اچھا اور خوبصورت بنایا۔ مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی۔ لوگ چاروں طرف گھوم کر اس کو دیکھتے ہیں عمارت ان کو پسند آتی ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ (معمار) تم نے اس جگہ ایک اینٹ اور کیوں نہ رکھ دی۔ چنانچہ میں وہ (تکمیلی) اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“
(اللؤلؤ والمرجان ۳/ ۹۴)

نبی خاتم:

آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے۔ (ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) فرماتے ہیں۔

”عنقریب میری امت میں تیس کذاب ہوں گے‘ ان میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے۔
حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے[1]

نیز فرمایا:

”میرے چند نام ہیں۔ میں محمد ہوں‘ میں احمد ہوں‘ میں ماحی ہوں خدائے تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹا دے گا۔ میں حاشر ہوں۔ لوگوں کا حشر میرے بعد ہوگا۔ میں عاقب ہوں میرے بعد کوئی نبی[2] نہ ہوگا۔“

---

[1] یہ ابوداؤد کی روایت ہے احمد اور ترمذی میں بھی یہی مذکور ہے۔ اور یہ متفق علیہ ہے۔ (اللؤلؤ والمرجان ۳/۳۰۹) بخاری میں ہے ”قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تقریباً تیس جھوٹے نبی نہ پیدا ہونگے۔ ان میں سے ہر ایک کو یہ زعم ہوگا کہ وہ رسول ہے۔ (۳/۲۴۳) مسلم میں یہ روایت اسی طرح مذکور ہے (۱۸۹/۸)

[2] متفق علیہ‘ الفاظ مسلم کے ہیں مسلم میں ایک اور روایت ہے:
”میں عاقب ہوں‘ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا“
(۸۹/۷‘ اللؤلؤ ۳/۱۱۰‘ بخاری ۴/۲۲۵)

ختم نبوت اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ہر دو اعلان پر آج چودہ سو سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن اس طویل عرصہ میں سچی نبوت کا داعی یا کوئی برحق نبی آج تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہر زمانے اور ہر ملک میں نبی برحق مبعوث ہوا کرتے تھے اور کبھی ایک[1] قوم اور ایک بستی میں ایک سے زائد انبیاءِ کرام کی بعثت بھی عمل میں آتی تھی جیسا کہ اِنسانی تاریخ بالخصوص دینی اور مذہبی تاریخ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

---

[1] چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ایک زمانے میں اور ایک جگہ میں پائے گئے۔ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایک بستی اور ایک قوم میں مبعوث ہوئے۔ اور بھی مثالیں ہیں جنہیں پیش کرنے کی حاجت نہیں۔





اِسلامی عقیدے کا پانچواں رکن

آخرت کے دن پر اِیمان

تعریف: آخرت کے دن سے کیا مراد ہے؟ اس دن سے حسب ذیل دو امور مراد ہیں۔

۱۔ تمام کائنات فنا ہو جائے گی اور اس دنیا کی زندگی کا بالکلیہ خاتمہ ہو گا۔ ۲۔ پھر ایک اور زندگی کی آمد آمد ہو گی۔ اور اس کا باقاعدہ آغاز ہو گا' آخرت کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ دن دراصل اس زندگی کا آخری اور آنے والی زندگی کا پہلا اور آخری دن ہو گا پہلا اور آخری اس لئے کہ ابتداء سے انتہا تک یہ ایک کامل دن ہو گا اس کا کوئی ثانی نہ ہوگا۔ اور اس دن پر اِیمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کے فنا ہونے کی جو خبریں حق تعالیٰ نے دی ہیں۔ اس کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی ہیں۔ اور جن احوال اور خطرات سے ہمیشہ آگاہ کیا ہے ان سب کی دل سے تصدیق کی جائے۔ انہیں برحق اور درست مانا جائے۔ نیز عالم آخرت کی ان خبروں کو بھی بجا طور پر تسلیم کیا جائے جن میں حق تعالیٰ نے دوسری دنیا کی ابدیٔ زندگی وہاں کی راحت و نعمت' سزا اور عذاب اور اس عالم کے اہم سے اہم جزئیات کا مفصل ذکر فرمایا۔ جیسے مر کر اٹھایا جانا' حساب کتاب اور دنیا کی زندگی میں اپنے ارادے یا اختیار سے جو کچھ اچھا یا برا کیا اس پر سزا یا جزا وغیرہ۔

۔ فنا کا امکان: کیا عالم فنا ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں عالم ایک نہ ایک دن فنا ہو گا۔ اس لئے کہ دنیا ازلی اور ابدی نہیں۔ اور جو ابدی نہیں وہ حادث اور جدید ہے۔ اور ہر

حادث فانی ہے اس لئے کہ فنا حادث کی ایسی خصوصیت ہے جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔ پھر دنیا میں اس کا روزمرہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ ہر حادث فنا کے گھاٹ اتر کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

عقلی دلائل اور مشاہدے سے یہ حقیقت سورج سے زیادہ واضح ہے کہ یہ عالم اور پوری دنیا حادث ہے۔ دنیا کی ایک ایک چیز میں رد و بدل اور تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی تغیر فنا اور بربادی کا بین ثبوت ہے۔ مثال کے طور پر توانائی کے طے شدہ قانون کو لیجئے۔ جو انتہائی ٹھوس علمی نظریہ ہے یہ نظریہ انتہائی صراحت کے ساتھ عالم کے حدوث کو ثابت کرتا ہے۔ اسی نظریہ سے حق تعالیٰ کے ازلی وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ جس نے جملہ موجودات کو وجود بخشا' اور جہاں عالم کا حدوث ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ فنا ہو ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اس زبردست قانون کا حاصل یہ ہے کہ حرارت اور توانائی ہمیشہ زندہ اور توانا جسم سے خارج ہو کر غیر توانا جسم میں سرایت کرتی ہے۔ اور چونکہ ایک تسلسل کے ساتھ یہ عمل دنیا کی چھوٹی بڑی چیزوں میں جاری ہے۔ اس لئے' حرارت والی چیزوں میں حرارت اور توانائی کی یکسانیت بھی لازمی ہے۔ لیکن اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ جب ہر چیز حرارت والی بن جائے گی تو اب کوئی چیز باقی نہ ہوگی جس میں حیات و عمل کی حاجت ہو۔ بہرکیف پھر (ایک وقت آئے گا) کہ یہ فطری اور مؤثر اکسیری عمل ختم ہوگا۔ اور اس کے بعد دنیا کا یہ کارخانہ اور زندگی کی یہ ہماہمی بھی آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ اور اسی طرح یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عالم کا ازل اور ابتداء سے قدیم ہونا باطل ہے۔ اس لئے کہ عالم ازلی ہوتا اور طاقت کا سرچشمہ ازل سے جاری ہوتا تو مدتوں پہلے اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا۔

اس ضابطہ سے عالم کے فنا ہونے کا امکان بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کی صورت بھی یکساں ہے۔ وہ اس طرح کہ جب توانا جسم سے غیر توانا جسموں میں حرارت اور توانائی مسلسل سرایت کرے گی تو ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس لائق تمام اجسام میں سرایت کا عمل پورا ہوجائے گا۔ اور ہر چیز یکساں طور پر حرارت اور توانائی سے متصف ہوجائے گی۔ اور پھر لامحالہ یہ فطری اور اکسیری عمل کا خاتمہ ضروری ہوجائے گا۔ اور جیساکہ عرض کیا گیا۔ زندگی ختم اور کائنات بالکلیہ فنا ہوجائے گی۔

فنا عالم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عالم بے شمار چھوٹے چھوٹے اجزاء پر مشتمل ہے اور شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ ایک ایک چیز فنا اور برباد ہوتی ہے۔ چنانچہ کیا اِنسان کیا حیوان! کیا نباتات! ایک ایک کا فنا ہونا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں۔ اور ان کے وجود کو تحلیل ہوتا ہوا پاتے ہیں! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب کائنات کے اجزاء ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ' زلزلے اور بھونچال ایک طرف سے دوسری طرف تک بھرے پرے شہروں اور بستیوں کو کھنڈر بنا دیتے ہیں۔ دنیا کے خاصے بڑے حصے میں وسیع رقبے اور عالیشان عمارتیں دم کے دم میں اپنا نشان کھو دیتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کائنات کے اجزاء فنا کے گھاٹ اُترتے ہیں تو کل کائنات بھی لا محالہ فنا و برباد ہوگی۔ اس لئے کہ جس کے اجزاء فانی ہیں۔ اس کے کل کا فانی ہونا بھی ضروری ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ یومِ آخرت کا وقوع ناممکن نہیں ممکن ہے۔ اور چونکہ اس سے متعلق بکثرت اطلاعات وارد ہیں۔ اس لئے نہایت شدت سے اس کا اِنتظار ہے۔ بس یہی دن دنیا کا آخری دن ہوگا۔ اس دن کے بعد اس دنیا کا سورج کبھی طلوع نہ ہوگا اور پھر دنیا کھنڈر ہو جائے گی۔ تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گی۔

آخرت کا امکان:

کیا عالم آخرت کا امکان ہے؟ کیوں نہیں' یہ نہ صرف ممکن ہے بلکہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو خلافِ عقل نہیں۔ اور جو چیز خلافِ عقل نہیں ہوتی اسے جائز الوجود اور ممکن کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس فنا کے بعد کیا زندگی نئے سرے سے اور پہلے سے زیادہ بہتر طریقے سے شروع ہوگی؟ اور کیا ازروئے عقل اس میں کوئی تناقض نہیں ہے؟ اور اس کا جواب بھی یہ ہو کہ اس میں کوئی تناقض نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاد اور آخرت بھی ممکن ہے۔ یعنی کل خلائق اور جاندار فنا ہونے کے بعد پھر سے اٹھائے جائیں گے۔

نیز آخرت محال یا واجب نہیں __ کیونکہ محال وہ ہے جس کا وقوع عقل کے خلاف ہو۔ جیسے موجود شئے سے متعلق یہ تصور کہ وہ موجود نہیں! واجب وہ جس کے معدوم ہونے کا تصور عقل کے خلاف ہو۔ جیسے یہ تصور (صحیح نہیں ہے کہ) کہ ایک چیز تیار اور بنی ہوئی ہے۔

لیکن اس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے۔ یا مخلوق ہے لیکن اس کا کوئی خالق نہیں ہے۔ یا معلول ہے لیکن علت نہیں ہے ــــ غرض جب آخرت محال یا واجب نہیں تو اس کا امکان یقینی ہو جاتا ہے۔ قصہ کوتاہ! ان عقلی اور منطقی دلیلوں اور قیاس سے آخرت اور قیامت کا امکان اس کا وقوع اور اس کے وقوع کا جواز بہ صراحت ثابت ہوتا ہے۔

● **بعث (بعدالموت) کے دلائل[1]:**

آخرت اور آنے والی زندگی کو ثابت کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے انتہائی واضح' آسان اور معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً

● ــــ ایک چیز جو پہلے سے نہیں تھی بعد میں بنائی گئی۔ پھر توڑ دی گئی اس کا پھر سے بنانا کوئی مشکل کام نہیں۔ بالخصوص جس نے اسے پہلی مرتبہ وجود بخشا۔ پھر درہم برہم کر دیا۔ اس کے لئے نئے سرے سے بنانا اور بھی آسان ہے۔ جیسے عمارت تعمیر کے بعد منہدم کر دی جائے تو اس کی دوبارہ تعمیر نہ صرف آسان ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ بعد کی تعمیر پہلے سے بہتر ہو۔

موجد نے جس چیز کی ایجاد کی ہے از خود اسے توڑ کر دوبارہ بنا سکتا ہے۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ نقش ثانی' نقش اول سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم نے فہمائش کے اس اصول اور ضابطے کو مختلف مواقع پر استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (روم:۲۷)

● "اور وہی ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی شان سب سے بلند ہے۔ اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔"

سورۂ یٰسین میں حشر و نشر سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

---

[1] بعث' معاد اور آخرت الفاظ جدا جدا ہیں ان کا معنی ایک ہے یعنی اس زندگی کے بعد آنیوالی زندگی۔

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ‘ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ‘ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○ (یٰسین:۷۸‘۸۱)

ترجمہ "جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟ (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔"

● ___ انسانوں اور جانوروں کے سونے اور سو کر اٹھنے سے استدلال: نیند کو موت کی بہن کہا جاتا ہے۔ اور سو کر اٹھنا ایک طرح سے موت کے بعد زندہ ہونے کے مترادف ہے۔ لہٰذا جس طرح ہر دو خلائق سو کر اٹھتے ہیں اسی طرح ہر دو کے لئے مرکر دوبارہ اٹھنے کا عمل بھی لامحالہ ہو کر رہے گا۔ قرآن پاک اپنے الفاظ میں اس استدلال کو یوں پیش کرتا ہے۔:

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَاجَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ‘ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (انعام:۶۰)

ترجمہ "اور (دیکھو!) وہی تو ہے جو رات میں تم پر موت طاری کر دیتا ہے۔ (یعنی سلا دیتا ہے) اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ پھر دن کے وقت تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ مدت پوری کر دی جائے۔ پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر اس وقت وہ تم کو تمہارے اعمال جو کچھ دنیا میں کرتے رہے ایک ایک کرکے بتا دے گا۔"

قحط زدہ‘ خشک اور بنجر زمین سے استدلال: مشاہدہ شاہد ہے کہ اس قسم کی زمین میں زندگی کے آثار ناپید ہوتے ہیں لیکن بارش ہو جانے پر یا بروقت پانی پہنچنے پر زندگی کے آثار دوبارہ نمودار ہوجاتے ہیں۔ اور پہلے سے زیادہ تروتازگی اور بہار آجاتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ‘ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ‘ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيْرٌ ○ (فصلت:۳۹)

ترجمہ "اور (اے مخاطب) اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی (اور یعنی) خشک دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو ترو تازہ ہوجاتی ہے اور ابھرتی ہے۔ (اس سے ثابت ہوا کہ) جس نے زمین کو زندہ کیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرے گا بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

نیز فرمایا:

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○ (حج:۵،۶)

ترجمہ "اور تم دیکھتے ہو کہ (ایک وقت) زمین سوکھی پڑی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے۔ اور ہر قسم کی خوش نما جڑی بوٹیاں اگاتی ہے۔ یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

● حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے استدلال:

اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست قوتِ تخلیق سے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے اور آپ کی نسل کو قطرۂ منی سے پیدا فرمایا۔ یہ قوتِ تخلیق آخرت اور مرکر دوبارہ اٹھائے جانے کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ○ (سورۂ حج:۵)

ترجمہ "اے لوگو! اگر تم کو (قیامت کے روز) دوبارہ پیدا ہونے میں شک کرتے ہو تو (غور

کرو کہ) بلاشبہ ہم نے تُم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے' پھر جمے ہوئے خون سے۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے (جس کی بناوٹ کبھی) کامل (ہوتی ہے) اور (کبھی) ناقص۔ یہ اس لئے کہ ہم تُم پر اپنی قدرت ظاہر کریں۔ اور جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں اسے ایک مقررہ مدت تک (عورت کے) رحم میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر بچہ بنا کر تمہیں نکالتے ہیں۔ پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تُم اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ۔ اور تُم میں کوئی ایسا ہوتا ہے کہ (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے اور تُم میں کوئی ایسا ہوتا ہے جو نکمی عمر (یعنی بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ کہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتا ہے۔"

ارض و سماء کی تخلیق سے حشر اجساد پر استدلال:

زمین و آسمان اور کل کائنات کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے کہیں زیادہ اہم اور زبردست ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کے لئے پہلی تخلیق' کوئی مشکل نہیں ہے تو دوسری کیونکر مشکل ہو سکتی ہے؟ — !

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ ○ (مومن:۵۷)

ترجمہ: "یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا بہ نسبت آدمیوں کے پیدا کرنے کے بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ءَ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا' رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا' وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا' وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا' اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَ هَا وَمَرْعٰهَا' وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا' مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○

(النازعات:۲۷تا۳۳)

ترجمہ: "لوگو! تمہارا پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا (اللہ نے) اس کو بنایا۔ (اس طرح سے کہ) اس کی چھت کو اونچا کیا۔ اور اس کو درست بنایا۔ اور اس کی رات کو تاریک کیا۔ اور

دن کو دھوپ نکلی۔ اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اور اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو اس پر قائم کیا۔ (یہ سب کچھ) تمہارے لئے اور تمہارے چارپایوں کے فائدے کے لئے (کیا)۔"

نیز فرمایا:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۝ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ (یٰسین:۷۸ تا ۸۱)

ترجمہ: "جب ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ (اے پیغمبر) کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے وہ (ایسا قادر ہے) (جو ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو۔ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان جیسے آدمیوں کو (دوبارہ) پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہ ضرور قادر ہے۔ وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔"

جزا اور سزا کے تصور سے استدلال:

اس دنیا میں لوگوں کے اطوار اور اعمال جدا جدا ہیں۔ کوئی نیک ہے کوئی بد' کوئی اچھا ہے کوئی برا' لہٰذا اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کا تصور انتہائی ضروری ہے جہاں اعمال کی سزا یا جزا دی جائے اس لئے کہ دنیا کی یہ زندگی محض کارگاہ اور عمل کی جگہ ہے۔ بدلہ کی جگہ نہیں۔ اس استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۝ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آلِ عمران:۱۸۵)

ترجمہ: "ہر شخص ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا

پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔"

نیز فرمایا:

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○ (یونس:۴)

ترجمہ "وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی' اس کو دوبارہ اٹھائے گا۔ تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے۔ انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور جنہوں نے کفر کیا۔ ان کے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ وہ کفر کرتے تھے۔"

نیز فرمایا:

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى' فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى' وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى' فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى' وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى' وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى' فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى' وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ○ (لیل:۴تا۱۱)

ترجمہ "بے شک تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا۔ اور پرہیز گاری کا راستہ اختیار کیا۔ اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو سچ جانا تو اس کے لئے ہم بہت جلد آرام کی جگہ (یعنی جنت حاصل کرنا) آسان کر دیں گے اور جس نے بخل کیا اور اللہ سے بے پرواہی کی اور اچھی بات (کلمہ توحید) کو جھٹلایا تو ہم اس کو تکلیف کی جگہ (یعنی دوزخ) میں بہت جلد پہنچا دیں گے۔ اور جب وہ دوزخ میں جا گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔"

❖ شرعی پابندیوں سے استدلال:

شریعت نے بیشتر امور کے کرنے یا نہ کرنے کا بندوں کو مکلف بنایا ہے۔ یہ مکلف بنانا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک دوسری دنیا برپا ہو۔ اور مرنے کے بعد دوسری زندگی رونما ہو

جہاں بندے کرنے یا نہ کرنے پر ماخوذ ہوں' عجلت یا سستی کرنے سے متعلق ان سے باز پرس ہو اور پھر انہیں اس کا مناسب بدلہ دیا جائے۔ اور جیسا کہ ابھی گذرا دنیا کی یہ زندگی محض دارالعمل ہے اس لئے جزا اور سزا کے لئے دار آخرت کا ہونا ضروری ہے۔ اس استدلال کو قرآن پاک نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ (ملک:۱'۲)

ترجمہ "بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے قبضہ میں دونوں جہاں کی بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون تم میں سے نیک عمل کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔"

نیز فرمایا:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا[1] وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○

(مومنون:۱۱۵)

ترجمہ "کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی بے کار (خالی از مقصد) پیدا کیا ہے۔ اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے۔"

نیز فرمایا

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى[2] ○ (قیامہ:۳۶)

ترجمہ "کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔"

دیگر دلائل:

ہر وقت ہر زمانے میں باشعور طبقہ جس کا تعلق شہری زندگی سے ہو یا دیہاتی زندگی سے خواہ پسماندہ ہو یا ترقی یافتہ' اس میں شک نہیں کہ ہر کس و ناکس کو شدت سے یہ احساس ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے جس میں دنیا میں کی گئی نیکی' بدی یا اچھے' برے

---

[1] عبث یعنی امرو نہی کے بغیر اور امر نہی کے بغیر یونہی چھوڑ دیں یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے امرو نہی عبارت کا دوسرا نام ہے اور انسان محض عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

[2] سدی یعنی امرو نہی کے بغیر عبث اور مہمل چھوڑ دیا جائے۔ نہ مرنے کے بعد اٹھایا جائے نہ حساب کتاب ہو۔؟

کاموں کی سزا یا بدلہ اس کو مل کر رہے گا۔ وہی شعور درحقیقت آنے والی زندگی کے وجود کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو اس کا اس قدر چرچا اور شہرہ بھی نہ ہوتا۔ نہ ہی کوئی خارجی وجود ہوتا۔ لہٰذا یہ احساس ایسا ہی درست اور برحق ہے جیسے اِنسان کو بھوک لگنے پر اناج کی اور پیاس کی شدت میں پانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ یہ ضرورت اتنی بدیہی اور واضح ہے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔

۲۔ ــــ عوام کی بھاری اکثریت ارواح' ان سے ملاقات اور ان سے بات چیت کی قائل ہے اس قسم کا مشاہدہ شاہد ہے کہ اس مادی زندگی کے بعد ایک دوسری دنیا آنے والی ہے جو سراسر جسم اور روح[1] والی ہوگی۔

۳۔ ــــ قدیم سے آج تک اِنسانی زندگی میں تسلسل کے ساتھ خوابوں کے دیکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ خواب میں آدمی مرنے والوں کو دیکھتا ہے ان سے بات چیت کرتا ہے ان کے حالات سے متعلق پوچھ گچھ کرتا ہے۔ مردے بھی غیب سے متعلق بہت ساری خبریں سناتے ہیں جو واقعات سے عین مطابق ہوتی ہیں۔ آنے والی زندگی کا یہ بھی ایک قسم کا ثبوت ہے۔

مزید دلائل:

آخرت' حشرو نشر اور حساب کتاب سے متعلق سب سے اہم قطعی اور آخری دلیل یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے حضور اکرم ﷺ نے صاف صاف اس کی اطلاع فرمائی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو بندہ خدا اللہ پر فرشتوں پر' اس کی کتابوں' اور اس کے رسولوں پر اِیمان رکھتا ہے اس کے لئے خدا اور رسول کے کہنے کے مطابق آخرت پر' حشرو نشر اور حساب کتاب پر اِیمان لانا کوئی مشکل نہیں۔ نہ اس کے اندر کسی قسم کا شک' تردد' یا حیلہ اور حجت کا دخل ہے اس لئے کہ یہ خدا کا فرمان ہے جو راست اور برحق ہے۔ نیز اللہ اور اس

---

[1] اس نظریہ کے حامل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روحوں سے ملاقات اور گفتگو کرتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ارواح سے نہیں بلکہ مرنے والوں کے ہمزاد اور ان کے جنوں اور شیطانوں سے ہم کلام ہوتے ہیں ہم نے یہ تذکرہ محض اس لئے کیا ہے تاکہ اس سے عالم غیب اور مادی دنیا سے ماورا روحانی دنیا کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

کے رسولوں نے بے شمار امور سے متعلق خبریں دیں۔ جن میں سے کوئی ایک بھی غلط یا خلاف واقعہ ثابت نہیں ہوئی پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبر عالم آخرت اور اس آنے والی زندگی سے متعلق خبریں دیں۔ بعث' حساب' جزا' اور وہاں کی راحت و اذیت سے متعلق تفصیلات بیان کریں اور وہ غلط ثابت ہوں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں یہ فکر اور تخیل' باطل اور حد درجہ نامعقول ہے۔

دنیا کا فنا ہونا' دوسری زندگی کا آغاز' دنیا کی زندگی سے بہتر وہاں کی ایک ایک چیز کا ہونا۔ اِیمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ابدی راحتیں' مشرکین' خطا کاروں' گنہگاروں کے لئے تکالیف اور اذیتیں' یہ وہ امور ہیں جن سے متعلق حق تعالیٰ نے دو ٹوک خبریں دیں ہیں' اپنی کتابوں اور اپنے برگزیدہ پیغمبروں کی زبانی اس کی اطلاعات بہم پہنچائیں ہیں۔ اس لئے ان کے اندر شک کرنا فکر و نظر کی کوتاہی بددماغی حد درجہ گراوٹ اور اِنسانی پستی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مفاسد سے اپنے بندوں کی حفاظت فرمائے آمین۔

آخرت کی حکمت:

عالم آخرت اور مرنے کے بعد پھر اسی طرح دوبارہ زندہ کئے جانے کی حکمت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں بندوں نے اپنے ارادے اور اِختیار سے جو کچھ کیا اس کا ٹھیک ٹھیک بدلہ انہیں دیا جائے۔ اس لئے کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ اور آخرت جزا اور بدلہ کی جگہ ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ' وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ' فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ' وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آلِ عمران:۱۸۵)

"ہر شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزا چکھنے والا ہے۔ اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سودا ہے۔"

پھر ہر کوئی دیکھ سکتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں لوگوں کا معیارِ زندگی مختلف ہے۔ ہر

ایک کی روزی روٹی' وقفہ زندگی' موت و حیات' کارکردگی اور سعادت و شقاوت غرض ایک ایک چیز انتہائی مختلف ہے۔ کوئی حد درجہ ظالم اور سفاک ہے۔ کوئی حد درجہ مظلوم اور دل شکستہ' کوئی توانا اور تندرست ہے۔ کوئی بیمار اور مفلوج' کوئی مالدار آسودہ حال ہے' تو کوئی مفلس اور فاقہ مست کوئی بڑا نیک نام اور باعزت ہے' کوئی ذلیل و خوار اور بے عزت' کوئی نکوکار ہے کوئی بدکار۔ یہ اور اس قسم کا فرقِ مراتب اور تفاوت' اِنسانی زندگی میں روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اب اگر زندگی کے دن گذار کر وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ لیکن مرکر اٹھائے نہ جائیں تو یہ حکمت' عدل و مساوات اور شفقت رحمت سے بعید ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالٰی نے عالم آخرت کے برپا ہونے کا حکم صادر فرمایا اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے احکام سنائے۔ اس لئے کسی شک و شبہ کے بغیر ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ عالم برپا ہو گا۔ اور ہر کس و ناکس کو حساب کتاب دینا ہو گا۔ اس لئے کہ حق تعالٰی نے نبی آخر الزماں ﷺ کو حکم فرمایا کہ وہ حلفیہ اس کا اعلان فرمائیں کہ:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (تغابن:۷)

ترجمہ: "جو لوگ کافر ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہ اٹھائے جائیں گے۔ (ان سے کہو) کہ کیوں نہیں۔ میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ تعالٰی کے لئے بہت آسان ہے۔"

نیز فرمایا:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَايَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ○ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ○ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (نحل:۳۸تا۴۰)

ترجمہ: "اور یہ لوگ اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے۔ اسے اللہ (قیامت کے دن) قبر سے نہیں اٹھائے۔ (کیوں نہیں ضرور ایسا کرے گا۔) یہ اللہ کا سچا وعدہ

ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ (مردوں کا جلانا) اس لئے (ضروری ہے) کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے رہے ہیں اللہ اصل حقیقت کو ان پر ظاہر کردے اور یہ کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے بے شک جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کریں تو بس ہمارا کہنا اتنا ہی ہوتا ہے کہ ہوجا! تو وہ ہوجاتی ہے۔"

آخرت پر ایمان کی فرضیت:

ایک زبردست اور پُرہول انقلاب کو دل سے ماننے اور اس کی تصدیق کرنے کا نام آخرت پر اِیمان ہے۔ ایسا ہمہ گیر اور وحشت انگیز انقلاب جس کے بعد دنیا کی یہ زندگی فنا ہوجائے گی۔ اور نئی زندگی کا آغاز ہوگا! اس نئی زندگی کی ابتداء دارِ آخرت میں ہوگی۔ جہاں حیرت انگیز اور عجیب و غریب حقائق رونما ہوں گے۔ اور جملہ خلائق کی دوبارہ تخلیق' ان کا حساب کتاب' اور ان کے ساتھ سزا اور جزا کا معاملہ ہوگا۔ آخرت پر اِیمان واجب ہی نہیں بلکہ دِین اِسلام کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جس پر بندۂ مومن کے عقیدے کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ آخرت پر اِیمان لائے بغیر نہ اِیمان کامل ہوتا ہے نہ ہی اصلاح اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ○ (بقرہ:۱۷۷)

ترجمہ "نیکی کچھ بھی نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ پر' اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اِیمان لائے۔"

بندۂ مومن کی زندگی میں عقیدۂ آخرت کی اہمیت اور اس پر استقامت کے نتیجے میں رونما ہونے والے خوش آئند اثرات اور بہترین نتائج کی بنیاد پر قرآنِ پاک نے اس عقیدے کو وہی درجہ دیا جو اللہ پر اِیمان کے عقیدے کو حاصل ہے۔ اور اس پر یکساں توجہ دی۔ چنانچہ متعدد سورتوں اور سینکڑوں آیتوں میں کہیں اس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس دن کے آنے کی منظر کشی کی۔ اور نہایت تفصیل سے اس کی آمد کا ذکر کیا:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَادَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وَّالْمَلَكُ عَلٰى اَرْجَآئِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ مَا اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَا يَاْكُلُهٗ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ○ (حاقہ: ۱۳ تا ۳۷)

ترجمہ "تو جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے۔ پھر وہ ایک ہی دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ تو وہ اس دن کمزور ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر اتر آئیں گے۔ اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے اس' روز تم سب لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی۔ تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لو میرا' اعمال نامہ پڑھو۔ مجھ کو یقین تھا کہ میرا حساب پیش آنے والا ہے۔ غرض وہ پسندیدہ عیش (یعنی) بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور حکم ہوگا) خوب مزے سے کھاؤ پیو' ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گذشتہ دنوں میں کئے تھے۔ اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے

کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور مجھ کو خبر بھی نہ ہوتی۔ کہ میرا حساب کیا ہے کہ اچھا ہوتا کہ موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی۔ آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔ میری سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں ڈال دو پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیروں کے کھانا کھلانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا۔ تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کی کوئی چیز نصیب ہے سوائے پیپ کے جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔"

اور کہیں اس کی حقانیت کے ثبوت کے لئے دلائل پیش کئے۔ اور اس کی آمد کی تاکید و توثیق کی۔ جیسے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (حج:۶'۷)

"یہ اس سبب سے کہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ضرور قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اور بلاشبہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا۔"

نیز فرمایا:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (تغابن:۷)

"جو لوگ کافر ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ہرگز دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (ان سے) کہہ دو! کہ کیوں نہیں' میرے پروردگار کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے تم کو جتلا دیا جائے گا۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔"

کہیں اس امر کا اظہار کیا کہ استقامت' عقیدۂ آخرت کے بغیر ممکن نہیں ہے:

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ○ (طلاق:۲)

ترجمہ "ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔[1]"

نیز فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ○ (احزاب:۲۱)

ترجمہ "بے شک تمہارے لئے رسول اللہ (کے عمل) میں ایک اچھا نمونہ موجود ہے (یعنی) اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور قیامت (کے آنے) کی اُمید رکھتا ہو۔"

کہیں یہ فرمایا کہ فلاح اور کامرانی صرف ان کیلئے ہے جو آخرت پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ' اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِنْ رَّبِّهِمْ' وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (بقرہ:۴،۵)

ترجمہ "اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور کامیاب ہونے والے ہیں۔[1]"

کہیں اس عقیدہ کا ذکر اللہ پر اِیمان کے عقیدے سے جڑا ہوا ہے۔ تاکہ ایک طرف اس کی اہمیت کا احساس دلایا جائے اور دوسری طرف اس حقیقت کو ذہن نشین کیا جائے کہ

---

[1]

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ○ (بقرہ:۲۳۲)

ترجمہ "اس حکم سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔"

[1] ایضا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ' اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ' وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (لقمان:۴،۵)

ترجمہ "اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں۔ اور کامیاب ہونے والے ہیں۔"

استقامت نظافت اور خیر پر مبنی زندگی میں یہ عقیدہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُم عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (بقرۃ:۶۲)

ترجمہ "بے شک مسلمانوں اور یہودیوں اور عیسائیوں اور صابیوں میں سے جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں' اچھے کام کریں تو ان کے اعمال کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس یقیناً ملے گا۔ اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا۔ نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

نیز فرمایا:

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ○ (طلاق:۲)

ترجمہ "ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ○ (نساء:۳۸)

ترجمہ "اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔"

ایمانیات کے ان دونوں بنیادی ارکان پر قرآنِ پاک کی اس قدر توجہ اور یاد دہانی اس امر کا بین ثبوت ہے کہ قرآنِ کریم کی نظر میں یہ ارکان روحانی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں ثبات و استقامت کے لئے ہر دو رکن پر ایمان اشد ضروری ہے اور اگر ان دونوں ارکان پر ایمان نہ رہا تو زندگی بھی بے جان ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ اور جو ان سے محروم رہا یا ان سے ہاتھ دھو بیٹھا وہ ہر فضیلت اور خیر سے محروم ہو کر فتنہ اور شر میں مبتلا ہوگا۔ اور بدترین خلائق میں اس کا شمار ہوگا۔

قصہ کوتاہ! اللہ اور آخرت پر ایمان ہر عقیدہ کی جڑ اور ایمانیات کی اساس ہے اسی پر انسانی ثبات' اس کی استقامت' اس کے اخلاق کی درستی اور اس کی روح کی پاکیزگی کا مدار ہے۔

اور اگر خدانخواستہ اِنسان دولت اِیمان سے خالی رہا تو اس کی حقیقت ایسے جانور کی سی ہوگی جس کے اندر اپنے لئے اور دوسروں کے لئے کوئی خیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اس کی حقیقت سر تاپا شر اور فساد کی ہے۔ جس سے نہ وہ محفوظ ہوگا۔ نہ دوسروں کو اس سے امن اور حفاظت نصیب ہوگی۔ نہ ہی اس کی ذات سے کسی کو سکون اور راحت ملے گی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ وہ خیر کے منبع' فضیلت اور عظمت کے سرچشموں اور اعلیٰ اِنسانی قدروں سے بے بہرہ اور محروم ہے۔

انقلابِ کائنات (قیامت) کی نشانیاں:

مشاہدہ شاہد ہے کہ ہر زندہ چیز جیسے اِنسان' حیوان' یا نشو نما کے لائق چیزیں جیسے درخت' پودے' اور نباتات پر فنا سے پہلے فنا کی نشانیاں نمودار ہوتی ہیں۔

اِنسان کو دیکھو تو وہ جوان ہو کر بوڑھا ہوتا ہے۔ بیمار ہو کر لاغر و ناتواں ہوتا ہے۔ آخر یہ سب اس کی موت اور ہلاکت کی نشانیاں ہی تو ہیں۔ حیوانات بھی اِنسانوں کی طرح بوڑھے ہوتے ہیں بیمار ہو کر کمزور ہوتے ہیں۔ اور پھر مر کر نیست و نابود ہوجاتے ہیں۔ نباتات جیسے کھیتیاں پک کر پیلی پڑجاتی ہیں۔ پھر سوکھ کر مرجھا جاتی ہیں۔ اور گر کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا اشیاء کائنات کے اجزاء اور اس کے حصے ہیں۔ جن پر ہلاکت اور بربادی سے پہلے اس کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ جب یہ اجزاء فنا اور اس کی علامت قبول کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو لامحالہ کائنات بھی (جو کل کی حیثیت رکھتی ہے) فنا ہوگی۔ فنا اور تباہی و بربادی کے اثرات کو قبول کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ وحی الٰہی نے بطورِ خاص ان علامتوں کو ایک ایک کرکے بیان کیا۔ خدا کے فرستادہ بندوں نے ان سے ڈرایا۔ اور ان کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَا طُهَا فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَ تْهُمْ ذِكْرٰهُمْ ○ (محمد:۱۸)

ترجمہ "تو یہ لوگ بس قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آپڑے تو اس کی علامتیں آچکی ہیں۔ تو جب قیامت ان (کے سر) پر آپڑے گی تو اس وقت ان کو نصیحت حاصل کرنا

کہاں (مفید ہو گا۔)"

وحی الٰہی کی روشنی میں قیامت کی بعض علامتیں یہ ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کی بعثت — معجزہ شق القمر۔

● بعثت نبوی:

حضور کی بعثت بجا طور پر قیامت کی ایک علامت ہے اس لئے کہ آپ کی نبوت کے ذریعے حق تعالیٰ نے پچھلی نبوتوں کی تکمیل فرما دی۔ اور اب آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ ختم نبوت کا یہ فیصلہ دراصل دنیا کی اس زندگی کے اختتام کا باضابطہ اعلان ہے اور بندوں کو اس امر سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ نبی آخرالزماں کے بعد سے تاقیامت کسی نبی کے آنے کا اِنتظار نہ کریں۔ نہ ہی یہ گمان کریں کہ کوئی اور نبی آکر اس شریعت میں ترمیم یا ردو بدل کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے نہایت وضاحت سے فرمایا۔

"میں اور قیامت — کلمہ اور بیچ کی انگلی کو ملا کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: — اسی طرح (متصل) بھیجے گئے۔"

(متفق علیہ' اللؤلؤوالمرجان: ۳/ ۳۱۴' بخاری: ۶/ ۶۰۲' مسلم: ۸/ ۲۰۸'۲۰۹)

● معجزۂ شق القمر:

چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ بھی قیامت کی ایک علامت ہے اسی لئے باری تعالیٰ نے قربِ قیامت کے ساتھ اس واقعہ کو جوڑتے ہوئے فرمایا:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (قمر:۱تا۳)

ترجمہ "قیامت قریب آپہنچی اور چاند شق ہوگیا۔ اور اگر کافر کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔"

"حضورِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے۔ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ نبوت پر آپ کوئی معجزہ دکھائیں۔ حضور نے دعا فرمائی اور چاند کے دو ٹکڑے ہوئے ایک ٹکڑا جبل ابو قبیس کے ادھر (چلا گیا) تھا مکہ والوں نے اس معجزے کو اپنی

آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۲۰۸/۳، بخاری: ۲۵۱/۴، مسلم: ۱۳۲/۸ تا ۱۳۳)

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ: ابتدائے آفرینش سے حق تعالیٰ نے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے۔ تاکہ ان کے ذریعے بندوں کی اصلاح اور رہنمائی کا اہم ترین کام انجام پائے۔ اور اِنسان دنیا اور آخرت میں کمال کے اس اعلیٰ مقام پر فائز جس کے لئے حق تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ آپ کو نبی آخرالزماں کا منصب عطا فرمایا۔ اور آپ کو وہ مکمل ترین شریعت عطا فرمائی جو پچھلی شریعتوں کے لئے حرف آخر ثابت ہوئی۔ اور یہ اعلان فرما دیا کہ آپ خدا کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا ــــ اس پس منظر کے ساتھ حضور کی بعثت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب دنیا کی زندگی زیادہ نہیں رہی۔ اور چونکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت دنیا والوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا اب نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ پہلے کی طرح کوئی شریعت آئے گی۔ جو اس شریعت کی تجدید یا اس میں ترمیم و تنسیخ کا کام انجام دے گی ــــ اس لئے آپ کی بعثت دنیا کی زندگی کے اختتام اور قربِ قیامت کی واضح علامت ہے۔

رہیں تکوینی یا خارقِ عادت علامتیں جو قیامت کے قریبی زمانے میں رونما ہوں گی اور جن کو وحی الٰہی کی رو سے علامت قیامت کا درجہ ہے۔ ان میں ایک علامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک منصف حاکم کی حیثیت سے زمین پر نزول ہے ــــ سورۂ زخرف میں ہے:

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ ۝ (زخرف:۶۱)

ترجمہ "عیسیٰ تو قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ تو تم قیامت میں شک نہ کرو۔"

مذکورہ بالا ارشاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس تذکرے کے بعد وارد ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ، وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ، مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا، بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ، اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ، وَلَوْ نَشَآءُ

لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ' وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ ○

(زخرف:۵۷ تا ۶۱)

ترجمہ "اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ (خوشی کے مارے) اس سے چلانے لگے۔ اور انہوں نے کہا کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ (اے پیغمبر انہوں نے جو عیسیٰ کی مثال تم سے بیان کی ہے تو صرف جھگڑے کے لئے۔ بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہی ہیں عیسیٰ تو صرف ایک بندے ہیں۔ جن پر ہم نے احسان کیا تھا۔ اور ان کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ایک نشانی بنایا تھا۔ اگر ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے۔ جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔ اور (اے پیغمبر ان سے کہہ دو کہ) عیسیٰ تو قیامت کی ایک نشانی ہیں۔"

● ــــ قربِ قیامت کے وقت جہاں عجیب و غریب حالات رونما ہوں گے۔ اسی وقت زمین سے ایک عجیب الخلقت جانور نکلے گا۔ اور لوگوں سے گفتگو کرے گا۔ جس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں پڑ جائیں گے ــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ○ (نمل:۸۲)

ترجمہ "اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا۔ تو ہم ان کے لئے، مٹی سے ایک ایسا جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔ اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

● ــــ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی دیوار ڈھا جائے گی۔ اور یاجوج ماجوج جیسی مفسد اور غارت گر قوم ملکوں میں آکر فساد مچائے گی۔ اور لوٹ مار کرے گی۔ اور لوگوں کو دہشت زدہ کرے گی ــــ ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ' وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ــ ○

(انبیاء: ۹۶، ۹۷)

ترجمہ "یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے۔ اور وہ زمین کی ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے۔ اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب تر آجائے گا۔ تو اس وقت کافروں کی آنکھیں (دہشت سے) پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

قیامت کی یہ علامتیں قرآنِ پاک میں وارد ہیں۔ احادیث مقدسہ جو وحی الٰہی کا ایک حصہ ہیں۔ قیامت کی علامتیں ان میں بھی وارد ہیں۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"ہم بات چیت کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھانک کر دیکھا اور فرمایا' کیا تذکرہ کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے قیامت برپا نہ ہوگی۔ یہ فرما کر حضور نے دُخان (دھواں) دجال' دابتہ الارض (زمینی جانور) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کا اترنا' اور یاجوج ماجوج (کا خروج کرنا) بیان کیا۔ اور تین جگہ زمین کے دھنس جانے کا ذکر کیا۔ ایک مشرق میں' ایک مغرب میں' ایک جزیرۂ عرب میں' اور سب سے آخر میں اس آگ کا ذکر کیا جو یمن سے برآمد ہوگی اور سب لوگوں کو ہانک کر میدانِ حشر میں لے جائے گی۔" (۸/۱۷۹)

قیامت کی یہ بڑی اور اہم علامتیں ہیں۔ ان سے پہلے بکثرت چھوٹی علامتیں رونما ہوں گی اور یہ واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے آج تک بے شمار علامتوں کا ظہور ہوچکا ہے۔ ان ظہور پذیر علامتوں کے ذکر سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے۔ کہ جب بھی قیامت کی اہم اور بڑی علامتیں ایک ایک کرکے ظاہر ہوں گی ایک سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ اور جس طرح موتی کی لڑی ٹوٹ جانے پر موتیاں لگا تار گرتی ہیں۔ یہ علامتیں قلیل عرصے میں ایک کے بعد ایک پیش ہو کر رہیں گی۔ ان بڑی نشانیوں میں سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ (قیامت کی) سب سے پہلی نشانی کا ظہور یہ ہوگا کہ مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع ہوگا۔ اور چاشت کے وقت دابتہ الارض کا خروج ہوگا۔ ان دونوں میں سے جو کوئی بھی پہلے ہوگا۔ دوسرا فوراً ہی اس کے بعد ہوگا۔"

(مسلم: ۸/۲۰۲)

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کی کوئی ایک بڑی علامت کے ظہور کے بعد توبہ کا

دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے گا۔ پھر نہ کسی کا ایمان معتبر ہوگا۔ جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہوگا۔ نہ کسی ایسے آدمی کی نیکی قبول ہوگی جس نے پہلے سے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہ کیا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْيَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْكَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ (انعام:۱۵۸)

ترجمہ "کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ (آسمان سے) فرشتے ان کے پاس آئیں۔ یا خود تمہارا پروردگا آئے یا تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں۔ جس دن تمہارے پروردگار کی بعض نشانیاں نمودار ہوں گی۔ (اس دن) کسی اِنسان کو جو پہلے سے اِیمان نہ لایا ہوگا۔ اِیمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ یا اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہ کیا ہو۔[1]

ذیل میں قیامت صغریٰ کا حال من و عن احادیث سے نقل کیا جاتا ہے۔ ان میں بعض علامتیں ظاہر ہوچکی ہیں اور کچھ کا ظہور آئندہ ہوگا۔

— صحیحین میں ہے:

"حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دو بڑے گروہوں کے درمیان زبردست لڑائی نہ ہوگی۔ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔

(مسلم:۸/۱۷۰ اللؤلؤ والمرجان: ۳/ ۳۰۳، بخاری:۴/ ۲۴۳)

---

[1] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد ہے تین (علامتوں) کے ظہور کے بعد کسی اِنسان کو جو پہلے سے اِیمان نہ لایا ہوگا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ نہ کسی کی نیکی کام دے گی۔ جس نے اپنے اِیمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ وہ مغرب کی طرف سے آفتاب کا طلوع ہونا۔ دجال اور دابۃ الارض کا خروج۔ (مسلم ۱/۹۵، ۹۶)

بخاری میں ہے جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہوگا قیامت نہ آئے گی۔ جب آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اور سبھی لوگ اسے دیکھ لیں گے۔ تب کسی اِنسان کو جو پہلے اِیمان نہ لایا ہوگا۔ اِیمان لانا کچھ نہ دے گا۔ نہ کسی کی نیکی کام دے گی جس نے اپنے اِیمان کی حالت میں کوئی نیکی نہ کی ہوگی۔ (۷/۱۳۲) اللؤلؤ والمرجان (۱/۳۱)

اور جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس علامت کا ظہور ہوچکا ہی اس لئے کہ دو بڑے گروہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اعوان و انصار' اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے معاونین ہیں۔ اور زبردست جنگ سے مراد معرکہ صفین ہے۔

۲ ــــ مسلم میں ہے:

"حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک ہرج کی کثرت نہ ہوگی قیامت بپا نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! ہرج سے کیا مراد ہے۔ فرمایا قتل! قتل!

(مسلم: ۸/۱۷۰' اللؤلؤ والمرجان: ۳/ ۳۰۳' بخاری: ۴/ ۲۴۳)

یہ علامت عملاً ظاہر ہوچکی ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں آئے دن جنگ کا میدان گرم ہوتا ہے۔ جس میں مقتولین کی تعداد دس بیس اور سینکڑوں نہیں' ہزاروں' لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے جب کہ اعداد و شمار کے ایک سے زیادہ ماہرین نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ عہد نبوی میں ہونے والی اِسلامی جنگوں میں ــــ جن کا سلسلہ کم و بیش دس سال تک جاری رہا ــــ شہداء اور مقتولین کی مجموعی تعداد دو ڈھائی ہزار سے آگے نہ بڑھ سکی۔[1]

۳ ــــ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"حضور ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک فرات سے ایک سونے کا پہاڑ ظاہر نہ ہوگا۔ جس پر لوگ مارے جائیں گے۔"

(مسلم: ۸/ ۱۷۴' اللؤلؤ والمرجان: ۳/ ۳۰۵' بخاری: ۹/ ۷۳)

یہ علامت اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔

۴ ــــ صحیح مسلم میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"عراق اپنے درہم اور قفیز روک لے گا۔ شام اپنے مدی اور دینار کو روک لے گا۔ اور مصر اپنے اردب اور دینار کو روک لے گا۔ اور تم جہاں سے شروع سے چلے تھے وہیں لوٹ آؤ گے۔

---

[1] "یہ تعداد میں نے برادرم شیخ ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سنی اور ان سے استفادہ کیا۔ صاحب موصوف نے اسے نہایت مستند بتایا۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں۔"

(مسلم: ۱۷۵/۸)

اس علامت کا ظہور ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ ہوا خلافت اِسلامیہ کا خاتمہ ہوا اور عراقی' شامی اور مصری خود مختار ہو کر اپنے اپنے ملکوں کے حکمراں ہوئے۔ اور اہل حجاز ان علاقوں کی فتوحات سے پہلے جہاں تھے وہیں رہ گے۔ یہ حدیث نبوتِ محمدی ﷺ کی تائید اور صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اس لئے کہ یہ پیشین گوئی آپ نے اس وقت فرمائی جب اِسلام جزیرہ نمائے عرب سے آگے نہیں بڑھا تھا آپ نے خبر دی کہ عراق' شام' مصر فتح ہو کر دارالاسلام قرار پائے گا۔ اور ان علاقوں سے کثیر مقدار میں مال سمٹ کر حجاز آئے گا۔ پھر ایسے انقلابات رونما ہوں گے کہ ان ملکوں سے خراج آنا بند ہوگا۔ اور یہ حرف بہ حرف پورا ہوا۔ اور کوئی کسر باقی نہیں رہی ــــ نبی برحق اور خدا کے سچے رسول پر ہمیشہ رحمتوں اور سلامتی کا نزول ہو۔ افسوس وہ لوگ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی کامل پیروی نہیں کرتے۔

۵ ــــ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ سرزمین حجاز سے ایک ایسی آگ نہ نکلے گی جس سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں چمک جائیں گی۔"

(اللؤلؤ والمرجان: ۳۰۵/۳' بخاری: ۷۳/۹ مسلم: ۱۸۰/۸)

آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ علامت ظاہر ہو چکی ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی مشرقی سمت میں پتھریلی زمین پر نہایت تیز آگ نمودار ہوئی اور ایک عرصہ تک اس کا الاؤ بھڑکتا رہا۔ یہ آگ بصریٰ (شام) سے نظر آتی تھی۔ اور تب سے اس سرزمین کے پتھر جل کر آج تک کوئلے کی طرح سیاہ ہیں۔ یہ آگ ۳ جمادی الاخر ۶۵۶ھ چہار شنبہ کی رات میں ظاہر ہوئی۔

۶ ــــ صحیحین میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل ہے کہ:

"قیامت برپا ہونے سے پہلے دوس قبیلہ کی عورتوں کے سرین بمقام تبالہ ذی الخلصہ کے آس پاس طواف کرتے ہوئے ہلیں گے۔ ذی الخلصہ تبالہ میں ایک بت تھا' جاہلیت کے زمانے میں دوس والے اس کی پرستش کرتے تھے۔"

(مسلم: ۱۸۲/۸' اللؤلؤ والمرجان: ۳۰۶/۳' بخاری: ۷۳/۹)

اور جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: یہ علامت ہو بہو ظاہر ہوچکی ہے چنانچہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمتہ اللہ علیہ کی اصلاحی و انقلابی دعوت سے پہلے جزیرہ نمائے عرب میں زمانہ جاہلیت پھر سے لوٹ چکا تھا۔ شجر و حجر کی پرستش از سرنو شروع تھی اور عالم اِسلام کا بڑا حصہ اس کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ چنانچہ جگہ جگہ قبروں' قبوں اور مزاروں کی تعظیم' ان کے لئے نذر و نیاز' قربانی اور چڑھاوے عام مزاروں پر عودِلوبان' اور کافوری شمعوں کا بیوپار ہوتا تھا۔ اور عجیب عجیب انداز سے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ قبرپرستی اور مختلف مظاہر پرستی کا سرعام رواج تھا۔ اور علماء و مشائخ کی بڑی تعداد سب کچھ دیکھ کر اور سن کر بھی خاموش تھی۔ اور اف تک نہ کرتی تھی۔ (خدا کی پناہ) جاہلیت جدیدہ کے اس واقعہ سے حدیث شریف کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے۔ نیز اس حدیث کے اندر ان لوگوں کے لئے بھرپور جواب ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اب اس امت میں شرک اور بت پرستی کا کبھی رواج نہ ہوگا۔ بطور دلیل وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"آگاہ رہو' شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ تمہارے ان شہروں میں ابد الآباد تک کبھی اس کی پوجا ہوگی۔[1]

(مسلم: ۱۳۸/۸)[1]

یہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکے کہ شیطان کی مایوسی کا یہ مطلب نہیں کہ اب امت مسلمہ اور ملت اِسلامیہ سے شرک اور بت پرستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکی ہے۔ جب کہ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک شیطان اپنی پرستش سے محض اس لئے مایوس ہوا کہ اس نے اس سرزمین کے چپہ چپہ پر توحید کے پرچم کو لہراتے ہوئے دیکھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ حضور ﷺ کے قدسی صفات اَتقیاء اور اصحاب نے جابجا زمین کو کلمہ طیبہ نعرہ ہائے تکبیر اور تسبیح و تحمید سے بھر دیا۔ اسے سخت مایوسی ہوئی کہ اب اس کی کون سنے گا لیکن پھر وہ بساط الٹ گئی اور ان

---

[1] ترمذی میں اس کے آگے یہ الفاظ ہیں مگر عنقریب اس کی بندگی ان کاموں میں ہونے لگی گی جن کو تم حقیر جانتے ہو' اور وہ اس سے ہی راضی ہوگا۔ (ترمذی کتاب اکبر۲۵' احمد ۳۶۸/۲' ۳۱۳/۳' ۳۵۴' ۳۸۴' ۷۳/۵' ترمذی فتن ۲)

نسلوں نے دنیا کو خیرباد کہا جن کی تربیت اِنسانیت کے عظیم محسن اور مربی اعظم نے اپنے دست خاص سے فرمائی تھی۔ یا آپ کے بعد آپ کے صحبت نشینوں نے کی تھی۔ اور پھران کے بعد جن لوگوں نے عرصہ حیات میں قدم رکھا۔ چونکہ وہ حضور ﷺ کے فیض صحبت سے محروم تھے اس لئے اس نشہ توحید اور بادۂ ہدایت سے بھی وہ سرشار نہ تھے جن سے ان کے اسلاف بہرہ ور تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ توحید میں شرک کی آمیزش ہوئی۔ عقائد میں بگاڑ رونما ہوا۔ اور اب شیطان نے بھی چین کا سانس لیا۔ اس کی حسرت و یاس شادمانی اور مسرت میں بدل گئی اس نے پر پرزے نکالے' اور اُمت محمدیہ کے سامنے شرک اور شرکیہ کاموں کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امت میں توحید کی جگہ شرک کا چرچا ہوا۔ اور ہر چہار جانب شرک کا بازار گرم ہوگیا۔ آج امت کا جو منصف چاہے اس حقیقت کا بچشم خود مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اور اس کی تصدیق کرسکتا ہے۔ اور حق تعالیٰ سے بڑھ کر بھلا کون سچ کہہ سکتا ہے۔ جس کا ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ○ (یوسف:۱۰۶)

ترجمہ "اور ان میں اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔"

۷ ــــ صحیحین میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت برپا ہونے سے پہلے ایک قحطانی آدمی نکل کر لاٹھی سے لوگوں کو ہانکے گا۔

(اللؤلؤوالمرجان: ۳۰۷/۳'مسلم: ۱۸۳/۸' بخاری: ۷۳/۹)

یہ علامت اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔

۸ ــــ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی یہودیوں سے جنگ نہ ہوگی۔ مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی پتھر یا درخت کی آڑ میں چھپ جائیں گے۔ مگر وہ درخت یا پتھر کہے گا اے مسلمان' اے خدا کے بندے میرے پیچھے یہ یہودی ہے۔ آکر اس کو قتل کر' ہاں درخت غرقد نہیں کہے گا۔ یہ درخت یہود ہے۔

(متفق علیہ الفاظ مُسلم کے ہیں ۱۸۸/۸۰' بخاری ۵۱/۴' اللؤلؤ ولمرجان ۳۰۸/۳)

قیامت کی اس علامت کے آثار دنیا کے افق پر پوری طرح نمودار ہو چکے ہیں اس لئے کہ سرزمین فلسطین پر مسلمانوں نے یہودیوں کے ساتھ خوں ریز جنگیں لڑی ہیں اور یہ جنگیں اس وقت تک جاری رہیں گی جب تک کہ مسلمانوں کو کھلی ہوئی فتح نصیب نہ ہوگی۔ اور فلسطین کی زمین یہودیوں کے وجود سے پاک نہ ہوگی۔

۹ ــــ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"ان فتنوں سے پہلے جلدی جلدی نیک اعمال کر لو۔ جو تاریک رات کی طرح چھا جائیں گے۔ (اور یہ حالت ہو جائے گی کہ) آدمی صُبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا۔ شام کو مومن ہوگا تو صُبح کافر ہو جائے گا۔ دنیوی سامان کے عوض اپنے دین کو فروخت کر ڈالے گا۔"

(مسلم ۱/۷٦)

اس علامت کا ظہور ہو چکا ہے۔ اور جیسا کہ صداقت پر مبنی اس روایت میں وارد ہے۔ اس امت کے بے شمار ایمان فروشوں نے بڑھ بڑھ کر اپنے دین و ایمان کا سودا کیا ہے۔
(اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔)

قیامت سے قریب تر علامتیں:

ذیل میں قرب قیامت کی کچھ اور علامتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ نشانیاں قیامت سے بے حد قریبی زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے ظاہر ہے سردست ان میں سے کوئی علامت ظہور پذیر نہیں ہوئی۔

۱ ــــ حضور ﷺ فرماتے تھے۔

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا۔ اور روزِ قیامت تک غالب رہے گا۔ پھر عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) نازل ہوں گے۔ مسلمانوں کا امیر کہے گا آیئے ہم کو نماز پڑھا دیجئے۔ ابن مریم (علیہ السلام) اس امت کی خدا داد عزت کا لحاظ کرتے ہوئے کہیں گے نہیں تُم میں سے ہی بعض بعض کے سردار ہوں گے۔"

(مسلم ۱/ ۹۴' ۹۵ اللؤلؤ والمرجان ۱/ ۳۱)[1]

۲ ــــ حضور ﷺ نے فرمایا:

"جس وقت قیامت برپا ہوگی تو بعض لوگ دودھ دوہتے ہوں گے' اور دودھ ان کے منہ تک نہ جانے پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے۔ اور سودا ختم نہیں کر پائیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ایک شخص اپنے حوض کو لیس رہا ہوگا لیس کر باہر نہ نکلنے پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔"

(الفاظ مُسلم کے ہیں ۸/ ۲۱۰' بخاری میں اس کا مفہوم درج ہے ۹/ ۷۴)

۳ ــــ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم ابن مریم (علیہ السلام) ضرور بحیثیت منصف پنچ ہونے کے نازل ہوں گے' وہ یقینی طور پر صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ اُونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی اس پر سوار ہو کر دوڑ نہ کی جائے گی۔ باہمی کینہ اور حسد جاتا رہے گا۔ ابن مریم (علیہ السلام) لوگوں کو مال لینے کے لئے بلائیں گے۔ مگر کوئی قبول نہ کرے گا۔"

متفق علیہ۔ الفاظ مُسلم کے ہیں ۱/ ۹۴' اللؤلؤ والمرجان ۱/ ۳۱' بخاری مفہوم یہی ہے۔ ۳/ ۱۰۱' ۱۰۲)

۴ ــــ صحیح مُسلم میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"(قیامت کے قریب) خدا تعالیٰ یمن سے ایک ہوا اٹھائے گا۔ جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی اور جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا اس کی روح قبض کرلے گی۔"

(مسلم ۱/ ۷۶)

۵ ــــ صحیح مُسلم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"قیامت صرف بدترین آدمیوں پر برپا ہوگی۔"[2]

(مسلم ۸/ ۲۰۸' اللؤلؤ والمرجان ۳/ ۳۱۴)

---

[1] بخاری میں ہے "تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم (علیہ السلام) تم میں نازل ہوں گے لیکن تمہاری امامت تم میں سے ایک آدمی ہی کرے گا۔" (۴/ ۳۰۴' ۳۰۵)

[2] بخاری میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "بدترین خلقت وہ لوگ ہیں جو اس وقت زندہ ہوں گے جب قیامت آجائے گی۔" (۹/ ۶۱)

قیامت کبریٰ کا آغاز:

جب بارگاہِ ایز دی سے اس بھری پری کائنات اور دنیا کی زندگی کے اختتام کا فیصلہ صادر ہوگا تو باری تعالیٰ فنا کا صور پھونکنے کے لئے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیں حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں ایک پھونک ماریں گے۔ اس کی آواز ایسی خوفناک اور ڈراونی ہوگی کہ کائنات اور ایک ایک چیز لرز اٹھے گی۔ پھر ہر ہر چیز کا بند بند ٹوٹ جائے گا۔ زمین انتہائی تیز زلزلے[1] کی زد میں ہوگی۔ بڑے بڑے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ اور پھر ہر چیز ٹوٹ پھوٹ کر فنا اور برباد ہو جائے گی۔

قیامت کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ کشش ثقل کا مانا ہوا نظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ ستارے بے نور ہو کر جھڑ جائیں گے سورج کی روشنی جاتی رہے گی۔ ہر روشن چیز ماند پڑ جائے گی۔ تمام چیزیں اپنا وجود کھو دیں گی۔ اور آسمان کی چھوٹی بڑی ایک ایک چیز اس طرح پگھل[2] جائے گی جس طرح تانبا پگھل جاتا ہے۔ غرض کائنات نہ ہوگی۔ اور اس کی جگہ ہر طرف کہر، دھند، اور دھواں دھواں ہوگا جیسے تخلیق کائنات سے پہلے چاروں طرف کہر اور دھواں پھیلا ہوا تھا۔

---

[1] اور حضرت اِنسان جو اپنے آپ کو کائنات کا مختارِ کل سمجھتا ہے یہ شیخی بگھارنے اور اِترانے پر آتا ہے تو اپنے پیدا کرنے والے سے بھی آگے بڑھ جانے کی سوچتا ہے۔ یہ نحیف و ناتواں ذرہ بے مقدار جب اس ہولناک قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ اس کی گھڑ گھڑاہٹ کو اپنے کانوں سے سنے گا تو یقیناً اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ اس کی قوتِ تمیز جاتی رہے گی اس کے حواس مختل ہوجائیں گے اس کا دماغ مل جائے گا۔ اور اس کی حیثیت حقیر تتلی کی سی ہو جائے گی جو ہر قسم کے شعور اور سوجھ بوجھ سے خالی ہوتی ہے۔ پھر وہ ادھر ادھر دیوانہ وار مارا مارا پھرے گا۔ ہول اور دہشت سے غش کھا کر ایسا بن جائے گا جیسے نشہ میں ہے۔ حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوگا۔ اس دن دودھ پلانے والیاں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہوجائیں گے۔

[2] اس کا مصداق یہ آیت ہے۔

● — يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ○ (معارج:۸)

ترجمہ: ”اس روز آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوجائے گا۔“

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ○ (رحمٰن:۳۷)

ترجمہ: ”پھر جب آسمان پھٹ کر تلچھٹ کی طرح لال ہو جائے گا۔ (تو وہ کیسا ہولناک دن ہوگا۔“

تنبیہ: خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قیامت کبریٰ کی ایک ایک تفصیل کسی تکوینی نظریہ' عوامی کہاوت' یا افواہوں پر مشتمل نہیں۔ نہ غیبی' اور پوشیدہ خبریں دینے والے اس سلسلے میں کسی قسم کی خبر دے سکتے ہیں۔ انہیں یا کسی فردِ بشر کو قیامت کا ذرہ برابر علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ تمام تر اطلاعات محض وحی الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ جسے جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے اور آپ کے قلب اطہر پر اس کو منکشف کیا۔ اس لئے قیامت کا واقعہ اور اس کی ایک ایک علامت قطعی برحق اور درست ہے۔

کائنات کے اندر اور باہر جاری ہونے والے اس عظیم انقلاب کی کچھ الہامی تفصیل ذیل کی آیات میں وارد ہیں:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْئٌ عَظِيْمٌ' يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ○

(حج:۱'۲)

ترجمہ "اے لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب) سے ڈرو۔ بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑا ہی سخت ہوگا جس دن تم اس زلزلہ کو دیکھو گے تو اس دن تمام دودھ پلانے والی عورتیں دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔ اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے۔ اور تم لوگوں کو ایسی حالت میں دیکھو گے گویا وہ نشے میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب (بڑا ہی) سخت ہے۔"

● ـــ اَلْقَارِعَةُ' مَاالْقَارِعَةُ' وَمَآاَدْرٰكَ مَاالْقَارِعَةُ' يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ○ (القارعۃ:۱تا۵)

ترجمہ "وہ کھڑ کھڑا دینے والی چیز (یعنی قیامت) وہ کھڑ کھڑا دینے والی کیا ہے؟ اور تم کو معلوم ہے وہ کھڑ کھڑا دینے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ ایسے ہوجائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے' اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی روئی۔"

● ـــ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ' وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ' وَلاَ

يَسْئَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا' يُبَصَّرُوْ نَهُمْ يَوَدُّالْمُجْرِمُ لَوْيَفْتَدِىْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيْهِ' وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ' وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِى تُؤْيْهِ' وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ يُنْجِيْهِ' كَلَّآ اِنَّهَا لَظٰى ○ (معارج:۸ تا ۱۵)

ترجمہ "اس روز آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ اور پہاڑ (دھنکی ہوئی) رنگین روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ (حالانکہ) ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے۔ (اس روز) گنہگار یہ خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلہ میں (سب کچھ) دے دے۔ (یعنی) اپنے بیٹے اور اپنی بیوی' اور اپنے بھائی اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے آدمی زمین پر ہیں (غرض) سب کچھ (دے دے) اور خود کو عذاب سے چھڑا لے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ وہ آگ ہے۔"

● — اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا' وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا' وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ○ (زلزال:۱ تا ۳)

ترجمہ "جب زمین بڑے زور کے زلزلے سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے اندر کا سب بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ اور (یہ حالت دیکھ کر) انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے؟۔"

● — اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ' وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ' وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ○ (انفطار:۱ تا ۳)

ترجمہ "جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب دریا (اِدھر اُدھر) بہہ جائیں گے۔"

● — اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ' وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ' وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ' وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ' وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ' وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○ (تکویر:۱ تا ۶)

ترجمہ "جب آفتاب لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب

پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھٹی بھریں گی اور جب وحشی جانور (مارے گھبراہٹ کے) جمع ہو جائیں گے اور جب دریا بھڑکائے جائیں گے۔"

● ـــ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ‘ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ‘ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ‘ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا‘ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا‘ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ○

(واقعہ:۱تا۶)

ترجمہ "جب قیامت ہوگی۔ جس کے واقعہ ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔ تو وہ پست و بلند کردے گی جب کہ زمین سخت زلزلہ سے لرزنے لگے گی۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ پھر وہ غبار ہوکر اڑنے لگیں گے۔"

● پہلی زندگی کا خاتمہ اور نئی زندگی کا آغاز:

عالم آخرت کا ادراک: وہاں در پیش نئی زندگی کی معرفت اس کا آغاز: اور اس کے وجود میں آنے کی کیفیت کو اِنسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ البتہ جہاں تک عقل کی رسائی ہوتی ہے اِنسانی عقل اس کو محال نہیں عین ممکن سمجھتی ہے۔ اور یہ تسلیم کرتی ہے کہ اس دنیوی زندگی کی طرح بلکہ اس سے زیادہ بہتر اور ممتاز شکل میں ایک اور عالم برپا ہونے والا ہے۔ اور اس عالم کی زندگی اس زندگی سے بہتر اور زیادہ ترقی یافتہ ہوگی۔ اس لئے کہ جس مختارِ کل اور خلاقِ اعظم نے اس کائنات کو پیدا کیا۔ اس سے بہتر اور اعلیٰ وارفع عالم کی تخلیق اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اِنسانی عقل کی اس نارسائی کے بعد عالم آخرت کی تفصیل جاننے کے لئے وحی الٰہی پر کلی اِعتماد ضروری ہوجاتا ہے جو آسمانی کتابوں اور خدا کے پیغمبروں کی زبانی ہمارے سامنے موجود ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو ماخذ کے تحت جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام خدا کے حکم سے پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے اور جس کے بعد سارا عالم فنا ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے ـــ گذرا اس کے چالیس سال کے بعد ـــ اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ چالیس سال ہمارے دنیا کے شب و روز کی طرح ہوں گے یا ان کا شمار اس نظامِ شمسی سے ماورا

کسی اور نظام کے مطابق ہوگا۔ بہرکیف اس مدت کے بعد ـــ آسمان سے پانی برسے گا اور جس طرح بارش کے بعد زمین کے اندر دبے ہوئے بیج سے کلہ پھوٹتا ہے تمام اِنسان جسم کی ایک مخصوص چھوٹی سی ہڈی (پشت کی ہڈی) سے مثل سبزے کے اُگ جائیں گے۔

اس تخلیق اور نشوونما کے بعد جب اِنسانی جسم کا ڈھانچا مکمل ہو کر زمین کے اوپر ایستادہ ہوگا۔ اور اس کے اندر صرف روح کی کمی باقی رہے گی۔ (جس کے بعد ان کے اندر جان پڑے گی اور حرکت اور عمل شروع ہوگا) حکم خداوندی سے ان کے اندر روح پھونکی جائے گی۔ اور یہ روحیں وہی ہوں گی جنہیں دنیا کی زندگی میں ہر شخص کی موت کے وقت' موت کے فرشتے نے قبض کیا۔ پھر خدا کے حکم سے انہیں مخصوص مقام پر ودیعت کیا۔ چنانچہ پاک اور صالح ارواح کا مقام اعلیٰ علیین طے ہوا۔ جو اہل جنت کا نہایت اعلیٰ زُمرہ ہے۔ یہ مقام انہیں ان کے اِیمانِ راسخ اور عمل صالح اور شرک و معصیت سے کلی پرہیز کے نتیجے میں مرحمت ہوا۔ ناپاک اور بدارواح کو اسفل السافلین میں رکھا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے کفر اور معصیت کا ارتکاب کیا اور اپنے پیدا کرنے والے کی دل کھول کر نافرمانی کی۔ ان عارضی حفاظت گاہوں سے نکل نکل کر روحیں اپنے جسموں میں داخل ہوں گی۔ اور اس کنارے سے اس کنارے تک تمام اِنسان جیتے جاگتے اور زندہ و تابندہ ہو جائیں گے۔ پھر حق تعالیٰ کا منادی آواز دے گا۔ اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاؤ" اس آواز کو ہر کوئی سنے گا اور اس کا جواب دے گا۔ زمین پھٹ پڑے گی۔ اور جی اٹھنے کے بعد ہر کوئی اپنے آپ کو محشر میں کھڑا پائے گا۔

حشر ونشر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے تعلق سے مذکورہ بالا سچی اور خدا لگتی باتیں' قرآنِ پاک میں بکثرت وارد ہیں۔ احادیث میں جابجا اس کی تفصیل ملتی ہے۔ اور اس یقین کے ساتھ بار بار انہیں دہرایا گیا ہے۔ جس کا انکار یا جس کے بارے میں شک و شبہ کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ چند آیتیں اور حضور ﷺ کا ایک ارشاد پیش کیا جاتا ہے۔

● ـــ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ' وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً' فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ' وَانْشَقَّتِ

السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۭ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ○

(الحاقہ:۱۴تا۱۸)

ترجمہ "تو جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) اٹھائے جائیں گے۔ پھر وہ ایک دفعہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اس روز ہونے والی چیز ہو پڑے گی اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر اتر آئیں گے اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس روز تم سب لوگ اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ ہوگی۔"

● ــ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۙ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۙ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ○ (ق:۴۱تا۴۴)

ترجمہ "اور سنو کہ جس روز پکارنے والا پاس ہی سے پکارے گا اور جس روز سب لوگ یقیناً اس چیخ کو سن لیں گے (اور قبروں سے) نکلنے کا یہی دن ہوگا۔ بلاشبہ ہم جلاتے اور ہم ہی مارتے ہیں۔ اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین مردوں سے پھٹ جائے گی۔ (اور وہ) جھٹ پٹ (نکل کھڑے ہوں گے) یہ جمع کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔"

● ــ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○ (قمر:۶تا۸)

ترجمہ "جس دن بلانے والا ان کو ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں (اور) بلانے والے کی طرف دوڑتے ہوں گے کافر کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت ہے۔"

● — يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ، خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ، ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ○ (معارج:۴۳، ۴۴)

ترجمہ "وہ اس دن قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے گویا وہ کسی مقررہ نشانہ کی طرف دوڑتے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔"

● — فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا، قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ، قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا، يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (اِسراء:۵۱، ۵۲)

ترجمہ "وہ کہیں گے کہ ہم کو دوبارہ زندہ کون کرے گا تُم کہہ دو کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تُم کو پیدا کیا۔ یہ سن کر وہ لوگ (تعجب سے) تمہارے آگے سرہلائیں گے اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ تُم کہہ دو کہ عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تُم اس کی تعریف کرتے ہوئے اس' کی پکار کا جواب دو گے۔ اور ایسا خیال کرو گے کہ تُم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔"

صحیحین میں بالفاظِ مُسلم یہ روایت وارد ہے۔ "دو مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس کا فصل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا۔ چالیس دن کا فصل ہوگا؟ فرمایا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا چالیس مہینہ ہوگا؟ فرمایا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا۔ چالیس برس ہوگا؟ کہنے لگے مجھے اس سے انکار ہے ـــ اس کے بعد آسمان سے پانی اترے گا جس سے لوگ ایسے اُگیں گے جیسے سبزی اُگتی ہے۔ اِنسان کی ہر چیز سوائے ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے۔ وہ ہڈی دُم (پشت کے پاس) کی ہڈی ہے۔ قیامت کے دن مخلوق اسی

سے جوڑ کر اٹھائی جائے گی۔[1]

(اللؤلؤوالمرجان: ۳۱۵/۳، بخاری: ۱۵۸/۶، ۲۰۵، مسلم: ۲۱۰/۸)

حشر اور میدانِ قیامت کی سخت ترین پیشی:

حشر کیا ہے ــــ؟ دوسری زندگی کے بعد جملہ خلائق قبروں سے نکل کر ایک میدان میں اکٹھا ہوں گے۔ یہ قیامت کا میدان کہلائے گا۔ اور یہیں ان کی قسمت کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ اور ان کے کردار کی سزا یا جزا ملے گی۔ میدانِ حشر میں لوگ قبروں سے ننگے بدن ننگے پیر اور بغیر ختنہ کئے ہوئے اٹھیں گے اور جیسے حق تعالیٰ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○

(الانبیاء: ۱۰۴)

ترجمہ: ”جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے (یہ) وعدہ ہمارے ذمہ ہے۔ یقیناً ہم ایسا ضرور کرنے والے ہیں۔“

صحیحین میں حضور ﷺ سے منقول ہے کہ:

”قیامت کے دن سفید گیہوں کی روٹی جیسی صاف اور چپٹی زمین پر لوگوں کا حشر کیا جائے گا۔ اس زمین میں کسی کا نشان (علامت ریاست وغیرہ) نہ ہوگا۔“

(الفاظ مُسلم کے ہیں۔ ۱۲۸/۸، بخاری ۱۳۵/۸، اللؤلؤوالمرجان ۲۷۵/۳)

صحیحین کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

”قیامت کے دن لوگ برہنہ پا، برہنہ بدن اور بغیر ختنہ کئے اٹھیں گے۔“ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ مرد اور عورتیں سب اکٹھا ہوں گے تو

---

[1] راوی (حضرت ابوہریرہ) نے چالیس سے کیا مراد ہے۔ دن، مہینہ، یا سال؟ اس کی صراحت نہیں فرمائی ہے۔ لیکن دوسری روایتوں میں "سال" کی تعیین ملتی ہے۔ (شرح مُسلم النووی ۸۴۳/۵، مطبع شعب، تحقیق، عبداللہ احمد ابوزینہ)

ایک دوسرے کی طرف دیکھے گا۔ فرمایا: عائشہ! معاملہ اتنا سخت ہوگا کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔"

(الفاظ مُسلم کے ہیں۔ ۱۵۶/۸' اللؤلؤوالمرجان: ۱۹۴/۳' بخاری: ۱۳۶/۸)

خدا تعالٰی کے منکرین اور کفار اوندھے منہ بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا' مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ' كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا' ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًاءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا○

(بنی اسرائیل:۹۷)

ترجمہ "(اے پیغمبر) قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو اوندھے منہ 'گونگے' بہرے' (بنا کر) اٹھائیں گے۔ اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب کبھی (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے اُسے) اور بھڑکائیں گے۔ یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور یوں کہتے تھے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ہم از سرنو پیدا کرکے اٹھائے جائیں گے۔"

روایت میں ہے کہ:

"حضور ﷺ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے نبی (قیامت میں) کافر کو منہ کے بل کیوں کر چلایا جائے گا۔ فرمایا: جس ذات پاک نے اس کو دنیا میں دو پیروں سے چلایا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے۔ (بے شک وہ اسی پر نہیں بلکہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

(الفاظ مُسلم کے ہیں۔ مسلم: ۱۳۵/۸' بخاری: ۱۳۶/۷' اللؤلؤوالمرجان: ۲۸۲/۳)

اس روز آفتاب لوگوں سے بے حد قریب ہوگا۔ سورج کی تپش اور دھوپ سے محشر میں ایک اور قیامت برپا ہوگی۔ اور آدمی کا پسینہ ستر گز تک زمین پر پھیلا ہوگا۔ چنانچہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہتے ہیں۔

میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ قیامت کے دن آفتاب لوگوں سے اتنا قریب کر دیا

جائے گا کہ بقدر ایک میل کے رہ' جائے گا۔ اور لوگ اپنے اعمال کے بموجب پسینہ میں ہوں گے۔ کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا۔ کسی کے گھٹنوں تک ہوگا۔ کسی کی کمر تک۔ اور کسی کے منہ میں پسینہ کی لگام ہوگی۔ یہ کہتے ہوئے حضور ﷺ نے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا۔
(مسلم ۱۵۸/۸)

فصل مقدمات اور اس کے لئے شفاعت:

فصل مقدمات کیا ہے۔؟ فصل مقدمات۔! (معاملات کا فیصلہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ روز محشر جب تمام لوگ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے' ہر طرف نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اور خوف و دہشت اور اس عالم میں کھڑے رہنے کی مشقت سے ہر کوئی پریشان ہوگا تو سبھوں کی یہ خواہش ہوگی کی ہر شخص کے نیک یا بد جس قسم کے اعمال ہیں حق تعالیٰ ان سے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔ تاکہ ہر شخص اپنے نفس کی شرارت یا باطن کی پاکیزگی کا صلہ پائے۔ اور لوگ محشر کی سختی' اور دیر تک کھڑے رہنے کے عذاب سے نجات پا جائیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ' لِیَوْمِ الْفَصْلِ' وَمَآ اَدْرٰکَ مَایَوْمُ الْفَصْلِ' وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ○ (المرسلت:۱۵)

ترجمہ: "اور جب سب پیغمبر وقت معین پر جمع کئے جائیں گے۔ کس دن کے واسطے' ان امور میں دیر ہو رہی ہے۔ فیصلہ کے دن کے لئے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔"

پھر جوں جوں اِنتظار کی گھڑیاں طویل ہوگی۔ لوگوں کا اضطراب اور رنج ناقابل برداشت ہوتا جائے گا۔ اس لئے آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے۔ "کیا تم کو معلوم نہیں' تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تُم کو معلوم نہیں تمہارا غم اور بے چینی کہاں تک پہنچ گئی ہے؟ پھر وہ سفارش کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام معذرت کریں گے اور فرمائیں گے میرا پروردگار آج اتنا غضب ناک ہے کہ اس سے پہلے اتنا غضب ناک نہیں ہوا' اور نہ بعد کو کبھی ہوگا۔ مجھے اس نے درخت سے منع کر دیا تھا مگر میں نے اس کی نافرمانی کی' آہ نفسی نفسی! تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ لوگ ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح' حضرت

ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام، تمام پیغمبروں کے پاس جائیں گے۔ اور تمام پیغمبر معذرت فرمائیں گے اور یہی کہیں گے نفسی نفسی، پھرلوگ نبی آخرالزماں، سالارِ انبیاء حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائیں گے۔ میں کھڑا ہوں گا۔ پھر آپ چل کر عرش کے نیچے پہنچیں گے۔ اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بہترین حمد و ثنا آپ کے دل میں اِلقاء کرے گا۔ آپ اسی طرح سجدہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا۔ سر اٹھاؤ، سوال کرو، پورا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ آپ سر اٹھا کر عرض کریں گے۔ خدایا میری امت!! حکم ہوگا، تمہاری امت میں سے جن لوگوں پر حساب نہیں ہے ان کو جنت کے دائیں طرف والے دروازے سے داخل کرو۔ اور باقی دروازوں میں وہ اور لوگوں کے ساتھ بھی شریک رہیں گے[1] اس سفارش کے بعد بارگاہِ ایزدی سے حکم ناموں کا اجراء ہوگا۔ ہرایک کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا۔ میزانِ عدل قائم ہوگا اور (باقاعدہ) حساب کتاب ہوگا۔

حساب اور میزان:

بندوں کا حساب کتاب ان اعمال ناموں کے اندراج کے مطابق ہوگا جو میدانِ محشر میں ہر کسی کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ میدان میں کھڑا ہر شخص خواہ اَن پڑھ ہو یا پڑھا لکھا، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ لے گا۔ اعمال نامہ ملنے کی صورت بھی مختلف ہوگی۔ بعض کو سامنے سے دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملے گا۔ بعض کو پشت کی طرف سے بائیں میں ملے گا۔ اعمال نامہ کے اندراج پر پہلی نگاہ پڑتے ہی ہر شخص کو اپنا انجام نظر آجائے گا۔ اگر انجام نیک رہا تو اس کی خوشی، مسرت اور شادمانی کی کوئی حد نہ ہوگی اور وہ خوش خوش اپنا اعمال نامہ دوسروں کو دکھائے گا۔ اور اگر انجام برا ہوا تو اس کے حزن و ملال، رنج اور احساسِ ناکامی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔

قرآنِ پاک! از حد مسرت، اور حد سے زیادہ حسرت کے ان لمحات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

---

[1] محشر میں کھڑے ہونے کی سختی غم و اضطراب، اور شفاعت کی تفصیل صحیحین سے ثابت ہے شفاعت کی بحث میں یہ بیان گذر چکا ہے۔

● ـ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ‘ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا‘ وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا‘ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ‘ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا○ (انشقاق:۷ تا۱۲)

"پس جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ‘ میں دیا جائے گا اس سے آسانی سے حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا اعمال نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ موت کو پکارے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہوگا۔"

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ‘ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ‘ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ‘ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ‘ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ‘ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ‘ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ‘ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ‘ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ‘ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ‘ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ‘ مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ‘ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ‘ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ‘ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ‘ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ‘ اِنَّهٗ کَانَ لَایُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ‘ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ‘ فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ لَّایَاْکُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ○ (حاقہ۱۹ تا۳۷)

"تو جس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ دوسروں سے کہے گا کہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو‘ مجھ کو یقین تھا کہ میرا حساب پیش آنے والا ہے‘ غرض وہ پسندیدہ عیش (یعنی) بہشت بریں میں ہوگا۔ جس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔ (اور حکم ہوگا) خوب مزے سے کھاؤ پیو ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے کاش مجھ کو میرا اعمال نامہ نہ دیا جاتا۔ اور مجھ کو خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے‘ کیا اچھا ہوتا کہ موت میرا کام تمام کر چکی ہوتی‘ آج میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا میری سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی (فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو پھر دوزخ میں ڈال دو‘

پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو یہ نہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ فقیروں کے کھانا کھلانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نصیب ہے سوائے پیپ کے جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔"

نامۂ اعمال ملتے ہی انصاف کے ترازو کھڑے کئے جائیں گے اور ایک ایک کرکے ہر شخص حساب کے لئے آگے بڑھے گا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا حساب یعنی پیشی با آسانی ہوگی جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"قیامت کے دن جس کا حساب ہوگیا وہ عذاب میں پکڑا گیا' میں نے عرض کیا حضور ﷺ کیا خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ○ (انشقاق:۸)

ترجمہ "اس سے آسانی سے حساب لیا جائے گا۔"

فرمایا! یہ تو صرف پیشی ہوگی' قیامت کے دن جس سے پوری حساب فہمی ہوگی وہ عذاب میں پڑجائے گا" (متفق علیہ' الفاظ مسلم کے ہیں ۸/ ۱۶۴' اللؤلؤ والمرجان ۳/ ۲۹۹' بخاری ۱/ ۳۶)

اور جن کا سختی سے محاسبہ ہوگا اول ان سے گناہوں کے اعتراف کے لئے کہا جائے گا' اور چھوٹے بڑے تمام گناہ ان سے اُگلوائے جائیں گے' اگر انہوں نے سچ سچ کہہ دیا تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوگا' لیکن اگر انہوں نے دروغ گوئی سے کام لیا اور حقائق کو چھپانے کی کوشش کی' تب ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی' اور ان کے اعضاء کو گویائی عطا ہوگی' چنانچہ ہر عضو دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا' صاف صاف کہہ اٹھے گا' کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھے گا' یہ دیکھ کر مجرم اپنے اعضاء کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تم نے کیوں گواہی دی؟ قرآن پاک کی زبان میں اعضاء جواب دیں گے۔

اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ○ (فصلت:۲۱)

ترجمہ "ہم کو اس اللہ نے گویا کیا جس نے ہر (گویا) چیز کو گویائی دی۔"

اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

(نور:۲۴)

ترجمہ "جس دن ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان سب کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔"

نیز فرمایا۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (یٰسین:۶۵)

ترجمہ "آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے' اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے۔"

سوال و جواب اور پوچھ گچھ کی تمام کاروائی نہایت کشادہ اور کھلی جگہ پر ہوگی اسی میدان میں گواہوں کا ہجوم ہوگا' مجرموں کو کسی قسم کا عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی نہ ہی کسی کا عذر سنا جائے گا' اور اس وقت کی ذلت اور رسوائی کی کوئی حد نہیں ہوگی' جب آدمی دنیا میں جو کیا ہوگا' ایک ایک عمل کو اپنی آنکھوں سے ہوتا ہوا دیکھے گا' حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ' فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ' وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (زلزال:۶تا۸)

ترجمہ "اس دن لوگ مختلف ٹکڑیوں میں لوٹیں گے' تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی' وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بھی وہاں) دیکھ لے گا۔"

وزنِ اعمال کے لئے حد درجہ متوازی اور سچے ترازو استعمال کئے جائیں گے' ایک ایک عمل اس طرح پیش ہوگا کہ چھوٹا بڑا کوئی عمل نظرانداز نہ ہوگا' ہر ہر عمل میزانِ عدل میں رکھا جائے گا اور تولا جائے گا' اسی وزن پر بندوں کی سعادت اور بدبختی کا دارومدار ہوگا۔

اس حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○

(انبیاء:۴۷)

"اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی' اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے تنہا کافی ہیں۔"

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۙ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ (مومنون:۱۰۲تا۱۰۵)

"تو جن کے (نیک عملوں کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہی کامیاب ہونے والے ہیں' اور جن کے عملوں کے بوجھ ہلکے ہوں گے' وہ لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالا' وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے' دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی اور دوزخ میں ان کے چہرے بگڑے ہوں گے' کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں (ضرور سنائی جاتی تھیں) تو تم ان کو (سن کر) جھٹلاتے تھے۔"

پل صراط:

بالآخر پل صراط: اعمال کے وزن اور اس سے فراغت پانے کے بعد' کل خلائق میں سے نیک بخت الگ ہوں گے' اس کے لئے لامحالہ سبھوں کو پل صراط پر سے گذرنا ہوگا' یہ کس قدر ہلاکت خیز ہوگا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ اس کے پہلو میں تشریف فرما ہوں گے اور لوگ گذر رہے ہوں گے' اس وقت حضور ﷺ سے دعا کرتے ہوں گے کہ:

اے اللہ! سلامت رکھ' سلامت رکھ[1]

(مسلم ۱/۱۲۹، ۱۳۰)

[1] بخاری میں ہے۔ کہ تمام پیغمبر اس وقت یہ کہتے ہوں گے' اے اللہ سلامت رکھ سلامت رکھ (۱/۱۹۳، ۱۹۴) اللؤلؤ والمرجان ۲۲۴تا۲۲۲ مسلم میں ہے تمام پیغمبر اس وقت دعا کریں گے اے اللہ سلامت رکھ سلامت رکھ۔

ہر شخص پل صراط پر اس رفتار سے گذر جائے گا جیسا کہ دنیا میں اس کا عمل ہوگا' کوئی بجلی کی طرف پلک جھپکتے نہایت تیزی سے گذر جائے گا کوئی ان سے کم رفتار میں گذرے گا' القصہ نجات پانے والے گھٹنوں کے بل یا ہاتھ کے بل گھسٹ کر کسی نہ کسی طرح نجات پا جائیں گے' اور جن کو گرنا ہوگا' ذلت اور بربادی کے جہنم میں جا گرے گا'

حضور ﷺ نے صراط کا ذکر' شفاعت عظمیٰ' اور قیامِ محمود کی روایت میں کیا ہے جس کا حق تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

بالآخر لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں کھڑا ہوں گا اور مجھ کو شفاعت کی اجازت ملے گی' امانت اور رحم پل صراط کے دائیں بائیں کھڑے ہوں گے' پھر تم میں سے پہلا گروہ پل صراط سے بجلی کی طرح گذرے گا۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔) میں نے عرض کیا حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان' بجلی کی طرح گذرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ فرمایا' "کیا تم نے بجلی کو نہیں دیکھا ہے کہ ایک پل میں کس طرح گذر بھی جاتی ہے اور لوٹ بھی آتی ہے' پھر کچھ لوگ ہوا کی طرح گذریں گے' پھر پرندوں کی طرح گذرنے اور مردوں کی طرح تیز دوڑ کر نکل جائیں گے' (گذرنے کا یہ فرق) اعمال کے لحاظ سے ہوگا اس وقت تمہارا نبی پل صراط پر کھڑا رب سلم! سلم! کہتا ہوگا جب بندوں کے اعمال کمزور پڑ جائیں گے (اور گذرنا دشوار ہو جائے گا) تو اخیر میں آدمی سرین کے بل سرکتے ہوئے آئیں گے' پل صراط کے دونوں کناروں پر کچھ آنکڑے اور کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور حکم الٰہی کے تابع ہوں گے۔ جس کو پکڑنے کا حکم ہوگا اس کو پکڑ لیں گے۔ جس شخص کے صرف خراش لگ جائے گی وہ ناجی ہوگا اور بعض لوگ دوزخ میں گرا دیئے جائیں گے۔ (مسلم ۱/۱۲۹'۱۳۰)

● جنت اور جہنم کے درمیان پل:

کیا پل صراط کے علاوہ بھی کوئی پل ہوگا؟ کیوں نہیں' صاحب ایمان بندے جب پل صراط پر سے آگ سے محفوظ' سلامتی کے ساتھ گذر جائیں گے تو جہنم اور جنت کے درمیان ایک اور پل پر انہیں روکا جائے گا' تاکہ جنت میں جانے سے پہلے وہ آراستہ اور بغض و عداوت سے پاک

وصاف ہوں' یا دنیا میں ایک دوسرے پر جو حق تھا اس کی ادائیگی سے فارغ ہو جائیں تب انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا' اور وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پل کے متعلق روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے حدیث کا متن یہ ہے۔

"مومن بندے دوزخ سے نجات پاکر جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیئے جائیں گے اور دنیا میں جو ان میں سے کسی نے کسی پر ظلم کیا تھا' اس کا بدلہ دلایا جائے گا۔ یہاں تک کہ سب پاک و صاف ہو جائیں گے' اس وقت ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا' پس اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے' ان میں سے ہر ایک اپنی جنت کی جائے سکونت کو اپنے اس دنیا کے مکان کی نسبت اچھا پہچانے گا۔"

(بخاری:۸/۱۳۸'۱۳۹'۳/۱۵۸'۱۵۹)

دارالسلام:

حشر اور سزا و جزا کے عقیدے سے متعلقہ بحث کی تکمیل اور عقائد اسلام کے اہم رکن آخرت پر سیر حاصل گفتگو کے لئے سلامتی اور تباہی کے گھر[1] یعنی جنت اور جہنم کا بطور خاص تفصیلی جائزہ بہت ضروری ہے' تاکہ ہر دو کی حقیقت منکشف ہو جائے اور جنت کا کامیابی کے ساتھ حصول آسان ہو اور اس کی رغبت پیدا ہو اور جہنم سے بچنے کے لئے شرک اور خدا رسول کی معصیت سے پرہیز کرنا آجائے۔

ہر مومن بندہ جنت اور وہاں کے تذکرے سے اُنس رکھتا ہے اس لئے تلخیص اور اختصار کے بجائے تفصیل اور وضاحت سے کام لیتے ہوئے ہماری کوشش ہوگی کہ حشر اجساد اور جزائے اعمال کی بحث کے ضمن میں جنت کا مبسوط ذکر آجائے' جس میں جنت کی وسعت اس کے دروازوں نہروں خادموں نیز جنتیوں کے کھانے پانی اور وہاں کے رنگ رنگ کی آرائش و

---

[1] تباہی کے گھر سے جہنم مراد ہے ارشاد ہے۔

وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ ۝ (ابراہیم:۲۸'۲۹)

ترجمہ: "اور اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں اتارا یعنی دوزخ۔"

آرام کو ایک ایک کرکے بیان کیا جائے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کی تمام تر معلومات کا سرچشمہ صرف کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ ہے۔ کتاب اللہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے جنت اس کی راحتوں اور وہاں کے جملہ اسباب کو پیدا کیا۔ اہل جنت کو ہدایت و معرفت سے نوازا اور انہیں نیک عمل کی توفیق بخشی' اللہ کے رسول کی سُنت اس لئے کہ حضور ﷺ بنفس نفیس جنت میں تشریف لے گئے آپ کے قدم اس کے فرش و فروش اور وہاں کی سرزمین پر پڑے اور سدرۃ المنتہیٰ آپ کے زیرِ پا رہا' ارشاد خداوندی ہے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰی' وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى' عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰے ○ (نجم:۱۲تا۱۵)

ترجمہ "کیا جو کچھ انہوں نے دیکھا تم اس کے بارے میں ان سے جھگڑتے ہو اور انہوں نے اس کو ایک اور دفعہ بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس' اس کے پاس جنت کے باغات کا سلسلہ ہے۔"

● جنت کی کشادگی اور اس کی معطر فضائیں:

جنت کتنی کشادہ ہوگی؟ اس کی ہوائیں کیسی عطربیز ہوگی؟ آسمانوں اور زمین کی طرف جنت بے حد کشادہ ہوگی اور اس کی خوشبو سو سال کی راہ تک پہنچے گی۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (آلِ عمران:۱۳۳)

ترجمہ "اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین کے برابر ہے جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

"یقیناً جنت کی خوشبو ستر سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔"[1]

---

[1] نسائی جب کہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (۲۲/۸۰) ترمذی/۱۱ ابن ماجہ ۳۲' احمد ۲/۷۱/۵۰۲۷'۵۱ موطا جب کہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ ۲/۱۰۳۔

جنت کے دروازے:

جنت کے آٹھ[1] دروازے ہیں ایک دروازے کا نام "آلریان" ہے۔ یہ روزہ داروں[2] کے لئے خاص ہے ایک اور دروازہ حضور ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے' جو بے حساب جنت میں داخل ہوں گے[3]

جنت کے دروازے نہایت کشادہ اور بلند و بالا ہیں۔ اس کے ایک دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کی مسافت کے بقدر وسعت ہے۔ لیکن اس پر بھی فوج در فوج داخل ہونے والوں کے ہجوم سے بھری ہوگی۔ روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان دروازوں کی کڑیاں سرخ یاقوت کی ہوں گی' جو سونے کے تختوں میں جڑی ہوں گی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے فرماتے ہیں۔

جنت کے دروازوں کے دو کواڑوں کے درمیان چالیس سال کے بقدر وسعت ہوگی' لیکن اس پر بھی ایک دن ایسا آئے گا کہ ہجوم خلائق کی وجہ سے بھری ہوگی۔

(مسلم ۸/۲۱۵)

اہل جنت سے متعلق آپ نے مزید فرمایا:

جب وہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ دروازوں کی کڑیاں سرخ یاقوت کی ہیں۔ جو سونے کے تختوں میں جڑی ہوئی ہیں۔[4]

---

[1] مسلم: ۱/ ۱۴۴' ۱۴۵ بخاری: ۴/ ۱۴۵'

[2] اللؤلؤ والمرجان (۲/ ۱۹' ۲۰)

[3] اللؤلؤ والمرجان (۱/ ۴۹ ملک)

[4] ابن ابی الدنیا بیہقی' الترغیب و الترہیب ۴/ ۴۹۴' روایت موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کی باتیں رائے سے نہیں کی جاسکتیں۔

جنت کے دروازے پر:

جنت کے دروازے پر کیا ہے؟ جنت کے دروازے پر ایک بڑا درخت ہے۔ جس کی جڑ سے دو نہریں جاری ہیں۔ ایک نہر جنت میں آنے والوں کا مشروب ہے۔ جب کہ دوسری نہر

ان کی نظافت کے لئے استعمال ہوگی پہلی نہر سے سیراب ہونے کے بعد جنتیوں کے چہروں پر راحت اور تازگی کی لہر دوڑ جائے گی۔ اور پھر کبھی وہ پیاس کی شدت سے مغلوب نہ ہوں گے — قرآنِ پاک میں ہے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ○ (الدهر)

ترجمہ "اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

جنت کے دروازے پر ایک درخت ہوگا' اس کی جڑ سے دو نہریں جاری ہوں گی۔ پہلی نہر سے سیراب ہونے پر راحت و آرام کی تازگی ان کے چہرے سے عیاں ہوگی' دوسری نہر کے پانی سے ہاتھ منہ دھونے کے بعد ان کے بال کبھی پراگندہ نہ ہوں گے۔[1]

اہل جنت کا استقبال:

جنت میں داخلہ وقفہ وقفہ سے اور لگاتار ہوگا اور کبھی یہ بھی ہوگا کہ ہر دو داخلہ کے درمیان طویل فاصلہ ہوگا اس لئے کہ یہ روایت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ غریب مسلمان امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے' کیونکہ میدان محشر میں انہیں حساب کتاب کا نتیجہ جاننے کے لئے زیادہ طویل اِنتظار نہیں کرنا ہوگا۔ ان کے بالمقابل مالدار مسلمان حساب میں پھنسے ہوں گے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَاجَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ ○

(زمر:۷۳)

ترجمہ "اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے تھے۔ ان کو گروہ گروہ بنا کر جنت کی

[1] حافظ منذری لکھتے ہیں ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس روایت کو عاصم ابن حمزہ عن علی موقوفاً ذکر کیا ہے یہ روایت اصح اور نہایت مشہور ہے۔ الترغیب والترہیب ۴/ ۴۹۴ تا ۴۹۶

طرف روانہ کیا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائے گے اور جنت کے داروغہ ان سے کہیں گے اسلام علیکم تُم بہت اچھے رہے تو اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔"

صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

جنت کے اندر جو گروہ سب سے پہلے داخل ہوگا۔ ان کی صورتیں چودہویں کے چاند کی طرح ہوں گی' اور جو گروہ ان کے بعد جائے گا' ان کی صورتیں آسمان میں جگمگاتے تاروں کی سی ہوں گی جنتی نہ پیشاب پاخانہ کریں گے' نہ ناک سنکیں گے' نہ تھوکیں گے ان کی کنگھی سونے کی ہوں گی' ان کا پسینہ مشک کا ہوگا۔ ان کی انگیٹھیاں عود کی خوشبو والی ہوں گی' ان کی بیویاں بڑی بڑی غلافی آنکھوں والی حوریں ہوں گی سب کی عادتیں ایک سی ہوں گی' سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل کے ہوں گے' اور قد ساٹھ ہاتھ اونچا ہوگا۔

(الفاظ مُسلم کے ہیں ۱۴۶/۸' اللؤلؤوالمرجان: ۲۸۹/۳' بخاری: ۱۶۰/۴)

اہل جنت کے داخلے' ان کی ہیئت اور ان کی حسن صورت کا یہ تفاوت دنیا میں ان کی حسن کارکردگی' اور اعمال کی قلت اور کثرت پر ہوگا۔ اور یہ فرق ازروئے عقل بعید نہیں' اس لئے کہ دنیا میں جس طرح اِیمان راسخ اور عمل صالح کی وجہ سے نفس میں پاکیزگی' لطافت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی جسم و بدن کی خوبصورتی اور راحت و آرام کی فراوانی اسی روح کے تزکیہ کے نتیجہ میں میسر آئے گی اور روح میں یہ انقلاب محض دنیا میں بنے ہوئے ایمان اور اِختیار کئے گئے اعمال کا نتیجہ ہوگا۔

درِجنت پر اللہ کے ان مہمانوں کی پیشوائی کے لئے فرشتے آگے بڑھیں گے سب سے آگے رضوانِ جنت ہوں گے' جو جنت کے محافظ اور نگراں ہیں ان کے بعد وہ فرشتے آگے بڑھیں گے' جو جنت میں راحت رسانی اور آرام پہنچانے کے لئے مقرر ہوں گے' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَآئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ (انبیاء:۱۰۲)

ترجمہ "اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن ہے جس کا (انبیاء کی زبانی) تُم سے وعدہ کیا گیا تھا۔"

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِيْنَ ○
(زمر:۷۳)

ترجمہ "اور جنت کے داروغہ ان سے کہیں گے السلام علیکم تم بہت اچھے رہے تو اب اس جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔"

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار ○ (رعد:۲۳،۲۴)

ترجمہ "اور فرشتے ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا تو کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے۔"

جنت کے محلات اور ان کے درجے:

جنت کے محلات اور ان کے درجوں کی تفصیل کے لئے راقم اپنے ایک رسالہ اَلْجَنَّةُ دَارُالْاَبْرَارِ وَالطَّرِيْقُ الْمُوصِلُ اِلَيْهَا (جنت نیکوں کا ٹھکانا اور اس کے راستے) کے چند اقتباس نقل کرتا ہے۔

"درحقیقت جنت کے محلات کی توصیف اور ان کی کماحقہ، تعریف بیان کرنا کسی فردِ بشر کے لئے ممکن نہیں ہے۔ نہ وہاں کے آرام و آسائش اور اس جگہ کے اسباب کی نشاندہی کی جاسکتی ہے اور وہاں کی راحت اور لذتوں کو بالا ستیعاب کون بیان کرسکتا ہے۔ جو حق تعالیٰ کی طرف سے بارش کی طرح برستی ہوں گی۔" چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا، عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْآ اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا، اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ○انسان
۲۰ ۲۱ ۲۲

ترجمہ "اور بہشت میں جہاں بھی آنکھ اٹھاؤ گے تو کثرت سے نعمت اور عظیم الشان سلطنت دیکھو گے ان کے جسموں پر موٹے اوز باریک ریشمی کپڑے ہوں گے۔ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا

(اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے یہاں) مقبول ہوئی۔"

راقم نے اپنے رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"ہاں وہ ایک ہی ہستی ہے جو جنت سے متعلق ٹھیک ٹھیک معلومات فراہم کر سکتی ہے۔ یہ شخصیت حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اس لئے کہ یہ شرف محض آپ کو حاصل ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے ساتھ صرف آپ نے بحالت بیداری جنت کی سیر فرمائی۔ اور خواب میں بھی بار ہا آپ نے اس کا مشاہدہ کیا' اور یہ حقیقت ہے کہ نبیوں کے خواب بھی منجانب اللہ ہوتے ہیں اور وحی کی حقیقت رکھتے ہیں اس لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ جنت کی مبصر اس تنہا ذات گرامی نے کس طرح ایک ایسے شخص کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو سب سے آخر میں جنت میں داخلے کی سعادت پائے گا۔"

وہ شخص کہے گا' (پروردگار) مجھے ان لوگوں کے ساتھ شامل کر دے ___ پھر وہ کاندھا ہلاتا ہوا تیز تیز جنت میں داخل ہو گا' جب لوگوں کے نزدیک آئے گا تو اس کے سامنے موتی کا ایک محل پیش ہو گا' وہ وہیں سجدہ میں گر جائے گا' اس سے کہا جائے گا' سر اٹھاؤ' تمہیں کیا ہو گیا ہے کہو! وہ کہے گا' میں نے اپنے پروردگار کو دیکھ لیا' (وہ یہیں ہے) اس سے کہا جائے گا' یہ تمہارا ایک گھر ہے۔ اس کے سامنے ایک شخص آئے گا وہ پھر وہیں سجدہ میں گرنے لگے گا' وہ شخص اس کو روکتے ہوئے کہے گا' ٹھہر جاؤ! وہ کہے گا میں یہ سمجھا کہ تم ایک فرشتہ ہو' وہ کہے گا میں تمہارے خزانوں کا ایک محافظ اور تمہارا ایک خادم ہوں' محافظ آگے آگے چلے گا۔ اور اس کے لئے محل (کے دروازے) کھول دے گا' محل کیا ہو گا! ایک کھوکھلی موتی ہوگی' جس کے اندر ہی اندر تراش کر چھت دروازے تالے' اور کنجیاں سب اسی سے بنی ہوں گی' پھر اس کے سامنے اندر سے خالی سبز رنگ کا ایک ہیرا نظر آئے گا' وہ ایک ہیرے سے نکل کر دوسرے ہیرے میں پہنچے گا' ہر ہیرے کا رنگ جدا اور مختلف ہو گا تمام ہیروں کے اندر تخت' خوبصورت حوریں اور غلمان ہوں گی سب سے کم درجہ کی حوریں غلافی آنکھوں والی ہوں گی ہر بیوی پر ستر جوڑے کپڑے ہوں گے' ان کپڑوں میں سے ان کی پنڈلیوں کا گودا نظر آئے گا' حور کا جگر اس جنتی کا آئینہ ہو گا' اور جنتی کا جگر حور کے لئے آئینہ ہو گا جنتی جب بھی رخ پھیر کر اس کو دیکھے گا' اس کی آنکھوں میں ستر گنا حسن دوبالا پائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا' بیٹھو' وہ بیٹھ جائے گا' اور اس سے کہا

جائے گا کہ سو سال کی مسافت تک جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔[1]

پہلے عرض کیا گیا کہ اہل جنت میں باہم فرقِ مراتب اور درجہ بندی ان کے راسخ ایمان اور صالح اعمال کے لحاظ سے ہوگی' اس کی توثیق حضور ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

جنت والے اپنے اوپر بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق میں دور چمکتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے ہو' اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اہل جنت کے مراتب میں باہم تفاوت ہوگا' صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ (ﷺ) کیا وہ انبیاء کے درجات ہوں گے' جن پر کوئی اور نہ بیٹھ سکے گا۔ فرمایا کیوں نہیں' قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ وہ لوگ بھی ان درجات پر فائز ہوں گے جو خدا پر ایمان لائے ہوں گے' اور انبیاء کی انہوں نے تصدیق کی ہوگی۔

متفق علیہ اللؤلؤ والمرجان ۲۸۸/۳' بخاری ۱۴۵/۴' مسلم ۱۴۵/۸)

اسی کا مصداق قرآنِ پاک کی یہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَابِقُوْآ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (حدید:۲۱)

ترجمہ "(اے لوگو) تم اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور ایسی جنت کی طرف لپکو جس کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کی وسعت کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

---

[1] حافظ منذری لکھتے ہیں ابن ابی الدنیا' طبرانی اور حاکم نے ابن مسعود ؓ سے اس روایت کو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ طبرانی کا اسناد حدیث کا طریق صحیح ہے یہ روایت لفظ بلفظ طبرانی کی ہے حاکم نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ مسلم میں یہ روایت اسناد کے ساتھ درج ہے الترغیب والترہیب ۴/ ۵۰۳ تا ۵۰۶

خلد بریں کی سرزمین پر ایک نظر:

اپنے اس رسالہ میں آگے چل کر راقم نے زیر نظر عنوان کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ سرزمین جنت کے بارے میں ناظرین باتمکین کی کیا رائے ہوگی؟

کیا جنت کی زمین سفید یا سرخ مٹی کی ہوگی؟ کیا وہاں کی کنکریاں رنگ رنگ کے سنگریزے ہوں گے؟

کیا وہاں کی عمارتوں کی دیواریں انتہائی دلکش اور خوبصورت اینٹوں سے چنی ہوں گی؟ اور اینٹوں کو جوڑنے اور جمانے کے لئے استعمال کیا جانے والا گارا کیا سفید ریت کے ذروں اور چکنی ہری سیمنٹ کا آمیزہ ہوگا۔

غالباً عزیز قاری کو علم ہوگا کہ اس کا جواب بس وہی دے سکتا ہے جس نے جنت کا بغور مشاہدہ کیا ہو' اور کچھ لمحات وہاں کے بسر کئے ہوں اور یہ مغتنم ہستی رسالت مآب ﷺ کے علاوہ کوئی نہیں' چنانچہ صحابہ کرام کے ایک سوال (کہ بہشت کس چیز سے بنی ہے؟ اس) کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

سونے چاندی کی اینٹوں سے' ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی' اس کا گارا بڑی تیز خوشبو والی مشک کا ہے' اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت کی ہیں اس کی خاک زعفران کی ہے۔ جو بہشت میں داخل ہوگا وہ بڑے ناز و نعم میں رہے گا' تکلیف و تنگدستی اس کے پاس نہ پھٹکے گی' وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے اور نہ اس کی جوانی فنا ہوگی' (ترمذی جنت/۲ داری رقاق/۱۰۰' احمد ۲/۳۰۵' جامع الاصول ۱۰/۴۹۷' ابن حبان' طبرانی فی الاوسط۔

جنت کے درمیان ہیشگی کے باغات:

جنت کے تمام باغوں میں جنت عدن (ہیشگی کے باغات) کو خصوصی امتیاز اور فوقیت حاصل ہے' یہ امتیاز اس لئے کہ حق تعالٰی نے براہِ راست اپنے دست خاص سے انہیں پیدا فرمایا۔ نیز حضور ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے بتایا:

اللہ تعالٰی نے جنت عدن کو اپنے ــــ دست خاص سے پیدا فرمایا۔ اس کی ایک اینٹ سفید موتی کی ہے' ایک اینٹ سرخ یاقوت کی ایک اینٹ سبز زمرد کی' اس کا گارا نہایت

خوشبودار مشک کا ہے' اس کی گھاس زعفران کی ہے۔ اس کی کنکری' موتیاں اور اس کی مٹی عنبر ہے۔ اس جنت کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ نے اسے گویائی بخشی اور فرمایا' کہو! ان باغوں نے کہا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (مومنون:)

(اَلترغیب والترہیب ۴/ ۵۱۳ ۵۱۴)

ترجمہ "بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے۔"

تنبیہ : ایک بندۂ مومن کی طرح الحمد اللہ ہمیں بخوبی علم اور کامل یقین ہے کہ حق تعالیٰ کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔ زمین سے آسمان تک اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی تمام جہانوں کا پروردگار ہے' وہی پچھلوں اور اگلوں کا معبود ہے اس کے سوا کوئی بھی کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔

بنابریں خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے فلاں چیز اپنے دست خاص سے پیدا فرمائی' جیسا کہ حق تعالیٰ خود فرمایا ہے۔

مَامَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۝ (ص:۷۵)

ترجمہ "جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کر دیا۔"

یا ابھی ابھی حدیث شریف میں گذرا کہ حضور ﷺ نے عدن کے باغات سے متعلق خبر دی ہے کہ حق سبحانہ' تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ان کو پیدا فرمایا۔ ان تمام تر تخلیق کا مفہوم یہی ہے کہ عام کائنات سے ہٹ کر ان کی پیدائش نہایت امتیاز کے ساتھ ہوئی اور اس امتیاز کی حامل تمام مخلوقات کے لئے اس سے اونچا شرف کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ حق تعالیٰ نے کسی واسطہ کے بغیر براہِ راست انہیں پیدا فرمایا۔

اس حقیقت کی مزید وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ مثلاً حاکم وقت یا سلطان کسی محل کی تعمیر کا حکم دے اور وہ بن کر تیار ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ حاکم' یا بادشاہ نے محل بنوایا' جب کہ حاکم یا سلطان نے اپنے ہاتھ سے محل کی تعمیر نہیں کی' صرف تعمیر کا حکم دیا کبھی بانی کی سرپرستی اور اس کے تصرف میں ہونے والے ہر امکانی عمل سے متعلق بھی یہی کہا جاتا

ہے کہ اس نے بنایا۔ جیسے سربراہِ مملکت سنگ بنیاد رکھنے کے لئے اپنے ہاتھ سے پتھر اٹھا کر بنیاد میں رکھتا ہے تب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ سربراہ نے سنگ بنیاد رکھا اور اپنے ہاتھ سے رکھا یہاں مجاز کی وہ صورت مراد لی جاتی جس میں کاروائی کسی ذریعہ یا سبب سے انجام پائی ہو'

بس اسی طرح بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کسی واسطہ کے بغیر اپنے دست خاص سے بنایا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی طرح اللہ تعالیٰ نے جنت کے ان ہمیشہ رہنے والے باغات کو بطور خاص پیدا فرمایا۔ اور ان کی طرح قرآنِ پاک اور احادیث مقدسہ میں جن کی تخلیق کا ذکر اس طرح وارد ہے' اس سے مراد یہی حقیقی معنی ہیں۔ ان مواقع پر مجاز کا گذر نہیں' نہ ان کا کوئی فائدہ ہے۔

● جنت کے خیمے اور بازار:

حسب ارشاد باری تعالیٰ ــــ

جنت میں وہ چیزیں ملیں گی جن کو جنتیوں کا دل چاہے گا' اور جن سے ان کی آنکھوں کو لذت ملے؛ ان کی ہر مانگ پوری ہوگی' اور جو وہ طلب کریں گے اپنے سامنے پائیں گے' جنت کے اندر وہ دائمی راحت اور عظیم المرتبت آسائش و آرام ہوگا' جس کو نہ کسی آنکھوں نے دیکھا ہوگا' نہ کانوں سے سنا ہوگا نہ کسی فردِ بشر کے دل میں اس کا خیال ہی آیا ہوگا۔ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں' جن کو نہ کسی آنکھوں نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' نہ کسی اِنسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔"

(مسلم: ۸/ ۱۴۳' بخاری: ۴/ ۱۴۳' اللؤلؤ: ۳/ ۲۸۶)

نیز باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَاعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ' اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيَاتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ' اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ' يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ' وَفِيْهَا مَاتَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ

الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (زُخرف:۶۸تا۷۲)

ترجمہ "میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے (یعنی) وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اور تمہاری بیویاں عزت اور احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ' ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی جن کو ان کا جی چاہے گا اور جن سے آنکھوں کی لذت ہوگی اور (اے جنت والو) تم یہاں ہمیشہ رہو گے اور یہ جنت جس کے تم مالک کر دیئے گئے ہو تمہارے نیک اعمال کا صلہ ہے۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ. نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○

(فصلت:۳۰'۳۱)

ترجمہ "بلاشبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (اس پر) ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اتریں گے۔ (اور کہیں گے) نہ خوف کرو اور نہ رنجیدہ ہو۔ اور جنت (کے ملنے پر) خوش رہو۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ (اور) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق رہیں گے اور آخرت میں بھی اور جس چیز کو تمہارا جی چاہے جنت میں تمہارے لئے موجود ہے۔ اور نیز اس میں تمہارے لئے جو مانگو موجود ہے' یہ اللہ بخشنے والے مہربان کی طرف سے تمہاری میزبانی ہے۔"

جنت میں جسمانی اور روحانی راحت و آرام کی جس قدر فراوانی ہوگی' ان کو دیکھتے ہوئے ان کے اندر خیموں اور بازاروں کا پایا جانا کوئی بعید از امکان یا تعجب کی بات نہیں' اس لئے جنت کے محلات کی طرح وہاں کے خیموں میں بھی اسباب کی بہتات ہوگی' جنت کی طرح وہاں کے بازاروں میں بھی خوشی و مسرت اور باہمی تعارف کا سامان ہوگا' ذیل میں اس موضوع

سے متعلق اپنے رسالہ "جنت نیکوں کا ٹھکانا" کا ایک اقتباس اس کے ذیلی عنوان کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

● خیموں میں:

جنت میں خیموں کا وجود ناممکن نہیں' اور کیوں نہ ہو جب کہ جنت کو بنانے اور بسانے والے کا ارشاد ہے۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ ○ (رحمٰن)

"یعنی حوریں جو خیموں میں رہتی ہوں گی۔"

اور اگر ان خیموں سے متعلق یہ سوال دل میں چٹکیاں لے رہا ہو کہ ان خیموں کی شکل کیا ہوگی' ان کی نوعیت' ان کا مادۂ تعمیر' اور ان کی آرائش و زیبائش کس حد تک ہوگی۔؟

اس کا جواب بھی رسالت مآب ﷺ سے زیادہ صحیح اور درست کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے فرمایا۔

جنت کے اندر مومن کے لئے ایک کھوکھلے موتی کا خیمہ ہوگا' جس کی بلندی (آسمان کی طرف) ساٹھ میل ہوگی' (اور چوڑائی بھی ساٹھ میل ہوگی) مومن کے متعلقین اس کے اندر رہیں گے' مومن اس کا چکر لگائے گا' اور آپس میں کوئی کسی کو نہ دیکھ سکے گا[1]

رہے جنت کے بازار تو ان سے متعلق مذکورہ رسالہ میں آگے چل کر میں نے لکھا ہے:

سبحان اللہ! کیا جنت میں بازار بھی ہوگا! جواب میں یہ کہ کیوں نہیں! ضرور ہونا چاہئے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے ثابت قدم مومن بندوں کی شان میں فرمایا ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (فصلت:۳۱)

"اور جیسی چیز کو تمہارا جی چاہے جنت میں تمہارے لئے موجود ہے۔ اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔"

---

[1] مسلم ۱۴۸/۸' ۱۴۹ قوس کی زائد عبارتیں مسلم کی دوسری روایتوں میں موجود ہیں' بخاری میں یہ روایت باب صفۃ الجنۃ کے تحت مذکور ہے ۴۳۲/۳۰' اللؤلؤ ۲۸۹/۳)

مومن بندوں کے لئے جنت کے اندر بازارروں کی طرف میلان کوئی عجیب بات نہیں۔ بالخصوص حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر مردانِ باخدا کیلئے' جو دنیا کی زندگی میں بازار جایا کرتے تھے' اور کثیر منافع سے ہمکنار ہوتے تھے' ان کی تجارت صداقت اور امانت کا مرقع ہوتی تھی اور انہیں بیش از بیش نفع بھی ملتا تھا۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ اہل جنت کو کبھی بازاروں کی سیر کا دل چاہے' اور وہ حق تعالیٰ سے دعا کریں جس کے نتیجہ میں باری تعالیٰ ابدی ٹھکانے میں بازار لگائے' اور جنتی اس سے مستفید ہوں'

امام مُسلم رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ اس روایت میں جنت کے بازار کا ذکر ملتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنت میں ایک بازار ہے جس میں ہر ہفتہ میں جنت والے جائیں گے' اور شمالی ہوا چلے گی' جو خوشبو وغیرہ اڑا کر ان کے چہروں اور کپڑوں پر لا کر ڈالے گی۔ اس سے ان کے حسن و جمال میں اور اضافہ ہوگا' جب وہ اپنے متعلقین کے پاس واپس آئیں گے تو متعلقین کہیں گے خدا کی قسم ہمارے بعد تو تمہارے حسن و جمال میں اور اضافہ ہوگیا وہ کہیں گے بخدا تمہارا حسن و جمال بھی تو ہمارے بعد اور بڑھ گیا۔

(مسلم:۱۴۰/۸)

● جنت کی نہریں اور درخت:

رسالہ مذکورہ میں اس عنوان کی ضمن میں راقم نے لکھا ہے۔

"عزیز قاری" آؤ ہم ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے جنت کی نہروں اور درختوں کے گرد کچھ دیر چہل قدمی کرلیں اور قیامت سے پہلے گھڑی بھر کے لئے (عالم خیال میں سہی) وہاں کی لذتوں سے لطف اندوز ہولیں۔

آؤ ہم تم ان راحتوں کی طرف بڑھے چلیں' ان چاروں نہروں کی سیر کرتے چلیں' جو درحقیقت جنت کی تمام نہروں کا سرچشمہ ہے۔ یہ چار نہریں ہیں پانی کی نہر' دودھ کی نہر' شراب کی نہر' اور شہد کی نہر' چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَارٌ مِنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ' وَاَنْهَارٌ مِنْ لَّبَنٍ لَمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَلَهُمْ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ ○ (محمد)

ترجمہ "اس جنت کی حالت جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں ایسے (عمدہ) پانی کی نہریں ہیں جو بو کرنے والا نہیں اور (اس میں) دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے اور صاف شہد کی نہریں بھی ہیں۔ اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں۔"

ان بڑی نہروں میں ایک نہر کوثر ہے۔ اور کچھ خبر بھی ہے کہ نہر کوثر کیا ہے ـــ؟

حق تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو بطورِ خاص یہ نہر مرحمت فرمائی ہے۔ یہ جنت کی نہایت عظیم الشان اور خوب تر نہر ہے قرآنِ پاک میں اس نہر کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ (کوثر:۱،۲)

ترجمہ "(اے پیغمبر!) ہم نے تم کو کوثر ـــ عطا فرمائی ہے۔ تو (اس کے شکریہ میں) اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔"

اس نہر کے کچھ اوصاف اس روایت میں ہیں' جس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

"ایک دن میں جنت میں جارہا تھا' تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی' جس کے کناروں پر موتیوں کے گنبد بنے ہوئے تھے' میں نے کہا' اے جبرئیل' یہ کیا ہے' کہا کہ کوثر ہے' وہ کوثر جو اللہ نے آپ کو عنایت کیا ہے یہ کہہ کر فرشتہ نے (نیچے) ہاتھ ڈالا تو اس کی کیچڑ نہایت خوشبودار مشک کی تھی۔"

(بخاری ۱۴۹/۸)

نیز ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں' موتی اور یاقوت کے اوپر سے بہتی ہے' اس کی مٹی مشک سے بہتر' اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں' اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

(الترہیب والترغیب ۵۱۷/۴' ترمذی ۸۴/۶)

اب ہم نہروں سے درختوں کی طرف آتے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اصح اور باریک بینی پر مبنی روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جنت میں ایک درخت ہے۔ اس کی چھاؤں میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا' پھر بھی اس کو طے نہ کر سکے گا۔ تم چاہو تو ایک آیت پڑھ لو۔

وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ○

ترجمہ "اور لمبے لمبے سائے۔ اور بہتے ہوئے پانی اور بہت سے میوے رہیں گے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے کوئی روکے گا اور اونچے فرش ہوں گے۔"

(بخاری ۶/ ۱۸۳' مسلم ۸/ ۱۴۴' اللؤلؤ ۳/ ۲۸۷' واقعہ ۳۰ تا ۳۴' ترمذی ۷/ ۲۰۹)

اس سایہ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' الظل الممدود جنت کے ایک درخت کا سایہ ہے۔ اس کے تنے کے سائے میں چاروں طرف تیز رفتار سوار چلنا چاہے تو سو سال تک چلتا رہے۔ بالا خانے والے اور اہل جنت نکل نکل کر اس کے سائے میں آئیں گے' اور آپس میں باتیں کریں گے' ان میں سے بعض کی خواہش ہوگی' اور وہ دنیا کے تماشوں کا تذکرہ کریں گے' حق تعالیٰ جنت سے ایک ہوا بھیجے گا' جس سے اس درخت میں حرکت پیدا ہوگی' اور دنیا میں جس قدر تماشہ ہوتے تھے' ایک ایک کرکے اس درخت سے رونما ہوں گے'

(ترمذی' الترہیب' والترغیب ۴/ ۵۲۰)

نیز فرمایا:

جنت کے کھجوروں کا تنہ سبز زمرد کا ہوگا' اس کی ٹہنیاں سرخ سونے کی ہوں گی' اس کی پتیاں جنتیوں کا لباس ہوں گی' اسی سے ان کی پوشاک اور جوڑے تیار ہوں گے اس کے پھل مٹکوں کی طرح اس کے پانی کا ڈول دودھ سے زیادہ اُجلا' شہد سے زیادہ شیریں مکھن سے زیادہ ملائم ہوگا اس کے پھلوں میں گٹھلیاں نہ ہوگی۔

(حاکم' الترغیب' ۴/ ۵۲۴' حاکم ۲/ ۷۶)

● جنت کی خورد و نوش:

بعض فلاسفر اور نصاریٰ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ جنت کی راحت محض روح کو میسر ہوگی' جسم ان سے مستفید نہ ہوگا۔ یہ تخیل انتہائی لغو' اور بے بنیاد ہے۔ خصوصاً اللہ اور اس کے رسولوں کی سچی تعلیمات سے باخبر آدمی کبھی یہ سوچ نہیں سکتا' ذیل میں عقل و نقل پر مشتمل

چند دلائل عقیدۂ برحق کی تائید اور حمایت ـــ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ روحیں راحت و آرام سے اسی صورت بہرہ ور ہو سکتی ہیں' جب وہ مناسب قالب اور جسم سے وابستہ ہوں' اس لئے اس میں شک نہیں کہ شہداء کو راحت و آرام سے نوازنے کے لئے حق تعالیٰ ان کے لئے مخصوص جسم پیدا فرمائے گا' یہ روحیں ان جسموں میں پیوست ہوں گی' اور عالم برزخ میں جس قدر راحت اور آسائش ان کے لئے مقدر ہوگی' وہ اس سے مستفید ہوں گی چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹ میں رہتی ہیں' جنت میں ادھر ادھر چگتی ہیں۔ اور عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں'

(ذہبی ۲/۲۹۷' ۲۹۸) مسلم کے الفاظ اس کے قریب ہیں' (۶۰/۳۸' ۳۹)

باری تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق بھی یہی ہے' فرماتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (آلِ عمران:۱۶۹' ۱۷۰)

"اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے نہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق (بھی) مل رہا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس سے خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے اور (شہید ہو کر) ان میں شامل نہ ہوسکے ان کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

۲۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آج اس دنیا میں جس طرح انسانوں کو پیدا کیا' انہیں روزی دی' اور انواع و اقسام کی راحت و آسائش سے نوازا کھانے پینے کے لئے لذیذ اور اعلیٰ اقسام کی خورد و نوش کی چیزیں' پہننے کے لئے ایک سے بڑھ کر ملبوسات' رہنے کے لئے آرام دہ مکانات' آمدورفت کے لئے نت نئی بے شمار سواریاں جس طرح مرحمت فرمائیں۔

دوسری دنیا میں ان سے بہتر اور عمدہ چیزوں کا مہیا کرنا اس کے لئے چنداں دشوار نہیں ہے۔

۳۔ ادنیٰ ہوش رکھنے والا بھی بقا کے بدلے فنا کو کبھی پسند نہیں کرتا' نہ ہی دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی باقی اور ہمیشہ کی زندگی پر ترجیح دینا گوارا کرے گا۔

اس لئے یہ کوئی معقول بات نہیں کہ دنیوی زندگی کی راحتیں مادی بھی ہوں اور روحانی بھی اور عالم آخرت کی راحتیں محض روحانی ہوں' جب کہ دنیا کی زندگی' زیادہ تنگی' درشتی' گندگی اور فنا ہو جانے والی ہے اس کے بالمقابل آخرت کی زندگی بیحد کشادہ' پاکیزہ' اور لافانی ہے۔ علاوہ ازیں اس دنیا کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس کو برزخ کی زندگی کہا جاتا ہے۔ روایات شاہد ہیں کہ اس زندگی میں جسم اور جان کا رشتہ استوار رہتا ہے۔ جسم فنا ہو جاتا ہے' لیکن روح قبر سے اس طرح منسلک ہوتی ہے جیسے ریڈیو کا تعلق اس کے اسٹیشن سے قائم رہتا ہے۔ چنانچہ جو جب چاہے ریڈیو آن کرکے اسٹیشن سے خبریں سن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں آتا ہے کہ کوئی زائر جب قبر پر آکر سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔[1]

یہ اور اس قبیل کی بے شمار عقلی دلیلیں اس موضوع پر دی جاسکتی ہیں۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کے قرارِ واقعی ارشادات کے مقابلے میں ان دلائل کی وہ حیثیت نہیں' اصل تو بس اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات ہیں۔ اور یہ صحیح اس لئے بھی ہے ــــ کہ اللہ اور اس کے رسول کی شہادت سے بڑھ کر کسی کی شہادت نہیں ہوسکتی جب کہ حق تعالیٰ تمام جہانوں کی طرح اس جہان کا بنانے والا ہے۔ اور حضور ﷺ نے بچشم خود اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

مومن اور پرہیز گار بندوں پر اپنی نوازش اور مہربانی کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[1] جو شخص اپنے کسی شناسا کی قبر سے گذرے اور اسے سلام کہے' تو حق تعالیٰ اس کی روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اضواء البیان (۳۳۹/۶)

يَاعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيَاتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ أَكْوَابٍ وَّفِيْهَامَا تَشْتَهِيْهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّالْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِنْهَا تَاكُلُوْنَ ○

(زُخرف:۶۸تا۷۳)

ترجمہ: ”میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تُم غمگین ہوگے (یعنی) وہ بندے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار تھے (ان سے کہا جائے گا کہ) تُم اور تمہاری بیویاں عزت اور احترام کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ! ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور گلاس لائے جائیں گے اور وہاں ان کو وہ چیزیں ملیں گی' جن کو ان کا جی چاہے گا' اور جن سے آنکھوں کو لذت ہوگی' اور (اے جنت والو) تُم یہاں ہمیشہ رہو گے' اور یہ جنت تُم جس کے مالک کر دئے گئے ہو تمہارے نیک اعمال کا صلہ ہے (اور) تمہارے لئے اس میں بہت سے میوے ہیں جن کو تُم کھاؤ گے۔“

اہل جنت کی آسائشوں کا آپ نے جس طرح مشاہدہ کیا' اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

”جنتی جنت کے اندر کھائیں گے' پئیں گے' مگر نہ تھوکیں گے' نہ سنکیں گے' نہ پاخانہ کریں گے' نہ پیشاب کریں گے' صحابہ نے عرض کیا پھر کھانا کہاں جائے گا' فرمایا ڈکار اور پسینہ ہو جائے گا' پسینہ میں مشک کی خوشبو ہوگی ان کو (فطری طور پر تسبیح و تحمید کا الہام ہوگا' جس طرح (طبعی طور پر) لوگوں کو سانس لینا بتایا گیا ہے۔“ (مسلم ۱۴۷/۸' بخاری ۱۴۳/۴)

نیز فرمایا:

”سب سے ادنیٰ درجہ کے جنتی کا یہ حال ہوگا' کہ اس کے سرہانے دس ہزار خدام ایستادہ ہوں گے' ہر ایک کے ہاتھ میں سونے اور چاندی کا ایک ایک پیالہ ہوگا جو رنگ (کا کھانا) ایک میں ہوگا دوسرے میں اس سے مختلف رنگ کا ہوگا' لیکن پہلے اور دوسرے کی لذت' اور خوشبو یکساں ہوگی' یہ خوشبو تیز مشک کی ہوگی وہ (جنتی) نہ پیشاب کریں گے' نہ پاخانہ کریں گے' نہ

ان کے رینٹ نکلے گی۔"

(ابن ابی الدنیا' طبرانی' الترغیب والترہیب ۵۰۸/۴)

مذکورہ بالا اس ایک روایت پر بس نہیں' ہمارے سامنے دسیوں آیات اور احادیث ایسی موجود ہیں' جو اہل جنت کی آسائش اور ان کے ایک ایک آرام کو صاف صاف بیان کرتی ہیں' اور صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہیں کہ وہاں کی راحتیں جسمانی اور روحانی ہردو قسم کی ہوں گی' نیز یہ بھی کہ وہاں کی راحتیں خورد و نوش کی حد تک محدود نہ ہوں گی' بلکہ پوشاک' آرائش و زیبائش اور نشست و برخاست کی اعلیٰ سہولتیں فراہم ہوں گی' خوبصورت بیویوں سے ملاطفت' نازونعم' گھوڑے کی سواری' ایک دوسرے کی زیارت' اور باہم ملاقات غرض ہر قسم کی راحت نصیب ہوگی۔

ذیل میں زیورات اور پوشاک سے متعلق چند آیات اور روایات ذکر کی جاتی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ○ (الحج:۲۳'۲۴)

ترجمہ "بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں اللہ (بہشت کے ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائیں جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور (یہ اس وجہ سے کہ) ان کو (دنیا میں) کلمہ طیبہ کی طرف ہدایت ہوگئی تھی۔"

● تخت اور مسہریاں:

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ' اُوْلٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ' فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ' ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ' وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ' عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِيْنَ ○ (واقعہ:۱۰تا۱۶)

ترجمہ "اور آگے نکل جانے والے سب سے آگے ہیں یہی لوگ (اللہ کے ساتھ خاص

قرب رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ نعمت کے باغوں میں ہوں گے وہ اگلے لوگوں میں بہت سے ہوں گے' اور پچھلے لوگوں میں سے تھوڑے وہ جڑاؤ تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔"

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا وَّدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ○ (دھر:۱۲تا۱۴)

ترجمہ "اور ان کے صبر کے بدلے ان کو بہشت کے باغ اور ریشم کا لباس عطا فرمائے گا' ان میں وہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں نہ وہ دھوپ کی (تیزی) دیکھیں گے' اور نہ سردی کی (شدت) اور درختوں کے سائے ان پر جھک جھک پڑیں گے' اور ان کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے۔"

عورتیں:

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ○
(صافات:۴۸'۴۹)

ترجمہ "اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی (اور) بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اور اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت زمین پر جھانکے' تو تمام زمین روشن ہو جائے' اور آسمان و زمین کے درمیان میں اس کی خوشبو پھیل جائے' اور جنتی عورت کی فقط ایک اوڑھنی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(بخاری کے الفاظ قریب قریب یہی ہیں' ۲۰/۴'۲۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اگر اہل جنت کی ایک عورت جھانک کر دیکھ لے تو زمین مشک کی تیز خوشبو سے بھر جائے' اور چاند سورج کی روشنی ماند پڑ جائے'

جنت کے نغمے:

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"جنت میں بڑی بڑی غلافی آنکھوں والی حوروں کے لئے ایک جگہ مقرر ہے جہاں یہ سب جمع ہوں گی' اور سب مل کر ایسی شیریں اور سریلی آواز سے گائیں گی کہ مخلوق نے اس کی مانند آواز بھی کبھی نہ سنی ہوگی وہ کہیں گی۔"

نَحْنُ الْخَالِدَاتُ' فَلَا نَبِيْدُ! وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَس'! وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ' فَلَا نَسْخَطْ! طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهٗ! ○

ترجمہ "ہمیشہ رہنے والی ہم ہی ہیں' ہم ہلاک نہ ہوں گی' نازو نعمت میں رہنے والی ہم ہی ہیں' ہم آزردہ نہ ہوں گی' راضی رہنے والی ہم ہی ہیں' ہم کبھی غصہ نہ ہوں گی' اس کا کیا کہنا جس کی ہم ہی ہیں' اور جو ہمارا ہے۔"

(بیہقی' ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے۔ الترغیب والترہیب ۴/ ۵۳۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

"جنت میں ایک نہر ہے' جو جنت کی لمبائی تک چلی گئی ہے' اس کے کنارے آمنے سامنے کنواری لڑکیاں صف بستہ کھڑی نہایت خوش الحانی کے ساتھ (جس کو خلائق نے سنا بھی نہ ہو گا) گاتی ہوں گی' ان لڑکیوں کی نظیر جنت میں بھی نہ ہو گی (حدیث کے راوی) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا' وہ نغمہ کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا: خدا نے چاہا تو تسبیح' حمد باری' تقدیس' اور ثناء خداوندی ان کا نغمہ ہو گا۔"

گھوڑے اور ان کی سواریاں:

روایتوں میں ہے کہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن ساعدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور ﷺ مجھے گھوڑا بہت پسند ہے۔ کیا بہشت میں گھوڑے بھی ہوں گے' آپ نے فرمایا' اگر تم بہشت میں داخل ہوئے تو یاقوت کا ایک گھوڑا تمہارے پاس آئے گا' اس کے دو بازو ہوں گے' اس پر تمہیں سوار کیا جائے گا' اور تم جہاں چاہو گے' وہ تمہیں اڑا لے جائے گا۔

(طبرانی' اس کے راوی ثقہ ہیں' الترغیب ۴/ ۵۴۵)

جنت میں ایک درخت ہے' اس کے اوپر سے پوشاک اور نیچے سے سنہرے گھوڑے برآمد ہوں گے' ان کی لگام اور زین موتی اور یاقوت کی ہوگی' وہ نہ لید کریں گے' نہ پیشاب کریں گے' ان کے بازو ہوں گے' ان کا ایک قدم حد نظر تک جائے گا' اہل جنت ان پر سوار ہوں گے۔ اور جہاں وہ چاہیں گے گھوڑے انہیں لے کر پرواز کریں گے۔

(ابن ابی الدنیا' الترغیب والترہیب ۵۴۴.۵)

زیارت اور باہم ملاقات:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"اہل جنت جنت میں داخلہ کے بعد اپنے بھائی جنتیوں سے ملاقات کرنا چاہیں گے' ملاقات کا خیال آتے ہی ہر دو مشتاقِ زیارت کے تخت ایک دوسرے کی طرف بڑھیں گے تاآنکہ ایک جگہ اکٹھا ہو جائیں گے' دونوں گاؤ تکیہ لگائے ایک دوسرے سے کہیں گے' تمہیں یاد ہے' اللہ تعالیٰ نے کب ہماری مغفرت قبول کی تھی؟ دوسرا جنتی کہے گا۔ (کیوں نہیں!) فلاں دن فلاں حالت میں ہم نے دعا کی تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخش دیا۔"

(ابن ابی الدنیا' بزاز ' الترغیب والترہیب' ۴/ ۵۴۳)

جنت کی سب سے بڑی نعمت اور نعمتوں کا تکملہ:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

جب اہل جنت' جنت میں رہنے لگیں گے' تو فرشتہ آکر ان سے کہے گا' اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم اس کی زیارت کے لئے اکٹھا ہو جاؤ' جنتی اکٹھا ہو جائیں گے' اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے کہیں گے' وہ (اپنی مخصوص لحن کے ساتھ) خدا کی حمد و ثناء پڑھیں گے' پھر بہشت کا دسترخوان بچھایا جائے گا۔ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا__ بہشت کا دسترخوان کیا ہے۔؟ آپ نے فرمایا' خلد کا ایک گوشہ ہے۔ اس کا عرض مشرق سے مغرب تک ہے' وہاں بیٹھ کر وہ کھائیں گے' پھر انہیں خلعت دی جائے گی۔ پھر وہ کہیں گے اپنے رب کی زیارت کے علاوہ ہمارے لئے کوئی نعمت باقی نہیں رہی ہے' فوراً حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور سارے جنتی سجدہ میں گر پڑیں گے تب ان سے کہا جائے گا' (سجدہ سے سر اٹھالو) یہ عمل کی جگہ نہیں' یہ جزا اور بدلہ کا گھر ہے۔

(ابو نعیم' منذری نے سکوت اختیار کیا' الترغیب والترہیب ۴/۵۴۶)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اہل جنت عیش و راحت میں ہوں گے کہ ایک نور جلوہ گر ہو گا' اہل جنت سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگیں گے' یہ حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی' حق تعالیٰ کہے گا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ ○

ترجمہ "اہل جنت تم پر سلامتی ہو!۔"

جنتی جب تک نور کی اس تجلی کی طرف متوجہ ہوں گے' انہیں کسی اور نعمت کی طرف مطلق التفات نہ ہو گا' تاآنکہ نور وہاں سے ہٹ جائے گا' لیکن اس کی برکت اور رونق ان کے اندر برقرار رہے گی۔

(ابن ماجہ' منذری ۴/۵۵۳)

حضور ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا' اے جنت والو وہ کہیں گے لبیک ربنا وسعدیک (اے پروردگار ہم حاضر ہیں' اور ہر قسم کی سعادت بس تیری طرف سے ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیا تم لوگ راضی ہوگئے ہو' وہ عرض کریں گے ہم کیوں نہ راضی ہوں' ہمیں تو نے وہ کچھ عطا فرمایا ہے' جو اور مخلوق کو عطا نہیں کیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں تمہیں اس سے بھی اچھی چیز دیتا ہوں وہ عرض کریں گے' اس سے زیادہ اچھی چیز اور کون ہو سکتی ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں تم پر اپنی رضامندی اتارتا ہوں اور ابد الآباد تک کبھی ناراض نہ ہوں گا۔

(بخاری' مسلم' بالفاظ مُسلم ۸/۱۴۴' اللولو والمرجان ۳/۲۸۷ بخاری' ۸/۱۴۲)

تباہی کا گھر:

تباہی کا گھر جہنم ہے جو کافروں[1] کا ٹھکانہ ہے۔ جیسے سلامتی کا گھر جنت ہے جو صاحب ایمان پرہیز گاروں کا ٹھکانہ ہے[2] پہلے گذرا کہ عقیدۂ مومن کے اہم جز یعنی عقیدۂ آخرت کی

[1] باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

بحث کی تکمیل کے لئے بالخصوص حشر و نشر اور جنت کی نعمتوں اور جہنم کی اذیتوں کو اس طرح بیان کرنا ضروری ہے جس سے دونوں کی حقیقت بخوبی عیاں ہو جائے اور دلوں میں جنت کا حصول اور اس کی رغبت پیدا ہو اور جہنم سے بچنے کی فکر و امن گیر ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ دلوں میں ایمان اور تقویٰ پیدا ہو کہ اس کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں' جیسے جہنم سے بچنے کے لئے شرک اور معصیت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ گذشتہ صفحات پر جنت کا تذکرہ قدرے تفصیل سے آچکا ہے اور خدا نے چاہا تو حساس قاری اس تذکرہ کی آخری سطروں کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کرے گا جیسے وہ اپنی آنکھوں سے جنت کو دیکھ رہا ہو اور اپنے جسم اور جان کے ساتھ وہاں کی عطر بیز فضاؤں میں سانس لے رہا ہے' آئندہ سطروں میں تباہی کے اس گھر سے متعلق چند باتیں پیش کی جا رہی ہیں' جسے جہنم کہتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

اور جنت اور اس کی نعمتوں سے شاد کام کرے جہنم کے ذکر سے پہلے ہم یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہر دو کے تذکرے میں ہم قدرے فرق ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ جنت کے تبصرے میں اگر تفصیل اور طوالت مناسب تھی تو جہنم کے تذکرے میں اختصار بہتر ہوگا

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ‎ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ (ابراہیم:۲۸'۲۹)

"اے پیغمبر کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو تباہی کے گڑھے میں اتارا (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے' اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔"

۲ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ (یونس:۲۵) لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝ (انعام:۱۲۷)

"اللہ سلامتی کے گھر (یعنی جنت) کی طرف بلاتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر (یعنی بہشت) ہے۔"

اس لئے کہ راحت او آرام اور آسائش کے ذکر سے دل کو آرام اور راحت ملتی ہے' جب کہ سختی درشتی اور اذیت کا حال سن کر طبیعت میں انقباض اور اذیت کا احساس ہوتا ہے۔ بنابریں زیر نظر موضوع کو ہم سرسری طور پر بیان کریں گے۔ اور جہاں جنت اور وہاں کی راحت اور لذتوں کو تفصیل سے بیان کیا جہنم کے محض اجمالی ذکر پر اکتفا کریں گے۔

جہنم محشر میں لائی جائے گی:

آہ یہ وہی جہنم ہے جو قیامت کے دن گمراہوں اور مشرکوں کے سامنے محشر میں لائی جائے گی' حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَجِائَیَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ○ (فجر:۲۳)

ترجمہ "اور جس دن دوزخ حاضر کی جائے گی۔"

نیز فرمایا۔

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغَاوِيْنَ ○ (شعراء:۹۱)

ترجمہ "اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔"

اس روز جب کائنات میں عظیم انقلاب برپا ہوگا' یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور یہ آسمان دوسرے آسمان سے بدل جائے گا اور سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جو یکتا اور زبردست ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ○

(ابراہیم:۴۸)

ترجمہ "جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل جائے گی اور آسمان بھی بدل دیئے جائے گے اور سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جو یکتا اور زبردست ہے۔"

اس وقت حشر کے میدان میں کھڑے ہونے والے دم بخود رہ جائیں گے اور یہ عجیب منظر دیکھیں گے کہ جہنم ان کے سامنے لائی جائے گی اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ جس طرح ریلوے انجن کھینچا اور موڑا جاتا ہے جہنم بھی بے شمار لگاموں کے ذریعہ کھینچی جائے گی وہ جوش مارتی اور چیختی ہوگی' چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَجِایٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ○ (فجر:۲۳'۲۴)

ترجمہ "اور جس دن دوزخ حاضر کی جائے گی جس دن انسان غفلت سے چونکے گا لیکن اس وقت چونکنا کیا فائدہ دے گا۔ اس دن وہ کہے گا کہ کاش میں نے اپنی زندگی کے لئے کچھ نیک اعمال آگے بھیجے ہوتے۔"

وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغَاوِیْنَ' وَقِیْلَ لَھُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ھَلْ یَنْصُرُوْنَکُمْ اَوْ یَنْتَصِرُوْنَ' فَکُبْکِبُوْا فِیْھَا ھُمْ وَالْغَاوٗنَ' وَجُنُوْدُ اِبْلِیْسَ اَجْمَعُوْنَ ○ (شعراء:۹۱تا۹۵)

ترجمہ "اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں' یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں تو وہ (بت) اور (ان کے پوجنے والے) گمراہ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

اس روز جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی۔ اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑے کھینچتے ہوں گے۔ (مسلم ۱۴۹/۸ ترمذی: باب صفۃ جہنم ۱)

جہنم کے دروازے:

تباہی کا یہ گھر جہاں شقاوت اور بدبختی کا دور دورہ ہوگا' جہاں زینہ بہ زینہ پستی' نامرادی اور حسرت ہی حسرت برستی ہوگی' جس کا اندازہ کیا کوئی کرسکتا ہے؟ جہنم میں نیچے ہی نیچے سات طبقے ہوں گے' ہر حصہ کا عذاب الگ ہوگا' سب سے اوپر کا عذاب ہلکا اور سب سے نچلے طبقے کا عذاب نہایت سخت ہوگا۔ ان تمام طبقوں کے نام اور ان کے دروازے سب مخصوص ہیں۔ چنانچہ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمَوْعِدُھُمْ اَجْمَعِیْنَ' لَھَا سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ لِکُلِّ بَابٍ مِّنْھُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ○ (حجر:۴۳'۴۴)

ترجمہ "اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے داخل ہونے کے لئے ان لوگوں کا الگ الگ مقرر کردہ گروہ ہے۔"

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۝ (نساء:۱۴۵)

ترجمہ "بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے۔"

یہ نچلے طبقے نام بنام قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ البتہ ان کا ذکر موقعہ بموقعہ مختلف متفرق سورتوں میں ملتا ہے۔ جب کہ سلسلہ وار ان کی ترتیب اس طرح ہے ا۔ نارِ جہنم (آتش دوزخ) ۲۔ لظی (دہکتی ہوئی آگ) ۳۔ حُطَمَه (ریزہ ریزہ کردینے والی) ۴۔ سَعِیْر (آگ کی لپیٹ) ۵۔ سَقَرْ (جھلس دینے والی ۶۔ جَحِیْم (بھڑکتی ہوئی آگ) ۷۔ هَاوِیَه (گہری آگ)

جہنم کی یہ سات قسمیں ہیں' اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے (آمین)

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝

ترجمہ "اے اللہ ہم سے دوزخ کے عذاب کو دور رکھیو' بلاشبہ اس کا عذاب (نافرمانوں کے لئے) لازم ہو جانے والا ہے اور بلاشبہ دوزخ برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔"

داخلہ کی کیفیت:

کافروں کے گروہ در گروہ کو نہایت ذلت اور خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف مسلسل ہانکا جائے گا' دوزخ ان کے بالکل سامنے لائی جائے گی ارشاد ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ۝ (زُمر:۷۱)

ترجمہ "اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔"

جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش اور غرانے کی آواز کو سنیں۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ۝ (الفرقان:۱۲)

ترجمہ "جب وہ ان کو دور سے دیکھے گی تو یہ لوگ اس کے جوش اور اس کی غراہٹ کو سنیں گے۔"

پھر دوزخ سے ایک گردن نکلے گی اور جن سرکشوں اور ظالموں سے متعلق خدا کا حکم ہو گا' جہنم ایک مرتبہ میں ان سب کو ہڑپ کر لے گی۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

قیامت کے دن دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی۔ اور وہ دیکھیں گی دو کان ہوں گے جو سنیں گے اور ایک زبان ہوگی جو بولے گی اور کہے گی' میں تین شخصوں پر مسلط کی گئی ہوں' ہر متکبر' سرکش پر اور پھر اس شخص پر جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا اور صورت بنانے والوں پر۔

(ترمذی باب ۱)

جب یہ گروہ جہنم کے دروازوں پر پہنچیں گے تو انہیں بند پائیں گے پھر ان کے دروازے کھولے جائیں گے اور انہیں سختی سے دھکیل کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا' جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا' هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ' اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ' اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْلَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَاكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○

(طور: ۱۳ تا ۱۶)

"جس روز ان کو دوزخ کی آگ کی طرف ڈھکیل ڈھکیل کر لے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے یہ انہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے۔"

کفار اور مشرکین زنجیروں میں بندھے ہوں گے' طوق ان کے گلے میں' اور ان کے پیر بیڑیوں میں جکڑے ہوں گے' اور اسی حالت میں انہیں جہنم کی انتہائی تنگ جگہوں میں ڈالا جائے گا۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ○ (فرقان: ۱۳)

"اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔"

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۚ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ (ابراہیم:۴۹'۵۰)

"اور اس دن تُم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں کو آگ لپیٹ رہی ہوگی۔"

جہنمیوں کے حالِ زار کا یہ محض ایک خاکہ ہے' اس ہیئت کذائی کے ساتھ یہ جہنم میں داخل ہوں گے جہنم ہی کی مناسبت سے حسب وعدہ ــ مختصر الفاظ میں ان کے احوال کی مزید عکاسی پیش کی جارہی ہے واللہ المستعان!

● سزا اور لعنت ملامت:

ذلت اور ہلاکت کے مارے ہوئے دوزخی ابھی اپنے ٹھکانوں پر ٹھیک طرح سے جمنے بھی نہ پائیں گے کہ حقارت' اہانت' اور اذیت کا دوسرا دور شروع ہوگا' یہ اذیت ڈانٹ ڈپٹ' زجرو توبیخ اور ذہنی کڑھن کی اذیت ہوگی جو سراسر روحانی اور نفسیاتی تکلیف کا باعث ہوگی' چنانچہ عذاب کے فرشتے انہیں کچوکے دیں گے اور کہیں گے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ (ملک:۸)

"کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔"

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۝ (زمر:۷۱)

"کیا تمہارے پاس تُم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تُم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے۔"

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ (طور:۱۴)

"یہی وہ آگ ہے جس کو تُم جھوٹ جانتے تھے۔"

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْلَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (طور:۱۶)

"اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا

کرتے تھے یہ انہی کا بدلہ تم کو مل رہا ہے۔"

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ○ (نبا:۳۰)

ترجمہ "اب اپنے کئے کا مزہ چکھو اور ہم تو تمہارے لئے عذاب ہی بڑھائے جائیں گے۔"

یہ اور اس جیسی ڈانٹ ڈپٹ کی مثالیں قرآنِ پاک میں بکثرت وارد ہیں ہم نے چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے۔

نیز اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں کہ قرآنِ پاک نے دوزخیوں کی لعنت ملامت کا بکثرت ذکر کیا ہے' البتہ ذیل میں حق و صداقت پر مبنی محض چند آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے خدا کرے ہم خوف و خشیت کے ساتھ ان آیات کو سنیں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا' حَتّٰى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰهُمْ لِاُوْلٰهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ' وَقَالَتْ اُوْلٰهُمْ لِاُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○

(الاعراف:۳۸'۳۹)

ترجمہ "جب ایک جماعت دوزخ میں داخل ہوگی تو اپنی جیسی دوسری جماعت کو لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو ان میں پچھلی جماعت اپنے سے پہلی جماعت کی نسبت کہے گی' اے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ تو ان کو دوزخ کا عذاب ہم سے دوگنا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں اور یہ (سن کر) پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہے گی' تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت ثابت نہ ہوئی تو اپنے کئے کی سزا میں عذاب کے مزے چکھو۔"

وَلَوْتَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَرَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا

مُؤْمِنِيْنَ ' قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا اَنَحْنُ صَدَدْنَا كُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَ كُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِيْنَ ' وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْتَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا وَّاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (سبا:۳۱تا۳۳)

ترجمہ "اور کاش تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے (اور) ایک دوسرے سے ردوکد کر رہے ہوں گے' جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ سرکشوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوجاتے سرکش لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا' جب کہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی۔ (ہرگز نہیں) جب کہ تم ہی گنہگار تھے اور کمزور لوگ سرکشوں سے کہیں گے۔ (نہیں) بلکہ تمہارے رات دن کے مکر (وفریب) نے (ہمیں روکا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں پشیمان ہوں گے' اور ہم کافروں کی گردن میں زنجیریں ڈال دیں گے (اور) انہیں اس کے موافق سزا دی جائے گی جو وہ کیا کرتے تھے۔"

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَ لُوْنَ ' قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْ نَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ' قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ' وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ' فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ' فَاَغْوَيْنٰا كُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ' فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ○

(صفت:۲۷تا۳۳)

ترجمہ "اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کرکے آپس میں سوال و جواب کریں گے اور کہیں گے کہ تم ہی تو ہمارے دائیں اور بائیں سے آتے تھے' وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ایمان لانے والے نہ تھے اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے تو ہم

سب ہی پر ہمارے پروردگار کی بات پوری ہو گئی' اب ہم مزے چکھیں گے۔ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا (اور) ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس یقیناً وہ اس دن عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔"

هٰذَا وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ○ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ○ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ○ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ○ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِى النَّارِ ○ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ○ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ○ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ○ (ص:۵۵تا۶۴)

"یہ (نعمتیں تو فرمانبرداروں کے لئے ہیں) اور سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہے (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بری جگہ ہے یہ کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (ہے) اب اس کے مزے چکھیں اور اس طرح کے بہت سے (عذاب ہوں گے) یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہوگی ان پر خدا کی مار' یہ بھی دوزخ میں آرہے ہیں۔ (پیچھے آنے والے) کہیں گے بلکہ تم ہی پر خدا کی مار' تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے ہو' تو یہ برا ٹھکانا ہے۔ (پھر وہ اللہ تعالیٰ سے) کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جو اس کو ہمارے سامنے لایا ہے اس کو دوزخ میں دونا عذاب دے اور وہ لوگ کہیں گے کہ کیا بات ہے کہ ہم (یہاں) ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو بروں میں شمار کرتے تھے' کیا ہم ان سے ناحق ٹھٹھا کرتے تھے یا ہماری آنکھیں اس سے پھر گئی ہیں۔ بلاشبہ یہ (یعنی) اہل دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔"

● دوزخیوں کے سامنے ابلیس کی تقریر:

دوزخیوں کے رہے سہے اوسان اس وقت خطا کر جائیں گے جب شیطان ابلیس ان کے سامنے نہایت صاف صاف کھری کھری باتیں کہے گا' اس کی یہ تقریر واضح دو ٹوک اور

راست دل میں اتر جانے والی ہوگی ـــ (اس مقرر اور ان سامعین کو خدا تعالیٰ یکساں ذلیل کرے) ـــ غرض ابلیس کے لئے آگ کا ایک منبر نصب ہوگا' ابلیس اس پر چڑھ کر دوزخیوں کو بلند آواز سے خطاب کرے گا اس خطاب کو سن کر دوزخیوں کے اوپر حسرتوں اور نامرادیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے' ان کے صدمہ اور رنج و غم کی کوئی حد نہ ہوگی اور حقیقت میں اس کی یہ تقریر حسرت انگیز ہوگی۔ اور اس کے ایک ایک لفظ سے دل کے زخم ہرے ہو جائیں گے۔ ابلیس کے اس خطاب کو قرآن کریم نے من و عن نقل کیا ہے' چنانچہ ارشاد ہے:

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (ابراہیم:۲۲)

"اور (جب قیامت کے دن ہر بات کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا' مگر اسے پورا نہ کیا میرا تم پر کسی طرح کا زور نہ تھا' بجز اس کے کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا' تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو' نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو' اس سے پہلے جو تم نے مجھے اللہ کا شریک بنایا تھا تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں' بلاشبہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

● جہنم کا درجہ حرارت:

دوزخ کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ ہر چیز اس میں پڑ کر پگھل جائے گی اس پر مستزاد یہ کہ اس کی آنچ اور تپش لحہ بہ لحہ بڑھتی رہے گی اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا' ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا' اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ

عَلٰى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلاً لَّارَيْبَ فِيْهِ ○ (اسراء:۹۷تا۹۹)

ترجمہ "ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ جب کبھی (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لئے اسے) اور بھڑکائیں گے یہ ان کی سزا اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور یوں کہتے تھے کہ جب ہم (مرنے کے بعد) گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم از سرنو پیدا کرکے اٹھائے جائیں گے (اللہ نے فرمایا کہ) کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اس بات پر قادر ہے کہ وہ آدمی دوبارہ پیدا کر دے۔ اور اس نے ان کے لئے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کردی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔"

پھر چونکہ جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ سے کوئی نسبت نہیں اس لئے جس طرح دنیا میں گرم اشیاء یا درجہ حرارت کی پیمائش ہوتی ہے جہنم کی تپش یا اس کے درجہ حرارت کی پیمائش ممکن نہیں۔ اتنا ضروری ہے کہ صحیحین کی اس روایت کی رو سے اگر ہم حساب لگائیں۔ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

"جس آگ کو تم جلاتے ہو دوزخ کی آگ کی گرمی کے سترہویں حصہ میں سے ایک ہے۔ (یہ الفاظ حضور ﷺ نے فرمائے تو) صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم! یہی کافی تھی! فرمایا: اس سے ۶۹ واں حصہ اس میں گرمی زیادہ ہے۔"

متفق علیہ الفاظ مُسلم کے ہیں ۱۴۹/۸' ۱۵۰'

اللؤلؤ والمرجان ۲/ ۲۹۰ بخاری ۴/ ۱۴۷' مئوطا ۳/ ۱۵۵' ۱۵۶

اس حدیث کی روشنی میں اگر ہم دنیا کی آگ کا درجہ حرارت معلوم کریں۔ اور حدیث بالا میں درج تناسب سے اس کو ضرب دیں تو ممکن ہے تخمینی طور پر جہنم کی آگ کا درجہ حرارت ہمیں معلوم ہوجائے۔

جہنم کی آگ کا رنگ:

دنیا میں آگ کا بغور مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ ایک روشن' گرم اور شعلہ زن جوہر ہے۔ لیکن جہنم کی آگ کیسی ہوگی؟ ظاہر ہے وحی الٰہی کے بغیر اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں امام مالک کو خدا غریق رحمت کرے۔ انہوں نے اپنی کتاب مئوطا میں صحیح

روایت درج کی ہے۔ جس سے باآسانی یہ پتہ چلتا ہے کہ جہنم کی آگ سیاہ ہے۔ اور اس کا رنگ کولتار سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

"کیا تم دنیا کی آگ کی طرح جہنم کی آگ کو بھی سرخ سمجھتے ہو۔ (ایسا نہیں ہے۔) بلکہ وہ تو کولتار سے کہیں زیادہ سیاہ ہے۔"

(موطا: ۱۵۶/۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے "دوزخ کو ہزار سال تک بھڑکایا گیا۔ تو وہ لال ہوگئی۔ پھر ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سفید ہوگئی۔ پھر ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ کالی ہوگئی۔ چنانچہ وہ کالی اندھیری ہے۔[1]

(ترمذی: جہنم / باب نمبر۸' ابن ماجہ زید / باب نمبر۳۷)

اس روایت کی روشنی میں آتش دوزخ کا رنگ باآسانی معلوم ہو جاتا ہے۔ نیز اس بحث کی تحریر کے دوران راقم کو یہ بھی علم ہوا کہ جدید سائنس کے ماہرین نے آسمانِ دنیا کے اس سورج کے علاوہ فضاء بسیط کے اندر موجود کئی دوسرے زبردست سورجوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد آگ کے اس رنگ کو مبنی بر حقیقت قرار دیا ہے۔

● جہنم کی گہرائی:

جہنم ـــ جو تباہی کے اس بڑے گھر کی ایک گھاٹی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی تہہ کی پیمائش یا اس کی گہرائی سے متعلق وحی الٰہی کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ نہ موجودہ دور کی کسی بڑی سے بڑی ایٹمی اور ہائیڈروجنی بھٹی سے اس کو تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ دنیا کی تمام بھٹیاں مل کر بھی جہنم کے کسی معمولی حصے کی برابری نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازایں دنیا اور آخرت میں' اور ہر دو جگہ کے طبعی حالات اور حدود میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس پر مستزاد

---

[1] ترمذی نے کہا:۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ الترغیب ۶۴۳/۱۔ مؤلف عرض پرداز ہے کہ اس عنوان کے تحت رائے سے کچھ نہیں کہا جاسکتا اس لئے یہ روایت مرفوع کے حکم میں ہے۔

یہ کہ خالق قوی اور مخلوق ضعیف کی، صنعت اور کاریگری میں کوئی مقابلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی جہنم کی تخمینی گہرائی حضور ﷺ کے اس ارشاد سے باآسانی معلوم ہو سکتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"اگر ایک بڑا پتھر دوزخ کے کنارے سے گرایا جائے تو وہ ستر سال تک گرتا ہی رہے گا پھر بھی اپنے ٹھکانے کی جگہ نہ پہنچے گا۔"

(ترمذی/۲، احمد ۴/۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ گڑگڑاہٹ کے ساتھ ایک آواز سنائی دی۔ فرمایا: جانتے ہو، یہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا خدا اور خدا کا رسول ہی خوب واقف ہے۔ فرمایا، دوزخ کے اندر ایک پتھر ستر سال پہلے پھینکا گیا تھا۔ وہ برابر دوزخ میں گر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت وہ گہرائی میں پہنچ گیا۔"

(مسلم: ۸/۱۵۰)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ آپ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے۔

"دوزخ کو بہت یاد کیا کرو، کیونکہ اس کی گرمی بہت تیز اور سخت ہے۔ اس کی گہرائی بہت لمبی ہے اور اس کے گرز سب لوہے کے ہیں۔"

(ترمذی/۲)

جہنم کی وادیاں:

جہنم کی ایک الگ دنیا ہے۔ جو نہایت لامحدود اور غیر متناہی ہے۔ البتہ اس کی حدود یا رقبہ کی پیمائش (کسی حد تک سہی) صرف احادیث میں درج مخصوص اشارات سے معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"دوزخ[1] کے اندر کافر کی داڑھ کوہ احد کے برابر ہوگی۔ جس کا رقبہ پانچ میل اور بلندی ایک میل ہوگی۔"

---

[1] بالفاظ مسلم یہ روایت اس طرح ہے۔
کافر کی داڑھ کوہ احد کے برابر ہوگی۔ اور اس کی کھال کی موٹائی تین شب کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (مسلم /۱۵۳، ۱۵۴)

یہ صحیح ہے اور وحی الٰہی کی رو سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ سراسر تباہی اور بدبختی کے اس گھر میں جابجا وادیاں اور پہاڑ بھی ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ساتھ ساتھ ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے عذاب کی نوعیت اور اس کی شدت کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ نیز سلف صالحین نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد جہنم کی مخصوص وادیاں ہیں۔ منجملہ ان الفاظ میں سے ایک لفظ "غی" ہے۔ جو اس آیت میں وارد ہے:

● ــــ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِ هِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ○ (مریم:۵۹)

ترجمہ: "پھر اس کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو کھو دیا (اور برباد کر دیا) اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ پس یہ گمراہی (کے نتیجہ) کو پالیں گے۔"

ایک اور لفظ "اَثام" ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

● ــــ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ (فرقان:۶۸)

ترجمہ: "اور جو ایسے کام کرے گا تو سخت سزا پائے گا۔"

اسی طرح "ویل" ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ (مطففین:۱)

ترجمہ: "ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی بڑی خرابی ہے۔"

حضور ﷺ نے فرمایا:

"ویل" دوزخ میں ایک وادی (کا نام) ہے۔ (وہ اتنی گہری ہے کہ) اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے کافر چالیس سال تک گرتا رہے گا"

(ترمذی تفسیر سورہ انبیاء۔ احمد ۷۵/۳ ۴' حاکم ۵۹۶/۴)

● جہنم کے طوق اور زنجیریں:

طوق' زنجیر' بیڑیاں اور ہتھکڑیاں سخت اذیت رسانی کا نہایت قدیم ذریعہ ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ ان کے بغیر قید بامشقت اور سخت سزاؤں کا تصور بھی نہیں کیا

جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جہنم کے اذیت گھر میں زنجیر' طوق' بیڑی اور ہتھکڑی غرض ایک ایک چیز کا ہونا یقینی ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک کی متفرق سورتوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

ارشاد ہے۔

● ۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ○ (انسان:۴)

ترجمہ: "بلاشبہ ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔"

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَاغُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ (مزمل:۱۳)

ترجمہ: "بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے۔ اور ایسا کھانا ہے جو گلے میں پھنس جائے گا' اور دردناک عذاب ہے۔"

● ۔ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِالْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِہِمْ وَالسَّلٰسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ ○ (غافر:۷۰تا۷۲)

ترجمہ: "تو وہ عنقریب (اس کا انجام) معلوم کرلیں گے۔ جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی۔ اور وہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کے لئے کھینچے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیئے جائے گے۔"

خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ' ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ' ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُہَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ' اِنَّہٗ کَانَ لَایُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ' وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ○ (حاقہ:۳۰تا۳۴)

ترجمہ: "(فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اسے پکڑ لو۔ اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں ڈال دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اس کو جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا۔ اور نہ فقیروں کے کھانا کھلانے کی (لوگوں کو) ترغیب دیتا تھا۔"

نیز بیشتر اسلافِ صالحین سے عمدہ اسناد کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ زنجیر کی یہ کڑیاں کافر کے منہ میں ڈالی جائیں گی۔ جو اس کے پاخانہ کے مقام سے باہر نکل آئیں گی اور کافر اس میں اس طرح پرو جائے گا جیسے دھاگے میں تل کے دانے۔ یا لڑی کے اندر کوڑیاں پروئی جاتی ہیں۔

جہنم کے سانپ اور بچھو:

جہنم ــــ خدا ہم سب کی حفاظت فرمائے ــــ درحقیقت سزا' عذاب' سختی' اور بدبختی کا ابدی اذیت گھر ہے۔ وہاں نت نئی اور طرح طرح کی سزاؤں سے سابقہ ہوگا۔ پھر ہماری اس جیتی جاگتی اور مادی دنیا میں ہی دیکھ لیا جائے کہ کردہ یا ناکردہ گناہوں کی کیسی سخت اور المناک سزائیں دی جاتی ہیں۔ جب اس فانی دنیا کا یہ حال ہے تو بھلا جہنم کی سزاؤں کا کیا عالم ہوگا؟ جس سے بڑی اذیت گاہ کی مثال بھی عالم مثال میں نہیں دی جاسکتی۔ اس لئے کہ اس جیسی سزائیں حضرتِ اِنسان نے نہ اپنی آنکھوں سے کہیں دیکھی ہوں گی۔ نہ اپنے کانوں سے کہیں سنا ہوگا۔ نہ ہی اس کے تصور کی ان تک رسائی ہوگی۔ بس خدا ہی جانتا ہے کہ وہاں کیسی کیسی سزائیں اور عذاب کے کیسے کیسے طریقے استعمال ہوں گے۔ اس لئے یہ کوئی حیرت انگیز امر نہیں کہ جہنم میں سانپ اور بچھو بھی ہوں گے۔ جو اپنے شکار کو نوچیں گے ڈسیں گے اور ڈنک مار مار کر ان کا حال تباہ کر دیں گے۔ اور دوزخی اس المناک اور خوفناک عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے' مبتلا رہیں گے۔ اور یہ کوئی تخیل نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس روایت کی تفسیر میں منقول ہے۔[1]

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ۝ (نحل:۸۸)

ترجمہ: "جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا تو ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے۔ اس لئے کہ وہ فساد کیا کرتے تھے۔"

عذاب پر عذاب کی تفسیر میں آپ نے فرمایا:

"مادہ خچر کی طرح بڑے بڑے بچھو ہوں گے جو دوزخیوں کو مسلسل ڈنک مارتے رہیں گے۔
(تفسیر ابن جریر' سورہ نحل ۱۹۰/۶)

بعید نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب یہ تفسیر رسالت

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری: (۶۳/۱۱)

مآب ﷺ سے براہِ راست منقول ہو۔ بالخصوص جب کہ حاکم نے صحت کے ساتھ حضور کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں:

"دوزخ کے اندر بختی اونٹ کی گردنوں جیسے سانپ ہوں گے جن میں ایک ڈنک مارے گا تو دوزخی چالیس سال تک نہایت شدت کے ساتھ اس کی اذیت کو، اور ستر سال تک اس کی آنچ کو محسوس کرے گا۔"

(حاکم: ذہبی نے ان کو موافقت کی ۴/۵۹۳ البتہ صحیحین میں یہ درج نہیں)

دوزخیوں کا کھانا:

کیا دوزخیوں کی کوئی خوراک ہوگی؟ اور کیا ان کی زندگی میں کھانا پینا ممکن بھی ہوگا؟ کیوں نہیں۔ دوزخیوں کے کھانے پینے کی کئی چیزیں ہوں گی، پھر کھانا پینا بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے۔ اور جہنمیوں کو عذاب سہنے کے لئے زندہ رہنا ہوگا، انہیں موت بھی نہ آئے گی اس لئے کہ موت ہی آجاتی تو عذاب سے رہا ہوجاتے لیکن یہ نہ مریں گے، نہ عذاب سے نجات پائیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ○

(نساء:۵۶)

ترجمہ: "اور جب ان کی کھالیں جل بھن جائیں گی تو ان کی بجائے ہم دوسری کھال بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں۔"

مصیبت پر مصیبت یہ کہ وہ موت موت پکاریں گے لیکن موت کو خود موت آچکے گی۔ دوزخی موت طلب کرتے ہوئے کہیں گے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ○

(زُخرف:۷۷)

ترجمہ: "اور وہ (دوزخ کے داروغہ کو) پکاریں گے کہ اے مالک تیرا پروردگار ہم کو موت دے کر ہمارا کام تمام کردے۔ وہ جواب دے گا کہ بے شک تم اسی میں ہمیشہ رہو گے۔"

حق تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہوگا کہ۔ اب انہیں موت نہ آئے گی۔

● ۔ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ○

(فاطر:۳۶)

ترجمہ "(وہاں) ان کو نہ موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔"

نیز یہ بھی ارشاد ہے کہ جو اس بڑی آگ میں پڑے گا۔ وہاں اس کو نہ موت آئے گی اور نہ چین سے جینا نصیب ہو گا۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ○ (اعلیٰ:۱۱تا۱۳)

ترجمہ "اور جو بدبخت ہے وہ اس سے گریز کرے گا جو بڑی (سخت) آگ میں پڑے گا۔ پھر وہاں اس کو نہ موت ہی آئے گی۔ اور نہ (آرام سے) جینا نصیب ہو گا۔"

جہنم کی بعض خوراک:

۱۔ زقوم: جہنم کی جڑ سے نکلنے والے ایک درخت کا پھل ہو گا۔ کھانے میں نہایت بدمزہ' کڑوا' اور بدبودار کہ حلق سے نہ اترے اور صورت میں سانپ کے پھن کی طرح کہ دیکھ کر ڈر لگے جب اسے نگلیں گے تو یہ حلق میں پھنس جائے گا۔ پھر اسے کھولتے ہوئے پانی سے اتارنے کی کوشش کریں گے گویا زقوم چونے کی طرح ہو گا جس کے اوپر پانی پڑے تو وہ جوش کھا کر اور بھی ابلنے لگتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● ۔ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ' اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ' اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ' طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ○ (صفت:۶۲تا۶۷)

ترجمہ "بھلا یہ (مہمانی) اچھی ہے۔ یا تھوہر کا درخت ہم نے اس کو ظالموں کے لئے موجب امتحان بنایا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں اُگے گا۔ اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر' تو وہ اسی میں سے کھائیں گے۔ اسی سے پیٹ بھریں

گے۔ پھر اس کے اوپر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا۔"

● — اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ، طَعَامُ الْاَثِيْمِ، كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ، كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ○ (دخان:۴۳ تا ۴۶)

ترجمہ "بے شک تھوہر کا درخت مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جیسے پگھلتا ہوا تانبہ جو پیٹ، میں ایسا کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے۔"

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○

(آلِ عمران:۱۰۲)

ترجمہ "اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین پر مت مرو۔"

پھر فرمایا: "اگر زقوم (تھوہر) کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گر پڑے تو دنیا والوں کے لئے ان کی زندگی اور رہائش کو برباد کر دے پھر بھلا اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی یہ درخت ہوگا۔"

(ترمذی / ۴، ابن ماجہ زُہد / ۳۸، احمد ۱/ ۳۰۱ تا ۳۳۸)

۲۔ غسلین (پیپ) یعنی اہل دوزخ کا نچوڑا ہوا پیپ، کچ لہو، پسینہ، اور اسی طرح زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلنے والا مادہ، شرابی، جھوٹے، غیبت کرنے والے، باطل اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے منہ کا لعاب وغیرہ، غسلین کا ذکر اس آیت میں ہے۔

● — فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ لَّا يَاْكُلُهٗ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ○ (حاقۃ:۳۵ تا ۳۷)

ترجمہ "تو نہ آج اس شخص کا کوئی دوست ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی چیز نصیب ہے۔ سوائے پیپ کے جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہ کھائے گا۔"

"خاطئین" سے مراد وہ گنہگار ہیں جنہوں نے بڑے کام کئے اور ان کے گناہوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور انہیں جہنم میں جھونک دیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (بقرہ:۸۱)

ترجمہ "(سچ تو یہ ہے کہ) جنہوں نے برے کام کئے اور ان کے گناہوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

۳۔ ــ ضریع ــ (کانٹے دار جھاڑی): ایک نہایت تلخ خار دار جھاڑی جو حلق میں پھنس جائے۔ دوزخی اسے گرم پانی سے نیچے اتارے گا۔ لیکن جلن کی وجہ سے سب کا سب پاخانہ کے مقام سے فوراً نکل آئے گا جس کی وجہ سے نہ اس سے بھوک بند ہوگی اور نہ کھانے والے کو موٹا کرے گا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

● ــ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ○ (غاشیہ:۶'۷)

ترجمہ "ان کو کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا' مگر ایک کانٹے دار جھاڑی جس کے کھانے سے نہ بدن ہی موٹا ہوگا اور نہ بھوک ہی بند ہوگی۔"

پینے کی کچھ چیزیں:

ہر تر جگر والا پانی کا محتاج ہے۔ دوزخیوں کے بدن میں بھی جگر ہوگا۔ اس لئے کھانے کی طرح پانی بھی ان کے لئے اشد ضروری ہوگا۔ چونکہ دوزخیوں کو ہر حال میں زندہ رہنا ہوگا۔ اس لئے ہر زندہ کی طرح کھانا اور پانی ان کیلئے بھی ناگزیر ہوگا۔ مجبوراً دوزخی جیسا کھائیں گے ویسا ہی پانی پئیں گے۔ لیکن کھانے کی طرح پانی بھی نہ ان کی پیاس بجھائے گا نہ انہیں تسکین دے گا۔ اہل دوزخ کی بعض خوراک کا ذکر پہلے گذرا ذیل میں ان کے کچھ پینے کی چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ حمیم (پیپ ملا پانی): نہایت گرم چشمہ سے ابلنے والا پانی۔ جس کی خاصیت یہ ہوگی کہ اس کے پیتے ہی ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں (سب) گل جائیں گی۔ اور ان کی آنتیں کٹ کٹ کر گر جائیں گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

● ــ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ' عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ' تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً' تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ○ (غاشیہ:۲تا۵)

ترجمہ "اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے محنت کرنے والے' تھکے ہوئے دہکتی آگ میں پڑیں گے۔ اور انہیں ایک گرم چشمہ سے (پانی) پلایا جائے گا۔"

— وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَ هُمْ ○ (محمد:۱۵)

ترجمہ "ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی انتڑیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔"

— يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُ وسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَافِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ' وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ' كُلَّمَآ اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ (حج:۱۹تا۲۲)

ترجمہ "ان کے سروں پر جلتا کھولتا پانی ڈالا جائے گا اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں سب (گل) جائیں گی۔ اور ان کے (مارنے کے) لئے لوہے کے گرز ہوں گے یہ لوگ جب کبھی تکلیف سے (بے قرار ہو کر) دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔"

۲۔ — ماء صدید (پیپ کا پانی): نہایت گدلا میلا کچیلا پانی جس کے اندر پیپ شامل ہوگی۔ پینے والا اسے پینے کی بہتیری کوشش کرے گا۔ مگر اس سے پیا نہ جائے گا اور اسے جس قدر تکلیف ہوگی۔ اس کا علم بس خدا کو ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

— وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ' مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ' يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَّمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○ (ابراہیم:۱۵تا۱۷)

ترجمہ "اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا۔ اس کے پیچھے دوزخ ہے۔ اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کرکے منہ میں لے گا۔ مگر گلے سے نیچے نہیں اتار سکے گا۔ اور ہر طرف سے اس پر موت آئے گی' مگر وہ مرے گا بھی نہیں اور اس کے پیچھے بھی سخت عذاب ہوگا۔"

۳۔ ماء المہل — انتہائی گرم ابلتا ہوا پانی' جیسے پگھلایا ہوا تانبا' پینے والا جب اسے

اپنے منہ کے قریب کرے گا تو تمازت سے اس کے چہرے کی کھال کو بھون ڈالے گا۔

● — وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (کہف:۲۹)

ترجمہ "اور اگر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم) ہوگا جو مونہوں کو بھون ڈالے گا۔ (دیکھو پینے کے لئے) کیا ہی برا پانی ہے۔ اور (دوزخ بھی کیا ہی بری جگہ ہے۔"

۴۔ — آبِ غوطہ: یعنی زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے نکل کر جما ہوا پانی' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:

(حضور ﷺ نے فرمایا: تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے۔

۱۔ عادی شرابی ۲۔ رشتہ توڑنے والا ۳۔ سحر کا حامی' اور جو شخص عادی شرابی رہا اور اسی حال میں مرگیا حق تعالیٰ اسے نہر غوطہ کا پانی پلائے گا۔ عرض کیا گیا' حضور! نہر غوطہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ ایک نہر ہے جو زانی عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہوگی' اہل دوزخ کو اس کی بدبو سے بے حد درجہ تکلیف ہوگی۔

(احمد ۳۹۹/۴)

اہل دوزخ کی خورد و نوش کے اس اجمالی ذکر کے آخر میں ترمذی کی ایک مفصل روایت نقل کی جاتی ہے جس کے اندر عجیب انداز سے اہل دوزخ کا مکمل حال زار درج ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک کی مصیبت ڈالی جائے گی۔ اس بھوک کی تکلیف اتنی ہوگی کہ جن عذابوں میں وہ مبتلا ہیں ان کے برابر یہ بھوک ہوگی۔ چنانچہ وہ فریاد کریں گے۔ اس کے جواب میں انہیں ضریع کا کھانا دیا جائے گا جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔ وہ لوگ فریاد کرکے کھانا مانگیں گے۔ اس کے جواب میں انہیں گلے میں اٹکنے والا کھانا دیا جائے گا۔ انہیں یاد آئے گا کہ وہ دنیا میں گلے میں اٹکنے والے کھانے کو پانی سے نگل لیا کرتے تھے۔ اس لئے اب وہ پانی مانگیں گے اس کے جواب میں انہیں گرم پانی لوہے کے کانٹوں کے ساتھ ان کی طرف پھینکا جائے گا۔ جب یہ کانٹے ان کے چہروں کے نزدیک آئیں گے تو ان کے چہروں کو کباب کی طرح بھون دیں گے پھر جب پیٹ میں داخل ہوں گے تو جو کچھ پیٹ میں ہے۔ اس کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔

آخر وہ گھبرا کر کہیں گے دوزخ کے دربانوں کو بلاؤ۔ دربان انہیں جواب دیں گے۔ کیا تمہارے پاس کھلی دلیلیں اور معجزات لے کر تمہارے رسول نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تو تھے۔ (مگر ہم نے انہیں جھٹلا دیا اور کفر کیا) دربان کہیں گے اچھا اب پکارو، مگر کافروں کی پکار بیکار ثابت ہوگی۔ "حضور فرماتے ہیں کہ" وہ لوگ کہیں گے مالک (داروغہ جہنم) کو پکارو۔ چنانچہ مالک سے کہیں گے "اے مالک! تیرا پروردگار (ہم کو موت لا کر) ہمارا قصہ ہی چکا دے۔ مالک جواب دے گا۔ تم لوگ یونہی رہو گے (اب تمہیں موت بھی نہ آئے گی) اعمش کہتے ہیں کہ مالک ان کو ہزار سال بعد جواب دے گا۔ اب وہ لوگ اپنے پروردگار کو پکاریں گے۔ "اور کہیں گے" بارالہا ہم پر ہماری بدقسمتی نے غلبہ کیا اور ہم گمراہ ہوگئے۔ اے پروردگار ہمیں عذاب دوزخ سے نجات دے! اگر ہم پھر ایسا کریں تو یقیناً ظالم ہیں۔ "حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کو جواب دے گا۔" دور ہو جاؤ۔ راندۂ درگاہ بن کر اسی میں رہو اور مجھ سے بات مت کرو۔ آپ فرماتے ہیں اب وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور ہر بھلائی سے ان کی آس ٹوٹ جائے گی۔ اور چیخنے لگیں گے۔ اور حسرت و افسوس کریں گے۔(ترمذی جہنم/۵)

دوزخیوں کا ڈیل ڈول اور ان کی بدصورتی:

دوزخیوں کے ڈیل ڈول اور ان کی بدصورتی سے متعلق ہم یا کوئی اور نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ ذہن میں اس کا تصور کر سکتا ہے۔ نہ ہی ٹھیک سے ان کے حالِ زار کی عکاسی کر سکتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ وحی الٰہی کے بغیر نہ اُن کی فہمائش کی جا سکتی ہے نہ ہی فہم و بصیرت سے ان کو قریب کیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ محض احادیث رسول اللہ ﷺ کا اعجاز ہے کہ ان کی مدد سے دوزخیوں کی جسامت ان کی بدشکلی، اور بدصورتی کو باسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

"دوزخ کے اندر کافر کے دونوں مونڈھوں کی درمیانی مسافت تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔"

(متفق علیہ، اللؤلؤ والمرجان ۳۱/۲۹۳، بخاری ۱۴۲/۸، مسلم ۱۵۴/۸)

آپ نے یہ بھی فرمایا "کہ کافر کی داڑھ کوہِ احد کے برابر ہوگی، اور اس کی کھال کی موٹائی تین شب کی مسافت کے برابر ہوگی۔" (مسلم ۱۵۳/۸، ۱۵۴)

کافر کی داڑھ قیامت کے دن احد (پہاڑ) کے برابر ہوگی۔ اس کی ران کوہِ بیضاء کے مانند ہوگی۔ اور اس کا مقعد دوزخ میں تین دن کی مسافت تک ہوگا۔ (یعنی دوزخ میں اتنی جگہ میں بیٹھے گا)

جتنی مسافت مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ اور اس کے جسم کی موٹائی جبار (یعنی یمن کا ایک بادشاہ جس کا زراع پیائش کے لئے تھا۔ اس) کے ذراع کے حساب سے ۴۲ ہاتھ ہوگی۔

(احمد ۱/ ۲۳۴ تا ۵۳)

کافر کی زبان قیامت میں (ایک) دو کوس تک کھینچی جائے گی اور لوگ اس کو روندیں گے۔

(احمد ۲/ ۹۲' ترمذی جہنم / ۳)

ہم نہیں سمجھتے اس منظر سے بھی زیادہ دردناک کوئی منظر ہوگا لیکن وہاں تو اس پر بھی بس نہ ہوگا۔ قرآن بتاتا ہے کہ دوزخیوں کے چہرے بدہیئت اور ان کی شکلیں حد درجہ بگڑی ہوں گی۔

● ــ تَلْفَحُ وَجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالِحُوْنَ ○ (مؤمنون:۱۰۴)

ترجمہ "دوزخ کی آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔ اور دوزخ میں ان کے منہ بگڑے ہوں گے۔"

اس آیت کی تشریح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"وھم فیھا کالحون" (ان کے منہ بگڑے ہوں گے)

یعنی ان کو آگ بھون دے گی' جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوپر والا ہونٹ سکڑ کر سر کے بیچ میں آلگے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لمبا ہوجائے گا۔

(احمد ۳/ ۸۸' ترمذی جہنم /۵)

● عذاب میں باہم فرق:

ہلاکت کی اس ابدی اذیت گاہ میں عذاب کی نوعیت اور ان میں باہم فرق یقینی اور ثابت شدہ ہے۔ احادیث سے بھی اس کی صراحت ملتی ہے۔ باہم فرق کی وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں ان کے اعمال میں باہم تفاوت ہوتا تھا۔ اور عدل وانصاف کا تقاضہ ہے کہ کوئی بھلا کرے یا برا کسی کے ساتھ ظلم نہ ہوگا۔ اس لئے ہر کسی کو اس کے کئے کی سزا یا جزا مل کر رہے گی' یوں بھی جو اچھا کام کرتا ہے اس کا بدلہ اس کو ملتا ہے۔ اور جو برا کام کرتا ہے اس کا عذاب بھی اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کا' ارشاد ہے:

"دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا' ان کو (آگ کی) دو جوتیاں پہنائی جائیں

گی۔ جن کی وجہ سے ان کا دماغ جوش کھاتا ہوگا۔"

(مسلم ۱/۱۳۵)

عذاب میں کمی اس لئے ہوگی کہ ابو طالب نے رسالت مآب ﷺ اور اِسلام کی قابل لحاظ خدمات انجام دیں۔ چنانچہ بخاری سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"قیامت کے دن دوزخیوں میں سب سے آسان عذاب اس شخص پر ہوگا جس کے تلووں کے نیچے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے اور ان کی حرارت سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولتا ہوگا۔"

(متفق علیہ بالفاظِ بخاری ۸/۱۴۴، اللولؤوالمرجان ۱/۱۵۳، مسلم ۱/۱۳۵، ۱۳۶)

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

"بعض دوزخیوں کو آگ ٹخنوں تک پکڑ لے گی۔ بعض کو گھٹنوں تک بعض کو کمر تک، بعض کو گردن تک، اور بعض کو ہنسلی تک"

(مسلم ۸/۱۵۰ "بعض کو گردن تک" یہ لفظ روایت میں نہیں، لیکن اسی صفحہ کی ایک دوسری روایت میں گردن کا لفظ موجود ہے۔)

یہ حدیث صراحت کے ساتھ دوزخیوں کے عذاب میں تفاوت اور فرق کو واضح کرتی ہے۔

دوزخیوں کا رونا چلانا:

سختی، ورشتی، مشکلات، پریشانی اور کٹھنائیوں کو جھیلنے والا اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے لامحالہ، روتا چلاتا اور آہ وزاری کرتا ہے۔ دوزخی جسے مسلسل گلے میں اٹکنے والا پھل ملے گا۔ نہایت تلخ عذاب کا ہروقت سامنا ہوگا۔ ہر طرف سے ان پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔ عذاب کا ایسا سلسلہ جاری ہوگا جو نہ کہیں منقطع ہوگا، نہ ہلکا ہوگا۔ ان حالات میں دوزخیوں کا رونا چلانا۔ آہ وزاری اور واویلا کرنا کوئی حیرت انگیز امر نہیں، بلکہ حقیقت ہوگا۔ چنانچہ دوزخی چیخیں گے، چلائیں گے۔ حسرت و افسوس کریں گے۔ اور اپنی ہلاکت اور مرنے کی تمنا کریں گے۔

قرآنِ مجید ان کے جزع فزع اور آہ وزاری کو نقل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

● — وَإِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ○
(فرقان:۱۳)

ترجمہ "اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔"

● — وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ○ (فاطر:۳۷)

ترجمہ "اور وہ دوزخ میں چلائیں گے کہ "اے ہمارے پروردگار ہم کو (دوزخ سے) نکال دے ہم نیک عمل کیا کریں گے برخلاف (ان کاموں کے جو ہم) پہلے کیا کرتے تھے۔"

● — لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ○ (انبیاء:۱۰۰)

ترجمہ "وہاں چلائیں گے اور اس میں کسی کی بات نہ سنیں گے۔"

● — وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ' اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِيْنَ ○
(زمر:۵۵'۵۶)

ترجمہ "اور اس عمدہ چیز (یعنی کتاب) کی پیروی کرو جو تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہاری' طرف نازل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر نہ ہو۔ اور (ایسا نہ ہو کہ اس وقت) کوئی کہنے والا کہنے لگے کہ ہائے افسوس اس پر کہ میں نے اللہ کے حق (کے ادا کرنے) میں کوتاہی کی۔ اور بے شک میں ہنسی اڑاتا رہا تھا۔"

● — وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا' يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا' لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا○
(فرقان:۲۷تا۲۹)

ترجمہ "اور جس دن ظالم (کافر حسرت سے) اپنے دونوں ہاتھ کاٹ کھائے گا۔ اور کہے گا

کہ اے کاش میں نے (اللہ کے) رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت!
اے کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ میرے پاس نصیحت آنے کے بعد اس
(کمبخت) نے مجھ کو (اس سے) گمراہ کیا۔ اور شیطان اِنسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔"

ختم پر حضور ﷺ کا وہ ارشاد بھی نقل کیا جاتا ہے جو صحیح روایت سے ثابت ہے آپ فرماتے ہیں:

"دوزخی اس قدر آنسو بہائیں گے کہ آنکھوں سے اشکوں کے دریا' بہیں گے۔ جس میں کوئی چاہے تو کشتیاں چلا لے! پھر آنسو نہ بہیں گے تو آنکھوں سے خون بہائیں گے۔"

الترغیب والترھیب ۴/ ۴۹۳' حاکم نے صحیح کہا اور منذری نے موافقت کی' ۴/ ۵۳۹)

خدایا ___ ! روز محشر جب تو اپنے بندوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ اپنے عذاب اور عتاب سے ہماری حفاظت فرما۔ جہنم سے اپنی پناہ میں رکھ' اور نیکوں کے ساتھ بہشت میں داخل فرما۔

● عالم برزخ:

تعریف: برزخ لغت میں آڑ اور پردے کو کہتے ہیں۔ جو دو چیزوں یا کسی دو حقیقتوں کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دو نہروں یا دریاؤں کے درمیان واقع خشک زمین (دوآبہ) کو' اِنسان و حیوان کے درمیان حد فاصل کا کام دینے والی حقیقت ___ یعنی قوتِ گویائی ___ کو اور شک و یقین کی درمیانی' حالت کو "برزخ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شریعت کی زبان میں عالم برزخ وہ عالم ارواح ہے جہاں روحیں زمینی عناصر کی قید سے آزاد اپنی مستقل ایک زندگی رکھتی ہیں۔ اور راحت اور اذیت آپ سہتی ہیں' زندگی اور حیات کے مدارج تین ہیں ا۔ پہلا مرحلہ: دنیا کی زندگی: اس مرحلہ میں روحیں عناصر اور جسموں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اور انہیں جسموں کی وساطت سے ان کو راحت یا اذیت کا احساس ہوتا ہے۔

۲۔ ___ دوسرا مرحلہ: برزخ کی زندگی: اس مرحلہ میں روحیں عناصر اور جوہر کی قید سے آزاد ہوجاتی ہیں۔ اور سزا یا جزا سے براہِ راست اثر پذیر ہوتی ہیں۔ البتہ اس امر کا احتمال ہے کہ اس عالم میں روحوں کو یا تو کوئی مخصوص جسم عطا ہوتا ہے۔ جس سے منسلک ہو کر وہ عالم برزخ کا

عارضی زمانہ گذارتی ہیں۔ یا بغیر جسم کے یونہی رہتی ہیں[1] ۳۔ آخرت کی زندگی: اس زندگی میں روحوں کو دوبارہ وہ جسم عطا ہوگا جس کے اندر دنیا کی زندگی میں وہ رہتی تھیں اور اسی میں ان کی موت ہوئی۔ دنیا اور آخرت کی اسی درمیانی زندگی کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ یہ زندگی دراصل اِنتظار کا وقفہ ہے۔ تاکہ ارواح یکجا ہو کر عالم آخرت کے لئے آمادہ اور تیار ہوں' غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا پہلا مرحلہ' یعنی دنیا کی زندگی پیہم تخلیق اور مسلسل ایجاد و اختراع پر مبنی ہے۔ اس جہان میں قدرتِ الٰہیہ اپنے مخصوص اور پیچیدہ نظام کے تحت جسم' اور جان کی تخلیق کرتی ہے جس کے بعد کل خلائق کی عملی زندگی شروع ہوتی ہے۔ ہر کوئی پہلے سے مقرر زندگی کے میدان میں متحرک اور سرگرم عمل ہوتا ہے تاآنکہ اس کی موت کا وقت آجاتا ہے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔ اب آدمی تو مرجاتا ہے لیکن دوسری طرف ملا اعلیٰ میں اس کی کارکردگی اور چھوٹے بڑے ایک ایک عمل کو فوری یکجا کر لیا جاتا ہے تاکہ اس کی بنیاد پر اس دوسری زندگی سے ہی بندے کو اس کے اعمال کی سزا دی جائے۔ یا ابتداء سے نیک عمل کرنے پر اسے اچھا بدلہ ملے غرض ہر فرد بشر کی پیدائش کے بعد سے عمل اور بے عملی کا سلسلہ یوں ہی دراز رہتا ہے۔ ادھر قدرتِ خداوندی کا تخلیقی سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ نسل درنسل لوگ دُنیا کے اسٹیج پر آتے ہیں اور اپنے وقت پر دنیا کو خیرباد کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جو حق تعالیٰ کے علم میں پہلے سے مقرر ہے جس کے بعد کائنات

---

[1] اس عبارت میں اس صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حضور ﷺ نے شہیدوں کی زندگی سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا

"ان کی روحیں سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں۔ ان پرندوں کے رہنے کے واسطے کچھ قندیلیں عرش میں آویزاں ہیں۔ پرندے جنت میں جہاں چاہتے ہیں بسیرا کرتے ہیں۔ پھر لوٹ کر انہیں قندیلوں کے پاس آجاتے ہیں۔"

(مسلم ۳۸/۶' ۳۹)

کا سب سے عظیم اور مہیب انقلاب رونما ہوگا دنیا تباہ و برباد ہو کر ختم ہو جائے گی۔ اور ایک نیا عالم اور نئی زندگی رونما ہوگی اس موقع پر ہم کہیں گے کہ تخلیق کے اس پہلے مرحلہ کے بعد — جس کا ذکر اوپر گذرا — یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عالم آخرت سے پہلے ایک اور عالم برپا ہو۔ تاکہ اپنی اپنی کارگذاری کے بعد روحیں وہاں اکٹھا ہوں اور جب دنیا کے آخری اِنسان کی روح بھی وہاں پہنچ جائے اور پہلی دنیا فنا ہو جائے تب زندگی کا تیسرا دور شروع ہو۔ آرواح کو دوبارہ ان کے جسموں میں منتقل کیا جائے۔ اور وہ اپنے کئے کی سزا میں دوزخ یا نیکی کے صلہ میں جنت کی حقدار ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ اور آخرت بدلہ کی جگہ ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ عالم برزخ کے نام سے ایک بیچ کی دنیا ہے۔ جو درحقیقت فیصلہ اور اِنتظار کا وقفہ ہے۔ دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزاء ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● — كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ○ (آلِ عمران:۱۸۵)

ترجمہ "ہر ایک شخص ایک نہ ایک دن موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تم سب کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا تو (اس دن) جو شخص دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا۔ اور دنیا کی زندگی تو محض دھوکہ کا سودا ہے۔"

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جیسا اس سے پہلے گذرا عالم برزخ — جہاں روحیں، مادی عناصر سے آزاد اور یکجا ہوں گی — کیا روحوں کو سزا اور جزا وہیں سے ملنی شروع ہوگی — ؟ جس کے سبب ان کا وقفہ اِنتظار راحت کدہ، یا اذیت گاہ میں تبدیل ہو جائے گا؟ یا جزا اور سزا کا معاملہ اس کے آگے سے شروع ہوگا — ؟ جواب میں عرض ہے کہ سزا اور جزا کا آغاز اسی عالم برزخ سے ہوگا جس کی تفصیل ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

● **عالم برزخ میں روح کو راحت یا اذیت کا مرحلہ:**

پہلا مرحلہ: نزاع اور جان کنی کا عالم: آیات و روایات کی روشنی میں یہ حقیقت سورج

سے زیادہ واضح ہے کہ جان کنی کے وقت سے روح کو رحمت کے فرشتوں سے راحت یا عذاب کے فرشتوں سے اذیت ملنی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر لحہ بہ لحہ اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● ـ وَلَوْ تَرٰى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ؕ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ (انفال:۵۰'۵۱)

ترجمہ "کاش تم (اپنی آنکھوں سے) وہ حالت دیکھو جبکہ فرشتے ان کافروں کی جان نکالتے ہیں۔ اور ان کے چہروں اور پٹھوں پر مارتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ ابھی کیا ہے آگے چل کر) دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھو یہ ان اعمال کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

● ـ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ؕ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ○ (انعام:۹۴'۹۵)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر) کاش تم ان ظالموں کو اس وقت دیکھو جب وہ موت کی سختی میں مبتلا ہوں' اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھا رہے ہوں (اور یہ کہہ رہے ہوں) کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے۔ اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے اور (پھر ان سے اللہ فرمائے گا کہ) ہمارے پاس تم تنہا آگئے' جس طرح ہم نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ساز و سامان' تمہیں دنیا میں دیا تھا وہ سب پیچھے چھوڑ آئے۔ آج ہم تمہارے ساتھ ان سفارش

کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعوے کرتے تھے کہ وہ تمہارے کاموں میں اللہ کے شریک ہیں۔ آج تمہارے آپس کے سب تعلقات ٹوٹ گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے وہ سب جاتے رہے۔"

"باسطوا ایدیھم" کا لفظ بتاتا ہے کہ قریب مرگ کافر اور فاجر کے اوپر موت کے فرشتے ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں اور جیسا کہ "انفال" کی آیت سے معلوم ہوا یہی فرشتے انہیں طمانچہ مارتے ہیں۔ اور ان کی پیٹھ اور سینوں پر ضرب پہنچا کر ان کی خوب پٹائی کرتے ہیں۔ جان کنی کے وقت اس قسم کی' سزائیں کافروں' مشرکوں اور بدکاروں کو دی جاتی ہیں' رہے پاکباز' پرہیز گار اور خدا کے مومن بندے تو' ان کے بارے میں حضور ﷺ نے واضح طور پر فرمایا:

"جب مومن بندہ دنیا سے رخصت ہو کر عالم بالا کا رخ کرتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے اتر کر آتے ہیں جن کے چہرے سورج سے زیادہ شفاف ہوتے ہیں۔ ان کے ہمراہ جنت کی کفن ہوتی ہے۔ اور جنت کی خوشبو ساتھ ہوتی ہے۔ اور مومن کی جہاں تک نگاہ جاتی ہے فرشتے وہاں تک آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر موت کا فرشتہ حاضر ہوتا ہے۔ اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے۔ اے پاکیزہ روح! اپنے رب کی مغفرت اور اس کی خوشنودی کی طرف چل ــــ (سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے) حضور ﷺ نے فرمایا: یہ سنتے ہی روح جسم سے اس طرح نکلتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی نکلتا ہے۔

رہیں کافروں اور منافقوں کی بدروحیں تو (راوی) کہتے ہیں کہ ان سے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا:

"اور جب کافر دنیا کو چھوڑ کر دارِ آخرت کی طرف کوچ کرتا ہے تو اس کے قریب آسمان سے سیاہ فام فرشتے نازل ہوتے ہیں ان کے پاس ٹاٹ ہوتا ہے۔ حد نظر تک یہ فرشتے آکر بیٹھ جاتے ہیں پھر موت کا فرشتہ حاضر ہو کر اس کے سر کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ اے ناپاک روح! اپنے پروردگار کے غضب اور اس کی ناراضگی کی طرف چل ــــ یہ سن کر روح جسم میں اِدھر اُدھر بھاگنا چاہتی ہے۔ لیکن فرشتہ موت اسے یوں کھینچتا ہے۔ جیسے نکلے (چرخہ کی سلاخ) سے گیلی اون پکڑ کر ادھیڑی جاتی ہو۔[1]

---

[1] احمد' منذری نے اس کے رواۃ کو ازروئے صحیح لائق حجت مانا ہے۔ الترغیب ۴/۳۶۶' ۳۶۷ احمد ۴/۲۸۸' ۲۹۶' ۵/۱۳۶ فتح ربانی ۷/ ۸۴' ۸۔ نسائی نے قریب قریب انہی الفاظ سے اس کی روایت کی ہے ۴/ ۷' ۸

دوسرا مرحلہ: قبر دوسری زندگی کا پہلا زینہ' اور دارِ آخرت کی چوکھٹ ہے۔ مرنے کے بعد اور قبر میں بھی جسم اور جان کو یکساں عذاب ہوتا ہے۔ عذاب ابتداء سے شروع ہو جاتا ہے۔ پھر جسم (فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس) کی بجائے روح کو عذاب ہوتا ہے۔ قبر کا عذاب بھی برحق ہے۔ اور عقل و نقل سے ثابت ہے۔ عقل سے اس لئے کہ' ازروئے عقل عذاب کا ہونا محال نہیں۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ غیر محال امر کا وجود یقینی ہے۔ اس لئے اسی عالم میں سزا یا جزا کا تصور بعید از قیاس نہیں' — علاوہ ازیں ہر شخص جانتا ہے۔ اور ہر کسی کو اس کا ذاتی تجربہ ہے کہ خواب میں راحت اور آرام کو دیکھ کر خواب دیکھنے والا اپنے اندر از حد سکون اور چین محسوس کرتا ہے۔ تاآنکہ نیند کھل جانے پر راحت کی ان گھڑیوں کے چلے جانے کے بعد سخت حسرت ہوتی ہے۔ لیکن اذیت ناک خواب دیکھ کر' نہایت دکھ ہوتا ہے۔ اور اس سے نجات تب ملتی ہے جب آنکھیں نیند سے بیدار ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی مشاہدہ ہے کہ اچھے یا برے خواب کا اثر دل و دماغ پر ایک عرصہ تک طاری رہتا ہے۔

عذابِ قبر کی منقول دلیل حضور ﷺ کی وہ صحیح روایت بھی ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا۔

"جونہی موت کا فرشتہ مومن بندے کی روح قبض کرکے اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ پلک جھپکنے سے پہلے ہمراہ آنے والے فرشتے روح کو اس کے ہاتھ سے لے لیتے ہیں۔ اور ساتھ لائے ہوئے کفن اور خوشبو میں رکھ لیتے ہیں جس کے اندر سے روئے زمین کی بہتر سے بہتر خوشبو پھوٹتی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا: اس کے بعد فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں۔ اور ان کا گذر فرشتوں کے جس گروہ پر سے ہوتا ہے وہ یہی کہتے ہیں۔ اس قدر پاکیزہ روح کس کی ہے؟ ہمراہ فرشتے جواب میں بہتر سے بہتر نام کے ساتھ اس کا نام اور اس کی ولدیت بتاتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں عام طور پر اس کو پکارا جاتا تھا۔ غرض اسی طرح فرشتے اس کو لئے آسمانِ دنیا تک پہنچتے ہیں۔ اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ دروازہ فوراً کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے اگلے آسمان تک اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ تاآنکہ ساتویں آسمان تک ان کی رسائی ہوتی ہے۔ تب حق تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے میرے بندے کا اندراج علیین (جنت کا ایک اونچا مقام) میں کر دو۔ اور اس کی روح اس کے جسم میں پہنچا دو۔ پھر (قبر میں) دو فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور مردہ کو بٹھا کر اس سے سوالات کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے۔ میرا رب

اللہ ہے۔ فرشتے دوبارہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے۔ میرا دین اسلام ہے۔ تیسرا سوال ہوتا ہے۔ یہ کون ہیں جنہیں تیری طرف بھیجا گیا۔ وہ کہتا ہے یہ اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتے پھر کہتے ہیں۔ تجھے (اور) کچھ خبر بھی ہے؟ مردہ کہے گا (کیوں نہیں) میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ اس پر ایمان لایا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ تب آسمان سے ندا آتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ اس لئے اس کی خاطر جنت کا فرش بچھا دو۔ جنت کا ایک دریچہ کھول دو۔ حضور فرماتے ہیں۔ اس دریچہ سے جنت کی خوشبو اور اس کی ہوائیں آئیں گی۔ اور حد نظر تک اس کی قبر کشادہ ہو جائے گی۔ پھر ایک خوبصورت خوش پوش اور عطر میں بسا ہوا آدمی نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ تمہیں بشارت ہو' خوش ہو جاؤ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ مردہ کہے گا تم کون ہو؟ تمہارا مبارک چہرہ ہی مسرت کا پیغام دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں مردہ کہے گا۔ خدایا' قیامت جلد قائم فرما۔ تاکہ میں اپنے گھر والوں اور اپنی پونجی تک پہنچ جاؤں۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب موت کا فرشتہ بری روح کو نکالتا ہے تو ہمراہی فرشتے جھپٹ کر اسے چھین لیتے ہیں۔ اور ساتھ لائے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں۔ روئے زمین کے بدتر' مردار سے زیادہ اس کی بدبو ہوتی ہے۔ پھر اسے لے کر وہ آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ وہاں ان کا گذر فرشتوں کے جس گروہ پر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔ اس قدر ناپاک روح کس کی ہے؟ ہمراہ فرشتے بدتر سے بدتر نام کے ساتھ اس کا اور اس کے باپ کا نام بتاتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں اس کو پکارا جاتا تھا پھر اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے جاتے ہیں۔ لیکن دروازہ نہیں کھلتا پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۝ (اعراف:۴۰)

ترجمہ "ان کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے (نہ) نکل جائے۔"

پھر خداوند عالم کی طرف سے ندا آئے گی۔ اس کا اندراج (زمین کی نچلی تہہ) "سجین" میں کر دو چنانچہ روح کو وہیں سے نیچے کی طرف پھینک دیا جائے گا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہ آیت شریفہ پڑھی۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ

بِهِ الرِّيْحُ فِي مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○ (حج:۳۱)

ترجمہ "اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو گویا وہ آسمان سے نیچے گر پڑا پھر اسے پرندے اچک لے گئے۔ یا ہوا کے جھونکے نے اس کو کسی دور دراز جگہ لے جا کر پٹک دیا۔"

اب اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے اور دو فرشتے اس کے پاس آکر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہے گا ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ پوچھیں گے یہ کون ہیں جنہیں تیری طرف بھیجا گیا۔ وہ کہے گا ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر آسمان سے ایک منادی آواز دے گا۔ اس نے جھوٹ کہا۔ اس کے لئے آگ کا فرش بچھا دو۔ اور دوزخ کا ایک دریچہ کھول دو۔ اس کے کھلتے ہی جہنم کی آنچ۔ اس کی حرارت' اور گرم گرم ہوائیں آئیں گی۔ قبر نہایت تنگ ہو جائے گی۔ جس سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے گتھ جائیں گی۔ پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا۔ جس کا چہرہ ڈراؤنا ہوگا اس کے کپڑے غلیظ ہوں گے اور اس سے سخت بدبو آتی ہوگی۔ وہ کہے گا تجھے ایسی چیز کی خوشخبری ہو جس سے تجھے اذیت پہنچے آج وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ وہ کہے گا۔ تو کون ہے؟ تیرے ڈراؤنے چہرے سے شر اور برائی ہی جھلکتی ہے۔ وہ کہے گا میں تیرا ناپاک عمل ہوں۔ وہ کہے گا خدایا قیامت قائم نہ کرنا۔ پھر اس پر ایک اندھا بہرہ اور گونگا فرشتہ مسلط کر دیا جائے گا۔ اس کے ہاتھ میں ایسا گرز ہوگا۔ کہ پہاڑ کو مارے تو ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرشتہ اس گرز سے اس کو مارے گا۔ مردہ ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ اسے حسب سابق ویسا ہی کر دے گا۔ فرشتہ پھر گرز مارے گا۔ ہر بار مردہ اتنی زور سے چلائے گا جسے جنوں اور انسانوں کے سوا کل خلائق سنتی ہوگی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ پھر اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور جہنم کا فرش لگا دیا جائے گا ۔۔۔ یہ بھی صحیح روایت سے ثابت ہے کہ دو فرشتوں میں سے ایک کا نام "منکر" اور دوسرے کا نام "نکیر" ہوگا یہ دونوں اپنے دانتوں سے زمین پھاڑتے ہوں گے۔ اور اپنے منہ سے زمین کھودتے ہوں گے۔ ان کی آواز بجلی کی گرج' کڑک کی طرح' اور نگاہیں برق کی طرح ہوں گی یہ دونوں فرشتے مردے کو بٹھائیں گے ۔۔۔ الخ

(احمد' منذری: اس کی اسناد حسن ہے۔ الترغیب ۴/۳۶۹)

تیسرا مرحلہ۔ : قبر میں یا قبر سے دور عالم برزخ میں راحت یا عذاب: مر کر مٹی میں

مل جانے کا درمیانی عرصہ۔ انسان کی آزمائش اور امتحان کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس پوری مدت میں انسان کو امرواقعہ اور اپنی حقیقت و انجام کا بخوبی علم ہوجاتا ہے۔ مرنے کے بعد ہی فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کی نیک بختی یا بدبختی عیاں ہوجاتی ہے۔ اور پھر حق تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (کلمہ طیبہ) کی برکت سے دنیا و آخرت میں ثابت قدم اور مضبوط رکھتا ہے۔ اور ظالموں کو راہ سے بے راہ بنا دیتا ہے۔ اس وسط مدتی وقفہ میں روح کو کمال احترام کے ساتھ علیین میں رکھا جاتا ہے۔ یا زمین کی تہہ میں پھینک دیا جاتا ہے اور روحیں' اپنے اپنے مستقر پر مامون یا محبوس رہ کر انتظار کے ان لمحات کو بسر کرتی ہیں تاآنکہ حق تعالیٰ جسموں کو پھر سے پیدا فرماتا ہے۔ اور ان کے اندر جان ڈالتا ہے۔

اتنا ضرور ہے کہ روحیں جہاں کہیں اور جس حال میں رہتی ہیں ان کا تعلق اپنی قبر یا زمینی مستقر سے برقرار رہتا ہے۔ جہاں مرنے کے بعد انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں کی زمین میں اس کی ہڈیاں رل مل جاتی ہیں۔ اور یہ تعلق جیسا کہ عرض کیا گیا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے آج ریڈیائی لہریں ریڈیو اور اس کے اسٹیشن سے منسلک ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب قبر اپنی قبر پر آنے اور سلام کرنے والے کو پہچانتا ہے۔ (ابن عبدالبر۔ جنت کے بیان میں یہ روایت گذر چکی ہے) اس بناء پر یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قبر کی زندگی سے جنت کی راحت' یا دوزخ کے عذاب کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ہاں شہداء کی روحیں اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ چنانچہ کتاب و سنت سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ ان کی روحیں جنت کے اندر سبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں۔ اور عرش سے لٹکنے والی قندیلیوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ○ (آلِ عمران:۱۶۹'۱۷۰)

"اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے ان کو مرے ہوئے نہ سمجھنا (وہ مرے نہیں) بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں۔ ان کو رزق (بھی) مل رہا ہے۔ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انہیں عطا فرمایا اس سے خوش ہیں۔"

نیز حضور ﷺ نے فرمایا:

"ان کی روحیں سبز پرندوں کی جوف میں ہوتی ہیں۔ ان پرندوں کے رہنے کے واسطے کچھ قندیلیں عرش میں آویزاں ہیں۔ جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں۔ یہ پرندے سیر کرتے ہیں۔ پھر لوٹ کر ان قندیلوں کے پاس آجاتے ہیں۔ پروردگار ان کی طرف جھانکتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ "کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں اب ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ جنت میں جہاں چاہتے ہیں تفریح کرتے پھرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ یہ معاملہ ان کے ساتھ تین مرتبہ فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مزید درخواست کے بغیر چارہ نہیں تو عرض کرتے ہیں۔ پروردگار ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ دوبارہ ہم کو ہمارے بدنوں میں واپس بھیج دے' تاکہ ہم تیری راہ میں مارے جائیں۔ جب خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اب ان کو کوئی حاجت نہیں ہے تو (ایسی حالت پر) ان کو رہنے دیا جاتا ہے۔

(مسلم ۳۸/۶'۳۹)

  

اِسلامی عقیدہ کا چھٹا رکن

قضاء و قدر پر اِیمان

اِسلامی عقائد نے ابتدا سے دنیا میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کیا جس نے لرزہ براندام اِنسانی ڈھانچوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اور چار دانگ عالم میں تہلکہ مچا دیا۔ جس کے ذریعہ رونما ہونے والی تبدیلیوں نے باطل کے قصر و ایوان میں لرزہ طاری کیا۔ اور فتنہ و شر' کفر و شرک' جہالت و گمراہی اور جھوٹی خدائی کے سارے غرور کو خاک میں ملا دیا' اِسلام کے ان سادہ اور پاکیزہ عقائد کو آڑ بنا کر اِسلام اور مسلمانوں کے ازلی دشمن: یہود و نصاریٰ اور دہریوں نے عرصہ دراز سے ان کے خلاف ایک محاذ بنا رکھا ہے۔ اور ان کے اوپر الٹے سیدھے اعتراضات کرنا آئے دن کا مشغلہ بنالیا ہے۔ جبکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے برگزیدہ صحابہ اور ان کے مخلص ہم نواؤں نے نہایت کم مدت میں جو زبردست انقلاب برپا کیا۔ اور بگڑی ہوئی دنیا کا جس طرح رخ موڑ دیا اس کی پشت پر راسخ اِیمان اور بے مثال استقلال کی شکل میں موجو یہی صالح اور نیک عقیدہ موجزن تھا۔ لیکن تاریخ کے اس سب سے بڑے انقلاب کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی آب و تاب کو زائل کرنے کے لئے ان کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ ان راست اور صاف و شفاف عقائد کو مشکوک اور ان کے ماننے والوں کو ان سے بدگمان کیا جائے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج' مسلمانوں کی بھاری اکثریت عقائد سے برگشتہ اور شک و الحاد کی وادی میں سرگرداں ہے۔ مزید برآں' دشمنانِ اِسلام نے تہیہ کر رکھا ہے کہ بڑھ کر ان تاروں کو درمیان سے کاٹ دیں جن سے روشنی اور توانائی جو ان عقائد کے ذریعہ ان کے ماننے والوں کو ملتی رہی ہے منقطع ہو جائے۔ پوری دنیا پر گہری تاریکی کے سیاہ بادل چھا جائیں۔ اور عالم اِنسانیت تباہ و برباد ہو کر جہنم رسید ہو جائے۔

بطورِ ثبوت ہم قضا و قدر کے اسی ایک عقیدے کو پیش کرتے ہیں۔ ہرچند کہ اِسلام تنہا اس عقیدے کا نام نہیں۔ اس لئے کہ یہ اِسلامی عقائد کا محض ایک جز ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ غیر مُسلم اس عقیدے کو آڑ بنا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی لائی ہوئی روشنی کو بجھانا چاہتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ مخالفین کے غلط سلط پروپیگنڈے کا شکار ہو کر مسلمان بھی قضا و قدر کے عقیدے سے بدظن اور دن بدن اس کے منکر ہوتے جارہے ہیں اور دشمنوں کے رنگ میں رنگ کر یہ سوچنے لگے ہیں کہ اِسلام عقیدۂ جبر' علیحدہ پسندی اور اندھی پیروی کا قائل ہے۔ یہ تخیل عالم اِسلام کے گوشے گوشے میں عام ہوتا جارہا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مسلمان خواہ کہیں آباد ہوں مخالفین کے طعن تشنیع کا نشانہ اور ذہنی پراگندگی اور ہیجان کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔

آج جبکہ اِسلام اور اس کے دم سے پھیلنے والے اجالے کی رفتار سست ہوچکی ہے جبکہ آغاز میں اس کی ضیا بار کرنوں نے عالم کو منور کیا۔ اور دنیا کو نیکی' سچائی اور ہدایت سے معمور کیا۔ لیکن بدقسمتی سے ان ترقیات کے رُک جانے پر مخالفین اِسلام بغض و عناد اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ مسلمان اپنے عقائد خصوصاً قضا و قدر کے نظریے کی وجہ سے ذلت و نکبت۔ فقر و فاقہ اور ضعف و پستی میں مبتلا ہیں۔ یہاں یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ سراسر جھوٹ' بہتان اور حقائق سے پہلو تہی ہے۔ جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ آج کا مسلمان قضا و قدر پر کما حقہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے نہیں بلکہ غلط طریقے سے اسے ماننے کی وجہ سے ذلیل و خوار اور پریشان ہے۔ اور یہ حرکت بھی انہیں دشمنانِ اِسلام کی ہے' جنھوں نے ان کے عقائد میں تحریف و تاویل کی اور اسے بے جان بنا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں نے بھی آنکھیں بند کرکے اسے قبول کرلیا اور نتیجے میں خود گمراہ اور ذلیل و خوار ہوئے۔

آج یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ غیر مُسلم مسلمانوں کو بدعقیدہ اور گمراہ کرنے کیلئے ان کے عقائد میں سو عیب نکالتے ہیں اور مسلمان ہیں کہ ان کے جھانسہ میں آکر ان عقائد سے دستبردار' تشکیک کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ اور دن بدن پستی اور ذلت کے گڑھے میں گرتے جارہے ہیں۔ مسلمانوں کی روز مرہ کی زبوں حالی اور پستی کو بطورِ ثبوت پیش کرتے

ہوئے ان کے دشمن یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس ذلت و رسوائی کا سبب ان کے یہی عقائد ہیں جن کے زیر اثر وہ اپنی بھلی بری زندگی گذارتے ہیں اور سرنگوں ہیں۔

افسوس ہوتا ہے کہ آج کا مسلمان نہ اپنی ذلت و تباہی کے حقیقی اسباب کی جستجو کرتا ہے نہ ہی دشمن کی مکاری اور عیاری اور اس کی چالبازیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بجائے وہ اپنی قسمت کو کوستا ہے۔ اور فسق و فجور میں زندگی گذارنے اور اپنی ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے کیلئے تقدیر کا بہانہ کرتا ہے۔ کبھی اس قدر شوخ چشمی اور دلیری کرتا ہے کہ اپنے خالق و مالک اور پروردگار پر الزام دھرتا ہے اسے ظالم و جابر ٹھہراتا ہے۔ اور اس کے فیصلوں کو انصاف سے ہٹا ہوا خیال کرتا ہے (نعوذ باللہ)

ان حالات کے تحت بندۂ مومن کے عقائد کی ضمن میں قضا و قدر کے عقیدے پر گفتگو بے حد ضروری ہوجاتی ہے' اس لئے کہ کیا عجب کہ ان تفصیلات کو پڑھ کر' یا انہیں سن کر خدا کا کوئی بندہ ان سے مستفید ہو۔ اس کی ذہنی الجھن' اور فکری پریشانی کا ازالہ ہو۔ قضا و قدر سے متعلق اس کا عقیدہ درست ہو' اس کا اِیمان راسخ اور تقدیرِ اِلٰہی پر وہ راضی برضا ہو۔ اللہ اور اس کے رسول سے اطاعت کا جذبہ اس کے اندر بیدار ہو۔ اور وہ پھر سے سرگرمِ عمل ہو کر دنیا میں بامراد اور آخرت میں شاد کام ہو۔

قضا و قدر کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے اس بحث سے پیشتر بطورِ تمہید تین ضروری امور پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے خدا نے چاہا تو حقیقت تک رسائی آسان ہوگی' اور مقصد کا حصول ممکن ہوگا۔

● ا۔ کائنات اور اس کا نظام: کائنات سے ہماری مراد کل عالم علوی اور سفلی اور تمام موجودات ہیں۔ جیسے آسمانوں اور زمین کے اندر اور ان کے درمیان صدہا خلائق اور چھوٹی بڑی اشیاء کائنات کی وسعت لامحدود' اور ان کے اندر شامل عوالم کی تعداد لامتناہی اور بے شمار ہے۔ اسلیئے کہ کہنے کو یہ کائنات ہے۔ لیکن اس کے اندر رنگا رنگ کی ہزاروں دنیا آباد ہے۔ ہر دنیا کا یہ حال ہے کہ اِنسانی عقل اس کے عجائب و غرائب کے آگے انگشت بدنداں اور حیران و سرگرداں ہے۔ اسی آسمان کے اندر جو ہماری دنیا پر ایک شامیانے کی طرح سایہ فگن ہے اربوں کھربوں ستارے' سیارے' اور سیارچے گردش و عمل میں مصروف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

کی ساخت' جسامت' زمین سے اس کی دوری اور مسافت' اس کا محور' اس کی گردش' اور اس کی خصوصیات' دوسرے تمام ستاروں اور سیاروں سے یکسر جداگانہ اور مختلف ہے۔

ہماری یہ زمین جس پر اِنسانوں کا کنبہ سکونت پذیر ہے اسی ایک کرہ پر چھوٹی بڑی اس قدر دنیا آباد ہے جو کسی طرح اجرام سماوی اور عالم علوی سے کم نہیں' چنانچہ اس دنیا میں ایک طرف جہاں اِنسانوں کی ایک دُنیا ہے اس کے پہلو بہ پہلو حیوانات اور ان کی گوناگوں قسمیں' نباتات اور ان کی مختلف اقسام' جمادات اور ان کی سینکڑوں انواع بھی موجود ہیں۔ پھر ان میں سے ہرایک کی ساخت ہیئت' رنگ' طبیعت' فطرت اور خصوصیت جدا جدا اور مختلف ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ تمام عالم بالا اور عالم زیریں' قدرت کے انتہائی پیچیدہ اور عجیب و غریب نظام میں اس طرح جکڑے اور بندھے ہیں کہ ان میں کہیں بے قاعدگی اور فتور نہیں کہیں بد نظمی اور نقص نہیں' بلکہ انتہا درجہ کا نظم و نسق' غایت درجہ کی موزونیت اور استحکام' اور اس حد تک توازن اور ترتیب موجود ہے جس سے زیادہ موزونیت اور درستی قیاس و گمان سے بالاتر اور حدو حساب سے ماوراء ہے۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ (الانعام:۲)

ترجمہ "وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہارے مرنے کا) ایک وقت مقرر کیا۔ اور (قیامت کا بھی) اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے۔ پھر بھی تم اس میں شک کرتے ہو؟۔"

ان تمام تر نیرنگیوں کے علاوہ کائنات میں صدہا تغیرات اور بے شمار چھوٹی بڑی تبدیلیاں روز مرہ کا معمول ہیں۔ اور یہ تمام تر تبدیلی اور تغیر مخصوص علت اور طے شدہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ چنانچہ افلاک کی گردش' سیاروں کی رفتار' ہواؤں کا چلنا اور بدلنا' تہہ بہ تہہ بادلوں کا اٹھنا اور برسنا' پھل' پھول اور پودوں کا اُگنا' اِنسانوں اور جانوروں میں توالد و تناسل کا سلسلہ' اور ان کی موت و حیات' غرض ہر قسم کی تبدیلی اور انقلاب' مخفی لیکن منظم

قانون اور مربوط آئین کا پابند ہے۔ ہر واقعہ کی مخصوص علت اور حکمت ہے۔ اور ہر حادثے کی مناسب وجوہات اور معقول اسباب ہیں۔ چنانچہ کائنات کے اندر وقوع پذیر ایسی کوئی تبدیلی نہیں بتائی جاسکتی جو حکمت سے خالی، کسی قانون سے مبرا۔ یا کسی سبب یا علت کے بغیر رونما ہوئی ہے۔

لیکن وہ علماء اور ماہرین جو کائنات کی ان چھوٹی بڑی صدہا تبدیلیوں کا قریب سے جائزہ لیتے رہے ہیں۔ انہیں اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ ربِ کائنات اور اس کی بزرگ و برتر ذات نے تخلیق سے پہلے اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کا تفصیلی اور جامع اندازہ قائم کیا۔ اور آج جو نظام جاری و ساری ہے ازل میں اسے وضع کیا۔ پھر کائنات کو ترتیب دیکر اس نظام سے اسے ایسا مربوط کیا کہ اس میں خلل و اضطراب نہیں رہا۔ نہ کہیں تقدیم و تاخیر کا ادنیٰ شائبہ باقی رہا۔ یہی نظام دراصل دنیا کی عمومی اور ہمہ گیر زندگی کا حقیقی راز ہے۔ اور جب تک قدرت کو منظور ہوگا اس نظام کے تحت یہ دنیا اپنی مقررہ مدت تک باقی رہے گی اور پھر فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اب یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ نبیوں اور رسولوں نے اپنے اپنے وقتوں میں جس نظام پر ایمان لانے کیلئے زور دیا۔ اور جس کے اچھے برے مقدرات کو راضی برضا ہو کر تسلیم کرنے کی تاکید کی۔ دراصل وہ یہی "قضاء و قدر" کا قدرتی نظام ہے۔

● ۲۔ وجود کیونکر ہوا؟: (عالم کا) وجود فی الوقت موجود ہے اس لئے اس کا انکار کرنا یا اس کے وجود پر مزید ثبوت پیش کرنا بے سود ہے۔ البتہ قدیم فلاسفہ اور جدید مفکرین عالم کے وجود پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلہ پر ضرور الجھ پڑتے ہیں کہ عالم قدیم اور ازلی ہے یا حادث ہے، کہ پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا، اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ "عالم حادث ہے۔" اور یہ اس لئے کہ عالم میں تغیر ہوا کرتا ہے۔ اور جو چیز تغیر پذیر ہے، وہ ازلی نہیں حادث ہے۔ عالم کے حدوث پر فلاسفہ کا استدلال یہی تھا۔ اور یہی تصور کم و بیش انیسویں صدی عیسوی تک برقرار رہا، تاآنکہ قانونِ طاقت (قانونِ توانائی (Tleat System) کے نظریہ کو فروغ ہوا۔ اور کسی تذبذب کے بغیر دورِ جدید کے فلاسفہ نے بڑی حد تک اسے فیصلہ کن قرار دیا۔ اس نظریہ کا حاصل یہ ہے کہ عالم نہ ازلی ہے نہ ابدی، بلکہ مخلوق اور حادث ہے۔ اور بالآخر فنا ہونے والا ہے۔ اور اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ فیصلہ کن توانائی ہمیشہ متحرک مادے سے (ساکن) مادے میں منتقل ہوا کرتی

ہے۔ اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس حرکت اور توانائی کا سرچشمہ کون ہے؟ اس لئے کہ جو چیز متحرک ہے ضروری ہے کہ اس کیلئے کوئی محرک ہو۔ محرک کا ہونا اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ معدوم شئے سے موجود کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوتی ہے جو بالذات یا بلاواسطہ تمام چیزوں کی محرک اور ازلی ہے- اور خود متحرک نہیں ہے۔ یہی خدا ہے۔ اس مقدمہ اور اس کی ترتیب سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ وجود (مادہ) ازلی نہیں ہے۔ جبکہ ملحد فلاسفہ اسے ازلی ماننے پر مصر ہیں۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ مادہ حادث ہے۔ اس لئے کہ معدوم ہونے کے بعد اس کی ابتداء ہوئی۔ اور جس کی ابتدا ہو لامحالہ اس کیلئے انجام ناگزیر ہے۔

اس علمی نکتہ کی تشریح کے بعد ایک مغربی مفکر لکھتا ہے۔ ان دلائل سے خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم کا آغاز ہوا۔ اور یہی آغاز خدا کے وجود کا بین ثبوت ہے- اسلئے کہ کوئی آغاز از خود ظہور پذیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مُوجد اول کا محتاج ہے- اور موجد اول یہی حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے- جیسا کہ قرآن اس عقدے کو حل کرتے ہوئے کہتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ اٰيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِي اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۝ (فصلت:۵۳)

ترجمہ "عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی' جانوں میں بھی ہم اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے۔"

قانون توانائی کے تحت جیسا کہ عرض کیا گیا۔ کہ توانائی ایک مسلسل عمل ہے۔ جس کے تحت' محرک جسم سے غیر متحرک جسم میں حرکت تسلسل کے ساتھ رواں دواں ہوتی ہے — ماہرین اس کے بھی قائل ہیں کہ "یہ طاقت تابکے جاری رہے گی۔ ایک نہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب اس توانائی کا ذخیرہ ختم ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سارا عالم فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔" لیکن جہاں تک بندۂ مومن کا تعلق ہے وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ محض ذخیرہ ختم نہ ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا بنانے والے نے اس کی بقاء کیلئے جو وقت مقرر کر رکھا تھا وہ پورا ہو جائے گا۔ اور پھر یہ عالم افلاک اور سارا نظام درہم برہم ہو کر مٹ جائے گا۔

چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ' لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ' خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ' اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا' فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ○ (واقعہ:۱-۶)

ترجمہ "جب قیامت ہوگی جس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں ہے تو وہ پست اور بلند کر دے گی۔ جبکہ زمین' سخت زلزلہ سے لرزنے لگے گی۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ غبار ہو کر اڑنے لگیں گے۔"

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ' وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ' وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○ (تکویر:۱-۳)

ترجمہ "جب آفتاب لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے۔اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔"

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ' وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ○ (انفطار:۱-۲)

ترجمہ "جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔"

مذکورہ بالا تحقیق جس کے ذریعہ ماہرین اور فلاسفہ عالم کا حادث' اس کے ازلی نہ ہونے' اور عنقریب فنا ہو جانے کو ضرور ثابت کرتے ہیں۔ لیکن پھر یہ سوال درپیش ہوتا ہے کہ عالم کا آغاز کیونکر ہوا؟ یا اس کائنات کی کیا حقیقت ہے؟ اس کے جواب میں فلاسفہ اور مادیین کی عقل دنگ اور ان کی زبانیں گنگ ہیں' اور ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ اور وہ وہم و گمان' ظن و تخمین' اندازے اور قیاس اور دجل و فریب کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں' اسی قسم کا انکل کا تیر وہ یہ کہہ کر چلاتے ہیں کہ زمین ایک دہکتے ہوئے شرارے کی شکل میں سورج سے جدا ہوئی' پھر اربوں کھربوں سال گذرنے کے بعد جم کر سرد ہوئی۔ اور اس کے اوپر بہت ساری خاکی پرت اور تہیں جمتی گئیں۔ تاآنکہ زندگی کی نمود اور جینے کے آثار' اس کے اوپر نمودار ہوتے گئے۔

توانائی اور زندگی کے بارے میں ان کا تخیل یہ ہے کہ ابتداء میں حیات انتہائی معمولی خلیہ کی شکل میں موجود ہوئی۔ پھر نشوونما کا دور شروع ہوا۔ اور ارتقاء کا زینہ طے کرتی ہوئی

اس حد تک پہنچی کہ آج اس کے مختلف مظاہر ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ جب زمین سورج سے نکلی تو خود سورج اور یہ اربوں کھربوں ستارے اور سیارے کہاں سے نکلے؟ نیز توانائی سے متعلق ان کا تصور یہ بھی ہے کہ کسی خلیئے یا جرثومے کی شکل میں کوئی چیز دوسرے سیارے سے برآمد ہوئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین کی طرح چاند یا کسی اور سیارے پر زندگی اور روئیدگی کے آثار کیوں نہیں نمودار ہوئے؟ جبکہ چاند پر اتر کر قریب سے اس کا مشاہدہ کرنے والے خلا بازوں نے بیک زبان کہا ہے کہ چاند پر زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ باری تعالیٰ نے بجا ارشاد فرمایا کہ:

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ (کہف:۵۱)

"میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت بلایا۔ اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔"

اس میں شک نہیں کہ باری تعالیٰ کی اعلیٰ وارفع ذات کا اس کے ماننے والوں خصوصاً ہم مسلمانوں پر بڑا کرم ہے جو اس نے خلق و تکوین اور اس کے مختلف مدارج اور کیفیات کو قرآنِ پاک میں کھول کھول کر بیان فرمایا۔ اور انہیں وہم و گمان کی بھول بھلیوں اور ظن و تخمین کی وادیوں میں بھٹکنے سے محفوظ رکھا۔ یہ بھی بجا ہے کہ خلق و تکوین کے سررشتہ کو جتنا وہ جانتا ہے کوئی دوسرا نہ اسے جان سکتا ہے نہ ان سے متعلق اس کے جیسی سچی خبر کوئی اور دے سکتا ہے۔ سچ ہے وہ بڑا باریک بیں اور سب سے زیادہ باخبر ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ

الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ○ (انبیاء:۳۰،۳۳)

ترجمہ: "کیا کافروں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (ابتدائی حالت میں) ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو الگ الگ کیا اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کیں۔ (ان باتوں کو سن کر) یہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ رکھ دیئے کہ کہیں زمین ان کو لے کر جھک نہ جائے۔ اور ہم نے اس میں کشادہ کشادہ رستے بنا دیئے تاکہ وہ (آسانی سے) راستہ پا سکیں اور ہم نے آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا۔ مگر یہ لوگ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ اور یہ سب آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔"

نیز فرمایا۔

قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ، ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ، فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ (فصلت:۹ تا ۱۲)

ترجمہ: "(اے پیغمبر ان سے) کہو کہ کیا اس اللہ سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا۔ اور تم بتوں کو اس کا مدمقابل بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے۔ اور اس میں برکت رکھی۔ اور اس میں لوگوں کی روزی ٹھہرائی۔ (یہ سب کچھ) چار دن میں (ہوا) پورے (چار دن) پوچھنے والوں کے لئے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس کو اور

زمین کو حکم دیا کہ دونوں آؤ' (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر اس نے دو دن میں سات آسمان بنائے۔ اور ہر آسمان میں اس کے مناسب فرشتوں کو حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (یعنی) ستاروں سے زینت دی۔ اور شیطانوں سے محفوظ رکھا۔ یہ اس اللہ کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو غالب اور علم والا ہے۔"

زمین و آسمان اور کل کائنات سے متعلق باری تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں۔ رب اِنسان' جن' حیوانات اور نباتات وغیرہ تو ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ' وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ (رحمٰن:۱۴'۱۵)

ترجمہ "اسی نے اِنسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا۔ اور جنات کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔"

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ' وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ○ (حجر:۲۶'۲۷)

ترجمہ "اور بلاشبہ ہم نے اِنسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ جو سڑے ہوئے گارے سے تیار ہوئی تھی اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی آگ سے پیدا کیا۔"

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَايَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (نور:۴۵)

ترجمہ "اور اللہ نے ہر چلنے پھرنے والے جانور کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں کوئی ایسا ہے جو پیٹ کے بل چلتا ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے۔ اور ان میں کوئی ایسا ہے جو چار پاؤں پر چلتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○

(عبس:۲۴تا۳۲)

ترجمہ "انسان کو چاہئے کہ اپنی غذا پر غور کرے کہ ہم نے خوب پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں (بہت کچھ) اگایا (یعنی) غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغ اور میوے اور چارہ (یہ سب کچھ ہم نے) تمہارے لئے اور تمہارے چارپایوں کے لئے (اگایا)۔"

سوچنا چاہئے کہ جن وانس اور کل کائنات سے متعلق باری تعالیٰ کے کہاں یہ ارشادات! اور کہاں ان ملحدین اور دہریوں کی ہرزہ سرائی اور خرافات ظاہر ہے ان زندہ اور تابندہ حقائق کے مقابلہ میں ان کی حیثیت مردہ اور معدوم یا زبان آور اور گویا کے مقابلہ میں گونگے اور بہرے کی سی ہے چہ نسبت خاک رابا عالم پاک ـــ

بھلا ان میں نسبت بھی کیونکر ہوسکتی ہے۔ جب کہ ملحدین کے مقابلہ میں صاحب ایمان وہ ہیں جنہوں نے مذکورہ بالا حقائق کو پرکھ کر انہیں قبول کیا۔ باطل نظریوں کے مقابلہ میں انہیں ترجیح دے کر ایمان لائے۔ اور اس پر انہیں کامل اطمینان ہوا جب کہ یہ بے دین اور دہریئے اپنے کفر اور سرکشی کے سبب گمراہ ہوئے۔ حقائق کا انکار کیا۔ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو ترجیح دی۔ اور قطعی اور یقینی حقائق کو چھوڑ کر شکوک و شبہات کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ جب وحی کا نور منور ہوا۔ اس کی ضیاء بار کرنوں نے تاریکیوں کو کافور کیا۔ اور چار سو اجالا ہوا تو ایمان والوں نے اس اجالے کو خوش آمدید کہا۔ اور اسی اجالے میں انہوں نے دیکھا کہ اہل باطل اور بے دین تاریکیوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ اور حیراں و سرگرداں پھر رہے ہیں۔ پھر خواہشات اور ہواوہوس کے صحرا میں انہوں نے ایک چمک دیکھی جو حقیقت میں سراب تھا۔ یہ اس کے پیچھے یہ سمجھ کر دوڑ پڑے یہی فیصلہ کن حقائق اور حکمت کا دریائے ناپیدا کنار ہے۔ اور یہاں ان کا گوہر مقصود مل سکتا ہے۔ لیکن بڑی مشکلوں کے بعد جب وہاں

پہنچے تو سوائے حسرتوں اور نامرادیوں کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰٓى
اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ' اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ
لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○

(نور:۳۹'۴۰)

ترجمہ "اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی دور سے) اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔ اور اللہ ہی کو اپنے پاس پائے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا دے۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (کافروں کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے کہ اس کو موج نے ڈھانک لیا ہو۔ اس موج کے اُوپر دوسری موج ہو اور اس کے اُوپر بادل (غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے کہ جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے۔ اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔"

۳۔ کائنات کے اندر ہونے والی تبدیلیوں پر نظر رکھنے والے اور اس کے ماہرین اس بات کے قائل ہیں کہ کائنات کی بڑی سے بڑی چیز جیسے سورج سے لے کر ادنیٰ درجہ کی چیز جیسے ایٹم' غرض کل عالم علوی اور سفلی عجیب و غریب لیکن مربوط نظام کے ساتھ وابستہ ہیں جس میں ردو بدل تو ایک طرف۔ ادنیٰ سی تقدیم و تاخیر اور نقص و فتور بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ چنانچہ قرآنِ پاک نے اس کی مکمل وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ' وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○

(فاطر:۴۳)

ترجمہ "تو تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا

ہوا نہ دیکھو گے۔"

یہ حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ اصول اور ضابطے جن سے سارا عالم اور کل کائنات مربوط ہے۔ ان میں سے کسی ضابطے میں درپیش ادنیٰ سا فتور سارے عالم کی چولیں ہلانے اور انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے کافی ہے۔ مثال کے طور پر عالم علوی کے ایک نظام' نظامِ شمسی کا کوئی ستارہ یا سیارہ اگر اپنے مدار سے ذرا سا ہٹ گیا۔ یا دوسرے ستارے یا سیارے سے ٹکرا گیا تو اس میں شک نہیں کہ آج قیامت آجائے گی۔ یا سورج آج جتنا گرم ہے اس کی حرارت میں اگر اس سے زیادہ اضافہ ہو یا کمی لاحق ہوئی تو کائنات جل کر راکھ ہو جائے گی۔ یا برف کی طرف ٹھٹھر کر جم جائے گی۔

یہ تبدیلی وہ ہے جو عالم علوی میں رونما ہوسکتی ہے۔ عالم سفلی میں آکسیجن جو ہوا کے ساتھ (۲۱%) فیصد کے تناسب کے ساتھ شامل ہے۔ خدا نخواستہ اگر اس کا تناسب بڑھ کر (۵۰ %) فیصد ہوجائے تو سارا عالم اور کل کائنات جل کر خاکستر ہوجائے۔ اور اگر مذکورہ بالا حد سے تناسب گھٹ جائے تو جملہ خلائق کا دم گھٹ جائے۔ اور دم کی دم میں ان کی روح پرواز کر جائے۔ حیات اور توانائی کے ساتھ مربوط قدرت کے عمومی نظام کی یہ ایک جھلک تھی جس کے اوپر بے شمار خلائق کی زندگی کا دارومدار ہے۔ لیکن حیات کا مخصوص قدرتی نظام جو اس دنیا میں جاری ہے۔ یہ اس پہلے نظام سے زیادہ دقیق اور عجیب و غریب ہے۔ مزید حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ہر جاندار کے وجود' اس کی پیدائش و فرائض' اس کے ارتقاء یہاں تک کے اس کے رہنے سہنے' رزق کے حاصل کرنے' اپنی حفاظت کرنے' اور جینے مرنے غرض زندگی کے ہر شعبے کے لئے اس کے اپنے مخصوص طریقے ہیں۔ اور جو لوگ اپنے گرد و پیش کی دنیا پر نظر رکھتے ہیں انہیں اس سلسلے میں مزید' معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔ البتہ بطورِ مثال ذیل میں ہم اِنسانوں' حیوانوں اور پودوں سے متعلق ان کی زندگی کے حصول اور بار آوری کے محض تین نمونے پیش کرتے ہیں۔

دیکھا جاتا ہے کہ مرد کا عورت کی طرف اور عورت کا مرد کی طرف ایک فطری میلان ہے جس کے تحت جنسی کشش اور اس کے نتیجہ میں باہم ملاپ کی مخصوص صورت عمل میں آتی ہے۔ اور قانونِ قدرت کے تحت اِنسانی نسل میں اضافہ اور اس کے تحفظ کا سلسلہ جاری

ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مرد و عورت یا بالفاظِ دیگر میاں بیوی فطری طور پر باہم اس طرح اشتراکِ عمل کرتے ہیں جس سے نسل کی حفاظت اور اولاد کی تربیت میں سراسر مدد ملتی ہے۔ چنانچہ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ عورت کے بار آور ہونے کے باوجود مرد کا اس کے ساتھ جنسی میلان برقرار رہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِنسانوں میں ۔۔ باہمی میل جول محبت اور نسل کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ جب کہ جانوروں میں بار آوری کے بعد نر مادہ کی طرف التفات نہیں کرتا بلکہ اس سے اعراض کرتا ہے۔ اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ نر مادہ کا التفات شہوانی میلان کی وجہ سے نہیں، جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ محض افزائش نسل کے لئے ہوتا ہے ۔ چنانچہ بار آوری کے آثار رونما ہوتے ہیں تو نر کی توجہ خود بخود ہٹ جاتی ہے۔ اور وہ ایک قسم کی بے التفاتی برتتا ہے۔ اسی افزائش کے نتیجے میں اِنسانی غذائیں جیسے گوشت، اون، بال، پوستین، دودھ اور اس سے بننے والی بے شمار چیزیں فراہم ہوتی ہیں۔ اور پہننے، اوڑھنے اور غذا کے بے شمار مسائل حل ہوتے ہیں۔ اِنسانوں میں باہم میلان اور جانوروں میں اس میلان کے فقدان کی ظاہری وجہ یہی ہے کہ جانوروں کو اولاد کی بقاء اور ان کے تحفظ اور مناسب تربیت کی کوئی حاجت نہیں ہوتی، نہ انہیں اس سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون کی کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں اِنسان وہ حیوانِ ناطق ہے جو ان امور کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے قدرت نے اس کے اندر اس مادہ کو پیدا کیا۔ اور اس کی مناسب تربیت فرمائی۔ سبحان اللہ یہ اس ہستی کی کاریگری ہے جو، نہایت اعلیٰ وارفع ہے۔ جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی۔ پھر انہیں راہ دکھائی۔ اِنسانوں اور حیوانوں میں اس امر کا مشاہدہ آئے دن کا معمول ہے۔ البتہ نباتات کے اندر مجھے جس قدر حیرت اور تعجب انجیر کے درختوں کے دوران ہوا، کسی اور کے مشاہدے کے وقت نہیں ہوا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر ذی عقل اور باشعور اس سے بے حد متاثر ہوسکتا ہے۔

چنانچہ جیسا کہ دیکھا جاتا ہے انجیر کے درختوں میں کچھ نر ہوتے ہیں اور کچھ مادہ بہار کے دنوں میں انجیر کے نر اور مادہ دونوں درختوں میں خوب پتیاں نکلتی ہیں۔ اور درختوں پر بہار آتی ہے۔ عام طور پر ابتداء میں چھوٹے چھوٹے دانوں کی شکل میں ان درختوں کے پھل نمودار ہوتے ہیں۔ البتہ نر درخت کے پھل قدرے تیزی سے بڑے ہوجاتے ہیں۔ اور جب

قدرتی طور پر زیرگی کے عمل کا وقت قریب آتا ہے۔ اور نر درخت کا دانہ پک جاتا ہے تو کسان ان پکے دانوں کو لے کر مادہ درختوں کی شاخوں پر جابجا لٹکاتا جاتا ہے۔ اس دوران یہ دیکھا گیا کہ ان ٹنگے ہوئے نر درختوں کے دانوں سے مکھی سے کہیں زیادہ باریک اور ننھا کیڑا نکل کر از خود مادہ درختوں کے دانوں پر پڑتا ہے۔ اور ان دانوں کے اوپری حصہ میں جہاں مادہ کے پوشیدہ مقام کی طرح شگاف سا بنا ہوتا ہے سفید مادہ لئے یہ کیڑا شگاف کے اندر چلا جاتا ہے۔ زیرگی کے بعد یہ کیڑا ایک دانہ سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے دانہ میں اسی طرح عمل کو جاری رکھتا ہے۔ تاآنکہ بیشتر دانوں میں بارآوری کا یہ عمل مکمل ہوجاتا ہے اور پھر جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ اسے پیدا کئے ہوتا ہے۔ اس عمل کے بعد یہ کیڑا از خود مرجاتا ہے۔ اور اس طرح قدرت کے ایک نظام کے تحت نباتات میں زیرگی کا ایک انتہائی پیچیدہ عمل اختتام کو پہنچتا ہے۔ جو درحقیقت باری تعالیٰ کی قدرت اس کی علم و حکمت اور اس کی بے مثال صناعی کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ سبحان اللہ پاک ہے وہ ذات جس نے ہرچیز کو اس کی شکل و صورت عطا فرمائی۔ پھر انہیں ان کی راہ دکھائی۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی کائنات کا پروردگار ہے۔

انجیر کے درختوں میں زیرگی کے اس عمل سے اور قدرت کے دیگر مظاہر کا قریب سے مشاہدہ کرنے سے جس قدر حیرت اور استعجاب ہوتا ہے۔ اس کے اِظہار کے لئے الفاظ کا ذخیرہ ناکافی ہے البتہ ہم صرف اتنا عرض کریں گے اور اس یقین کے ساتھ کہیں گے تاکہ باری تعالیٰ کے یہاں ہمارے اس یقین کا اندراج ہو۔ اور آخرت میں محض اس کے فضل سے ہمیں اس کا اجر اور نفع ملے۔ زیرگی اور بارآوری کا یہ ایک عمل اور اس جیسے بے شمار حیرت انگیز عمل جن کا ہمیں تفصیلی علم بھی نہیں۔ بلاشبہ یہ کسی اتفاق' ضرورت یا نیچر کا کرشمہ نہیں نہ یہ سب آپ سے آپ ہورہا ہے۔ بلکہ ان سب کے پیچھے اسی قضاء اور قدر کا غیبی نظام کار فرما ہے۔ جو خلق و تکوین کا مظہر اور حکمت و تدبر اور علم و آگہی سے پورے طور پر متصف ہے۔ اس نظام کو برپا کرنے والا وہی الٰہ العلمین اور رب العالمین ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے انہیں پیدا کیا۔ وہی کل کائنات کا پالنہار اور ہر چیز کا مالک و پروردگار ہے۔ جس نے علم و یقین پر مشتمل بے شمار ایسے دلائل پیدا فرمائے جو اس کا مبین ثبوت ہیں کہ وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں وہی حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والا' بڑا زبردست اور حکمت

والا ہے۔ خدایا ہم اپنی اس شہادت کو تیرے سپرد کرتے ہیں۔ اور تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن زیادہ بہتر شکل میں اسے ہمیں دوبارہ مرحمت فرما۔

بہر کیف یہ اور قدرت کے بے شمار ظاہر اور دقیق مظاہر جو اس وسعت افلاک اور کل کائنات میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب دراصل اس کے قضاء و قدر کا ادنیٰ نمونہ ہیں۔ جن سے متعلق باری تعالیٰ نے بہت پہلے ازل میں فیصلہ فرمایا۔ اور اسی ازلی فیصلہ اور اس کی تقدیر کے مطابق کائنات کا پورا کارخانہ مصروفِ عمل ہے ہمارا اِیمان ہے کہ کسی بندے کا اِیمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ایمانیات کے اس جز قضاء و قدر پر بھی کما حقہ ایمان نہ لائے۔ اور اسے من و عن تسلیم نہ کرے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیک توفیق دیتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قضاء و قدر:

مذکورہ بالا مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ان مقامات کا اعادہ سودمند ہوگا جنہیں اس بحث کے آغاز میں بطورِ تمہید ذکر کیا گیا۔ ان مقامات میں یہ بتایا گیا تھا کہ کائنات کی تخلیق اور اس کے لئے مقررہ قدرت کے تخلیقی نظام میں گہرا رابطہ ہے۔ اور یہ رابطہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ ایسے اصولوں اور ضابطوں کے ساتھ منسلک ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی صناعی کے نادر نمونے نظامِ کائنات اور اس کے علاوہ اِنسان، حیوان، اور نباتات میں بطورِ خاص دیکھے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ نظامِ شمسی جو انتہائی پیچیدہ اور حیرت انگیز نظم سے باہم مربوط ہے اس نظام سے وابستہ ان گنت اور بے شمار ستارے اور سیارے ہیں جو اپنے مدار پر گردش کرتے ہیں ان میں سے ہر سیارے کا جدا جدا محور ہے۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی سیارہ اپنے مدار پر سے ہٹا ہو۔ یا دوسرے مدار میں داخل ہوا ہو۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوا تو کائنات کی تباہی یقینی ہے۔ اسی نظام کے حیرت انگیز اثرات کا مشاہدہ اِنسان حیوان، اور نباتات میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ان خلائق کی الگ الگ دنیا آباد ہے۔ اور ان کی طرح بے شمار عوالم ہیں۔ اور ہر عالم میں قسم قسم کی مخلوق مقررہ اصول اور ضابطے کے تحت نشو ونما اور فنا و بقاء کے مراحل سے گذرتی ہے۔ اور کل خلائق ان کی اس طرح پابند ہے کہ ان

میں کہیں سرِمُو فرق نہیں آتا ہر کوئی بس اپنے حدود میں محدود اور اپنے لئے مقررہ دائرے میں محصور ہے اور یہی دراصل قضاء و قدر کا سرِ نہاں اور اس کی قابل فہم تفسیر ہے۔

اس مختصر تمہید کی روشنی میں قضاء و قدر کا معنٰی یہ نکلتا ہے کہ درحقیقت یہ باری تعالیٰ کا ازلی علم ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے کل کائنات اور جملہ خلائق کو پختہ اور محکم اندازوں کے ساتھ وجود بخشا اور تمام حوادث اور واقعات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ قائم کر کے ــــ لوحِ محفوظ میں درج کیا۔ چنانچہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اسی کمیت کیفیت' شکل و صورت وقت اور جگہ اور اسباب اور مقدمات اور ان کے انہیں نتائج کے ساتھ ہو رہا ہے جو ازل میں علم الٰہی کے اندازے اور حساب کے مطابق ہے ان میں نہ کسی قسم کی اصلاح' تبدیلی یا کمی بیشی کے لئے کوئی گنجائش ہے نہ کسی قسم کی تقدیم و تاخیر یا کمیت کیفیت' یا حالت میں فرق کا کوئی امکان ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

۱۔ باری تعالیٰ کا علم بے حد وسیع اور ہر چیز پر حاوی ہے۔ چنانچہ جو ہوا' جو ہونے والا ہے۔ جو نہیں ہوا۔ لیکن اگر ہو گا تو کیوں کر ہو گا؟ یہ سب اس کے حیطہ علم اور دائرۂ قدرت میں ہے اس کا علم بے پایاں۔ اور اس کے اندازے اور پیمانے منظم و مستحکم ہیں کوئی اسے عاجز نہیں کر سکتا جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ کبھی نہیں ہوتا۔

۲۔ عالم علوی اور عالم سفلی اور کل کائنات قانونِ قدرت اور دستورِ فطرت کے ساتھ وابستہ اور مربوط ہے۔ اور کسی چیز میں کہیں معمولی خلل یا اضطراب نہیں۔ اسی کا نام قضاء اور قدر ہے جس سے انکار بڑے سے بڑا منکر' جاہل متکبر اور سرکش بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ علم الٰہی اور اس کے ساتھ کل کائنات کا باہم مربوط نظام انتہائی محکم اور منظم قوانین کی شکل میں اس طرح ہر کس و ناکس کے سامنے جلوہ گر ہے جس کا انکار محال ہے۔ چنانچہ عالم افلاک ہو یا نور و ظلمت کی یہ دنیا' اِنسان' حیوان ہوں' یا نباتات' و جمادات' اس میں شک نہیں کہ سب اسی تقدیر کے پابند ہیں۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

اب دیکھو باری تعالیٰ اور کل کائنات کا بنانے والا قضاء و قدر اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں سے کس طرح اپنے بندوں کو آگاہ کرتا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (حدید:۲۲)

ترجمہ "کوئی مصیبت ملک پر اور تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔"

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ، وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (حجر:۱۹تا۲۱)

ترجمہ "اور (دیکھو) ہم نے زمین کو پھیلا دیا۔ اور اس پر پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر چیز اندازہ سے اگائی اور ہم نے تمہارے لئے اور ان لوگوں کے لئے، جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معیشت کا سامان مہیا کر دیا۔ اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں کہ اس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ اور ہم ہر چیز کو ایک مقررہ اندازہ کے مطابق اتارتے ہیں۔"

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (قمر:۴۹)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔"

- ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ○ (طٰہٰ:۴۰)

ترجمہ "پھر اے موسیٰ، تم تقدیر سے (یہاں) آپہنچے۔"

- وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ (فرقان:۲)

ترجمہ "اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔"

- وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ○ (احزاب:۳۸)

ترجمہ "اور اللہ کا حکم تو (پہلے سے) تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔"

- سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى، وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○ (اعلیٰ:۱تا۳)

ترجمہ "(اے پیغمبر) اپنے بلند و برتر پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو، جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) ایک اندازہ ٹھہرایا پھر اس کو ہدایت کی۔"

یہ قضاء اور قدر کا مفہوم ہے۔ اور یہ کوئی تعجب خیز یا قابل اعتراض نہیں' اس لئے کہ نحیف و ناتواں' اِنسان جو دیگر خلائق کی طرح اسی نظام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور ایک لحہ کے لئے اپنے آپ کو اس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ خود اس کے لئے یہ کوئی عجیب و غریب عمل نہیں۔ بلکہ اس کی دانشمندی کی نشانی ہے کہ جب وہ کسی گھر یا عمارت کی تعمیر کا ارادہ کرتا ہے تو غور و خوض کے بعد کسی کاغذ پر اس کا نقشہ بناتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق عمارت کی تعمیر کراتا ہے۔ اور اپنی تمام تر توانائی اور علم کے ساتھ کوشش یہی کرتا ہے کہ کاغذ پر بنے ہوئے نقشے اور زمین پر کھڑی ہوئی عمارت میں مکمل ہم آہنگی ہو۔ اور کاغذ کے نقشے اور عمارت کے کسی زاویے میں کوئی تفاوت یا فرق نہ آنے پائے۔

جب ایک کمزور اور ناتواں اِنسان کا یہ اقدام قابل حیرت نہیں۔ بلکہ لائق داد اور قابل ستائش ہوتا ہے تو کائنات کے خالق و مالک اور پروردگار کے لئے یہ کوئی انہونی امر نہیں' بلکہ یہ اس کی حکمت اور علم و قدرت کا زبردست مظہر ہے۔ بلاشبہ وہ بڑی طاقت و قوت کا مالک ہے۔

اس وضاحت کے بعد یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انحصار یا اس نظام پر بے جا تنقید کب سے اور کیوں کی جا رہی ہے۔ اس کے جواب سے پہلے جاننا چاہئے کہ مسئلہ تقدیر کے دو رخ ہیں۔ (اضطراری' اِختیاری)(پہلا رخ وہ ہے جسے ہر موحد اور خدا پرست تسلیم کرتا اور مانتا ہے۔ اور کسی قسم کا شک و شبہ یا ان کا انکار نہیں کرتا۔ اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ کائنات کی تخلیق' اس کا نظام' اس میں روزمرہ پیش آنے والے حوادث' جیسے موت و حیات' خوش حالی و قحط سالی' آفات و بلیات' اور ہمہ قسم کی مشکلات جو پیش آتی ہیں۔ یا وہ احوال جن میں اِنسان اپنے قصد و ارادے کے بغیر خُود کو وابستہ پاتا ہے۔ اور جس کے دفعیہ کی خود کوئی طاقت نہیں رکھتا۔ جیسے اس کا خوبصورت یا بدصورت ہونا پست قد یا بلند قامت ہونا۔ یا یہ کہ وہ اسی زمانے یا ملک میں کیوں پیدا ہوا؟ دوسرے زمانے یا فلاں ملک میں کیوں نہ پیدا ہوا؟ نیز یہ کہ آدمی خوش قسمت ہے یا بد قسمت اس کا رزق اس قدر اور موت کا یہی وقت ہے۔ یہ اور اس جیسے امور سب اللہ کے علم میں قدیم سے طے شدہ ہیں۔ اور لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور اسی کے موافق ان کا دنیا میں ظہور ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک کی اس آیت میں تقدیر کے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ (حدید:۲۲)

ترجمہ "کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔"

یونہی حضورِ اکرم ﷺ نے حضور عبداللہ ابن عباس سے فرمایا۔

"جان لو کہ سب لوگ مل کر بھی اگر تمہیں معمولی سا نفع پہنچانا چاہیں تو وہ نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر اسی قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ یہ بھی نہ کر سکیں گے۔ مگر اسی قدر جتنا کہ باری تعالیٰ نے مقدر فرما رکھا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور دفتر خشک ہوگئے۔"

(ترمذی قیامہ /۵۹' احمد ۲۹۳)

اس میں شک نہیں کہ اس تقدیر الٰہی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ان کو منجانب اللہ سمجھنا اور راضی برضا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ دل سے یہ ماننا چاہئے کہ یہی اللہ کی مرضی اور اس کی مشیت اور اس کی حکمت و تدبیر کا تقاضہ اور اس کے خلق و تکوین کا منشا ہے۔ ' لہٰذا دنیا میں جو حوادث پیش آرہے ہیں ان میں اللہ کی کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس لئے حوادث کا پامردی سے مقابلہ کرنا اور تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا قابل ستائش اور ان کا مقابلہ نہ کرنا اور تنگ دل ہونا قابل نفریں سمجھا جاتا ہے۔

رضاء یا قضاء کے اثرات:

قضاء وقدر راسخ اعتقاد کے نتیجے میں اعلیٰ اوصاف اور اطمینان بخش نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً خود داری' جرات مندی' دلیری اور بلند حوصلگی وغیرہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہوجاتا ہے کہ جو کچھ اسے ملنے والا ہے مل کر رہے گا' ٹل نہیں سکتا اور جو ٹل گیا وہ مل نہیں سکتا۔ اس یقین کے پیدا ہوجانے کے بعد اس کے اندر سے حیرت و اضطراب ذہنی کشمکش اور خلجان نکل جائے گا۔ اور اس کے اندر بلندی اخلاق پر بے خوف جمے رہنے کا وصف ناپسندیدہ باتوں پر تحمل' اور شدید خطرات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔ اسے پچھلی باتوں پر رنج و حسرت حال کا غم اور مستقبل کی فکر دامن گیر نہ ہوگی اور وہ آسودہ حال فارغ البال اور مطمئن رہا کرے

گا۔ جب یہ اعتقاد مومن کے دل میں راسخ ہوجاتا ہے تو اس کے دل و دماغ سے خوف نکل آتا ہے۔ اور وہ انتہائی بہادر اور دلیر ہوجاتا ہے۔ اور اس کے قول و قرار اور اس کے باطن سے شرافت ٹپکتی ہے۔ نیز اس لئے کہ جس کے پیش نظر یہ حقیقت ہوتی ہے کہ اس کی روزی اور زندگی محدود اور یہ دنیا محض عارضی فائدے کی جگہ ہے اسے یقین ہوجاتا ہے کہ بزدلی کرنے سے اس کی عمر بڑھ نہیں سکتی۔ نہ ہی بچا بچا کر رکھنے اور بخل کرنے سے اس کی روزی زیادہ ہوسکتی ہے۔ اور جس کے خیالات یہ ہوں' وہ جہان کی بازی لگانے اور بلند مرتبہ پانے میں ہمیشہ آگے رہے گا۔ کبھی سستی نہیں کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ مسلمان اور اُمت مسلمہ ابتدائی صدیوں میں جب کہ ان کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تھا' قضاء و قدر پر پختہ اِیمان اور صحیح عقیدے کی وجہ سے آگے بڑھے۔ اور شجاعت و شرافت' صبر و ثبات' علوم و معرفت اور بردباری اور سخاوت میں اقوامِ عالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اور خود سب سے آگے نکل گئے اور دنیا کے مشرق و مغرب میں دور دور کے ممالک تک انہوں نے پیش قدمی کی۔ اور طویل زمانے تک لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی۔

اب ہم اس سوال کا جواب دینا چاہتے ہیں جسے ہم نے فُرصت کے لئے مؤخر کر دیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ بیشتر افراد قضاء و قدر کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ یا پراگندہ ذہن ہو کر اسی ایک مسئلہ کو موضوعِ بحث کیوں بناتے ہیں؟ اس کا جواب یہ کہ پہلے عرض کیا گیا کہ جو لوگ قضاء و قدر کے مسئلہ میں الجھن کا شکار ہیں۔ بالخصوص نام نہاد مُسلم فرقوں میں جو فرقے تقدیر کا انکار کرتے ہیں دراصل انہیں سرے سے تقدیر کا انکار کرنے کی جسارت نہیں ہوتی۔ چنانچہ تقدیر کا عام معنٰی جس سے مُراد دستورِ حکمت اور قانونِ قدرت ہے اور جس کے تحت نظامِ کائنات جاری و ساری ہے۔ اس کا انکار کرنے کی جرات یہ بھی نہیں کرتے۔ جیسے وہ واقعات اور حوادث جن کا وقعیہ یا جنہیں رد و بدل اِنسان نہیں کرتا۔ ان کے بارے میں وہ بھی راضی برضا ہیں۔ اس لئے کہ قدرت کا یہ اٹل قانون ہے۔ اس میں تبدیلی کا امکان نہیں اور یہ وہی قانون ہے جس کے بارے میں باری تعالٰی فرماتا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً ○ (فاطر:۴۳)

ترجمہ "اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہو نہ دیکھو گے۔"

البتہ یہ فرقے جس تقدیر کے بارے میں تذبذب کا شکار ہیں اس سے مُراد نیک وبد اور اَچھے' بُرے اَفعال ہیں۔ جن کے بارے میں یہ فرقہ سمجھتا ہے کہ ان اَفعال کی نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے اور وہی ان کے خالق ہیں۔ اس قسم کا نظریہ سب سے پہلے اموی خلیفہ راشد: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں رونما ہوا جن کا زمانہ پہلی صدی ہجری کا زمانہ ــــ تھا۔ یہ زہر پھیلانے والا "غیلان دمشقی" تھا۔ جس کو آگے چل کر ہشام بن عبدالملک نے قتل کرا دیا۔ اس سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کے آخر کے زمانے سے ہی تقدیر کے انکار کا فتنہ سر اٹھا چکا تھا۔ البتہ اس زمانہ میں اس قسم کے نظریئے کی حیثیت محض تخیل کی حد تک تھی۔ جو کسی فرد یا جماعت کے دماغ میں ہانڈی کی طرح پکتا تھا' پھر اس کی اطلاع جس صحابی رسول کو ہوجاتی تھی۔ وہ شدت سے ان کا انکار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ فتنہ سر اٹھانے سے پہلے فرو ہوجاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنھم) کے زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آئے اور انہوں نے ان فتنوں کی سرکوبی کی۔

تقدیر کے منکرین کہتے ہیں کہ جو افعال بندوں سے سرزد ہوتے ہیں ان کا فیصلہ ازل سے نہیں ہوا۔ نہ ہی نوشتہ تقدیر[1] میں انہیں درج کیا گیا۔ اور نہ ان کے اعمال کے سرزد ہونے سے پہلے خدا کو ان کا علم تھا۔ (خدا کی پناہ) جاننا چاہئے کہ جن لوگوں نے تقدیر کا انکار کیا۔ اور گمراہ کن نظریہ اپنایا۔ اہل حق نے ان کا رد کیا۔ اور ان کے دلائل کو توڑ کر رکھ دیا۔ تا آنکہ ان کا وجود نہ رہا۔ یہ اس لئے کہ قضاء و قدر کا یہ مسئلہ کتاب و سنت سے اس طرح ثابت ہے۔ کہ اس کا انکار کرنا صریح کفر ہے۔ اور مسلم معاشرے میں ایسے شخص کی ذرہ برابر گنجائش نہیں جو کتاب و سنت کے صریح فرمودات سے گریز کرتا ہے۔ ذیل میں ہم چند آیات و روایات پیش کرتے ہیں جس سے زنگ اور میل دُور ہو کر دلوں میں روشنی اور جلا پیدا ہوگی۔ اور فتنہ میں پڑنے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ نہ ہوگا۔ آیات یہ ہیں:

[1] اس سے ان کی مراد لوح محفوظ ہے جس میں حق تعالٰی نے تمام چیزیں درج کر دی ہیں۔

اِنَّا كُلَّ شَيْئٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (قمر:۴۹)

ترجمہ "بلاشبہ ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔"

* وَخَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ (فرقان:۲)

ترجمہ "اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک خاص اندازے پر رکھا۔"

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى، وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ○

(اعلیٰ ۱:۳)

ترجمہ "(اے پیغمبر) اپنے بلند و برتر پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرو جس نے (ہر چیز) کو پیدا کیا اور بہت ٹھیک پیدا کیا۔ اور جس نے ہر چیز کا اندازہ ٹھہرایا۔ پھر اس کو ہدایت کی۔"

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (حدید:۲۲)

ترجمہ "کوئی مصیبت ملک پر اور تم پر نہیں پڑتی۔ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے۔"

نیز حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔
خدا تعالیٰ نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے لوگوں کی تقدیریں لکھ دی تھیں اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

(مسلم، ۸/۵۱)

بخاری میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔
سب سے اول باری تعالیٰ تھا۔ اس سے پہلے کوئی نہیں تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا۔ پھر اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ اور لوحِ محفوظ میں تمام چیزوں کا اندراج فرمایا۔

(بخاری ۹/۱۵۴)

ابو داؤد میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔
باری تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ اور اس سے کہا لکھو اس نے کہا خدایا میں کیا لکھوں؟ باری تعالیٰ نے فرمایا تقدیر کو لکھا جو ہوا ہے اور جو ابد تک ہونے والا ہے۔

(ابو داؤد، ۲/۵۲۷، ۵۲۸، ترمذی قدر/۱۷/۱، احمد/۵/۳۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی کوتاہی کے سرزد ہونے پر حضورِ اکرم ﷺ کے اہل بیت میں سے کسی نے تنبیہ کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا:

انہیں چھوڑ دو۔ اگر اس امر کا فیصلہ (بارگاہِ خداوندی سے) صادر ہوتا تو وہ کام ضرور ہوجاتا[1]

صحیح مُسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب یہ بتایا گیا کہ:

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیرِ الٰہی کوئی چیز نہیں۔ ہر بات بغیر تقدیر کے ہوتی ہے۔ نہ اس کے پہلے علم الٰی ہوتا ہے۔ نہ تقدیر!"

آپ نے فرمایا "اگر تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو کہہ دینا کہ نہ میرا ان سے کوئی تعلق ہے" نہ ان کا مجھ سے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر ان میں کسی کے پاس کوہِ احد برابر سونا ہو اور وہ سب کا سب راہِ خدا میں خیرات کر دے تب بھی خدا اس کی یہ خیرات قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ اس کا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔

(مسلم ۱/۲۸)

ترمذی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی جس میں حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔

قلم اٹھالئے گئے اور دفتر خشک ہوگئے۔

(ترمذی قیامہ /۵۹، احمد ۱/ ۲۹۳)

پھر ایک وقت آیا کہ اس فتنہ نے پھر سے سر اٹھانا شروع کیا۔ انہوں نے تقدیر کا انکار کیا۔ خود بندوں کو اپنے احکام کا خالق قرار دیا۔ اور یہ سمجھا کہ حق تعالٰی کا اس میں کوئی دخل نہیں، نہ اس میں اس کا کوئی ہاتھ ہے۔ نہ ہی سرزد ہونے سے پہلے ان اعمال کی باری تعالٰی کو

---

[1] اس روایت کو علامہ ابن القیم نے کتاب القدر میں ذکر فرمایا جب کہ سند کے اعتبار سے روایت ضعیف ہے۔ البتہ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضورِ اکرم ﷺ کی بیس سال خدمت کی اس عرصہ میں کسی کوتاہی یا غفلت سرزد ہونے پر آپ نے مجھے کبھی ملامت نہیں کی۔ اور اگر اہل بیت میں سے کوئی مجھے کہتا تو آپ فرماتے انہیں چھوڑ دو۔ اگر قضاء (یا فرمایا: اگر) قدر کا فیصلہ یہی ہوتا تو ہوجاتا۔ (احمد ۳/۲۳۱)

کوئی خبر ہوتی ہے یہ اعمال تقدیر الٰہی سے خارج اور ماوراء ہوتے ہیں۔ یہ نادان یہ بھی سمجھتے ہیں کہ خدا سے برائی سرزد نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ وہ خود برائی سے منع کرتا اور اسے حرام قرار دیتا ہے۔ لہٰذا بندہ جو کچھ برائی کرتا ہے وہ از خود کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فیصلہ کرتا ہے۔ نہ تقدیر میں پہلے سے اس قسم کا کوئی اندراج ہوتا ہے۔ ان کے شکوک و شبہات میں اس لئے بھی اضافہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ بندوں کے افعال کا خالق باری تعالیٰ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اگر وہ افعالِ بد کا خالق ہے تو پھر وہی گناہوں کی پاداش میں کیوں کر سزا دے سکتا ہے؟ ان عقائد کی وجہ سے یہ گروہ "قدریہ" کہلایا یعنی وہ گروہ جو مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا ہے اس ہفوات کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے اعمال اور افعال کی تخلیق کرنے کی وجہ سے بندہ رب بن جاتا ہے۔ اور جس کام کو چاہتا ہے از خود تخلیق کرتا ہے۔ اس بد عقیدگی سے عقیدۂ توحید سخت مجروح ہوتا ہے۔ جو کہ دین کی اصل اور اس کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس گروہ کو اس امت کے مجوس کہا گیا۔ اس لئے کہ جس طرح مجوسی کئی خداؤں کے قائل ہیں۔ یہ گروہ بھی اس کا قائل ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اِنسان اپنے علم اور ارادے سے اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ علم الٰہی اور تقدیر الٰہی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو عقیدے کی خرابی سے محفوظ رکھے)

● عقیدۂ جبر اور اس کی حقیقت:

معتزلہ کا دوسرا فرقہ جبریہ ہے جو قدریہ کے الٹ ہے جبریہ کا بانی جعد ابن درہم ہے۔ اس نے جبر پر مبنی عقائد کو شام کے یہود سے سیکھا تھا پھر اس سے "جہم ابن صفوان" نے ان خیالات کو اخذ کیا۔ یہ شخص جہمیہ فرقے کا سرغنہ تھا۔ جنہوں نے فرقہ **تعطیلیہ** کے خیالات کا انکار کیا تھا۔

یہاں اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ جبریہ کی طرح قدریہ گروپ بھی یہودیوں کا ساختہ پرداختہ تھا۔ اور مسلمانوں کے عقائد میں رخنہ اندازی دونوں کا مقصد تھا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ قدریہ کا بانی غیلان دمشقی جس کو ہشام بن عبدالملک نے قتل کیا۔ بعید نہیں کہ اس شخص نے ان عقائد کو شام کے یہودیوں سے سیکھ رکھا ہو۔

جبریہ کا کچا چٹھا یہ ہے کہ اِنسان اپنے افعال کا خالق نہیں۔ ہاں مجازاً خالق مانا جاسکتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ہرچند کہ وہ کام کرتا ہے مگر اس میں اس کے ارادے اور اِختیار کا کوئی دخل نہیں۔ اس لئے کہ ارادہ اور اِختیار باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہاں اعمال بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ جس میں ان کے ارادے کو چنداں دخل نہیں۔ اس عقیدے سے ان کے نزدیک یہ لازم آتا ہے کہ جب بندہ مجبورِ محض ہے اور اپنے افعال میں اس کے ارادے یا اِختیار کو کوئی دخل نہیں تو اس کے کسی فعل یا عمل پر مواخذہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔ نہ اس پر حرف گیری یا نکتہ چینی کرنا چاہئے۔ خواہ وہ کام کتنا ہی برا اور خراب کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے عقائد کی وجہ سے سچ تو یہ ہے کہ قدریہ سے زیادہ یہ فرقہ گمراہ اور ضرر رساں ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس قدر ضرر رساں ہونے کے باوجود جبریہ کے باطل عقائد مسلمانوں میں بکثرت عام ہوئے۔ اور ان کی کسی کوشش اور جدوجہد کے بغیر مسلمانوں نے بھی بلا سوچے سمجھے ان مزعومات کو اپنا لیا۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ گناہوں کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے۔ اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ چنانچہ اسی خطرناک عقیدے کا شکار ایک شاعر کہتا ہے

اَصْبَحْتُ مُنْفَعِلاً لِمَا يَخْتَارُهُ مِنِّيْ فَفِعْلِيْ كُلُّهُ طَاعَاتٌ

میں اس کے ارادے کا پابند ہو چکا ہوں اس لئے میں جو کروں گا سب عبادت میں داخل ہے

عقیدے کے اس فساد کی وجہ سے بہت سارے مسلمانوں میں تعطل پیدا ہوا۔ اور اچھے اچھے کاموں سے انہوں نے اجتناب کیا۔ خود کمزور اور حقیر ہوئے۔ اور زمانہ کی رسوائی کا ہدف بنے۔ تاآنکہ سستی بزدلی' کمزوری' اور رسوائی میں سب سے آگے اور کارکردگی اور فکرو عمل کے بیشتر میدانوں میں پسماندہ اور سب سے پیچھے ہوئے۔ اس سے غیر مسلموں کو یہ جسارت بھی ہوئی کہ انہوں نے اِسلام اور عقائد اِسلام پر اعتراض کرنا شروع کیا۔ اور ان کی مشکلات اور پریشانیوں کی علت ان کے عقائد کو بتلایا۔ ان کے خیال میں مسلمان عقیدۂ جبر کو مانتے ہیں اور اس لئے دین و دنیا میں تباہ حال ہیں۔ بقول ان کے مسلمان اس خام خیالی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زندہ ہو کر خود کو مُردوں سے بدتر تصور کرتے ہیں۔ اور اپنے تعطل اور ہر قسم کی ترقی سے دوری اور مردنی کو قابل عفو و درگزر اور جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ان کی زندگی کا کمال اور ایک قسم کی سعادت ہے اسی قسم کی خوش عقیدگی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

جَرٰی قُلَمُ الْقَضَاءِ بِمَا یَکُوْنُ فَسِیَّانَ التَّحَرُّكُ وَالسُّکُوْنُ
تقدیر کا قلم چل چکا ہے۔ لہذا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا خواہ کوئی کچھ کرے یا نہ کرے دونوں برابر ہے

جُنُوْنٌ بِكَ اَنْ تَسْعٰی لِرِزْقِكَ وَیُرْزَقُ فِیْ غَیَابَتِهِ الْجَنِیْنُ
روزی کے پیچھے دوڑنا دیوانگی ہے۔ جب کہ رحم کی تاریکی میں پیٹ کے بچے کو روزی ملتی ہے

سوچنا چاہئے کہ جبریہ کا یہ نظریہ کس طرح فکری اور عملی تعطل اور بیکاری کی تلقین کرتا ہے۔ تاآنکہ جیتے جی آدمی مردہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور دنیا و آخرت کے خسران اور نقصان میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدانخواستہ اگر لوگوں نے اس فکر اور تعطل کو اپنا لیا تو زندگی اور سرگرمی کا کیا ہو گا۔ کیا دنیا بس تباہ و برباد ہو کر ختم نہ ہو جائے گی؟

اللہ اکبر! فکری بے راہ روی اور عقیدے کی خرابی کا اثر لوگوں پر کتنا برا پڑتا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ تخریب پسند اور جملہ باطل مذاہب کا تصور یہ ہے کہ اِنسان اپنے مرتبہ سے فروتر ہو کر حیوان سے بھی ذلیل و حقیر ہو جائے۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ان گمراہ اور تخریب پسند نظریات کے عقب میں اِنسان اور اِنسانیت دشمن' یہودیوں کی شرارت اور چیرہ دستی کار فرما ہے۔ جو کل روئے زمین کے اِنسانوں کے دشمن ہیں۔ اور ناکردہ گناہوں کا ان سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔ بنابریں میں سمجھتا ہوں کہ جبریہ' قدریہ' بیشتر شیعی فرقے اور نام نہاد صوفیا کے افکار و خیالات کی ہانڈی انہیں بد باطن یہود کے چولہے پر پکتی رہی۔ اور پھر مختلف ذریعے اور الگ الگ ناموں سے یہ زہریلا مواد مسلمانوں کے اندر پھیلایا گیا تاکہ مسلمان اس کا شکار ہوں۔ وہ خود اپنی موت آپ مریں اور ان کا نام و نشان مٹ جائے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

ذیل کے عنوان کے تحت قضاء و قدر کے عقیدے کی مزید تشریح کی جاتی ہے۔

● نہ کوئی جبر ہے نہ تقدیر سے انکار' اِنسان خود کار بااِختیار ہے حق تعالٰی اِنسان کا اور اس کے افعال کا خالق ہے:

بعض لوگ جو کم فہم اور نادان ہیں' انہیں ذیل کی ان دو باتوں میں یکسانیت اور

موافقت ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آتی کہ:

● اللہ تعالیٰ باوجود یہ کہ عدل و انصاف والا ہے اور ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے پاک ہے مگر اسی نے اِنسان کو اور جو نیکی بدی وہ کرتا ہے سب کو اسی نے پیدا کیا۔

● اِنسان جو کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بااِختیار اور خُود کار ہے۔ لہٰذا نیک کام کرنے پر جزاء اور برا کام کرنے پر سزا اس کو مل کر رہے گی۔

(جب کہ مذکورہ بالا ہر دو حقائق اپنی جگہ اٹل اور درست ہیں) یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے افراد کئی گروہ میں بٹ گئے اور ہر ایک نے الگ الگ نظریات کو اپنا لیا۔

ا۔ چنانچہ ایک فرقہ وہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ کسی اور کو یہاں تک کہ خدا کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ بندوں کو ان کے افعال کا خالق وہ اس لئے سمجھتے ہیں کہ اِنسان نیک اور بد دونوں طرح کا کام کرتا ہے۔ اگر بدی کا خالق اللہ تعالیٰ کو بنایا جائے تو یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' اس لئے کہ اس کی ذات ہمہ قسم کی خرابی اور برائی سے منزہ اور پاک ہے۔ برائی کی نسبت اس کے ساتھ کرنا بھی درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنا یہ عقیدہ بنالیا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ نہ خدا کو بندوں کے اعمال کی کوئی خبر ہے' نہ ازل سے وہ ان سے واقف ہے۔ نہ کسی نوشتے (لوحِ محفوظ) میں انہیں درج کیا ہے۔ اس عقیدہ کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ خدا کا تصور باندھا۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ خدا ایک نہیں دو ہے۔ قرآنِ پاک کی یہ آیت انتہائی سختی سے اس قسم کے بے بنیاد اور باطل خیالات کی تردید کرتی ہے کہ:

● اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ○ (اعراف:۵۴)

ترجمہ: "(یاد رکھو) اللہ ہی کا کام پیدا کرنا اور حکم فرمانا ہے۔"

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (الصٰفٰت:۹۶)

ترجمہ: "اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا۔ اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو بھی۔"

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ (الانعام:۱۰۲)

ترجمہ "یہی صفتیں رکھنے والا تمہارا پروردگا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ تو اسی کی عبادت کرو' اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔"

انہیں باطل مزعومات کی وجہ سے اس فرقہ کو اس امت کے مجوس کہا گیا۔ چنانچہ امام احمد اور ابوداؤد نے عمدہ سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا کہ:

"حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر یہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے مت جاؤ۔ اور اگر مریں تو ان کے جنازے میں شریک نہ رہو۔"

(ابوداؤد ۲/ ۲۴' ۲۵- احمد ۲/ ۸۶' ۱۲۵' فتح ربانی ۱/ ۱۴۰' ابن ماجہ / ۱۰)

۲۔ دوسرا فرقہ پہلے فرقے کی ضد ہے۔ اور ان کے برخلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ بندہ کسی ارادہ یا اِختیار کا مالک نہیں۔ نہ وہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ ان افعال کا خالق باری تعالیٰ ہے۔ اور جو قرآن میں فعل کی نسبت بندے کی طرف کی گئی تو یہ انتساب مجازی ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ○ (بقرہ:۱۹۷)

ترجمہ "اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔"

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○ (نحل:۹۱)

ترجمہ "بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

افعال کی نسبت بندوں کی طرف حقیقت کی رو سے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعضاء و جوارح سے ان کو صادر کیا۔ بندہ خود مجبورِ محض ہے۔ اس کے اندر عزم و ارادہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ بندہ کے کسی فعل میں خوبی یا خرابی یا نیکی اور بدی کو تلاش کرنا عبث ہے۔ نیز یہ کہ بندہ اپنے کسی عمل پر جزا یا سزا کا مستحق نہیں۔ اپنے اس عقیدہ کی روشنی میں ان کے نزدیک انبیاء و رُسل کی بعثت' آسمانی کتابوں کا نزول اور کسی آسمانی دستور کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ اس طرح یہ عقیدہ جبریہ تعطیلیہ اور تقدیر کے منکرین یعنی قدریہ سے کہیں زیادہ بدتر' مفسد اور گمراہ کن ہے۔

۳۔ تیسرا گروہ یہ سمجھتا ہے کہ خُدا نے اپنی طرف ظُلم کرنے کو منسوب بھی نہیں کیا۔

چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۝ (نساء:۴۰)

ترجمہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔"

اسی طرح حدیث قدسی میں اپنی طرح اپنے بندوں کی طرف اس کے انتساب سے بھی گریز کیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

"میرے بندو! میں نے اپنی طرف ظلم و زیادتی کے انتساب کو بھی حرام کر رکھا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اس لئے تم بھی ظلم مت کرو۔"

(مسلم ۱۷/۸)

لٰہذا از روئے عقل یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں بندوں سے ان اعمال کا صادر ہونا لکھ دیا گیا ہو۔ پھر اسی پر ان سے مواخذہ بھی ہو۔ یہ بد باطن آگے بڑھ کر یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خدا کو بندوں کے انجام کی خبر ہے۔ اور اس نے لوح محفوظ میں انہیں درج کرکے ان اعمال کو ان پر مسلط کر دیا ہے اور بندہ چاہے یا نہ چاہے' راضی ہو یا ناراض ہو۔ وہی کرکے رہے گا جو لکھ دیا گیا تو ایسی صورت میں بندوں کو احکام دینا' یا ممانعت کرنا' اطاعت کی تلقین کرنا یا گناہوں سے پرہیز کی تعلیم دینا کیوں کر درست ہوگا۔ جب کہ معاملہ فیصل ہوچکا اور کچھ باقی نہ رہا۔ حکم یا ممانعت تو اس کو دی جاتی ہے جس کے انجام یا انتہا سے متعلق کوئی فیصلہ نہ ہوا ہو' اس قسم کے افراد کو حکم دیا یا منع کیا جاتا ہے۔ تاکہ کرنے پر مقبول اور نہ کرنے پر مردود سمجھے جائیں؟ (وغیرہ)

(ابلیسیه) : یہ اس نظریہ کا خلاصہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کے شکار تقدیر کے ماننے اور نہ ماننے کے درمیان پریشان پھرتے ہیں۔ کبھی عقیدۂ جبر کو مانتے ہیں۔ کبھی اس کے خلاف جاتے ہیں۔ اور اس تمام تر حیرانی اور تردد کے نتیجے میں اسی درجہ گستاخی' جسارت' ملامت اور لعنت کا شکار ہوتے ہیں جس قدر ابلیس کے حصہ میں آیا۔ جب اس نے حق تعالیٰ کو ظالم ٹھہرایا (خدا کی پناہ) حالانکہ وہ ظلم و زیادتی سے منزہ اور نقص و فتور سے حد درجہ دور ہے۔ وہ پاک بے عیب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ اس لئے (ہماری نظر میں) اس حیران و سرگرداں فرقے کو (ابلیسیه) کہنا چاہئے۔ ہرچند کہ

یہ ابلیس سے بھی چند قدم آگے ہیں۔

حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے جس نے اپنے صاحب اِیمان اور پاک باز بندوں کو حق و صداقت کا سیدھا راستہ دکھایا۔ اور ان بھول بھلیوں سے صاف بچالیا۔ جس میں یہ باطل فرقے ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طرف بہے جارہے ہیں۔ اور راہِ حق سے دن بدن کوسوں دور ہوتے جارہے ہیں۔ یہ مجوسیوں کے بیچ بھٹکتے ہیں۔ جو تقدیر الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کی طرح دو خداؤں کے قائل ہیں۔ جب کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے سوا کوئی خالق و مالک نہیں۔ اسی طرح یہ جبریہ کے بیچ بیچ ہیں جنہوں نے شریعت کو بیکار اور عقل کو کالعدم قرار دیا۔ یونہی یہ اس ابلیسیت کے بین بین ہیں جس نے بے شرمی سے حق تعالیٰ پر اعتراض کیا۔ اس کی مشیت اور قضاء و قدر کو ہدف بنایا اس کے عدل و انصاف کا شکوہ کیا۔ اس کے منصفانہ حکم کو ٹھکرا دیا۔ (حق تعالیٰ ــــ حفاظت فرمائے)

اس کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اہل اِیمان اور متقی بندوں کو سیدھا راستہ دکھایا انہوں نے قضاء و قدر کو دل سے تسلیم کیا۔ اس کے انصاف اور مہربانی اس کے ارادے اور مشیت' اس کے احکام اور حسن تدبیر سب کا سچائی سے اعتراف کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ اس وقت تک کسی شخص کا اِیمان کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقدیر الٰہی اور قضاء و قدر پر پختہ اِعتقاد اور صحیح یقین نہ کرے۔

اسی عقیدے پر جو نظامِ حیات کا سر نہاں ہے. جو حق تعالیٰ کا ازلی علم ہے۔ جو ہر ہر چیز کے بارے میں حق تعالیٰ کا آخری فیصلہ ہے۔ اور جو من و عن (لوحِ محفوظ) میں ازل سے درج ہے جسے وہ خود کبھی "امام مبین" کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (یٰسین:ع۱)

ترجمہ "(سب کو ہم لکھتے ہیں) اور ہر چیز کو ہم نے روشن کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں لکھ رکھا ہے۔"

اس دفتر میں اس نے جو کچھ درج کر دیا۔ اس میں ہرگز کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ چھوٹے بڑے حوادث کل اوصاف اور اعراض' اجسام و افراد چھوٹی بڑی ذات وہ سب جو اب تک وجود پذیر ہوئیں۔ اور جو تاقیامت وجود میں آنے والی ہیں۔ سب علم الٰہی میں ہے۔ اس

سے متعلق فیصلہ صادر ہوچکا ہے۔ دفتر میں اس کا اندراج بھی ہوچکا ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو بچ رہی ہو۔ حتی کہ بے وقوفوں کی بے وقوفی اور دانشمندوں کی دانائی سب کچھ لکھی جاچکی ہے۔ چنانچہ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"ہر چیز بتقدیر اِلٰہی ہے۔ یہاں تک کہ دانشمندی اور چستی' اور بے وقوفی اور درماندگی بھی بتقدیر اِلٰہی ہے۔"

(مُسلم ۸' ۵۱' ۵۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"تم میں سے ہر شخص اور جاندار کی جگہ جنت یا دوزخ میں خدا تعالٰی نے لکھ دی ہے۔ یہ سن کر صحابہ نے عرض کیا حضور! پھر اپنے لکھے پر کیوں نہ قائم رہیں۔ اور اعمال کرنا ترک کر دیں۔ فرمایا کئے جاؤ کیونکہ جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے اس کام کو آسان بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ جو سعید طبقہ میں سے ہوگا وہ ان کے اعمال کی طرف رجوع کرے گا۔ اور جو اہل شقاوت میں سے ہوگا وہ ان کے اعمال کی طرف جائے گا۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیت پڑھی۔"

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ (لیل:۵'۶)

ترجمہ "تو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور پرہیز گاری کا راستہ اِختیار کیا اور اچھی بات (یعنی کلمہ توحید) کو سچ مانا۔۔۔۔"

(اللؤلؤ والمرجان ۲۰۹/۳)

نیز حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے وہ لکھا ہوا ہے۔ اور قلم خشک ہوگیا ہے۔ اب چاہو لگے رہو چاہو چھوڑ دو۔" (بخاری ۵/۷)

یہ اعتقاد رکھنے والے وہ خوش نصیب افراد ہیں جنہوں نے قضاء و قدر کے عقیدے اور صفت عدل کو تسلیم کیا۔ ارادہ مشیت اور صفت حکمت کو مانا۔ اور دوسروں کی طرح ان دو امور میں تطبیق کرنے میں انہیں کوئی دشواری لاحق نہیں ہوئی کہ ۔ حق تعالٰی نے بندوں کو فعل کرنے کی قدرت دی۔ اور ان کے جملہ اعمال کا اپنے پاس اندراج کیا۔ اور ان کے وقوع سے پہلے ازل سے وہ ان امور سے آگاہ ہے۔ اور اس امر میں کہ بندہ جو کرتا ہے اپنے ارادے سے

کرتا ہے۔ کرنے نہ کرنے کا اسے اِختیار ہوتا ہے۔ اور اسی قصد و اِرادے اور اِختیار پر اسے سزا یا جزا ملے گی۔ نیز یہ کہ حق تعالیٰ بندوں اور ان کے افعال ہر دو کا خالق ہے۔ انہیں یہ سمجھنے میں ذرہ برابر بھی دشواری نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں اپنے علم اور اپنے قضاء کی روشنی میں فیصلہ صادر کرتا ہے اور بندوں کو امراور نہی پر مشتمل احکام سنا دیتا ہے۔ اب وہ جیسا عمل کرتے ہیں۔ اور جو درحقیقت تقدیر الٰہی میں پہلے سے درج ہے کہ وہ وہی کریں گے۔ اس پر اسے سزا و جزا دیتا ہے۔ کبھی یہ فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے۔ کبھی اس کے خلاف جاتا ہے۔ وہ یہ یقین کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ بندے کے حق میں یا اس کے خلاف جس قسم کا خیر یا شر کا فیصلہ صادر فرماتا ہے یا سعادت و شقاوت کا حکم نافذ کرتا ہے۔ وہ اسباب کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ خیر کے اسباب علیحدہ ہوتے ہیں۔ شر کے اسباب الگ ہوتے ہیں۔ نیز یہ امر بھی تقدیر الٰہی میں پہلے سے درج ہوتا ہے۔ کہ بندہ اپنے ارادے سے ان اسباب کو کام میں لائے گا۔ اور تجویز کردہ کام کو اپنے اِختیار اور اپنی مرضی سے پوری آزادی کے ساتھ اسی طرح انجام دے گا۔ جیسا کہ قضاء و قدر کی رو سے طے ہے۔ اب بندہ اپنے حق میں سعادت یا اپنے خلاف کسی بد بختی میں اگر ماخوذ ہے تو اس میں شک نہیں کہ انہیں اسباب کے تحت ماخوذ ہے جسے وہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اور جس کے لئے اوپر سے نہ اس پر دباؤ ہے۔ نہ کسی قسم کا جبر ہے۔ اس امر کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے۔ جس میں حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو بہشت کے لئے پیدا کیا ہے اس کو بہشت والوں کے عمل میں لگا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بہشتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرجاتا ہے۔ تو اللہ اس کو بہشت میں داخل فرما دیتا ہے۔ اور جس بندے کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اس کو دوزخیوں کے عمل میں لگا دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرجاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔"

(موطا: ۳/ ۹۲، ۹۳- ابوداؤد ۲/۵۲۹، ترمذی ۲/ احمد ۱/۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کی قسمت میں اللہ تعالیٰ جو لکھ دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ (دراصل) وہ ان اسباب کو اِختیار کرے گا۔ جس سے نیک

نامی پائے گا۔ یا ان وسائل کو از خود اپنائے گا جس سے اسے بدنامی ہاتھ آئے گی۔ اور تقدیر کا یہ فیصلہ اسباب اور وسائل کے نظام کی بنیاد پر ہے۔ نظامِ اسباب کی طرح نظامِ کائنات سے بھی اس توجیہ کے لئے دلیل ملتی ہے۔ چنانچہ ہر کوئی جانتا ہے کہ اِنسان کائنات کا ایک پرزہ اور کل کائنات نظامِ قدرت کے مستحکم آئین کے ساتھ مربوط ہے۔ اور تادمِ آخر اسی طرح مربوط اور منضبط رہے گا۔ اس لئے یہ امر ناگزیر ہے کہ اِنسان کا آغاز اس کی دوا دوش اور اس کا انجام کل کائنات کی طرح ایک مستحکم ضابطے کا پابند اور اس کے زیرِ حکم ہو اور کسی لمحہ اس سے جدا نہ ہو۔ یہ جزئی اور کلی نظام وہی قضاء و قدر کا نظام ہے۔ البتہ اس نظام کے ساتھ کل کائنات کے پابند ہونے اور اِنسان کے پابند ہونے کے درمیان اہم فرق یہ ہے کہ اِنسان اپنے نیک یا بد انجام کی طرف اپنے آزاد ارادے اور اپنی سعی سے پہنچتا ہے۔ اس لئے دوسرے جانداروں کی دوا دوش اور اِنسان کی سعی وکاوش میں زمین و آسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ پھر چونکہ اِنسان با اِختیار پیدا ہوا ہے۔ اور بارگاہِ الٰہی سے اسے مزید ارادہ اور احتیاط مرحمت ہوا ہے۔ جس سے وہ کوشش بھی بیش از بیش کر سکتا ہے اب اِنسان اور غیرِ اِنسان کی سعی میں باہم فرق سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ غیرِ اِنسان تقدیر کے دائرے سے سرمو تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ اسے ارادہ اِختیار یا کسی قسم کی مہلت حاصل نہیں۔ وہ نیک یا بد جس غرض کے لئے بنائے گئے اسی کے دائرے میں محصور ہوں گے۔ اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان کا دائرۂ کار اور منتہا بھی ایک ہے۔ اور چونکہ انہیں ارادے اور اِختیار کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لئے انہیں کسی قسم کا اِختیار بھی مرحمت نہیں ہوا۔ لیکن اِنسان اوروں سے مختلف ہے۔ اسے بارگاہِ ایزدی سے ارادہ اور اِختیار حاصل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے امانت کے بارِ گراں کا امین بنایا گیا جب کہ ارض و سما اور کائنات نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ○

(احزاب:۷۲)

"بلاشبہ ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ تو انہوں نے

اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اِنسان نے اس کو اٹھا لیا بلاشبہ وہ ظالم اور جاہل ہے۔"

مزید وضاحت:

مزید تشریح اور وضاحت کے لئے ہم عرض کریں گے کہ اِنسان حق تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا پروردہ ہے۔ جیسے سورج، چاند، حیوانات، نباتات اور کل کائنات اس کی پیدا کردہ اور پروردہ ہے۔ ان کی سرشت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن اغراض کے لئے انہیں پیدا کیا۔ یہ انہیں بدرجہ اتم پورا کرتے ہیں اور کوتاہی نہیں کرتے۔ البتہ اِنسان اور دیگر خلائق میں فرق جیسا کہ عرض کیا گیا یہ ہے کہ مُکلف ہونے کی بناء پر دست قدرت نے اِنسان کو صاحب ارادہ اور بااِختیار بھی بنایا ہے۔ اور اسی پر اس کی سزا اور جزا کا دارومدار ہے۔ جب کہ دوسرے نہ مکلف ہیں اور نہ انہیں کسی ارادے یا اِختیار کی حاجت ہے۔ اور نہ انہیں کسی کارکردگی پر جزا ملے گی۔ نہ کوتاہی پر سزا کے مستحق ہوں گے۔ ارادہ[1] ہونے پر صاحب ارادہ اقدام کی اہلیت رکھتا ہے۔ چاہتا ہے تو پیش قدمی کرتا ہے ورنہ سست روی دکھاتا ہے اور کسی ایک مقصد حیات یعنی سعادت یا شقاوت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اگر صاحب ارادہ کا ارادہ کسی صورت سلب ہو گیا۔ مثلاً کسی بندے پر زور و زبردستی کی گئی۔ کسی اقدام کے لئے دباؤ ڈال کر مجبور کیا گیا تو اس پر مؤاخذہ یا محاسبہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ کامل خود اِختیاری اور آزادانہ عزم نہیں پایا گیا۔ اس افہام و تفہیم سے باتوفیق ناظرین ان دو صورتوں میں باآسانی تطبیق کر سکیں گے کہ حق تعالیٰ ازل سے بندوں کے افعال سے متعلق فیصلہ صادر فرما چکا ہے۔ جس طرح اس نے کام کرنے والے اِنسانوں کو پیدا کیا ان کے کردار و افعال کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ البتہ بندہ اپنے ارادے اور پسند سے کسی رخ کو اِختیار کرتا ہے۔ لہٰذا اسی پسند اور انتخاب پر اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ نیکی پر جزا اور بدی پر سزا کا مستوجب ہوگا۔ اس حقیقت کو بخوبی ذہن نشین کرنے کے

---

[1] معلوم ہوا کہ دیوانہ، بچہ، سویا ہوا، زبردستی کیا ہوا، اور بھول جانے والا اپنے کسی فعل پر ماخوذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے اندر عزم و حوصلہ اور اِرادہ و اِختیار نہیں ہے۔

لئے کہ بندہ از خود کام کو انجام دینے والا ہے او راللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے کردار کی تخلیق کرنے والا ہے۔ ہم عرض کرتے ہیں کہ کل کائنات حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کے سوا کوئی خالق و مالک نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ○

○ (غافر:۶۲)

ترجمہ "یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو۔"

اور اِنسان اس کائنات کا ذرہ بے مقدار ہونے کی وجہ سے اس کی طرح ادنیٰ مخلوق ہے۔ اور حق تعالیٰ اس کا اور کائنات کا دونوں کا بنانے والا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مخلوق بھی خالق بن سکتی ہے؟ جواب یہ کہ:۔ ہرگز نہیں! کبھی نہیں! اور ایک اِنسانی مخلوق پر کیا موقوف؟ آخر بے شمار خلائق اور عوالم ہیں چنانچہ افلاک گردش میں مصروف ہیں۔ سیارے سرگرمِ رفتار ہیں۔ نباتات نشو ونما پاتے ہیں۔ جملہ حیوان اور جاندار حرکت و عمل میں مصروف ہیں۔ کھانا پینا نسل کی افزائش وغیرہ سینکڑوں چھوٹے بڑے کام ہیں۔ لیکن چھوٹے بڑے ان کاموں کو دیکھ کر کوئی نہیں کہتا کہ وہ آپ اپنے کردار کے پیدا کرنے والے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا اور ان کے کردار کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔ جواب بہرصورت یہی ہے کہ غور کرنا چاہئے کہ آخر کس اُلٹی منطق کے تحت بندوں کے افعال کو اس ضابطہ سے الگ کیا جاتا ہے۔ (حیوانوں کو ان کے افعال کا خالق نہیں کہا جاتا۔ مگر اِنسانوں کو ان کے افعال کا خالق قرار دیا جاتا ہے۔) جب کہ یہ امر مُسلم ہے کہ دستورِ الٰہی کے تحت کائنات کی ہر چیز کی طرح اِنسان بھی نظامِ کائنات کا ایک پرزہ ہے لیکن کیا محض ارادے اور اِختیار کے آجانے سے اِنسان خالق کہلا سکتا ہے؟ جب کہ کل کائنات کو چھوڑ کر تنہا اسی کی ذات ہے جو' سزا اور جزا کا سزا وار ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ اس درجہ معمولی اِختیار سے وہ خدا کی مخلوق اور اس کا پروردہ متصور نہ ہو۔ جب حق تعالیٰ مالک اور خالق حقیقی ہے۔ اس نے اپنے علم اور خلق و تکوین کے آئین کے تحت اس کو اور زمین و آسمان اور کل کائنات کو عدم سے وجود بخشا۔ اور اِنتہائی دقیق نظام کے

تحت باہم ایک دوسرے کو مربوط فرمایا۔ بلاشبہ اس کی ہی ذاتِ واحد یکتا اور پاکیزہ ہے۔ اور وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اب یہ حقیقت واضح اور بے حد روشن ہو جاتی ہے کہ اِنسان اپنے افعال کو سرانجام دیتا ہے لیکن خود سے ان کی تخلیق نہیں کرتا۔ بلکہ صرف باری تعالیٰ کی ذات ہے جو اِنسان کی اس کے افعال کی اور کل کائنات کی خالق ہے۔ سوچنا چاہئے کہ کیا اِنسان باتیں کرتا' سنتا' دیکھتا اور سمجھتا نہیں' کیا خدا کے سوا بھی کوئی ہے جس نے اِنسان کو ان کا فاعل بنایا۔ کیا اِنسان آمدورفت اور لین دین کا کام نہیں کرتا؟ کیا خُدا ہی وہ ذات نہیں جس نے ان نعمتوں سے اسے نوازا' کیا اِنسان محبت' نفرت نہیں کرتا؟ کیا حق تعالیٰ ہی وہ ذات نہیں جس نے ان سب کے لئے اس کو آمادہ اور تیار کیا۔ جب ہر سوال کا جواب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ ذات ہی ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور متذکرہ کاموں کے لئے اس کو آمادہ ــــ اور آراستہ کیا۔ لہٰذا بلا حجت اور بلاشک و شبہ ماننا چاہئے کہ بندوں اور ان کے افعال کا خالق اور پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ ہاں البتہ اِنسان اپنے ارادے سے اپنے کاموں کو پسند کرنا اور اِختیار کرتا ہے۔ اور یہ صلاحیت بھی خدا تعالیٰ نے ہی اسے بخشی ہے۔ اس لئے کہ وہ اس دنیا میں آزمائش اور ــــ امتحان کے دور سے گذر رہا ہے۔ اور اگر کوئی اس قدر افہام و تفہیم کے بعد بھی آنکھ نہ کھولے اور وسوسے اور بدگمانی کا شکار ہو تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ خدا کے بندے تیرا ناس ہو۔ اپنی اوقات کیوں فراموش کرتا ہے؟ بھلا حق تعالیٰ پر تجھے حرف گیری کا حق کیوں کر پہنچتا ہے۔ اس حقیقت کو کیوں فراموش کر رہا ہے۔ کہ کل سوال تجھ سے ہوگا۔ اس ذاتِ واحد سے نہیں اس نے تجھے پیدا کیا۔ تو نے اس کو وجود نہیں بخشا۔ تیرا وجود اس کا مرہونِ منت ہے وہ تیرا محتاج نہیں۔ وہ ازل سے تھا اس وقت تیرا دور دور کہیں وجود نہ تھا۔ اور یہ جو عرض کیا گیا کہ حق تعالیٰ نے ازل سے بندوں کی تقدیر کے متعلق فیصلہ صادر فرمایا۔ انہیں نافذ کیا پھر اس کے سامنے اوامر اور نواہی پیش کئے۔ اور یہ بتا دیا کہ اطاعت پر اسے جزا اور نہ ماننے پر اسے سزا ملے گی تو (حقائق سے) اس کو تطبیق دینے کے لئے وہ کہتے ہیں کہ۔

(ا) دراصل حق تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ بادشاہت اسی کی اور تعریف کے لائق بس وہی ہے۔ کسی کو اس سے باز پرس کی مجال نہیں کہ وہ جو کرتا ہے کیوں کرتا ہے؟ یہ اس لئے کہ اس کا علم کامل! اس کا عدل و انصاف سب سے بالا تر

اور اس کی رحمت و حکمت کا دائرہ سب کو گھیرے ہے۔
(۲) حق تعالیٰ جو کرتا ہے اور جس امر کا فیصلہ صادر فرماتا ہے وہ تمام تر انصاف پر مبنی اور حق بجانب ہے۔ اس کے افعال اور اس کی بنائی ہوئی تقدیر میں ذرہ برابر ظلم و زیادتی نہیں' کہیں شر اور فساد نہیں۔ چنانچہ عقل و دانش اسے تسلیم کرتی ہے۔ اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ○ (نساء:۴۰)

"بلاشبہ اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔"

نیز فرمایا

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ (فصلت:۴۶)

"اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔"

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے جس سے مذکورہ بالا حقیقت کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ:
"ہر قسم کی بھلائی اور خیر بس تیرے ہاتھوں میں ہے۔ لیکن شر تیری طرف سے نہیں ہے۔"
(مسلم ۱۸۵/۲)

ظلم و شرارت اور ان کا ارادہ مخلوق اور فنا ہونے والوں کا خاصہ ہے۔ رہا مالک عرشِ بریں جو نہایت بزرگ و برتر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسے کسی سے کوئی حاجت نہیں اس لئے وہ اس قسم کے فانی اوصاف سے بھی پاک و صاف ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ وہ ہر معاملہ میں انصاف کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ○ (نحل:۹۰)

"(مسلمانو) بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو اور (سب کے ساتھ) بھلائی کرو اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرو۔ اور بے حیائی کے کاموں اور ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے منع فرماتا ہے۔"

وہ ظلم و زیادتی سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ اسے حرام قرار دیتا ہے۔
میرے بندو! میں نے اپنی طرف ظلم و زیادتی کے انتساب کو بھی حرام کر رکھا ہے۔ اور تمہارے

درمیان بھی اس کو حرام ٹھہرایا ہے اس لئے تم بھی ظلم مت کرو۔

(مسلم ۸/۱۷)

اور بھلائی کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ○ (بقرہ:۱۹۷)

ترجمہ "اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔"

نیز فرمایا:

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الحج:۷۷)

ترجمہ "اور نیکی کرتے رہو تاکہ کامیاب رہو۔"

۳۔ (علاوہ ازیں دیکھنا چاہئے کہ) ظلم و شرارت کیا ہے؟ دانشمند بیک زبان کہتے ہیں کہ "شی کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے اور "شر" وہ فعل ہے جس میں مطلق نفع نہ ہو۔ یا برائے نام نفع ہو۔ لیکن مضرت اس سے کہیں زیادہ ہو۔ جب ہر دو کا حال و مآل یہ ہے۔ اور ایک شخص جو خدا کا باغی' سرکش اور نافرمان ہے۔ وہ اس کے حکموں کی سراسر مخالفت پر کمربستہ ہے۔ اور یہ سب اپنی مرضی' ارادے اور اختیار کے ساتھ کئے جا رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ عزم بھی رکھتا ہے کہ اس کی زندگی خواہ کتنی ہی دراز ہو' خواہ ابد الآباد تک جینا نصیب ہو۔ زندگی کی آخری سانس تک وہ بدکاری اور فسق و فجور میں ملوث رہے گا۔ نہ اسے کبھی ندامت ہوگی۔ نہ دل میں توبہ کی خواہش ہوگی۔ نہ ہی کبھی تائب ہوگا۔ جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی اسے قدرت و طاقت نصیب ہے۔ اور وہ چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔ — دانش مند بتائیں! — کیا اس درجہ فتنہ پرداز کو سزا دینا ظلم و شرارت متصور ہوگا ؟؟ — ہرگز نہیں!!

۴۔ قانونِ الٰہی!-! جس کے مطابق اس نے کل خلائق کو عدم سے وجود بخشا۔ ان کے لئے روزی فراہم کی۔ اور ان کے جملہ امور اور مصالح کی تدبیر فرمائی۔ اس کا اہم تقاضہ ہے کہ بندوں سے متعلق جس قسم کا فیصلہ وہ چاہے کر سکتا ہے۔ چاہے انہیں عذاب دے اور کسی کو نہ بخشے۔ وہ یہ کر سکتا ہے۔ اسے ہرگز ظالم نہ کہا جائے گا۔ اور اگر وہ چاہے تو سبھوں کو معاف بھی کر سکتا ہے۔ اس کی یہ معافی اور مہربانی بندوں کے ہر ہر عمل سے کہیں بالاتر اور بہتر ہوگی۔ یہی

وہ امر ہے جس کا صحیح حدیث میں ذکر ہے چنانچہ احمدؒ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے مناسب سند کے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حضورِ اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اگر حق تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دینے کا ارادہ فرمائے اور عذاب بھی دے دے تو وہ ظالم نہ کہلائے گا۔ اور اگر انہیں بخش دے تو اس کی بخشش بندوں کے ایک ایک عمل سے بہتر ہوگی۔ اور اگر تمہارے پاس کوہِ احد برابر سونا ہو اور وہ سب راہِ خدا میں خیرات کر دو تب بھی خدا اس خیرات کو قبول نہیں فرمائے گا۔ تاوقتیکہ تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو۔ نیز یہ عقیدہ نہ رکھو کہ تمہیں جو پہنچ رہا ہے وہ ہرگز ٹل نہیں سکتا تھا۔ اور جو نہ ملا وہ کبھی بھی ملنے والا نہ تھا۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور عقیدہ پر تمہاری موت واقع ہوئی ہو تو سمجھ لو کہ تُم جہنمی ہو" (ابوداؤد ۲/۵۲۷' ابن ماجہ مقدمہ /۱۰' احمد ۵/۱۸۲' ۱۸۵' ۱۸۹)

۵۔ جس وقت باری تعالیٰ نے بندوں کی عمر' ان کی روزی اور ان کے نیک یا بدبخت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا' اس نے ان کے لئے مخصوص وسائل اور اسباب بھی تجویز فرما دیئے۔ اور انہیں باہم ایسا منضبط فرما دیا کہ اسباب خواہ کسی قسم کے ہوں ان میں اور تقدیرِ الٰہی میں ذرہ برابر فرق اور تفاوت ہرگز نہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جیسی چاہے تبدیلی فرما دے۔ اور یہی وہ تقدیرِ الٰہی ہے جس کا پرتو کل کائنات اور اس کے چھوٹے بڑے ہر جز اور ہر ذرے میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ رائی سے پربت تک ایک ایک چیز جیسے کھجور کی گٹھلی کے ریزے' پورا عالم اور کائنات کا سارا نظام قانونِ قدرت سے ہم آہنگ اور باہم مربوط ہے۔ اس حقیقت کی تصدیق حضورِ اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کا سا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کا سا عمل کرنے لگتا ہے۔ اور بالآخر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص دوزخیوں کا سا عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اس پر نوشتہ تقدیر غالب آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کا سا عمل کرنے لگتا ہے اور بالآخر جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔"

(متفق علیہ یہ الفاظ مُسلم کے ہیں: (۸/۴۴) بخاری (۴/۱۳۵) اللؤلؤ والمرجان (۳/۲۰۷' ۲۰۸)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب کا ایک مخفی نظام ہے چنانچہ جنت میں جانے کے اسباب اور اعمال الگ ہیں جہنم میں جانے کے اسباب علیحدہ ہیں۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ ازلی نیک آدمی خواہ کتنی ہی بد اعمالی میں گرفتار ہو۔ ازلی بد کردار خواہ کتنا ہی نیک کام کر رہا ہو لیکن پھر نوشتہ تقدیر غالب آتا ہے اور لا محالہ وہ ایسے کام کرتا ہے جو اس کے حق میں (نیک) ہوتا ہے یا (بد ہو کر) اس کے خلاف پڑتا ہے۔ اور پھر وہی ہوتا ہے جو ازل سے علم اور تقدیر اِلٰہی میں لکھا ہوتا ہے۔ اور بندہ بھی پہلے اور بعد میں جو کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ اپنے ارادے اور اِختیار سے کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ جو کرتا ہے کسی دباؤ کے تحت کرتا ہے۔ یا جو نہیں کرتا جبراً نہیں کرتا۔

اس حیرت انگیز حقیقت سے واقفیت اور اس پر غور و فکر نہایت ضروری ہے۔ اور مجھے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو بندہ کماحقہ' اس سے آگاہ ہو گا اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حق تعالٰی کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سرنگوں ہو گا۔ اور اپنی جبیں نیاز اس کی بارگاہ میں جھکا دے گا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال[1] پہلے یہ امر علم الٰہی میں تھا کہ فلاں فلاں تاریخ اور فلاں مقام پر فلاں فلاں بندہ پیدا ہو گا۔ جس کا نام یہ اور اس کی شناخت اور اوصاف یہ ہوں گے۔ اور وہ اپنے ارادے اور اِختیار سے فلاں فلاں نیک یا بد کام انجام دے گا۔ تاآنکہ اس کا شمار نیک بختوں یا بد بختوں میں ہو گا۔ باری تعالٰی نے اپنے اس علم کو اپنے پاس ایک نوشتہ میں درج بھی کر دیا۔ اور پھر وہ وقت اور مقررہ ساعت آئی جب اس مقام پر وہ آدمی پیدا ہوا۔ پلا' بڑھا اور سن شعور تک پہنچا۔ اس کی صحت' عقل اور حواس سب کچھ درست ہیں۔ پھر اس پر حالات آئے اور وہ کچھ اُفتاد میں پڑ گیا۔ لیکن اس نے اپنی پسند اور مرضی کا راستہ چنا اور اس پر چل پڑا اس پر کوئی دباؤ نہیں تھا۔ نہ کسی قسم کا جبر و اکراہ تھا اور اس طرح اس نے پوری آزادی اور کامل خودمختاری سے اپنے لئے ایک طریقہ منتخب کیا۔ اور

---

[1] امام مُسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے نقل کیا' وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے سنا فرماتے تھے "آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے حق تعالٰی نے نوشتہ تقدیر لکھ دیا تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (۵۱/۸)

اس پر عمل پیرا ہوا۔ اب جو کچھ اس پر بیتی اور جیسا کچھ اس نے کیا اس میں شک نہیں کہ یہ سب نوشتہ الٰہی کے عین مطابق تھا جو حق تعالیٰ نے ازل سے اپنے قدیمی نوشتہ میں لکھا تھا۔ اس تحریر اور اس بندے کے عمل میں نہ کہیں سرمو فرق آیا' نہ کہیں ذرہ برابر کوتاہی یا نقص رہا۔

فَسُبْحَانَ ذِی العِزِ والْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِیْ الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ۔

ترجمہ "بس! میں پاکی بیان کرتا ہوں عزت اور غلبہ والے کی میں پاکی بیان کرتا ہوں عالم ارواح اور اجسام والے کی' پاک ہے وہ جو زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔"

ارادہ اور مشیت الٰہی:

قضاء قدر کے موضوع سے اس مسئلہ کا گہرا تعلق ہے۔ نیز قضاء و قدر کا عقیدہ بندۂ مومن کے نازک اور اہم عقائد میں سے ایک ہے۔ بناء بریں حق کی وضاحت اور راست اور بہتر صورت تک رسائی کے لئے مذکورہ بالا عنوان کے تحت کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

یہ بحث ذیل کے دو نکات کے تحت ہوگی۔

۱۔ عقل و نقل کی روشنی میں حق تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا اثبات۔

۲۔ اور اس حقیقت کا انکشاف کہ بیشتر افراد جو فاش غلطی اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ کے ارادہ کے مفہوم کو نہیں سمجھا۔

جہاں تک صفت ارادہ اور صفت' مشیت کے اثبات کا تعلق ہے ذیل کی آیات ــــ کلامِ الٰہی ــــ اور روایات ــــ ارشاداتِ نبوی ــــ سے بخوبی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے۔

- یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ○ (بقرہ:۱۵۸)

ترجمہ "اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے۔ اور دشواری نہیں چاہتا۔"

- اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْئٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○ (نحل:۴۰)

ترجمہ "بے شک جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کریں تو بس ہمارا کہنا اتنا ہی ہوتا کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔"

مذکورہ بالا ہر دو آیات میں ارادہ کا ذکر ہے۔ جب کہ ذیل کی آیتوں میں مشیت کا مفہوم موجود ہے۔

● وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ○ (انعام:۱۱۲)

ترجمہ "اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس تم ان کو اور ان کی افتراپردازیوں کو چھوڑ دو۔"

● وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ○ (تکویر:۲۹)

ترجمہ "اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔"

ارادہ کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

● ـــ باری تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ داری مرحمت فرماتا ہے۔"

(اللؤلؤوالمرجان (۲۱۹،۲۱۸/۱) بخاری (۱۰۳/۴، ۱۹۵/۹) مُسلم (۹۵/۳، ۵۳/۲، ۵۴))

مشیت کا ثبوت اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

● ـــ جو تجھے نفع دے اس سے حرص کر، اللہ سے مدد طلب کر، اور عاجز نہ بن، اگر تجھ پر کوئی آفت آئے تو یہ نہ کہنا کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا، ایسا ہوتا بلکہ یوں کہہ کر اللہ نے جو مقدر[1] فرمایا وہی ہوا۔ اس نے جو چاہا وہ ہوا اس لئے کہ "اگر" شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

(مسلم ۵۶/۸)

اس مفہوم کی بے شمار آیات و روایات موجود ہیں۔ جن میں سے ہم نے محض چند کو پیش کیا جن سے صفت مشیت اور صفت ارادہ کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ منقول روایات کے ساتھ عقلی ثبوت بھی اس طرح فراہم کیا جاسکتا ہے۔ کہ: تخلیق و تکوین اور ملکیت و ربوبیت کے جو اوصاف باری تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ حق تعالیٰ کو ارادہ اور مشیت کی صفت بھی حاصل ہوں۔ اس لئے کہ یہ اوصاف نہ ہوں تو اس کا مجبور اور لاچار ہونا لازم آئے گا۔ اور

---

[1] روایت کا آخری لفظ قَدَرَ اللّٰهُ میں حرف (د) "تخفیف اور تشدید دونوں طرح منقول ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ لاچار اور مجبور' عوالم کی تخلیق' ان میں حسب مرضی تصرف' اور اپنی حکمت و مصلحت اور تدبیر کے مطابق ان کا نظم نہیں کرسکتا۔ مزید برآں اِنسان مخلوق ہو کر ارادہ اور مشیت کا مالک ہے اس کا تقاضہ ہے۔ یہ حق تعالیٰ جو اس کا خالق و مالک ہے۔ باارادہ اور مشیت والا ہو۔ اس لئے کہ مخلوق کا باارادہ ہونا۔ اور خالق کا اس سے خالی اور تہی ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ بلکہ عقل تو چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ اور مشیت اِنسانوں سے کہیں زیادہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اور انسان مخلوق ہے۔ اب اگر اول الذکر کیلئے یہ وصف بیش از بیش ثابت نہ ہوا تو مخلوق کا خالق سے زیادہ قوی اور بااِختیار ہونا لازم آئے گا اور یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

- اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ○ (نحل:١٧)

ترجمہ "تو۔ (جو اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ اس کی طرح ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کرسکے۔"

نیز فرمایا۔

- وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (تکویر:٢٩)

ترجمہ "اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العالمین نہ چاہے۔"

اب تک ارادہ اور مشیت الٰہی کا ثبوت فراہم کیا گیا۔ آئندہ سطروں میں یہ دکھانے کی کوشش کی جائے گی کہ ان دونوں صفات کو سمجھنے میں بہتیرے لوگوں نے ٹھوکر کھائی۔ اور نتیجے میں ضلالت و گمراہی اور شر و فساد میں مبتلا ہوئے۔

کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ بحمد اللہ! آج مسلمانوں میں ایسا کوئی نہیں جو حق تعالیٰ کی صفت ارادہ اور صفت مشیت کا منکر ہو۔ لیکن بے شمار ایسے مسلمان ضرور پائے جاتے ہیں جو ان دونوں صفات کا غلط مفہوم سمجھتے ہیں۔ اور نتیجہ میں جبریہ اور قدریہ جیسے باطل فرقوں سے کہیں زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ان صفات کو ٹھیک سے نہ سمجھنے کی وجہ سے عوام الناس دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ان میں کچھ حدود سے متجاوز ہیں۔ کچھ میانہ رَو ہیں کچھ انتہا پسند

ہیں۔ جیسا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں گذرا۔ بحمد اللہ! یہ مسئلہ کافی مفصل مذکور ہوا۔ اور خدا نے چاہا تو جو کوئی ان تفصیلات کو ذہن نشین کرے گا' فکری کوتاہی اور دماغی خلجان سے حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ (انشاء اللہ)

سابقہ اور حالیہ مسئلہ میں جو لوگ بھی میانہ رَو ہیں خدا نے چاہا تو وہ نجات پائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ مدد فرمائے) لیکن ان کے علاوہ دونوں گروہ جو انتہاپسندی میں ملوث ہیں پہلے کی طرح اس مسئلہ میں بھی ان کی گمراہی یقینی ہے۔

ان اقوام اور ان کی گمراہی کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا گروہ انتہاپسند واقع ہوا ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ حدود سے متجاوز ہے۔ انتہاپسند یہ سمجھتے ہیں کہ ارادہ (جس کی پابندی کی جائے) اور مشیت ہر دو کی نسبت بندے سے ہوتی ہے۔ بندہ ہر کام اپنے ارادے اور مرضی سے کرتا ہے کسی اور کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ ہاں بالجبر جو کھلایا جائے یا کرایا جائے وہ اس سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ طاقت یا جبرواکراہ کے بعد بندہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اس کا اِرادہ اور اختیار زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن جبرواکراہ کے بغیر سر زد ہونے والا کام سراسر اس کے ارادے اور مشیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دراصل اس قسم کی ذہنی پراگندگی اور گمراہی کے ذمہ دار وہ بے دِین اور ملحدین ہیں جو خدا کے وجود اور اس کی صفت خالقیت کو نہیں مانتے نہ ہی قضاء و قدر اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں ہاں نام نہاد مسلمانوں کا دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو گمراہی میں ان کا برابر کا شریک ہے۔

● ___ ایک گروہ یہ سمجھتا ہے کہ خدا کو گمراہ کی گمراہی' کافروں کے کفر' بدکاروں کی بدکاری یا کسی کی بے حیائی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نہ وہ اس قسم کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس خود ساختہ نظریہ کی وجہ سے یہ فرقہ مشیت الٰہی اور اس کے ارادے کا انکار کرتا ہے۔ جس کے بموجب کائنات میں حادثات کا ظہور ہوتا ہے۔ اس قسم کے باطل نظریے سے یہ تاثر دل میں پیدا ہوتا ہے کہ بیشتر حوادث اور واقعات پر خدا کا کوئی زور نہیں۔ نہ ہی اس کی مرضی اور ارادے سے ان کا ظہور ہوتا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ جوادث کی تکوین اور واقعات کو سامنے لانے میں کسی اور خدا کا بھی ہاتھ ہے۔ یہ خدا مستقل اور صاحب ارادہ ہے۔ پہلے خدا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ___ ظاہر ہے یہ بے ہودہ بکواس اور کھلا ہوا شرک ہے جس سے

ہم بس خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

● ـــ دوسرے لوگ جن کو اس موضوع سے نہ کوئی مناسبت ہے۔ نہ خود انہیں ادنیٰ شعور حاصل ہے۔ یہ جاہل مسلمان اور ان کے اندھے مقلدین ہیں۔ ان میں بھی اکثر مستشرقین کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی مشیت کا ہمارے افعال و کردار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم' ہماری مشیت۔ اور ہمارا ارادہ اس کا سزاوار ہے۔ اس لئے کہ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ جو نہیں چاہتے نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کہتا ہے کہ "انشاء اللہ کل میں یہ کام کروں گا۔" تو اس ذہنیت سے متاثر طبقہ اسے ڈانٹا ہے اور ربھڑک کر کہتا ہے۔ انشاء اللہ کیوں کہتے ہو۔ اسے ایک طرف ڈال دو اور بس یوں کہہ کہ میں ایسا کروں گا۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اس قسم کی گمراہی اور جہالت کا مظاہرہ ان کی طرف سے اس وقت ہوتا ہے جب یہ آئندہ سے متعلق کوئی بات کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ میں سفر کروں گا۔ خرید یا فروخت کروں گا۔ یا بناؤں گا۔ نہ بناؤں گا۔ وغیرہ لیکن ان باتوں میں انشاء اللہ کا شائبہ تک نہیں آنے دیتے۔ اور اس طرح کہتے ہیں جیسے مشیت الٰہی پر ان کا کوئی ایمان نہیں۔ اور اسی قسم کی بے یقینی کا پتہ کیا اس سے نہیں چلتا کہ موسم اور آب و ہوا سے متعلق۔ مسلم اور عرب ملکوں کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن نشریوں میں اناؤنسر خبریں اس طرح نشر کرتا ہے گویا سیاہ و سپید کا وہی مالک ہے۔ اور جو ہونے والا ہے اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہوگا۔ کسی کی رائے کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ نشریوں کے تیور ملاحظہ فرمائیں' اناؤنسر کہتا ہے۔ کل مشرق یا مغرب کی سمت سے تیز ہوائیں چلیں گی۔ فلاں فلاں اضلاع میں گرج چمک کے ساتھ بارش ہوگی۔ یا ہلکی بارش ہوگی۔ کل مطلع ابرآلود ہوگا۔ فلاں علاقے میں ہلکی بارش ہوگی وغیرہ۔ آئے دن کے موسمی نشریوں میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال روز مرہ کا معمول بنا ہوا ہے۔ جس میں باری تعالیٰ کی مشیت اس کی مرضی اور اس کے ارادے سے دیدہ و دانستہ گریز کیا جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ مشیت الٰہی اور اس کے ارادے پر انہیں یقین نہیں۔ نہ وہ یہ مانتے ہیں کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کی مشیت اور ارادے پر یقین بھی رکھتے ہیں تو ان ملحدین اور دہریوں کے ڈر سے۔ یا انہیں خوش کرنے کی غرض سے برملا ان الفاظ کو استعمال نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان گم کردہ مشرکین کے ساتھ جرم میں برابر کے

شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہی امر واقعہ ہے تو ان مشرکین اور گمراہ ہونے والوں کے جرم میں ان کا بھی برابر کا حصہ ہوگا۔

یہ انتہا پسندوں کا حال تھا۔ ایک طبقہ وہ ہے جو حدود سے تجاوز کر چکا ہے۔ یہ اس ارادہ اور مشیت کو لائق توجہ نہیں سمجھتا جسے حق تعالیٰ نے بندوں کو دیا۔ اور جملہ شرعی پابندیوں اور اس کے نتیجے میں دونوں جہان کی کامیابی کا مدار اس کو بنایا۔ اور یہ جتلا دیا کہ اِنسانیت اور آدمیت کا یہی تقاضہ ہے۔ (اس سلسلے کی کچھ تفصیل قضاء اور قدر کے باب میں مذکور ہے) وہ کہتے ہیں کہ بندہ کسی قسم کی مشیت یا ارادہ نہیں رکھتا۔ ارادہ اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس انکار کی وجہ سے یہ طبقہ حد سے زیادہ گمراہ اور معطل ہو کر رہ گیا اور ان کی حالت ملحدین سے کہیں زیادہ گئی گذری ہوگئی جو اللہ پر' اس کی شریعت پر اور اس کے سامنے پیش ہونے پر اِیمان نہیں لاتے۔ اس انکار کی وجہ سے ان کا ہر معاملہ برعکس اور باہم خلط ملط ہوگیا۔ چنانچہ ہر اچھائی ان کی نظر میں برائی بن گئی۔ کفر و اِیمان میں فرق نہ رہا۔ فسق و فجور نیکی کا دوسرا نام ہوگیا۔ اور ان کا یہ عقیدہ بن گیا کہ کوئی بدی کرے یا نیکی' بہر صورت وہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے۔ بدکار اپنے گناہ کی پاداش میں گنہگار یا مجرم نہیں۔ نہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو سزا یا عذاب دیا جاسکتا ہے اس لئے کہ بقول ان کے کوئی خود مختار اور صاحب اِرادہ نہیں ہے بلکہ خدا کے ارادے اور مشیت کا پابند ہے۔ بندہ سرے سے مشیت یا اِرادہ نہیں رکھتا۔

ذیل کا شعر اسی بدعقیدے کی غمازی کرتا ہے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے ؎

اَصْبَحْتُ مُنْفَعِلاً لِمَا یَخْتَارُهُ مِنِّی فَفِعْلِیْ کُلُّهُ طَاعَاتٌ!

میں اس کے ارادے اور مشیت کا پابند ہوں۔ اس لئے میں جو کروں گا سب عبادت ہے۔

اِرادہ اور مشیت جو خدا کی نعمت ہے لیکن اس نظرئے سے اس کا زوال ہوتا ہے۔

اس کی توجیہ وہ اس طرح کرتے ہیں کہ جو ارادہ کا پابند ہے۔ اور مخصوص مراد پر کاربند ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اِرادہ اللہ کا ہے۔ اور جو چاہا ہوا ہے۔ وہ بھی اللہ ہی کا چاہا ہوا ہے بہرکیف اس تخیل کے بعد روئے زمین پر کسی گناہ یا گناہگار کا وجود نہ ہوگا اس لئے کہ اِنسان کو ذبح کرنے والا' اور روزہ رکھ کر پیاس کی تکلیف اٹھانے والا خدا کی مرضی پر چل

رہا ہے۔ اس مذہب میں دونوں برابر ہیں۔ ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو اس نظریہ کا حامل ہے کہ انسان ارادہ یا مشیت کا مالک نہیں یہ نظریہ بھی تمام تر نادانی جہالت اور ہوا و ہوس کا نتیجہ ہے۔

اس ذہنیت کا شکار ہونے والے ہر قسم کی بدی' منکر اور باطل کا ارتکاب کرنے کے بعد اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ حکمت الٰہی اور اس کے ارادہ و منشا کے عین مطابق ہے۔ خدا چاہتا تو یہ نہ ہوتا۔ بندہ اس کے ارادے اور مشیت سے فرار کیوں کر اختیار کر سکتا ہے؟ افسوس آج اور آج سے پہلے بہت سارے مسلمانوں کا یہی حال رہا ہے۔ بالخصوص اس زمانہ سے جب کہ امت کے عقائد میں بگاڑ آیا۔ تخریب پسند اور سازش پسند عناصر نے محض حسد کرتے ہوئے اسلامی نظریات کو مجروح کیا۔ اور اسے فنا کے گھاٹ اتارنا چاہا۔ اور اگر اس قسم کے نظریہ کی تہ میں صحیح نیت اور صحیح عقیدہ کار فرما ہوتا۔ اور وہ یہ کہتے کہ بندگی کی وجہ سے بندے خدا کی مشیت اور اس کے ارادے کے مطیع اور احکام کے پابند ہیں تو یہ فکر ایک حد تک درست ہوتی۔ اور اس طرح سوچنا صحیح ہوتا۔ لیکن ان کی زبان ان کے دل سے ہم آہنگ نہیں۔ یہ الزام اور ملامت سے بچنے کے لئے ہٹ دھری اور ضد سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی حالت مشرکین کی سی ہے جن کے بارے میں قرآن پاک نے واضح طور پر کہا۔

● _ لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ○

(انعام:۱۴۹)

ترجمہ "اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا' اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔"

مشرکین عرب کا یہی حال تھا۔ جب انہیں خدائے واحد کی پرستش کی دعوت دی جاتی اور محرمات جیسے بتوں کے نام پر اونٹوں[1] کا کان چیرنا' یا ان پر سواری نہ کرنا وغیرہ عقائد سے بچنے

---

[1] بحیرۃ جمع بحائر وہ اونٹنی جو پانچ یا سات بار جنی ہو۔ اہل کفر اس جانور کو علامت نیاز کے طور پر کان چیر کر چھوڑ دیتے تھے۔ ان پر سواری یا ان کے بال' دودھ یا گوشت کی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔ سائبہ جمع سوائب وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر تقرب حاصل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دی جاتی تھی۔ بحیرہ اور سائبہ کا حکم ان کے نزدیک یکساں تھا۔

کی تلقین کی جاتی تو وہ اپنے شرک کا یہ مہمل عذر کرتے کہ ہمارا شرک ٹھہرانا اور بعض چیزوں کو حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس کی مشیت ہوتی تو نہ ہم شرک کرتے' نہ کسی چیز کو حرام ٹھہراتے' اپنے باطل کاموں کی مدافعت کے لئے مشرکین اسی قسم کی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے تھے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ کسی نیک نیتی حسن اِعتقاد یا تقدیر اِلٰہی اور اس کی مشیت کو کسی درجہ مان لینے کی وجہ سے نہیں تھا۔ اس لئے کہ تقدیر کو تسلیم کرنا ایمانِ صادق کی نشانی ہے۔ جس کا تقاضہ ہے کہ بندہ شرک اور اللہ پر بہتان باندھنے سے گریز کرے۔ اس لئے کہ شرک حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سختی سے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ فعل اس درجہ شنیع نہ ہوتا تو نہ اس کی ممانعت اور حرمت اس درجہ شدید ہوتی نہ ہی قرآنِ پاک اور پیغمبر علیہ السلام کی زبانی اس کی اس درجہ تکرار ہوتی۔

ایک ضابطہ اور نہایت اہم نکتہ جسے اعتدال پسند اور باتوفیق بندوں نے خاص طور پر ذکر کیا۔ اور یہ ان کے ناجی اور برحق ہونے کی دلیل بھی ہے کہ ● ـــ عذاب یا عتاب پانے پر خدا کی مشیت کا شکوہ کرنا غلط ہے۔ ● ـــ ہاں مصیبت سے دوچار ہونے پر کہا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی۔ عذاب و عتاب جس سے مراد وہ سزا ہے جو گناہ یا نافرمانی پر ملی ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمہ قسم کی نافرمانی اور گناہ کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اب اگر کوئی بندہ کسی کے ساتھ یہ حرکت کرے یا کوئی اس کے ساتھ کرے یہ سب ممنوع ہے۔ آسمانی کتابوں کا نزول اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی آمد کا اہم مقصد اس قسم کے امور سے ممانعت کرنا ہے۔ اس لئے اگر کوئی گناہ کا کام کرے۔ یا کسی ممنوع حرکت کا مرتکب ہو تو اس میں شک نہیں کہ اسے تقدیر کا بہانہ کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ حق تعالیٰ کا ازلی علم ہے اور اسی علم کے مطابق کائنات کا نظام جاری و ساری ہے۔ اور ازل سے یہ نوشتہ لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ رہیں وہ مشکلات اور پریشانیاں جن کا وقوع کسی گناہ یا حرام کاری کے سبب نہیں ہوا۔ نہ عبادت میں کوتاہی یا نیت میں غفلت اس کا نتیجہ ہے۔ اور نہ شرعی قوانین کی خلاف ورزی یا دستورِ فطرت سے پہلو تہی اس کا سبب ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی فروگذاشت نہ ہو پھر بھی بندہ پر کوئی اُفتاد آجائے تو بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ ناگہانی اُفتاد مقدر کا نتیجہ ہے۔ یا تکوینی مشیت اس کا سبب ہے۔ اس لئے کہ یہ مصیبت اس کے اپنے ارادے یا اِختیار کی وجہ سے نہیں آئی۔ جیسے

اس کے اوپر دیوار آگری۔ یا اس کو سانپ نے ڈس لیا۔ یا وہ کار کے حادثہ کا شکار ہوا۔ جب کہ پہلے سے علم نہ تھا کہ قریب کی دیوار گرنا چاہتی ہے۔ اور وہ وہیں بیٹھا ہوا ہے۔ نہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہاں کہیں سانپ ہے اور وہ اس کے اوپر سو گیا۔ اسی طرح کار کی مقررہ رفتار سے اس نے سر مو تجاوز بھی نہیں کیا تھا لیکن اگر وہ کسی معنیٰ میں ان حوادث کے وقوع کا سبب بنا تو اسے تقدیر پر الزام دینے کا کوئی حق نہیں۔ جب اس نے دستورِ فطرت سے مذاق کرتے ہوئے حکم خداوندی سے اعراض کیا تو اب اپنی بداعمالی اور نافرمانی کی سزا اسے بھگتنی لازمی ہوگی۔ موضوع کے مناسبت سے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مکالمہ کی روایت ذکر کی جاتی ہے۔ جس میں حضرت موسیٰ نے حضرت آدم سے جرح کرتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ کی وجہ سے ہم خسارے میں پڑے۔ اور جنت سے نکالے گئے۔" چونکہ حضرت موسیٰ نے جنت سے نکالے جانے کی اُفتاد کو سبب بنا کر حضرت آدم سے شکایت کی تھی۔ لہٰذا اسی مصیبت کو دلیل بنا کر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ "پھر تم ایسی بات پر کیوں مجھے ملامت کرتے ہو جو میری پیدائش سے چالیس سال قبل اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقرر کر دی تھی۔" اس طرح حضرت آدم نے حجت پیش کی۔ اور حضرت موسیٰ پر اسی وجہ سے غالب آئے کہ اُفتاد اور مصیبت در پیش ہونے پر تقدیر کو بطورِ حجت پیش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن عذاب و عتاب نازل ہونے پر تقدیر کا بہانہ کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اِنسان ناگہانی اُفتاد کا مداوا نہیں کرسکتا۔ نہ از خود مصیبت میں پڑنا چاہتا ہے۔ نہ اس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ بلکہ ہر مصیبت ناگہانی طور پر اس کے ارادے مشیت اور رضامندی کے بغیر اس پر آتی ہے۔ اب اگر بندہ تقدیر کا عذر کرے اور اپنے اوپر یا مصیبت زدہ کے اوپر سے غم و الم کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے قضاء و قدر کا حوالہ دے تو اس میں چنداں مضرت نہیں ہے۔ رہا جرم اور گناہ جس کا بندہ قصد و ارادے کے ساتھ ارتکاب کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ نے اس کو حرام قرار دیا ہے تو اس کا یہ فعل شریعت اور عقل کی رو سے درست نہیں نہ ہی قضاء و قدر کو اس موقع پر بطورِ حجت پیش کرنا صحیح ہوگا۔

اتمامِ حجت کے لئے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی روایت کا پورا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ بخاری اور مُسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور

ﷺ نے فرمایا۔

"حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں باہم مناظرہ ہوگیا۔ حضرت موسیٰ نے کہا تھا۔ آپ وہی آدم ہیں جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور جنت سے نکلا۔ حضرت آدم نے کہا تم وہی شخص ہو جس سے اللہ نے خصوصی کلام کیا۔ اور تورات کی تختیاں اپنے دست خاص سے لکھ کر تمہارے حوالے کیں۔ پھر تم مجھے ایسا فعل کرنے پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کا کرنا میری پیدائش سے چالیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر لازم کر دیا تھا۔ حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں حضرت آدم آخر حضرت موسیٰ سے جیت گئے۔"

(اللؤلؤ والمرجان ۲۱۱/۳' بخاری' ۱۵۷/۸'مسلم' ۴۹/۸'۵۲)

یہ روایت مختلف الفاظ سے منقول ہے۔ ہم نے اسی قدر الفاظ پر اکتفا کیا۔ (واللہ المستعان)

● ارادۂ خداوندی سے متعلق غلط فہمی نے اکثر لوگوں کو گمراہ اور حیرت زدہ کر رکھا ہے:

تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ بڑی سے بڑی مشنری ہو یا بھاری سے بھاری بلڈنگ ایک معمولی پرزے یا حصے کی خرابی سے پوری مشین یا بلڈنگ زمین بوس ہوسکتی ہے۔ چنانچہ فرانسیسی برطانوی' دیو پیکر طیارہ کو نکرڈ' ہو یا امریکہ کی فلک بوس عمارتیں ـــ اس ضابطہ سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قضاو قدر کا نازک عقیدہ بھی اس ضابطہ سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ تقدیر اور ارادہ مشیت کے عقیدہ میں ادنیٰ سا فتور کسی طرح درپیش ہو۔ اس کی وجہ سے زبردست جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہونا لازمی ہے۔ آج مسلمانوں میں جو طبقہ ذہنی کج روی اور فکری خلجان میں مبتلا ہے۔ یہ وہی لوگ جنہوں نے یہ سمجھنے میں زبردست ٹھوکر کھائی کہ قضاء و قدر کا وہ عقیدہ جو ادنیٰ سے اعلیٰ تک سارے نظام کائنات میں دخیل اور کار فرما ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ اس کو من و عن اسی طرح تسلیم کیا جائے جیسا کہ علم الٰہی اور نوشتہ الٰہی میں درج ہے۔ ورنہ ادنیٰ سافتور ساری زندگی کو تباہ برباد کرسکتا ہے۔

بنابریں یہ اَمرِ انتہائی ضروری ہے کہ بندہ خود کو اپنے رب کے حوالے کرے۔ اور اسی کا ہو کر رہ جائے۔ اسی صورت اس کی نجات ہے۔ جب کہ اس سے روگردانی کرنا یا اس پر

طعن تشنیع کرنا حرام ہے۔ نیز یہ بھی جائز نہیں کہ ارادہ اور مشیت کی آڑ لے کر مناظرہ بازی کی جائے یا اس پر تکیہ کرتے ہوئے عمل سے پہلو تہی کی جائے۔ حق و صداقت کا راستہ یہی ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی کا راستہ ہے۔ کیا انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ ارادہ خداوندی کی ایک قسم تکوینی مقدرات ہے۔ ارادے کی یہ وہ قسم ہے جس کا اِنسان جوابدہ نہیں۔ نہ ہی اس نظام کے مطابق چلنے یا نہ چلنے پر اسے سزا یا جزا ملتی ہے۔ اس قسم کا ارادہ درحقیقت تقدیر اور نظامِ تقدیر سے جڑا ہوتا ہے۔ جس پر راضی برضا رہنا اور جس کو تسلیم کرنا بندہ کے لئے ضروری ہے۔ اور جس سے اختلاف کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض کوئی بندہ اختلاف کرے تو اس کا یہ اقدام خدا سے جنگ اور اس کے نظام سے تصادم کے مترادف ہوگا۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس نظام سے برتری اور مقررہ حدود سے تجاوز کا ارادہ رکھتا ہے۔ جب کہ اس کی حقیقت محض ناچیز بندے کی سی ہے جو مخلوق ہے اور زندگی کے ہر گام پر اپنے رب کا محتاج اور اس کا نیاز مند ہے۔ چنانچہ ہوا جس سے اس کا نظامِ تنفس قائم ہے۔ روشنی جس سے وہ چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اور اندھیرا جس میں وہ آرام کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ہر چیز کا وہ محتاج ہے۔

ارادہ خداوندی کی دوسری قسم مشیت الٰہی کا تشریعی نظام ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس کے ذریعے حق تعالیٰ بندوں کو مامور اور مکلف بناتا ہے۔ اور سزا اور جزا کو انہی کے اوپر موقوف رکھتا ہے۔ ان احکام کی بجا آواری اور اطاعت بندوں پر ضروری ہے۔ اور ان سے روگردانی یا اعراض ان کے لئے حرام ہے۔ ان تشریعی اور دینی معاملات کی تفصیل اللہ کی کتابوں میں درج ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم دینے اور عام کرنے کے لئے انبیاء اور رسول مبعوث ہوتے ہیں۔ غرض یہ ایک جامع دستور ہوتا ہے جس کو حق تعالیٰ بطورِ خاص بندوں کے لئے وضع کرتا ہے۔ اس کی دفعات میں عقائد' عبادات' احکام و مسائل' تعزیرات' معیشت' معاشرت' اور اخلاق کے ضابطے درج ہوتے ہیں۔ اسی دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ بندوں کو ابتداء سے مکمل توانائی' ارادہ مشیت اور انتخاب و اِختیار کی صلاحیت عطا فرماتا ہے۔ اور پھر اسکا امتحان لیتا ہے کہ یہ اپنے رب کے منشا اور اس کے پسندیدہ طریقہ کو اِختیار کرتا ہے۔ اس کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے یا اس کی منشاء کے خلاف کرتا ہے۔ اور اطاعت کی بجائے اس کی نافرمانی میں عمر بسر کرتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● ۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا، اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ (اِنسان:۲،۳)

ترجمہ "بلاشبہ اِنسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں۔ تو ہم نے اس کو سنتا اور دیکھتا بنایا۔ بلاشبہ ہم نے اس کو سیدھا راستہ دکھایا۔ (اب وہ) خواہ شکر گذار ہو یا ناشکرا رہے۔"

اشارہ اسی ارادۂ خداوندی کی طرف ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضامندی وابستہ ہوتی ہے۔ اس کے تحت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اوامر و نواہی کا پابند بناتا ہے۔ جس کو کچھ بندے مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے جب کہ اللہ تعالیٰ کا عام فرمان یہی ہے کہ بندے اس پر اور اس کے رسولوں پر اِیمان لائیں۔ اور ہر دو کی تابعداری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر اطاعت اور تابعداری کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے۔ اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ان کے لئے لائق نفرت بنایا ہے۔[1]

اِنسان کو جس درجہ قدرت، ارادہ اور مشیت حاصل ہے اس کے تحت بندے کو تعمیل اور رد کا اِختیار حاصل ہوتا ہے، اور اسی ارادے اور اِختیار پر نکو کاری کے نتیجہ میں جزا اور بدکاری کے بدلے میں عذاب ملتا ہے۔

مشیت الٰہی کے تشریعی اور مذہبی نظام کی اس حد تک تفصیل کا جاننا از بس ضروری ہے۔ رہا مشیت الٰہی کا تکوینی نظام جس کا ذکر پہلے گذرا۔ تو اس میں شک نہیں کہ بندہ اس سے

---

[1] ● ۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ○ (حجرات:۷)

ترجمہ "لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو اِیمان کی محبت دی اور دلوں میں اس کو مرغوب بنا دیا ہے اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو نفرت دی ہے۔"

تجاوز یا مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق بندوں کے ارادے اور ان کے اِختیار کے ساتھ مربوط نہیں۔ اور نہ ہی اس کی انجام دہی پر سزا یا جزا ملنے کا امکان ہوتا ہے۔ بلکہ ان امور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ازل سے کئے ہوتا ہے۔ اور اسی ازلی ارادے اور مشیت کے ساتھ سارا نظامِ کائنات اس طرح مربوط ہوتا ہے جس سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

تکوینی نظامِ مشیت جس سے گریز اِنسان کے لئے ناممکن ہے۔ اس کو اس طرح ذہن نشین کیا جاسکتا ہے۔ کہ مثلاً مرد کا مرد اور عورت کا عورت ہونا خدا کی مشیت ہے۔ اب اگر کوئی یہ چاہے کہ وہ مرد ہے تو عورت بن جائے۔ یا اس کے برعکس بن جائے۔ یا کالا ہے تو گورا بن جائے یا گورا ہے تو کالا بن جائے۔ پست قد ہو تو سرو قامت یا اس کے برعکس بن جائے۔ یا مخصوص علاقہ اور ملک میں یا مخصوص دن' تاریخ اور سنہ میں پیدا ہو۔ ظاہر ہے ان میں سے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے کہ ان تمام امور کا تعلق مشیت الٰہی کے تکوینی نظام سے ہے جس سے گریز ممکن نہیں۔ نہ اس میں کسی قسم کے ردو بدل کا امکان ہے۔ نظامِ کائنات کا دارومدار قدرت کے اسی دستور پر ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی علامت اور اس کی الوہیت کا بین ثبوت ہے۔ وہ بے نیاز انتہائی پاک اور بزرگ و برتر ہے۔ البتہ اس کے ارادے کا تشریعی پہلو بندوں کے اِختیار ارادے اور ان کے افعال کے ساتھ وابستہ ہے۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو ان امور کے کرنے نہ کرنے کی مکمل صلاحیت بخشی ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو اور انہیں سزا یا جزا دی جائے۔

قصہ کوتاہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو۔ دل و زبان سے اس کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرے۔ اس سے خود اس کی عزت و بزرگی میں اضافہ ہوگا۔ اِنسانیت کی تکمیل ہوگی۔ اور اس کی زندگی کا رخ اس سمت کے مطابق ہوگا۔ جو اللہ تعالیٰ کے تکوینی اور تشریعی نظام کا منشا ہے۔ اور جس کا شرعی اور دینی طور پر وہ پابند ہے۔

● ہدایت اور گمراہی:

ارادہ اور مشیت کی طرح ہدایت اور گمراہی کے سمجھنے میں بھی عام لغزش پائی جاتی

ہے۔ چنانچہ ذیل کی آیات کو بہتوں نے غلط سمجھا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

● ـــ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُO (ابراہیم:۴)

ترجمہ "پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

● ـــ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ O (انعام:۱۰۹)

ترجمہ اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے اعمال (ان کی نظروں میں) خوش نما بنا دیئے ہیں۔ آخر کار سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاتا ہے تب وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ دُنیا میں کیا عمل کرتے رہے۔

● ـــ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ O (فاطر:۸)

ترجمہ "جس شخص کو اس کے برے اعمال آراستہ کرکے دکھائے جائیں۔ اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے کیا وہ ایمان دار آدمی کے برابر ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

ان آیات کو غلط سمجھنے والے یہ پوچھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی بندوں کو گمراہ کرتا ہے تو پھر آپ ہی انہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ ـــ ؟ نیز یہ کہ آپ ہی ان کی بداعمالیوں کو سجا کر ان کے سامنے پیش کرتا ہے پھر آپ انہیں سزا دیتا ہے یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی خیر خواہی ہے؟ اس نادانی کے ساتھ جو لوگ حق تعالیٰ سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں۔ خود کو ایک فریق کی طرح اس کے مقابلہ میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اپنی جہالت اور نادانی کے سبب بدبختی مول لینا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ عقل کے ناخن لیں تو نہ خدا کو موردِ الزام قرار دیں گے نہ اس کے فیصلوں اور خلق و تکوین کے کسی حکم پر نکتہ چینی کر سکیں گے۔ اس لئے کہ انہیں غور کرنا چاہئے کہ حکم دینا اور تخلیق کرنا صرف اسی کا کام ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اور جیسا چاہتا ہے فیصلہ صادر کرتا ہے۔ اس کے کئے پر کوئی اس سے باز پرس کی جرات نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ وہ بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور چونکہ انہوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی اس لئے نتیجہ میں یہ ابلیس کے شاگرد ہوئے۔ اور اس کی پیروی میں حد درجہ مایوسی کا شکار اور راندۂ درگارہ ہوئے اور اگر انہیں توفیق نصیب ہوتی اور اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا اور گمراہ کرتا ہے۔ تو یہ اپنی روش بدل کر اسے اپنا ماویٰ و ملجا قرار دیتے۔ اس سے ڈرتے۔ اس سے ہدایت طلب کرتے اور گمراہی سے پناہ مانگتے۔ اس لئے کہ اس کی ذات مالک الملک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اگر اس کے باتوفیق بندے ہوتے تو اس کے در پر سوالی بن کر آتے۔ اس کی بارگاہ سے چمٹ کر وہیں کے ہو رہتے۔ اسلئے کہ ہدایت اسی ایک در سے مل سکتی ہے۔ کہیں اور سے نہیں۔

● _ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ○ (کہف:۱۷)

ترجمہ "جس کو اللہ ہدایت دے وہی سیدھے راستے پر ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کرے تو تم اس کے لئے کوئی کارساز راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔"

لیکن یہ بدعقیدگی ان کے بے توفیق ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ شیطان کے نقش قدم پر چل پڑے۔ اور حرمانِ نصیب اور محروم ہوئے۔ انہیں ناکامی اور ذلت و رسوائی اس لئے بھی اٹھانی پڑ رہی ہے کہ یہ اللہ کے نظامِ ربوبیت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور اللہ کی شانِ کریمی سے انہیں بدگمانی لاحق ہے جب کہ اصلاح اور تربیت اس نظام کا خاصہ ہے۔ اور اسی نظامِ تربیت سے ہدایت و تضلیل کا نظام مربوط ہے۔ جس سے متعلق یہ اندھیرے میں ہیں۔ اور نامعقولیت کے ساتھ سوال کرتے ہیں اور ناحق سوال کرتے ہیں۔ یہ بے جاجسارت دراصل تقدیر الٰہی اور اس حسن تدبیر سے بدگمانی کا شاخسانہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حکمت الٰہی پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور اس کی اہانت کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ دن دور نہیں جب کہ یہی جہالت اور بدگمانی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث ہوگی۔ کس قدر بدترین ان کا حال ہوگا۔ اور کیا دردناک ان کا انجام ہوگا؟ جس حقیقت کے نہ سمجھنے پر یہ گمراہ ہوئے اور اس کی تہ

کو نہ پاسکے وہ یہ ہے کہ خود باری تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔ بلکہ اِنسان گمراہی کے راستے کو آپ اِختیار کرتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ راستی اور ہدایت کے تمام راستوں کو اس کے سامنے نہایت واشگاف کر دیتا ہے۔ اور کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ اور بندے کو راہِ ہدایت کے اِختیار کرنے اور اس پر چلنے کی پوری طاقت مرحمت فرماتا ہے۔ اب اگر بندہ سب کو جانتے ہوئے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اِختیار کرتا ہے۔ اور اس راستے پر چل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اس کے انتخاب پر اسے ڈھیل دیتا ہے۔ اور مہلت دیتا ہے۔ اور یہ دراصل انصافِ خداوندی کا مظہر ہے۔ جسے ظلم و زیادتی کہنا خود سب سے بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

● — وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ○ (توبہ:۱۱۵)

ترجمہ "اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے۔ جب تک ان کو وہ چیزیں (نہ) بتادے جن سے وہ پرہیز کریں۔"

یہ نادان بھلا کیا جانیں کہ حق تعالیٰ اپنے خلق و تکوین کے دستور کے مطابق جس طرح ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے اسی طرح گمراہی کا سامان بھی بہم پہنچاتا ہے۔ اور جس طرح گمراہی کے اسباب مہیا کرتا ہے ہدایت کے اسباب بھی فراہم کرتا ہے۔ اب یہ بندے کا کام ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس راستے کو چاہے ترجیح دے' اس کی رغبت اور جستجو کرے' اور اس پر عمل پیرا ہو۔ جو شخص راہِ ہدایت کا خواہش مند ہو کر اس کو اِختیار کرے گا۔ اور ہدایت کے اسباب تلاش کرکے ان پر عمل کرے گا اس کی مراد برآئے گی۔ اور خدا کی طرف سے اسے ہر کام کے لئے اعانت اور امداد نصیب ہوگی۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ ہدایت اور اس کی توفیق بھی ربِ کریم کا عطیہ اور اس کا انعام ہے۔ اور اگر اس کے برعکس کسی نے گمراہی اور ضلالت کو اِختیار کرتے ہوئے اسی کو ترجیح دی۔ اسی کے لئے سرگرم ہوا۔ اور اس کے اسباب کو اِختیار کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہوا تو اس کی یہ مراد بھی برآئے گی اور ایسا نہیں ہوگا کہ کسی قسم کی رکاوٹیں درپیش ہوں گی۔ اور اسے اپنی مرضی اور مراد کے حصول میں دشواری ہوگی۔ بلکہ

اسے سہولت ہوگی اور یہ رعایت اور مہلت بھی حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا مظہر اور اس کے حسن انتظام کی علامت ہے۔ یہ نادان ابتلاء اور آزمائش کے اس خدائی نظام کو نہیں سمجھتے کہ وہ محض آزمائش کے لئے اعمال کو خوش نما یا بد نما بنا کر نظروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ پھر بندے اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہتے ہیں اِختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ نیکی کو اِختیار کرکے راہ یاب اور بدی کو اِختیار کرکے گمراہ ہوتے ہیں۔ ان کی اسی گمراہی کو دیکھ کر نادان یہ سوال کرتے ہیں کہ خدا باطل کو کیوں آراستہ کرتا ہے۔ کہ بندہ ان کو اِختیار کرتا ہے پھر سزا پاتا ہے؟

انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بداعمالی کا آراستہ پیراستہ نظر آنا بھی فطری طور پر ہوتا ہے۔ اور یہ ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ جب بھی آدمی اپنی مرضی اور اِختیار سے کسی کام کو چاہتا اور پسند کرتا ہے ایک عرصہ تک اس میں لگا رہتا ہے اور اس کو چھوڑنا گوارہ نہیں کرتا۔ تو وہ کام فی نفسہ کتنا ہی کریہ اور نامناسب ہو اسے آراستہ و خوش نما نظر آتا ہے۔ اس طرح اچھا کام برا' اور برا کام اچھا دراصل طبیعت کے اسی میلان کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن یہ اسکی نوازش اور اس کا خاص لطف ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر برائی سے کلی اجتناب اور پرہیز کی تلقین فرمائی ہے۔ اور اپنی کتابوں اور اپنے نبیوں کے ذریعے اس کو عام فرما دیا ہے۔ گناہوں پر اصرار اور دوام سے بچنے کی سختی سے تاکید کی ہے اور توبہ کرنے اور ان کے قریب نہ جانے پر بار بار زور دیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ بار بار گناہ سے ان کی بدنمائی اور کراہت زائل ہو کر نظروں میں خوش نما اور اچھے معلوم ہوں کہ ان کا چھوڑنا اور ان سے بچنا بھی دشوار ہو جائے۔ ذیل کی آیات اسی مفہوم کو نمایاں کرتی ہیں۔ ارشاد ہے۔

● ــ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ○ (فاطر:۸)

ترجمہ "بھلا جس شخص کو اس کے برے اعمال آراستہ کرکے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے۔"

● ــ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ○ (انعام:۱۰۹)

ترجمہ "اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے اعمال (ان کی نظروں میں خوش نما بنا دیئے ہیں۔"

اب جو کوئی اس قسم کے ممانعتی احکام اور نواہی کو سن کر ان برائیوں سے بچے گا نجات پائے گا اور جو تجاہل برتے گا اور برائی میں منہمک رہے گا ہلاک ہو گا۔

لیکن نجات پانے والا خدا کے فضل و احسان کی وجہ سے ناجی ہو گا۔ اس لئے کہ یہ اسی کا کرم ہے۔ جو اس نے نجات کے اسباب مہیا کئے۔ اور انہیں اختیار کی توفیق دی۔ اور رہا ہلاک ہونے والا تو اس میں شک نہیں کہ خدا نے اس کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ انصاف کیا۔ یہ اس لئے کہ اس نے سب سے پہلے کھلے طور پر برائی کے راستوں کی نشاندہی کی ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ پھر بدی کا ارتکاب کرنے پر اسے توبہ کی تلقین کی اور اس کی صورت بتائی لیکن اس نے خیر خواہی اور ہمدردی کی ان صورتوں کو نظرانداز کیا اور برائی پر مصر رہا تاآنکہ یہ برائی اسے خوش نما اور بھلی معلوم ہونے لگی۔ اور یہ اسی کا ہو رہا۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے اندر سے خیر اور ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ اور پھر وہ بدی کے اس اسٹیج تک جا پہنچا جہاں گناہ بھی خوش نما نظر آتا ہے اور جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا بھلائی کو اختیار کرنے کی صلاحیت ماند پڑتی گئی۔ اور جس طرح دوسرے ہلاک ہوئے اس نے بھی بدی کو اپنایا اور ہلاک ہوا سچ ہے ظلم و زیادتی اور حدود سے تجاوز تو بس اسی قسم کے ظالموں کی طرف سے سدا ہوتا رہا ہے۔

● — وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ (نحل:۳۳)

ترجمہ "اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔"

● سزا اور جزا کا ضابطہ انصاف اور مہربانی پر مبنی ہے:

بندہ دنیا اور آخرت میں نیکی پر جزا اور برائی پر سزا کیوں پاتا ہے؟ بعض مسلمانوں کو اس پر تردد لاحق ہے۔ اور اس کی وجہ سے لایعنی اور فضول بحثوں کا دروازہ کھل چکا ہے۔ جب کہ ظلم اور انصاف کے مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن افسوس کہ ان دو سرگرم بحثوں سے عوام کی کثیر تعداد گمراہ ہوتی جارہی ہے۔ اس گمراہی کی وجہ بھی دراصل آئین فطرت سے ناواقفیت ہے۔ یہ فطری آئین بعینہ قضاء و قدر کا الٰہی نظام ہے۔ جو باہم ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہے ان میں کوئی تضاد یا منافرت نہیں ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ جن اِختیاری امور کو بارادہ ادا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے ازل سے اس کے اندر خاص تاثیر پیدا کر رکھی ہے۔ اب جیسی تاثیر ہوتی ہے اسی کے مطابق سزا اور جزا ہوتی ہے۔

رہے وہ کام جو لاشعوری اور غیرارادی طور پر سرزد ہوتے ہیں جیسے بھول کر غلطی سے یا دباؤ یا پاگل پن کی وجہ سے، تو چونکہ اس کی کارکردگی سے ان کا دل متاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے غیردانستہ طور پر کئے گئے کاموں کو بے اثر قرار دیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے غیرارادی کاموں پر سزا یا جزا بھی نہیں ہوتی۔

البتہ ارادی اور اِختیاری کاموں کا اثر ہوتا ہے۔ اور دل بھی ان سے متاثر ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی کام نیک رہا۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کو نفس کے تزکیہ اور روح کی پاکیزگی کے لئے مشروع کیا ہے اور اس کے کرنے پر ملا اعلیٰ میں تقرب اور قدسیوں کی ہم نشینی نصیب ہوتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ ان کاموں کا دل پر نہایت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس اثر اور تاثیر کو "حسنہ" کہتے ہیں۔ اور سببیت کی وجہ سے مجازاً اس عمل کو حسنہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ نیکی نیک کام کا حاصل اور اس کا سبب ہوتی ہے۔

اور اگر کوئی کام برا ہے کیونکہ خدا کے ازلی قانون کی رو سے اس کی تاثیر بھی بد واقع ہے جیسے ہر وہ کام جس کے انجام دینے سے اِنسان فسق و فجو اور سیہ کاری میں ملوث ہوتا ہے۔ اور مرکر شیطان کے ہمراہ جہنم میں جاتا ہے۔ تو ان کاموں کا فوری اثر دل پر خراب پڑتا ہے۔ اس اثر کو سیئہ (جمع سیات) کہتے ہیں۔ اور چونکہ یہ اثر بد اس کام کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے مجازاً اس کام کو سیئہ کہا جاتا ہے۔ قرآنِ پاک نے بیشتر مواقع پر ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

● — قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝ (شمس:۹،۱۰)

ترجمہ "بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ ناکام رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔"

● — اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝

(انفطار:۱۳،۱۴)

ترجمہ "بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور برے لوگ دوزخ میں۔"

آیات میں درج کیفیت سے حکم خداوندی کی علت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ نیکی عیش و آرام کا اور بدی دوزخ میں جانے کا پیش خیمہ ہوتی ہے نیز ارشاد ہے۔

● ـــ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ○ (بروج:۱۱)

ترجمہ "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ بڑی کامیابی ہے۔"

● ـــ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ○

(زخرف:۷۴ تا ۷۶)

ترجمہ "بے شک نافرمان دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس ہو کر پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔"

معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح نفس کے تزکیہ اور طہارت کا باعث ہے۔ اور شرک اور گناہوں سے نفس فجور میں گڑ جاتا ہے۔ ساتھ یہ بھی پتہ چلا کہ اچھے اثرات کا بدلہ جزا اور ثواب کی شکل میں ملتا ہے۔ اور بد اثرات کے نتیجہ میں سزا اور عذاب ہوتا ہے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● ـــ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○ (انعام:۱۳۰)

ترجمہ "عنقریب اللہ انہیں ان کے بیہودہ بیان کی سزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا (اور) جاننے والا ہے۔"

جاننا چاہئے کہ مذکورہ بالا آیات کا یہ مفہوم تو مقرر ہے کہ جو مشرکین اللہ کے دیئے ہوئے رزق جیسے چوپایوں اور کچھ کھیتیوں کو حرام قرار دیتے ہیں ان کی اس افترا پردازی اور من گھڑت قول و قرار کی سزا اللہ تعالیٰ ضرور دے گا۔ لیکن اس آیت سے اوپر ذکر کیا گیا یہ

مفہوم بھی مترشح ہوتا ہے کہ نیک و بد اعمال کی سزا اور جزا ان اثرات کے تحت ہوتی ہے جن سے اِنسانی نفس متاثر ہوتا ہے۔ اور یہ تاثر خداوند عالم کے ازلی دستور کے مطابق ہے کہ اِرادی اور اِختیاری امور کے برتنے پر اِنسان کا دل اچھے کاموں کا اچھا اثر لیتا ہے۔ اور برے کاموں کا اس پر برا اثر پڑتا ہے۔ اچھے کاموں میں مشروع اور جملہ اعمالِ صالحہ شامل ہیں۔ اور برے کاموں میں حرام ضرر رساں اور فاسد اعمال شامل ہیں۔ اور ان سب کا اثر اِنسانی دل اور اس کے اعضاء جوارح پر یکساں پڑتا ہے۔

بنابریں خدا کی رحمت اور اس کے منصفانہ دستور کے تحت جزا اور سزا کا نفاذ عمل میں آتا ہے۔ بندہ جو کرتا ہے اپنے ارادے اور اِختیار سے کرتا ہے۔ اگر اس نے ایسا کام کیا جو خدا کو پسند ہے جس کو اس نے مقرر کیا اس کے کرنے کا حکم دیا۔ اس کی طرف رغبت دلائی۔ اور اور انجام دہی کی مکمل سہولت بخشی۔ اور اس قسم کے ایک کام کا اجر دس گنا زیادہ مقرر کیا۔ تو اس میں شک نہیں ہے کہ یہ اس کا فضل و کرم اور مہربانی و احسان ہے۔ اور اگر بندہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جو خدا کو ناپسند ہے وہ سختی سے اس کی ممانعت کرتا ہے اور اس کے قریب جانے سے بھی روکتا ہے۔ تو باری تعالیٰ بھی اس سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ اب یہ رسوا اور ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ اس سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہاں پر تمام تر قصور اس ناوان بندے کا ہوتا ہے جو اطاعت کی بجائے خدا کی نافرمانی کو ترجیح دیتا ہے۔ خوش کرنے کی بجائے اسے ناراض کرتا ہے۔ لہٰذا اگر یہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ و استغفار اور معافی نہ مانگے اور خداوند عالم بھی اسے معاف نہ کرے اور اس کو جو چاہئے سزا دے تو درحقیقت یہ بھی عدل و انصاف کے عین مطابق اور حق ہے۔ اسے کسی درجہ ظلم و زیادتی اور جبر و قہر سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

اب یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ بندہ جیسا کرتا ہے۔ اس کے مطابق جزا یا سزا پاتا ہے۔ لیکن سزا اور جزا کا یہ ضابطہ حق تعالیٰ کے نہایت درجہ انصاف اور عدل و مساوات کے عین مطابق ہے۔ اس میں ظلم و زیادتی یا بے جا جانبداری کا شائبہ تک نہیں پایا جاسکتا اس کا یہ ارشاد بجا ہے کہ:

● ـــ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَّاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (نساء:۴۰)

ترجمہ "بے شک اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ ایک نیکی ہوتی ہے تو اس کو وہ دو چند کر دیتا ہے۔ اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عطا فرماتا ہے۔"

● حسنہ (خیر و برکت) اور سیئہ (مصیبت) اللہ کی طرف سے ہے یا نفس کی طرف سے؟

اس سے پہلے کہ حسنہ اور سیئہ (خیر و برکت اور مصیبت) پر گفتگو کی جائے کہ ہر دو کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ یا خیر و برکت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور مصیبت اور آزمائش نفس کی' جانب سے ہوتی ہے؟ جیسا کہ بظاہر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

● ـــ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ' قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ (نساء:۷۸)

ترجمہ "اور (اے پیغمبر) ان کو کوئی بھلائی کی بات پیش آئے تو کہتے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ تمہاری طرف سے ہے۔ تم (ان سے) کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

نیز اسی سوات میں اور اسی سلسلہ کلام کے ساتھ آگے یہ بھی مذکور ہے کہ۔

● ـــ مَآاَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ' وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ' وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (نساء:۷۹)

ترجمہ "(اے انسانو) تجھے جو کچھ بھلائی پیش آئے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف پہنچے وہ خود تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔ اور (اے محمد) ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اس بات کا) اللہ ہی کافی گواہ ہے۔"

مذکورہ بالا تحقیق طلب مسئلہ بندۂ مومن کے عقیدے کا اہم جزو ہے۔ یہ اس نوعیت کے مسائل سے ہے جیسے قضاء و قدر' جبر و اختیار' ارادہ و مشیت اور حق تعالیٰ کی شانِ کریمی اور

اس کے انصاف کے مسائل ہیں ان میں باہم ربط ہے۔ الحمدللہ! متذکرہ مسائل کسی قدر تفصیل کے ساتھ پیش کئے جاچکے ہیں بالخصوص قضاء و قدر کے مسئلہ کو شرح وبسط سے ذکر کرنے کی اس نے خصوصی توفیق بخشی ہے۔ اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس حد تک تفصیل سے خدا نے چاہا تو عقیدہ اور اعتقاد کی اس حد تک اصلاح ہو جائے گی۔ جس سے حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ اس لئے زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہم عرض کریں گے کہ خیرو برکت جو اِنسان کے لئے نہایت خوش آئند اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اور جس سے اس کے باطن میں صفائی اور پاکیزگی آتی ہے۔ اور جسم تروتازہ اور پاکیزہ ہوتا ہے۔ بایں معنٰی اس خیرو برکت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ خیرو برکت جو اِیمان اور عمل صالح کے نتیجے میں رونما ہو یا دوسرے لفظوں میں وہ برکت جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کے نتیجہ میں رونما ہو۔

۲۔ وہ خیرو برکت جو بندہ پر اس کے رب کے کرم کا نتیجہ ہو جس سے اس کا جسم آلام و مصائب سے راحت پائے۔ اس کے دِل کو رنج و غم سے سکون میسر ہو۔ جس کی صورت یہ ہو کہ حق تعالیٰ نے اسے دِل مہیا کیا ہو۔ نصرت و فتح مندی بخشی ہو۔ یاعزت اور بزرگی سے نوازا ہو۔ مصیبت اور برائی خیرو برکت کی ضد ہے۔ یہ وہ ناگوار امر ہے جو اِنسان کے مزاج اور اس کی طبیعت سے کسی طرح ہم اہنگ نہ ہو۔ یا جس سے اس کے باطن کو اذیت اور اس کے جسم کو مضرت لاحق ہو۔ جو مصیبت اس معنٰی میں ہو۔ اس کی بھی دو قسم ہے۔

۱۔ — ایک مصیبت اور رنج وہ جس کا سبب شرک و نافرمانی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اس کے نتیجہ میں نفس سیاہ کاری اور خباثت کا شکار ہوتا ہے۔ اور روحانی طور پر بیمار ہو کر شقی اور ازلی بدبخت ہو جاتا ہے۔

۲۔ — دوسرے وہ جس کا سبب قہر خداوندی ہو۔ جیسے جسمانی امراض اور عوارض مال و اسباب کی بربادی' جنگ میں شکست عزت و شرف کا چلا جانا وغیرہ۔

اس تقسیم کے مطابق وہ خیرو برکت جو خدا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے نتیجہ میں رونما ہوتی ہے جس کی ادائیگی کی بندہ طاقت پاتا ہے۔ اور جس مشروع طریقے پر دوسروں کو ادائیگی کا حکم ہے یہ بھی اسی طرح کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی خیر،

برکت کا سرچشمہ صرف باری تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس لئے کہ اسی نے اس کے حصول کی بندوں کو سہولت بخشی۔ اس کا حکم دیا۔ اور اس کے مطابق انہیں تعلیم دی۔ اور ان کی دستگیری کرتے ہوئے انہیں ترغیب دی۔ اور جزائے خیر عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ مزید برآں ازل میں اس شخص مذکور کے نوشتہ میں لکھ دیا کہ وہ اپنے اِختیار کو استعمال کرتے ہوئے کیا کرے گا اور کیا نہ کرے گا غرض اس طور سے جو خیر و برکت بندے کو حاصل ہو اس کی نسبت خداوند عالم کے سوا کسی اور کی طرف کرنا زبردست غلطی ہے۔ اور اس کا ازالہ ضروری ہے۔

رہی وہ بلا اور مصیبت جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور ان کے احکام کی خلاف ورزی کے تحت رونما ہو۔ اس قسم کی اُفتاد اگر اسلئے آئے کہ بندے نے اپنے ارادے اور اِختیار سے معصیت اور گناہ کو اپنایا تو کسی شک کے بغیر اس کی نسبت محض بندے کی طرف کی جائے گی۔ خدا کی طرف اس کو منسوب کرنا ناپسندیدہ اور غلط ہو گا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی معصیت کو نہ مشروع کیا۔ نہ اس کا حکم دیا۔ نہ اس کی رغبت دلائی بلکہ اسے حرام قرار دیا۔ اور نفرت دلا کر اس کے کرگذرنے پر وعید سنائی۔ اس لئے اس کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرنا ہرگز درست نہیں۔ اور یہ کیونکر درست ہو گا جب کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

● ــ مَآاَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ○ (نساء:۷۹)

ترجمہ "(اے انسان) جو کچھ تجھے بھلائی پیش آئے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو تکلیف پہنچے وہ خود تیرے نفس کی وجہ سے ہے۔"

اور اگر خیر و برکت امتحان اور انعام کی شکل میں ہو۔ جیسے مال و اولاد صحت و عافیت اور فتح و نصرت دے کر آزمایا جا رہا ہو۔ یا مصیبت بھی قہر' اور ابتلا' و آزمائش کے طور پر ہو۔ جیسے جان و مال کی آزمائش ہو۔ جنگ میں شکست یا صدمہ اور پریشانی لاحق ہو تو یہ خیر و برکت اور مصیبت دونوں کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے متصور ہو گا۔ اس لئے کہ صرف حق تعالیٰ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بندوں کو آزمائے زور زبردستی یا سہولت اور نرمی جس میں چاہے ان کا امتحان لے اس لئے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ تاکہ ان کی تربیت

کرے۔ اور ان کے معاملات کو حسن و خوبی سے تکمیل تک پہنچائے۔ خود اس کا ارشاد ہے۔

● ـــ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ (انبیاء:۳۵)

ترجمہ "اور ہم تم کو آزمانے کے لئے مصیبت اور راحت میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور تم سب ہمارے ہی پاس لوٹ کر آؤ گے۔"

نیز فرمایا۔

● ـــ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۙ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ○ (فجر:۱۵تا۱۷)

ترجمہ "لیکن (انسان کا عجب حال ہے) کہ جب اس کا پروردگار (اس طرح) اس کو آزماتا ہے کہ اس کو عزت اور نعمت بخشتا ہے تو وہ (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب وہ (دوسری طرح پر) آزماتا ہے۔ (یعنی) اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو (شکایت کرتا اور) کہتا پھرتا ہے کہ اب پروردگار نے مجھے ذلیل کیا۔"

مدینہ منورہ کے منافقین کا یہ حال تھا کہ خیرو برکت (بمعنی اعزاز و اکرام) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے' لیکن مصیبت' بلا اور آزمائش کو حضورِ اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کو جواب دیتے ہوئے ان کی اس روش پر سخت گرفت فرمائی۔ اور پیغمبر پر نکتہ چینی کو ان کی نادانی اور جہالت سے تعبیر کیا۔ اور اپنے پیغمبر کے ذریعے انہیں کہلوا دیا کہ نفع و ضرر و رنج و راحت اور مصیبت و مسرت سب باری تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

● ـــ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ○ (نساء:۷۸)

ترجمہ "تم (ان سے) کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔"

اس وضاحت سے جن لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ ہر دو آیت میں تعارض ہے بحمد اللہ ان کے اس شبہ کا ازالہ ہوگا۔ (انشاء اللہ) اور وہ جان جائیں گے۔ کہ آیات میں کوئی تعارض

نہیں۔ اور یہ انہیں آیات پر موقوف نہیں۔ قرآنِ پاک میں کہیں کسی آیت یا آیات میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ نہ اس کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ اور تعارض کیوں کر ہوسکتا ہے۔ جب کہ یہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام ہے جس کا ارشاد ہے۔

● — اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَ هُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۝

(فصلت:۴۱،۴۲)

ترجمہ "بلا شبہ جو لوگ اس (مجموعہ) نصیحت (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں جب وہ ان کے پاس آیا۔ بلاشبہ یہ (قرآن) بڑی باوقعت کتاب ہے جس میں جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اس (اللہ) کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ جو حکمت والا (اور) خوبیوں والا ہے۔"

ایک قابل ذکر تنبیہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کرکے جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اور فسق و فجور میں پڑ جاتا ہے تو اس گناہ سے متعلق یہ نہیں سمجھا جاسکتا ہے "کہ اس بندے نے جو کچھ کیا ہے نوشتہ تقدیر سے ہٹ کر کیا۔ اس قسم کے گناہوں کا اندراج تقدیر الٰہی یا اس کے علم میں نہیں۔" اس قسم کا تصور بھی درست نہیں۔ بلکہ یہ سوچنا بھی جہالت اور نادانی ہے۔

اس لئے حقیقت یہی ہے کہ نوشتہ تقدیر میں ازل سے جو کچھ درج ہے وہ وہی کرتا ہے۔ سرمُو اس کے خلاف نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا اگر بندہ اپنے ارادے سے کوئی معصیت یا گناہ بھی کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ بندہ اپنی معصیت کا خالق ہے۔ خالق اور پیدا کرنے والا تو باری تعالیٰ ہے جس نے اِنسان کو اس کے ارادے کو اور آزمائش کے ایک ایک سامان کو پیدا کیا۔ اور گناہ اور معصیت جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی نسبت بھی حق تعالیٰ کی طرف کرنا درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام فرمایا ہے۔ ان کے ارتکاب سے سختی سے منع کیا ہے۔ اور اپنے بندوں کے لئے اس کو ناپسند کیا ہے اور اس کی بجائے ان کی اطاعت کو پسند کیا ہے۔ اور

معصیت پر تنبیہ کی ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔

● ۔ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ○ (زمر:۷)

ترجمہ "اور وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کرو تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔"

نیز یہ امر بھی معلوم و مسلم ہے کہ اگر حق تعالیٰ کی مشیت ہوتی تو وہ بندہ اور اس کی نیکی کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ اس لئے کہ تمام تر خلق و تکوین سے اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں جملہ خلائق کو آزمانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔

● ۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ○ (ملک:۱،۲)

ترجمہ "بہت بابرکت ہے وہ (اللہ) جس کے قبضہ میں (دونوں جہان کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ کون تم میں سے نیک عمل کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔"

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنسانوں کو ہر کام کے کرنے نہ کرنے کا ارادہ و اِختیار دیا۔ اور یہ صلاحیت بخشی کہ وہ چاہیں ہدایت کے راستے پر چلیں چاہیں گمراہی کا راستہ اِختیار کریں۔ البتہ جس راستے کو وہ اِختیار کریں گے اس کا مال اور انجام ان کے سامنے آکر رہے گا۔ جو حق تعالیٰ نے ازل سے ان سے متعلق وابستہ کر رکھا ہے۔ اس میں کسی قسم کا ردو بدل اور تفاوت نہیں ہوسکتا۔

● ۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ (فاطر ۴۳)

ترجمہ "اور تم اللہ کے دستور میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور تم اللہ کے دستور کو ہرگز ٹلتا ہوا نہ دیکھو گے۔"

مشیت سے متعلق اہم بحث:

ختم کلام پر ہم عرض کریں گے کچھ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آدمی جو کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اس کا اپنا ارادہ اور مشیت کافی ہے؟ یہ تصور انتہائی لغو اور غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

ا۔ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ بندہ بہت کچھ کرنا اور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اس کے کے لئے اپنی صلاحیت اور اپنے پاس موجود وسائل کو بھی نہایت فراخی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود اس کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔ ابتدائے آفرینش سے تاقیامت جو ہوا اور جو ہوگا تقدیر کا قلم اس پر چل چکا ہے اس لئے کائنات اور دنیا جہان میں وہی ہو رہا ہے جو نوشتہ ازل میں لکھا جاچکا ہے۔ اور جس کے متعلق فیصلہ صادر ہوچکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنی منشاء اور مشیت سے جس مراد کو پہنچتا ہے ہو بہو وہی ازل میں لکھا ہوتا ہے۔ اور اس کو روبہ عمل لانے کے لئے ابتداء سے ان اسباب اور وسائل کی فراہمی کا حکم صادر ہوچکا ہوتا ہے۔ جس کے مہیا ہونے پر بندہ اپنی حسب مرضی کام انجام دیتا ہے۔ اور اپنی مراد کو پہنچتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مختلف کاموں میں سے کوئی ایک کام بندہ اپنی مرضی سے منتخب کرتا ہے اور اس کو عمل میں لاتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

— وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (تکویر:۲۹)

ترجمہ: "اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ رب العلمین نہ چاہے۔"

اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ بندہ اسی چیز کا قصد کرتا ہے جو اس کی تقدیر میں درج ہوتا ہے۔ پھر نوشتہ تقدیر کے مطابق بندہ سے جو کام سرزد ہونے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جس کے ذریعہ بندہ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اور اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔ اب اس کا یہ اختیار اور اس کے مطابق وہ کام سب ازل میں لکھے گئے نوشتہ تقدیر کے مطابق ہوجاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ خدا کی خدائی اور بندہ کی بندگی میں کہیں یکسانیت نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس درجہ اور وصف کی مشیت اللہ تعالیٰ کے لئے مُسلّم ہے۔ بندہ کے لئے اس سے مشابہت کا تصور بھی محال ہے۔ یعنی بندہ کو ایسی کوئی مشیت حاصل نہیں ہوسکتی جو مستقل اس کے لئے ہو خدا کے لئے نہ ہو۔ اس طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ خدا کی مشیت پر بندہ کی مشیت کو تقدم یا پیش قدمی حاصل ہے۔ اسی طرح بندہ کو اس قسم کا بھی کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ سے سوال کرے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● — لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ○ (انبیاء:۲۳)

ترجمہ "وہ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور (جو کام یہ کرتے ہیں اس کی) ان سے باز پرس ہوگی۔"

● خاتمہ:

آخر میں عرض ہے کہ اِسلام جن ایمانیات پر اِیمان لانے کی دعوت دیتا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ان کے ایک ایک جزو پر اِیمان لایا جائے۔ کتاب و سُنت کا یہی منشا ہے اور ان کے ظاہری نصوص سے اسی کی صراحت ملتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

● — يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْضَلَّ ضَلٰلاً بَعِيْدًا ○

(نساء:۱۳۶)

ترجمہ "اے اِیمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر اِیمان لاؤ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن سے انکار کرے وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑا۔"

نیز جس نے حضورِ اکرم ﷺ سے یہ پوچھا کہ اِیمان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں

فرمایا۔

"ایمان یہ ہے کہ تم خدا کا' اس کے فرشتوں کا' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں کا' اور قیامت کے دن کا یقین رکھو۔ اور تقدیر اچھی ہو یا بری اس کو سچ مانو۔" (مسلم ۳۱/۱)

ایمانیات کے وہ نتائج جو ایمان لانے کے بعد مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ کی محبت۔ اس کی عظمت' اس کا خوف و خشیت' اس کی طرف رجوع اور توبہ' اس کے پسندیدہ کاموں کی پیروی' ناپسندیدہ کاموں سے اجتناب اور دوری' اس کے رسولوں سے محبت ان کی تعظیم اور ان کی پیروی' ان سب پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایمانیات اور اس کے وہ نتائج خود مقصود نہیں بلکہ ان کی حیثیت ذریعہ اور وسیلہ کی ہے۔ یہ اس لئے کہ جس کے دل میں اللہ پر' اور اس کے برحق وعدے اور سچی وعیدوں پر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی بھیجی ہوئی شریعت کو مضبوطی سے تھامے۔ اور اس پر عمل کرے۔ اگر یہ ایمان اور یقین نہ ہو تو کوئی اپنے رب کا سچا مطیع اور وفا شعار نہیں بن سکتا۔ نہ ہی اس کے رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت اور پیروی کر سکتا ہے۔ اس سے بجا طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمانیات کو وسیلہ کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔ اور انہیں بروئے کار لاتے ہوئے ان پر استقامت اور مداومت کی کوشش کرنی چاہئے۔

ذیل میں اس کی کسی قدر تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کا ذریعہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ کے اسماء اور صفات کے ساتھ اس کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ دل میں اس کی محبت اور عظمت جاگزیں ہوتی ہے۔ اس کا خوف اور اس کی اطاعت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کا تقرب پانے کے لئے بندہ وہ سب کرتا ہے جس سے اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان تمام کاموں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے وہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اس کا ثبوت قرآنِ پاک کی اس آیت سے ہوتا ہے۔

● — وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (انفال:۱)

ترجمہ "اور اگر تم ایمان لانے والے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔"

ایمان لانے کے بعد اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کا مطالبہ کرنا ایمان کے وسیلہ

اور ذریعہ ہونے کا ثبوت ہے۔

۲۔ فرشتوں پر ایمان اس کا ذریعہ ہے کہ بندہ ان کی اطاعت اور تابعداری سے عبرت حاصل کرے اور ان کی اطاعت کرنا سیکھے۔ اس لئے کہ۔

● ـ لَايَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ ○ (تحریم:٦)

ترجمہ "اللہ نے ان کو جو حکم دیا اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

نیز اس کا ذریعہ ہے کہ بندہ فرشتوں سے حیا کرے۔ اور ان سے مانوس رہے۔ اس لئے کہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کراماً کاتبین اس کے نیک و بداعمال مسلسل لکھ رہے ہیں۔ اس ایمان کے ذریعہ اسے فرشتوں کی تخلیق کے اندر پنہاں خدا کی عظمت[1] اس کی کبریائی اور اس کی عظیم قوت و قدرت کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی طرف باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

● ـ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَايُؤْمَرُوْنَ ○ (نحل:٥٠)

ترجمہ "وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر غالب ہے۔ اور جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔"

۳۔ کتابوں پر ایمان لانے کے بعد اللہ کی ربوبیت کا یقین دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے اسماء اور اس کے وعدے اور وعیدوں کا علم ہوتا ہے۔ نیز کتابوں پر یقین پیدا ہونے کے بعد رسولوں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کی تصدیق کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے۔ اللہ کی نازل کی ہوئی تمام شریعتوں پر یقینی علم ہوتا ہے۔ اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی مرضی اور اس کو ناراض کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ ان عقائد[2] اقوال اور افعال کا علم ہوتا ہے جن سے وہ خوش یا ناخوش ہوتا ہے۔ اسی طرح دارِ آخرت کے احوال اور کل غیبی

---

[1] صحیحین میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے چھ سو بازو ہیں۔

اللؤلؤ والمرجان (۴۱/۱) بخاری (۱۴۰/۴) مسلم (۱۰۹/۱)

امور کا علم بھی اسی ذریعے سے ہوتا ہے۔

۴۔ رسولوں پر ایمان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعتوں میں یکسانیت اور مطابقت تلاش کرتا ہے۔ عبادات اور ان کی ادائیگی کے مختلف طریقوں کو جانتا ہے۔ نیز رسولوں پر ایمان سے ان کی محبت' ان کی پیروی' اور ان کی شریعت کی تابعداری کا جذبہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ آخرت پر ایمان کے ذریعے نیک کاموں کا رجحان اور برائیوں سے پرہیز کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت کی خیر و برکت سے رغبت ہوتی ہے۔ اور خدا کے عذاب و عتاب کا خوف دل میں جاگزیں ہوتا ہے۔

۶۔ تقدیر پر ایمان لانے کے بعد دھن دولت چھن جانے اور دنیا جہان کی پونجی چلے جانے کا صدمہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس برباد اور آنی جانی چیز کے نصیب ہونے پر کبرو نخوت' اور سرکشی اور رعونت پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اس کے بالمقابل صبر و ضبط تحمل' سکون اور غایت درجہ طمانیت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔[1]

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا ایمانیات کا چھ نمبر جن سے مل کر مومن کاعقیدہ ترتیب پاتا ہے۔ اس کا ہر رکن بندۂ مومن کے لئے علیحدہ علیحدہ ثمرات کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ پر ایمان لانے سے اس کی محبت بڑھتی ہے۔ اس کی شانِ کبریائی کا دل میں

---

[1] باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● — مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ ۝ (حدید:۲۲'۲۳)

ترجمہ "کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اس کو دنیا میں پیدا کریں۔ بلاشبہ یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو۔ اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اترایا نہ کرو۔"

احساس ہو کر اس کا خوف دامن گیر ہوتا ہے۔ اور اس کی اطاعت اور بندگی کے لئے دل آمادہ ہوجاتا ہے۔ فرشتوں پر ایمان لانے سے ان کی اطاعت اور بندگی سے عبرت ہوتی ہے۔ ان سے مانوسیت بڑھتی ہے۔ اور ان سے حیاء کا احساس تیز ہوتا ہے۔ اللہ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے سے خدا پر ایمان میں طاقت آتی ہے۔ اس کے بیان کردہ احکام و مسائل اور آداب و اخلاق کو زندگی میں برتنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ آخرت پر ایمان لانے سے نیک کاموں کی رغبت اور برے کاموں سے نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے۔ ہر قسم کے مفاسد اور ناگوار کاموں سے کراہت کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ قضاء و قدر پر ایمان لانے سے نفس کو سکون اور چین حاصل ہوتا ہے۔ تقدیر پر شاکر اور راضی برضار رہنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ دل کے اندر طمانیت اور سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور اس یقین کا احساس ہوتا ہے کہ وہ حق اور صداقت کے راستے پر ہے۔ اور پھر ان ثمرات کے پیدا ہونے کے بعد نفس دنیاوی لذات سے نجات پاجاتا ہے۔ جو نہیں ملتا اس پر رنج اور افسوس نہیں ہوتا۔ نہ آئندہ نہ ملنے کے احساس سے اس کے دل میں کسی قسم کا خدشہ یا خلش لاحق ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات پر غور و خوض سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایمانیات کے ہر رُکن سے وابستہ ثمرات کو حاصل کرنے کے لئے ایمانیات ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ یہ ثمرات بھی خود اس کا ذریعہ ہیں کہ ان کے ذریعہ سب سے اعلیٰ ترین مقصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اور یہ مقصد اِنسان کا جسمانی اور روحانی کمال اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت مندی اور بامرادی ہے۔ اور حقیقت ہے کہ اِنسانی کمال اور اس کی ابدی سعادت کا مرجع اور مدار اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر ہے۔ اور اطاعت بھی وہ جس سے نفس کا تزکیہ ہو۔ اور اِنسان امن و آشتی اور سلامتی کے گھر یعنی جنت میں جانے کا حقیقی مستحق بن سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

● ــ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْخَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (شمس:۹،۱۰)

"بے شک وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور وہ شخص ناکام رہا جس نے اس کو گناہوں میں دبا دیا۔"

نیز فرمایا۔

● — وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ○

(نساء:۶۹، ۷۰)

ترجمہ "اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ (آخرت میں) ان (برگزیدہ بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا انعام فرمایا۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین' اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔"

  

مؤلف کتاب فرماتے ہیں۔

مؤرخہ کیم رمضان سنہ ۱۳۹۶ھ کو اس کتاب کی تحریر سے فراغت ہوئی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

● — وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَانِ الْاَكْمَلَانِ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

بندۂ مومن کے لیے

عقیدہ کی ضرورت و اہمیت

اسلامی عقائد پر کامل یقین بندۂ مومن کی انفرادی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بلا شک وشبہ اور بلا شرکت غیرے اپنے پیدا کرنے والے کو ایک مانے، کفر وشرک کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی گندگیوں سے اپنے دل ودماغ کو آئینہ کی طرح صاف وشفاف رکھے۔

خصوصاً آج کے دور میں عقیدے کی صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ آج مادے اور معدے کی ضرورتوں نے ایک طرف سے عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور دوسری طرف سائنسی عُلوم اور نت نئے اقتصادی نظام کی تابڑ توڑ کامیابیوں نے ایک دنیا کو حیرت زدہ کر رکھا ہے۔

ان حالات وواقعات کے پیش نظر کتاب ''بندۂ مومن کے عقائد'' قرآن وسنت کی روشنی میں ایک منفرد کتاب ہے جس میں مرد مومن کے مذہبی عقائد، ان کی حاجات وضروریات، ان کے اصول وضوابط اور پھر ہر اصول کے ایک ایک جزیئے پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جس کے نتیجہ میں اس موضوع کی کوئی بحث تشنہ یا نامکمل محسوس نہیں ہوتی۔

بلا شبہ یہ کتاب ہر دینی لائبریری کی زینت ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو امت مسلمہ کے لیے نافع بنائے۔ (آمین)





نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

E-Mail: nomania2000@hotmail.com

NoonPrinters +92-321-4167895, 4503606